خاندان کا تصور

مقاصد شریعت کی روشنی میں

مصنفہ

زینب طہ العلوانی

مترجمین

ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی/ ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی

ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

(کتاب میں پیش کئے گئے خیالات کا ناشر کی رائے سے ہم آہنگ ہونا ضروری نہیں ہے، کوئی تیسرا شخص کتاب کو ویب سائٹ یا کسی اور ذریعے سے عام کرتا ہے تو اس کے مصدر اصلی کے مطابق ہونے کی ذمہ داری ناشر کی نہیں ہے)

نام کتاب	:	خاندان کا تصور مقاصد شریعت کی روشنی میں
Khandaan ka Tasawwur (Maqasid-e-Shariat ki Roshni Mein)		
نام کتاب عربی	:	(الأسرة فی مقاصد الشریعة)
مصنف	:	زینب طہ العلوانی
مترجمین	:	ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی/ ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی
نظر ثانی	:	حضرت مولانا عتیق احمد بستوی
صفحات	:	572
سن اشاعت	:	2024ء
اشاعت دوم	:	2025ء
تعداد	:	1000
ISBN	:	978-81-994277-4-7

باہتمام

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

ناشر

ایفا پبلیکیشنز – نئی دہلی

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications2004@gmail.com

فون:011-26981779


بسم الله الرحمن الرحيم

مشمولات

انتساب	۱۱
مقدمہ	۱۳
مقدمہ	۲۰
پہلی فصل:	۳۹
مقاصد: مفہومی دائرہ	۳۹
اول: مقاصد کا عمومی مفہوم	۴۱
۱- مقاصد کے مفہوم کی تعریف	۴۱
مقاصد: لغوی تعریف	۴۲
۲- تاریخی سیاق میں مقاصد کی تعریف	۴۶
ب- معاصر اصولیین کی بحثوں میں مقاصد کا ذکر	۵۰
ثانیا: تعلیل وتعبد کی اصطلاحوں میں مقاصد	۶۰
۱- تعبد کا مفہوم	۶۱
الف- تعبد کا لغوی اور فقہی مفہوم	۶۱
ب- دلالت قرآنی اور تطبیق نبوی میں تعبد کا مطلب	۶۲
۲- لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں تعلیل	۷۱
۳- تعلیل وتعبد کی اصطلاحات سے مقاصد کا تعلق	۸۲

۴-منہج کا خلاصہ	۸۶
دوسری فصل: خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء	۹۱
پہلا مبحث: قرآن کریم کے اندر خاندان کا مفہوم اور اس کی تعمیر وتشکیل کے اقدار	۹۱
اسلام میں خاندان کا کیا مفہوم ہے؟ اور وہ نمایاں اقدار کیا ہیں جن پر یہ مفہوم مبنی ہے؟	۹۴
۱-توحید	۹۵
۲-استخلاف	۹۷
۳-ولایت	۱۰۰
۴-زوجیت	۱۰۳
مبحث دوم: دور رسالت میں خاندانی مقاصد اور تطبیقات	۱۱۰
۱-شرعی نکاح کا مقصد	۱۱۰
(الف) اسلام سے قبل شادی: سماجی صورت حال کا جائزہ	۱۱۰
(ب) اسلام میں شادی وبیاہ	۱۱۵
۲-خاندانی استحکام اور سکون وراحت پر مبنی مقاصد	۱۲۴
۳-مرد اور عورت کے درمیان تعلق کو منضبط کرنے پر مبنی مقصد	۱۳۸
(الف) قوامہ (سرپرستی وذمہ داری)	۱۳۹
رشید رضا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام	۱۴۵
نسبی اور سسرالی تعلق کی پختگی	۱۵۵
(ج) تعدد ازدواج کے قانون کا انضباط	۱۶۷
۴-نسل اور اس کے دوام کے تحفظ پر مبنی مقصد	۱۶۹
۵-بھلائی کے ساتھ رخصت کر دینے پر مبنی مقصد	۱۷۷

مبحث سوم: خلافت راشدہ کے دور میں خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء ۱۹۳
دور صحابہ میں خاندانی مقاصد کو مؤثر بنانے کے نمونے ۱۹۳
مبحث چہارم: فقہاء مجتہدین کے دور میں خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء ۱۹۹
فقہاء اور مجتہدین کے دور میں خاندانی مقاصد پر عمل کا تطبیقی و پریکٹیکل نمونہ ۲۰۴
مبحث پنجم: معاصرین کے نزدیک خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء ۲۰۹
تیسری فصل: ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مقاصد کو مؤثر بنانے کا منہج اور طریقۂ کار ۲۱۷
پہلی بحث: مسلم خاندان کی صورت حال ۲۱۷
۱-تاریخی اور سماجی سیاق کے درمیان امریکی صورت حال ۲۲۰
۲-مسلم خاندان کو درپیش چیلنجز ۲۳۰
(الف) خاندان کا اصطلاحی اور تصوراتی اختلاف: نکاح اور خاندان کے تصوراتی ارتقاء میں دین کا کردار ۲۳۰
عقد نکاح اور خاندان حقیقی سرگرمی اور علمی بحث ومباحثہ کے درمیان ۲۳۶
(ب) اعداد وشمار اور حقیقت کے درمیان چیلنجز ۲۴۰
(ج) حل سازی اور صورت حال کی تبدیلی ۲۴۶
۳-ماحول اور سماجی رسم وریت میں اختلاف ۲۴۹
(ب) ہجرت کرنے والے مسلمان ۲۵۷
۴-شادی اور مسلم خاندان: موروثی اقدار اور اثر انداز ہونے والی صورت حال کے درمیان ۲۶۶
نسوانی تحریک ۲۸۳

۶-مسلم گروپ کے یہاں قانونی اقتدار کا نہ ہونا	۲۹۴
۷-''فقہ الاقلیات'' اصالت پر مبنی ہونے اور مؤثر ہونے کے درمیان	۲۹۶
۸-مغربی نظام میں خاندان کے قانون کا ارتقاء	۳۰۶
۹-مسلمان اور خاندان سے متعلق مغربی قانون	۳۰۸
مبحث دوم: مسلم خاندان سے متعلق تطبیقی نمونے	۳۱۹
۱-پہلا نمونہ: عقود و معاہدات کی توثیق	۳۲۰
(الف) مسلم گروپ کے یہاں عقد نکاح اور طلاق کا مسئلہ	۳۲۰
۱-عقود و معاہدات کو تحریری شکل دینا اور ان کے بارے میں گواہ بنالینا	۳۳۱
۲-تقوی	۳۳۶
(د) طلاق اور نکاح کے عقود و معاہدات کی توثیق کے سلسلہ میں نبوی بیان اور تطبیقات	۳۴۱
۱-شرائط کی نوعیت	۳۴۲
۲-مختلف ادوار میں عقود و معاہدات کو پورا کرنے کی صورت حال	۳۴۷
۳-فقہاء اور شرائط کی تقسیم	۳۵۱
۳-عقود و معاہدات کے احترام کے مقصد کا خلاصہ	۳۵۸
۲-دوسرا نمونہ: کتابیہ خاتون سے نکاح	۳۶۴
۳-تیسرا نمونہ: حضانت و پرورش	۳۸۴
(الف) اسلامی تصور میں حضانت و پرورش	۳۸۶
حضانت و پرورش کے مفہوم کی لغوی اور اصطلاحی دلالت	۳۸۶
حضانت کے مسئلہ میں قرآن کریم کے اندر تشریعی مقاصد	۳۸۷
نبوی بیان اور مقاصد کی کارکردگی	۲۹۴

اولاد کی مصلحت کی رعایت میں مقاصد کو مؤثر بنانا	۳۹۷
فقہاء کے نزدیک حضانت و پرورش کے مسئلہ میں مقاصد کو مؤثر بنانا	۴۰۰
پرورش کرنے والے کی اہلیت کے شرائط	۴۰۱
(ب) اسلامی شریعت اور امریکی قانون کے درمیان اساسی مسائل	۴۰۵
اولاد کے سلسلہ میں والدین کے فرائض	۴۰۵
۱- دین و مذہب کا تحفظ	۴۰۶
۲- بچہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم	۴۰۷
۳- مساوات کے معانی سمجھنے کی تربیت	۴۰۸
طلاق یافتہ خاتون کا مادی نفقہ	۴۱۱
پرورش کرنے والے کا سفر	۴۱۶
پرورش کرنے والے کے شرائط اور حضانت کی مدت	۴۱۷
۴- چوتھا نمونہ: خاندانی تشدد اور اس کے چیلنجز	۴۲۴
(الف) خاندانی تشدد کی تعریف	۴۲۹
(ب) امریکی سماج میں خاندانی تشدد	۴۳۳
(ج) خاندانی تشدد سے تحفظ کے وسائل	۴۳۶
(د) مسلم گروپ اور خاندانی تشدد	۴۴۱
(ھ) مسلم گروپ میں خاندانی تشدد کے اہم ترین مظاہر	۴۴۲
مسلم گروپ کے دائرہ میں عام ہونے والے خاندانی تشدد اور ظلم کے نمایاں ترین مظاہر درج ذیل ہیں	۴۴۴
(و) خاندانی تشدد سے تحفظ کی اسٹرٹیجی اور حکمت عملی	۴۴۸

۱-ہمہ گیر ذہن سازی	۴۴۸
۲-سماجی خدمت کے اداروں کی تعمیر وتشکیل	۴۴۹
۳-مختلف میدانوں میں علمی وعملی لحاظ سے ائمہ کو باصلاحیت بنانا	۴۵۰
چوتھی فصل: خاندانی مقاصد کو معلوم کرنے اور مؤثر بنانے کے ضابطے	۴۵۳
اول: نصوص کی حاکمیت	۴۵۴
لغوی اور قرآنی دلالت کے درمیان حاکمیت کا مفہوم	۴۵۴
۲-مقاصد معلوم کرنے کے سلسلہ میں متقدمین کے مناہج	۴۶۱
۳-مقاصد کو معلوم کرنے کے سلسلہ میں معاصرین کے مناہج اور طریقے	۴۷۴
۲-موجودہ صورت حال کے اندر مقاصد کو مؤثر بنانے کی فقہ	۴۸۹
۳-انجام کار کا اعتبار کرنا	۵۰۲
افعال کے سلسلہ میں نفع اور ضرر کے درمیان موازنہ	۵۰۷
حق کے استعمال کے سلسلہ میں من مانی	۵۱۹
خاتمہ	۵۲۶
مراجع	۵۳۳
اشاریہ	۵۶۷

☆☆☆

انتساب

سب سے پہلے میں اپنے والد محترم -حفظہ اللہ- کی طرف کتاب ہذا کا انتساب کرتی ہوں، جنھوں نے میری پرورش و پرداخت کی اور جب بڑی ہوئی تو مجھے پڑھایا لکھا، میرے والد میرے لیے مضبوط ترین سہارا اور میرا بہترین سرمایہ ہیں، وہ میرے بہترین استاد اور شیخ و مربی بھی ہیں، انھوں نے ہمیشہ زیادہ سے زیادہ طلب علم کے لیے میری حوصلہ افزائی کی۔

اس کے بعد اپنی والدہ محترمہ کی طرف اس کتاب کا انتساب کرتی ہوں، جنھوں نے کمزوری در کمزوری کا درد جھیل کر مجھے اپنے پیٹ میں رکھا، نیز یقین اور تفوق و برتری سے ہم آمیز محبت کے جذبات کے ساتھ میری پرورش کی، اور خیر و فلاح اور اہل خیر سے محبت کے لیے میری حوصلہ افزائی کی۔

پھر میں اس کتاب کا انتساب تشکر و امتنان کے جذبات کے ساتھ اپنے رفیق حیات کی طرف کرتی ہوں، جو طلب علم کی راہ میں در آنے والے مصائب و آلام میں میرے شریک سفر رہے، اور میری ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا، تاکہ بحث و تحقیق میں پیش آنے والی دشواریاں میرے لیے آسان ہوسکیں۔

پھر میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور جگر کے ٹکڑے اپنے بچوں کی طرف پیار و محبت کے ساتھ اس کتاب کا انتساب کرتی ہوں۔

ان دوستوں، رشتہ داروں اور رفیقوں کی طرف بھی اس کتاب کا انتساب کرتی ہوں،

جنھوں نے بے پناہ محبت کے ساتھ میری مدد کی اور بحث و تحقیق کے میدان میں آنے والی دشواریوں میں میرا ساتھ دیا۔

میں ان تمام کی طرف اپنی محنت کا ثمرہ یعنی اس کتاب کو منسوب و معنون کرتی ہوں۔

☆☆☆

مقدمہ

ڈاکٹر طہ جابر علوانی

کسی بھی شخص کے لیے یہ آسان نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بیٹی اور شاگردہ کی کتاب پر مقدمہ تحریر کرے، لیکن معہد کے نائب صدر برادر محترم ڈاکٹر جمال برزنجی نے جب مجھ سے اس کتاب پر مقدمہ کے لکھنے کی درخواست کی، تو میرے سامنے عذر پیشی کی ساری راہیں مسدود ہوگئیں، چناں یہ سطریں اس دعا کے ساتھ قلم بند کر رہا ہوں کہ اللہ تعالی مجھے صحیح بات لکھنے کی توفیق ارزانی دے۔

میں زینب کو زمانۂ طالب علمی سے ہی جانتا ہوں، وہ بچپن سے ہی نہایت ہونہار اور ذہین تھی، وہ حیرت ناک شوق کے ساتھ علم وفن کی تمام انواع کے حصول کی شوقین واقع ہوئی تھی، وہ علم ومعرفت کی ہر شاخ پر توجہ مبذول کرنے اور اس کے حصول کی اتنی کوشش کرتی تھی، جتنی اس کی عمر اور اس کی توانائی اجازت دیتی تھی، جب میں نے اس کے اس شوق فراواں کو محسوس کیا، تو میں اس کی صلاحیتوں کو اس کی تربیت کے ذریعے ترقی دینے لگا اور اس کو بعض اہم اور معاون تحقیقی کام بھی سپرد کرنے لگا، چناں چہ اس نے بھی مجھے کبھی ناامید نہیں کیا، بلکہ مفوضہ موضوع کا احاطہ واستیعاب کرنے اور اس کا ناقدانہ تحلیل وتجزیہ کرنے کے معاملے میں بے پناہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا، زینب کے لیے یہ بھی ممکن تھا کہ جس موضوع میں اس کی دل چسپی تھی، اس میں تخصص کر لیتی کہ اس نے جنرل ہائی اسکول امتیازی نمبرات سے پاس کیا تھا، مگر اس نے اسلامی اور شرعی

علوم میں تخصص اور اسپیشلائزیشن کرنا پسند کیا، اور اس مقصد کے تحت اس نے مختلف ممتاز ماہرین سے روایتی علوم کی تحصیل کی، ان ماہرین کی صف میں ڈاکٹر عماد الدین خلیل بھی ہیں، جو نہ صرف ایک دانش ور عالم ہیں، بلکہ تاریخ اور اسلامی تہذیب کے استاد بھی ہیں، زینب کے اساتذہ کی فہرست میں نامور عالم شیخ ڈاکٹر مصطفیٰ بنجوینی بھی ہیں جنھوں نے مساجد میں روایتی علوم کی تحصیل کے ساتھ، جامع ازہر کی ماڈرن تحقیقی اکادمی میں بھی پڑھا ہے، زینب نے ان دونوں بلند پایہ اساتذہ کے علم اور ان کی فکر سے حسب مقدور کسب فیض کیا، اس نے اپنی تعلیم جاری رکھی اور ایم اے اور ڈاکٹریٹ کا مرحلہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور ملیشیا میں اسی میدان میں مکمل کیا اور رسمی تعلیمی مرحلے سے فراغت کے بعد ریاستہائے متحدہ امریکہ کے علمی حلقوں میں دعوت، علمی تحقیق اور درس وتدریس کے کام میں منہمک ہوگئیں اور امریکی جامعات میں درس وتدریس کے فرائض بھی انجام دینے لگ گئیں۔

میں نے قصدا اور عمدا مؤلفہ کے بارے میں یہ مختصر تعارفی کلمات اس لیے لکھے ہیں، تاکہ قارئین اس تحقیقی پیش کش کے باب میں مصنفہ کی جدوجہد سے واقف ہوسکیں کہ یہ ایک ایسی جدوجہد کا ثمرہ ہے جس کے آغاز وارتقا اور اختتام کی منزل تک پہنچانے میں مصنفہ کو طویل سفر طے کرنا پڑا ہے، یہ تحقیقی ثمرہ ایسا متنوع تجربہ ہے، جو مصنفہ کی اہلیت وقابلیت پر شاہد عدل ہے اور یہ گواہی دیتا ہے کہ یہ ایسا کام ہے، جو مطالعہ اور قدردانی کا مستحق ہے۔

راقم السطور شمالی امریکا کی فقہی کونسل کا ایک دو نہیں، مکمل اٹھارہ سال تک صدر رہا ہے، ان اٹھارہ سالوں کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ ازدواجی مسائل، نکاح اور طلاق کے واقعات، ان مسائل میں سب سے اہم اور غیر معمولی مسائل تھے، جو ہمارے سامنے پیش ہوئے، یہ مسائل ماضی میں بھی امریکا میں اسلامی وجود کے لیے چیلنج تھے اور ہنوز یہ چیلنج بنا ہوا ہے، جب ہم ان مسائل و واقعات کا حل اپنے موروثی فقہی دائرے میں پیش کرتے ہیں، تو اسلامی وجود پر اس کے خطرناک

نتائج وعواقب مرتب ہوتے ہیں، اور گاہے یہ مکمل اسلامی وجود کے لیے ایک زبردست چیلنج کی شکل اختیار کر لیتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں تقریباً بیس سال قبل کی ایک بحث کا کچھ حصہ پیش کروں، جو اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹریٹ کے احاطہ میں ''وحدت ادیان'' کے عنوان سے منعقدہ ایک کانفرنس میں ہوئی تھی، تاکہ ہمارے قارئین اس معاملے کی حقیقت سے کما حقہ آگاہ ہوسکیں، میں اس کانفرنس میں امریکی مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر شریک ہوا تھا، مذکورہ کانفرنس میں امریکا کے چالیس سے زائد مذاہب کے نمائندے بھی شریک ہوئے تھے، ان اہم چیزوں کے بارے میں ایک بحث چھیڑی گئی، جو امریکی سرزمین پر موجود ہر مذہب امریکی معاشرے کے سامنے اٹھا سکتا ہے، یہ عمل امریکی معاشرے کے اقدار، اس کے اتحاد اور اس کے محاسن کو مستحکم کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

میں نے ان فوائد کی طرف اشارہ کیا، جو امریکی معاشرہ مذہب اسلام سے حاصل کرسکتا ہے، میری یہ باتیں سن کر بہت سے عیسائی اور یہودی اسکالرس نے یہ آواز بلند کی کہ ''اسلام کا خاندانی نظام'' امریکی معاشرے کو ضیاع و بربادی سے تحفظ فراہم کرنے کا اہل رہا ہے، تو اگر مسلم سوسائٹی نے اپنے آپ کو خاندانی نظام کی راہ سے امریکی سوسائٹی کے سامنے پیش کیا ہوتا تو امریکی عوام اس بات پر مطمئن ہوجاتے کہ اسلام کا وجود اس ملک کے لیے ضروری ہے اور اس بات پر بھی راضی برضا ہوجاتے کہ امریکی معاشرہ اپنے درمیان اسلام کے وجود سے مستفید ہونے والا پہلا معاشرہ ہوگا، ان لوگوں نے جب یہ کہا تو میں نے اس کو دہرایا اور اس پر مزید زور دیا اور ساتھ ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ قوم اس کے علاوہ کی طرف رخ کرنے میں دل چسپی کا مظاہرہ نہیں کرتی۔

جب تک مسلم فیملی کو اندرونی طور پر بیماریاں اور کمزوریاں نہیں لگی تھیں، یہ تمام نظامہائے خاندانی کے درمیان افضل ترین معاشرہ تھا، اور یہی بیماریاں بیرونی ممالک میں قیام

پذیر مسلم اقلیتوں کے درمیان بھی پھیل چکی ہیں اور پھل پھول رہی ہیں۔

جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کی طرف مثبت نظر سے دیکھتے ہیں، انھیں جو چیز سب سے زیادہ پسند ہے، وہ مسلم خاندان کا باہمی تعاون وتکافل اور اشتراک واتحاد کا جذبہ، نیز اس کی مضبوط ومستحکم بنیاد اور اس مسلم خاندان میں ہر چیز کی ترتیب وتنظیم ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ یہ لوگ مسلم خاندان کی بنیاد اور اس کی عمارت کے استحکام کے تعلق سے زوجین کے درمیان جدائی کی لکیر کھینچنے والی اُس موت تک کے بارے میں سوچتے ہیں، جس پر سارے معاملے ختم نہیں ہوجاتے، بلکہ یہ ترتیب وتنظیم مابعد موت معاملات یعنی ساز وسامان، عدت، نان ونفقہ اور وراثت وغیرہ تک کو شامل ہے، مگر جو لوگ اسلام کو منفی نظروں سے دیکھنے کے عادی ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ ''مسلم خاندان'' ''امت مسلمہ'' کا آخری قید خانہ ہے، جس میں شگاف ڈالنے اور اس کو زمیں بوس کرنے کا عمل، امت مسلمہ کی تعمیر نو کی ہر امید وآرزو کے خاتمے کا ضامن ہے، اور اسی لیے اس مافوق العادت نظام کو زک پہنچانے اور اس کو نیست ونابود کرنے کی کوششیں عروج پر ہیں۔

ریاستہائے متحدہ امریکا اور یورپ میں جو مسلم داعیان، ائمہ مساجد اور اسلامی مراکز کے ذمہ داران ہیں اور فتوی نویسی پر مامور جو مفتیان ہیں، وہ لوگ دعوت کی کامیابی اور امریکی معاشرے کے مابقیہ عناصر کے سامنے مسلم معاشرے کو ایک نمونہ بنا کر پیش کرنے کے درمیان جو مضبوط رشتہ ہے، اس کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکے ہیں اور نہ ہی انھوں نے مسلمانوں کے لیے ایسی تحقیقات اور ضوابط پیش کیے ہیں، جو ان فتنہ ساز مسلمانوں (جنھوں نے اپنے آپ کو ''ظلم پیشہ قوم کے لیے آزمائش'' بنا کر رکھ دیا ہے) اور ان اہل اسلام کے درمیان خط امتیاز کھینچ سکے، جو ایک نمونہ اور آئیڈیل اور رہ نما ہیں، جو اس بات سے آگاہ اور آشنا ہیں کہ کوئی بھی مخالفت، یا ان کے کسی بھی عمل کا منفی اثر صرف انہی تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ اس کا اثر تمام مسلمانوں میں پھیل

جائے گا اور خاص کر اس کا منفی اثر ان لوگوں پر مرتب ہوگا جو اس ملک کے شہری ہیں، چناں چہ یورپ میں رہنے والے مرد وعورت تمام مسلمانوں سے یہ درخواست کی جاتی ہے کہ جب بھی وہ کوئی کام کریں، تو اپنے ضمیر سے یہ سوال ضرور کریں کہ مسلمان اور اسلام کی ساکھ اور شناخت پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ ان میں سے بعض مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ خاص مصلحت کے سبب کوئی کام کرنے کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں ہوگا جب تک کہ ان سے کسی گناہ کا صدور نہ ہو، یا وہ کسی خاص اسلامی فریضہ میں کوتاہی کا ارتکاب نہ کریں، لیکن دانش مند شخص پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ساکھ کو پہنچنے والا کوئی بھی عمل محدود نہیں رہتا، بلکہ وہ تمام کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، امریکہ، یورپ وغیرہ میں رونما ہونے والے واقعات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انفرادی غلطی سے سبھی کی ساکھ مجروح ہوتی ہے اور اس کی مثالیں بے شمار ہیں، قرآن مجید نے ہمیں اس بات سے متنبہ کیا ہے کہ ان فتنوں اور آزمائشوں سے بچنا چاہیے جس کا دائرہ صرف ظالموں تک محدود نہ رہے، بلکہ وہ دوسروں تک دراز ہو جائے، اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: ''وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنكُمْ خَآصَّةً وَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ'' (ترجمہ: اور تم ایسے وبال سے بچو کہ جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں ان گناہوں کے مرتکب ہوئے ہیں اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالی سخت سزا دینے والے ہیں) (انفال: ۲۵)۔

اس وقت جو میرا موضوع ہے یعنی مسلم خاندان اور اس کا اسلامی نظام، یہ اب اس طرح جاذب نظر نہیں رہا ہے، جس طرح یورپی باشندوں کے لیے وہ پہلے تھا، کیوں کہ انھوں نے یہ دیکھ لیا کہ بہت سارے مسلمان اپنی عائلی زندگی میں ایسے رویوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں، جو دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں اور اسی لیے داعیوں کے ہاتھ ''مسلم خاندان کے مثالی نمونے'' سے محروم ہو گئے جو دعوت الی اللہ کے میدان میں سب سے زیادہ کارگر اور اثر انگیز وسیلہ شمار کیا جاتا تھا، ہماری موروثی فقہ کے بہت سے احکام ان ممالک کے عرف ورواج اور عادات کی روشنی میں ڈھلے، جن میں وہ فقہا

رہتے اور بستے ہیں، جنھوں نے اس فقہ کی تدوین کی اور اس کو قلم بند کیا ہے۔

یورپ میں بسنے والے مسلم خاندانوں کو عالم اسلام میں سکونت پذیر مسلم خاندانوں کی مشکلات ومسائل سے بھی زیادہ مسائل کا سامنا ہے، چناں چہ مشرق کے بعض علما اور فقہا نے یورپ میں بہت سے مسائل کو جنم دیا، متعہ اور نکاح متعہ کے علاوہ نکاح موقت اور مردوں کے لیے اس کے جواز کا نظریہ وغیرہ، ان فقہا نے مسلم طلبہ، تجارت پیشہ افراد اور سیاست دانوں وغیرہ کے لیے اس قسم کے نکاح کو مباح قرار دیا، پھر انھوں نے نکاح کی ایک اور قسم 'طلاق کی نیت سے نکاح' اور دوستانہ شادی کی ایجاد کر ڈالی، جس کو بعض افراد نے فرینڈ شپ شادی کا نام بھی دیا ہے، جس کے سبب اگر چہ مسلم فیملی قرآن مجید کے عطا کردہ طاقت وتوانائی اور فوائد کے عناصر سے لطف اندوز ہو رہی تھی، مگر اس کا خاندانی نظام راہ قرآنی اور مناہج قرآنی سے انحراف کی وجہ سے زوال کا شکار ہو گیا اور اس حد تک پہنچ گیا کہ اس کے لیے ایک ایسے پر امن اور پائیدار خاندان کا آئیڈیل اور نمونہ بنا کر پیش کرنا مشکل ہو گیا، جس میں مودت ومحبت، رحم دلی اور اتحاد وتعاون کا جذبہ موجود ہو اور جو ایک مضبوط اور چھوٹی اکائی کا درجہ رکھے جس پر ایک مضبوط اور مستحکم معاشرے کی بنیاد رکھی جا سکے اور جہاں انسانی فیملی کے لیے یہ آسان ہو کہ اس سے ایک نمونہ اور مثال اخذ کر سکے، موروثی فقہ جس میں مختلف عرف وعادت اور رسم ورواج کی آمیزش ہے، اپنی موجودہ صورت حل میں س پر قدر نہیں رہی کہ خاندانی نظام کی از سر نو تعمیر کرے، اس لیے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ مقصدی جذبہ اور بیداری کے ساتھ قرآن مجید کی طرف مراجعت کریں جو ہر چیز کا مصدر ومنبع ہے، مؤلفہ موصوفہ نے اس تحقیقی کتاب میں یہی کچھ پیش کرنے اور اس پر زور ڈالنے کی سعی کی ہے۔

اس مسئلہ پر ان شاء اللہ برابر بحث ہوتی رہے گی، تو اگر امریکا کے اسلامی ادارے اور مسلم تنظیمیں اور سر برآوردہ ائمہ اور داعیان متحد ہو جائیں اور قرآنی بنیادوں پر خاندانی نظام کی از سر نو تعمیر کریں، جس کا مقصد فقہ عائلی کے تمام شوشوں اور گوشوں، نیز توحید وتزکیہ اور انسانی آبادی

سے متعلق قرآنی مقاصد اور قرآنی اقدار کے ساتھ ربط پیدا کرنے کے ساتھ، خاندان کی تعمیر یعنی رہائش، مودت و محبت، الفت و ہمدردی، نسب، سسرالی رشتے کی تعمیر کے معاملے میں قرآنی مقاصد کو روبہ عمل لانا ہو، تو بڑی جدوجہد کے بعد اس بے مثال نظام خاندانی کی نئی عمارت سازی ممکن ہوگی اور اسی راہ سے امریکی مسلم معاشرہ امریکی عوام کے سامنے وہ نمونہ پیش کر پائے گا، جس کے سبب امریکی نہ صرف مسلمانوں کی اہمیت کا ادراک کر پائیں گے، بلکہ وہاں مسلمانوں کے وجود کی ضرورت سے بھی آگاہ و آشنا ہو جائیں گے۔

☆☆☆

مقدمہ

مذہب وملت کی تفریق اور مسلک ومشرب کے اختلاف سے قطع نظر یہ ایک حقیقت ہے کہ خاندان کا ایک داعیانہ کردار ہوتا ہے، خاندان کا ایک تاریخی اور تہذیبی مشن ہوتا ہے اور وہ نسلی وصلبی جانشینی کے بقا میں بھی اہم رول ادا کرتا ہے، دنیا میں بہت سے معاشرے ہیں، جس میں بہت سے افراد اور جماعتیں رہتی ہیں، جن کا رنگ ونسل اور دین ومذہب، روایات اور رسم ورواج اور انسانی طبائع اور مزاج بھی الگ الگ ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی تعدد وتنوع ان انسانی جماعتوں یعنی معاشرے پر مختلف چیلنجز کی متعدد صورتیں مسلط کر دیتا ہے، اور آج کل کے انسانی طبقات میں سے ایک اہم طبقہ ان مہاجر مسلمانوں کا ہے جو مختلف خطۂ ارضی خصوصا یورپی ممالک اور ریاستہائے متحدہ امریکا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ہنوز ان کا دائرہ پھیلتا جارہا ہے۔

یہ غیر ملکی افراد جو مذہب اور معاشرتی روایات کے معاملے میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، یہ اختلاف وتعارض ان چیلنجز اور مسائل کی افزودگی میں اہم رول ادا کرتے ہیں جن سے یہ غیر ملکی مہاجرین دوچار ہیں، یہ مسائل اور چیلنجز عائلی میدان میں کچھ زیادہ ہی پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں جو یہاں کے مہاجر مسلمانوں کی نئی نسل کی پرورش و پرداخت میں خشت اول اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

بہت سارے سنگین اعتراضات کا مسلم مہاجرین کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان اعتراضات کے علمی نمونوں نے چیلنج پیدا کر دیا ہے، بیرونی ممالک میں مسلمانوں کو علمی نمونوں اور

معاشرتی اور تاریخی پس منظر سے اختلاط کرنا پڑا، جس کے سبب مسلم مہاجرین کی بنیاد سازی کا عمل پیچیدہ ہو گیا ہے، اسی لیے ان ممالک کے علما کے سامنے ان چیلنجز سے نمٹنے کے لیے دسیوں سوالات پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ بات معلوم ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبوی ہی دو اساسی سرچشمے ہیں، جو مسلم خاندان کے لیے بنیادی ڈھانچے کی حیثیت رکھتے ہیں، اس سے قطع نظر کہ مسلم فیملی کس ماحول اور فضا میں رہتی ہے یا اس کا مسلک ومشرب کیا ہے، قرآن اور حدیث کی نصوص میں خاندان کی تعمیر، اس کی حفاظت اور تمام ممکنہ خطرات سے اس کے تحفظ کے لیے مقاصد وضع کیے گئے ہیں، اسلامی پیغام ایک عالمی اور آفاقی پیغام ہے جو ہر زمانے اور ہر ماحول میں تنفیذ وتطبیق کی صلاحیت رکھتا ہے، اس میں کوئی نقص یا کوئی خلل اثر انداز نہیں ہوسکتا، اسلام کا پیغام ایک دائمی شریعت سے عبارت ہے جس کو اللہ سبحانہ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر نازل کیا ہے اور اس پر تمام شریعتوں اور تمام رسالتوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔

اس لیے خاندانی ادارے کے حوالے سے جو مقاصد شریعت ہیں، ان کی تلاش وجستجو ایک ضروری اور ناگزیر معاملہ ہے، اس کی ضرورت ان خوف ناک چیلنجز کے سایے میں اور دوچند ہو جاتی ہے، جس میں پورا مسلم معاشرہ اور خصوصا مسلم مہاجر اقلیتیں رہ رہی ہیں۔

زیر نظر تحقیق اولین کوشش ہے، جس کا مقصد عائلی مقاصد اور اس کو روبہ عمل لانے کے طریقوں کی تلاش ہے، اور یہ کام ان تطبیقی عملی نمونوں کی پیش کش کی راہ سے ممکن ہے جو ان مہاجر مسلمانوں کو درپیش ہیں جو ایسی اجنبی فضا میں زندگی گزار رہے ہیں، جو مختلف سطحوں پر داخلی اور خارجی چیلنجز سے معمور ہے۔

کتاب ہذا رشتۂ مناکحت وطلاق اور عائلی معاملات میں تشریعی مقاصد سے مربوط مسائل کے حوالے سے مسلم امریکی خاندان کو (خواہ وہ مہاجر ہوں یا مقیم) جن حالات کا سامنا

ہے، اس کی تحقیق وتلاش کے ساتھ، اس پر غور وفکر اور قرآن وسنت کی راہ سے ان مقاصد کو روبہ عمل لانے، نیز عائلی مقاصد کی تنفیذ کے اصول وضوابط پیش کرتی ہے، مقاصدی فکر مختلف سوسائٹیوں خصوصا امریکی ماحول میں جو گوناگوں مسائل ہیں، ان کی جامع نظریہ سازی میں مددگار ثابت ہوتی ہے، اسی طرح ریاستہائے متحدہ امریکا کی مہاجر مسلم آبادی سخت چیلنجز اور تاریخی حالات کے سایے میں اور اپنے آپ کو درپیش عائلی مسائل کے حل کے تعلق سے ان مقاصد کی تنفیذ کے نتیجے کے طور پر (ان اصول وضوابط سے قطع نظر جن سے معاصر مجتہدین اور فقہا کو واقف ہونا چاہیے، تاکہ وہ شریعت خداوندی پر کاربند رہنے کے لیے امریکی ماحول میں مقاصدی کارروائی کو انجام تک پہنچاسکیں) جن مقاصد تک رسائی چاہتی ہے، ان کے حصول میں بھی مددگار ثابت ہوتی ہے۔

یہ سب کچھ ایسے دائرے میں ہے، جو اعمال کے نتائج کی رعایت کے ساتھ جزئیات کی ایک خاص ترتیب ہو، جو فقہی فضا اور اس کے وسائل کی توسیع کاری، نظریہ سازی کے مناہج کی واقعیت کے ساتھ ہم آہنگی اور مقاصد تشریع کی تنفیذ کے لیے، دوسرے علوم کے ساتھ فقہی ہم آہنگی کے راستے سے اداروں اور تنظیموں کی جڑوں کو مستحکم کرے۔

کتاب ہذا میں بحث وتحقیق کا دائرہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مسلم فیملیز کو نکاح وطلاق کے حوالے سے درپیش مسائل تک ہی محدود ہے، مگر آج کل کے زمانے میں امریکی مسلم سوسائٹی کو جو اہم اجتماعی مسائل اور حالات درپیش ہیں، اس کی طرف بھی اشارے کیے گئے ہیں۔

اس تحقیق کا مقصد بہت سے اضافات کو پیش کرنا ہے، یہ میرے محدود علم کے مطابق عائلی مسائل کے حوالے سے مقاصد کی تنفیذ کے میدان میں اپنی نوعیت کا پہلا اضافہ ہے اور یہ اضافہ ریاستہائے متحدہ امریکا کے مسلم خاندانوں کے مسائل کے تعلق سے تطبیقی نمونوں اور خاص طور پر عائلی میدان میں تشریعی احکام کی تنفیذ کے ضبط وترتیب کی پیش کش کی راہ سے، عائلی مقاصد کی تنفیذ کے منصوبے کی تکمیل میں ہمارے سامنے نظر آئے گا، اور یہ مختلف ماحول میں عائلی

مقاصد کی تنفیذ کے اصول وضوابط کی پیش کش کے ذریعے روبہ عمل آئے گا۔

زیرنظر تحقیق کی بنیاد، علمی مواد کے حصول اور پھر تحلیل واستنباط کے معاملے میں تحلیلی اور استقرائی منہج پر قائم ہے، مختلف مسائل اور اس میں فقہا کی آراء کی پیش کش کے دوران مختلف فقہی آرا کے درمیان ترجیح وتقابل کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ہے، یہ تحقیق اپنی بعض جہات کے اعتبار سے ایک فیلڈ ورک سے کم نہیں ہے جس میں امریکی معاشرے میں رونما ہونے والے عائلی مسائل سے بحث کی گئی ہے۔

اسلام کی خاندانی اکائی سے قدیم وجدید عہد کے کئی علما اور محققین نے دل چسپی لی ہے۔ چناں چہ اسلام میں خاندانی ڈھانچے سے متعلق جو تنظیمی احکام ہیں، وہ انتہائی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، جس کی تاکید نبی اکرم ﷺ کے رویوں، ان کے اقوال اور تعامل سے بھی بخوبی ہوتی ہے جو دسیوں مقامات اور مختلف مواقع پر پیش آئے ہیں، یہ بات بہت ساری علمی تحقیقات اور مختلف ومتعدد گوشوں کی حامل ریسرچ میں بھی ظاہر ہوئی ہے۔

زیرنظر تحقیق کئی قدیم وجدید ایسی تحقیقات پر مبنی ہے جس میں عائلی مسائل اور عائلی مسائل کے باب میں شریعت اسلامیہ کے مقاصد سے بحث کی گئی ہے، تمام فقہی مسالک ومکاتب کی جوامہات الکتب ہیں، وہ عائلی احکام، عائلی قوانین اور ماضی وحال میں عائلی مقاصد کے لیے اہم اور نتیجہ خیز مواد کی حیثیت رکھتی ہیں، فقہی اصولی مراجع کے نقشہ کی وسعت اور اس باب میں طوالت کے خوف سے، یہ تحقیقی کتاب نظامہائے خاندانی اور ان مقاصد کے-جس کا اہتمام نمایاں طور پر پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی کے بعض علما نے کیا ہے، جیسے امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) نے اپنی دو کتابوں ''**الذریعة إلی مکارم الشریعة**'' (۱) اور ''**تفصیل**

(۱) اصفہانی، ابوراغب، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ، تحقیق: ابویزید عجمی، قاہرہ، دارالوفاللطباعۃ والنشر والتوزیع، طبع دوم، ۱۹۸۷ء

النشأتين وتحصيل السعادتين'' (۲) میں یہ اہتمام کیا ہے۔ساتھ ہی اس کے رشتے کی تحقیق سے متعلق ان کتابوں میں سے سب کی نہیں، بلکہ کچھ کی مراجعت پر ہی منحصر وموقوف ہے۔

جہاں تک امام راغب اصفہانی کی کتاب ''**المفردات فی غریب القرآن**'' (۳) کی بات ہے، تو یہ تجدیدی منہج پر مشتمل ہے، جس میں قرآنی مفردات نے ایسے عمیق مفاہیم کی مثالیں دی ہیں، جو قرآن کریم کے فلسفے اور اس کی معانی کی عکاسی اور ترجمانی کرتے ہیں، کیوں کہ اس کتاب میں قرآن کریم میں مستعمل الفاظ قرآنی کا خوب خوب تتبع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ لغوی معانی کی تلاش اس طرز پر کی گئی ہے، جس سے قرآنی الفاظ کی آفاقیت کا دروازہ کھلتا ہے اور اس کی فضا میں وسعت پیدا ہوتی ہے، اور لغت کے اصول کو ان الفاظ کے لیے بندش اور رکاوٹ نہیں بنایا گیا ہے، راغب اصفہانی کی اس کتاب ''مفردات'' میں خاندانی نظام کی تفصیلات کو بھرپور حصہ دیا گیا ہے، اس لیے کہ اصفہانی نے چند مفاہیم کی بحث اٹھا کر، بعض مقاصدی نقوش کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، جیسے ازدواج، مودت ومحبت، رحم دلی اور میراث وغیرہ جس سے شرعی اسرار ومصالح کی بحث وتحقیق کے تعلق سے ان کے عزائم کا اندازہ ہوتا ہے۔

ان کا یہ عزم ان کی دو مزید کتابوں ''**الذریعة إلی مکارم الشریعة**'' اور ''**تفصیل النشأتین وتحصیل السعادتین**'' میں سامنے آیا ہے، کیوں کہ اس میں روئے ارضی پر خلیفۂ خدا یعنی انسان کی تعمیر کے باب میں خاندان کے کردار اور اس کی اہمیت، نیز ایک مستحکم اور مضبوط جائے پناہ کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، تاکہ انسان ادائے امانت یعنی جانشینی کی امانت کی ادائیگی کا اہل ہو سکے، اسی لیے اصفہانیؒ نے قرآن کریم میں وارد خاندانی خصائص کو مفصل طور پر

(۲) اصفہانی، ابو راغب، تفصیل النشأتین وتحصیل السعادتین، تحقیق: عبد المجید نجار، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۸۷ء

(۳) اصفہانی، ابو راغب، المفردات فی غریب القرآن، ضبط وتحقیق: سید محمد کیلانی، بیروت: دار المعرفة للطباعة والنشر والتوزیع (د.ت)

بیان کیا ہے اور اس کو انسان کی استخلافی تربیت کے ساتھ مربوط کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ صحیح بنیادوں پر اس تربیتی ادارہ کی تعمیر میں کوتاہی کا انجام خالق کائنات کے مقاصد سے انحراف کی صورت میں برآمد ہوگا، ساتھ ہی انھوں نے خاندانی نظام کے باب میں معنوی اور روحانی مفاہیم کا رشتہ شرعی احکام کے ساتھ جوڑا ہے۔

مگر یہ کہ یہ منصوبہ اصفہانیؒ کے بعد ترقی نہیں کرسکا، ہاں حال ہی میں قرآنی مفاہیم کے ساتھ دل چسپی یوں ظاہر ہوئی ہے کہ کئی محققین نے امام راغب اصفہانی کی لکھی ہوئی باتوں کی بنیاد پر اصول سازی کی طرف پیش رفت کی ہے۔

امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے اپنی کتاب ''احیاء علوم الدین'' میں ان امور سے بحث کی ہے، جو بعض فقہی تحریروں میں جمود اور تعطل کی صورت میں وارد ہوئی ہیں، جس کے سبب بسا اوقات شرعی احکام شریعت کی روح سے عاری ہوتے نظر آتے تھے۔

اسی بنیاد پر امام غزالی نے شرعی اسرار کی تلاش کے مقصد سے اپنا تجدیدی پروگرام پیش کیا اور اس میں شرعی احکام کی مخفی جہات کی تلاش کی، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، آداب نکاح اور تربیت اولاد کے باب میں جو تربیتی ضوابط انھوں نے بیان کیے ہیں، وہ اس کا ایک حصہ ہیں، چناں چہ امام غزالی نے تحصیل اولاد کو نکاح کا مقصد قرار دیا اور اسی کو اصل سمجھا اور انھوں نے یہ کہا کہ نکاح چار اسباب کی بنا پر عبادت ہے، پہلا سبب حصول اولاد کی سعی اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے، تاکہ نسل انسانی کو باقی و جاری رکھا جاسکے، دوسرا سبب اللہ کے رسول کی محبت کی طلب ہے کہ نبی پاک نے کثرت اولاد پر فخر و مباہات کا اظہار کیا ہے، تیسرا سبب نیک اولاد کی دعا کے واسطے برکت کی خواہش کا اظہار ہے اور چوتھا سبب کم سن اولاد کی موت پر شفاعت کی طلب ہے، امام غزالی نے ہم نشینی و ملاعبت کے ذریعے نفس کی تسکین اور تدبیر منزل کی ذمہ داریوں سے قلب کی تفریغ کے مقصد سے نکاح کے عمل کو واضح کیا ہے۔

خاندانی مقاصد تشریع کو امام غزالی نے یک جا طور پر بیان نہیں کیا ہے، کیوں کہ انھوں نے باپ اور بچے کے درمیان معاملات وتعلق اور صلہ رحمی وغیرہ سے بحث کرتے ہوئے مختلف ابواب میں ان باتوں کا ذکر کیا ہے، مگر یہ کہ ان امور کو بیان کرنے کی وجہ سے امام غزالی کو اس لیے اولیت و اہمیت حاصل ہے کہ انھوں نے خاندان سے متعلق شرعی قوانین اور احکام میں مقاصد شریعت کے تتبع وتلاش کے باب میں شرعی اسرار وحکم کی پہلی خشت رکھی ہے، اسی بنا پر اصولیوں نے امام غزالی کی کتابوں کا جائزہ لیا ہے اور انھوں نے بھی حصول اولاد کو نکاح وزواج کا مقصد اصلی سمجھا ہے۔

عائلی مقاصد کی تطبیق وتنفیذ کے باب میں ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) کی جدوجہد کی اہمیت اس لیے ہے کہ انھوں نے اس وقت کے معاشرے اور ماحول میں طلاق سے متعلق کئی عائلی مسائل سے بحث کی ہے، چناں چہ انھوں نے طلاق کے ساتھ عوام کے تعامل اور احکام طلاق کے ساتھ ان کی بے حرمتی اور بعض لوگوں کے ذریعہ الفاظ طلاق کے ساتھ تحقیر وتوہین کی سنگینی کا احساس کیا، ان کے مشہور فتاوی میں خاندان کے باب میں مقاصد شریعت کا یوں ذکر آیا کہ ان مقاصد کو حقیقت میں عملی جامہ کس طرح پہنایا جائے، امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاوی میں اکثر ہم عصر علما کی آرا کے ساتھ اختلاف کیا، جیسا کہ انھوں نے مجلس واحد میں طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں جمہور علما سے اختلاف کیا اور ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے منع کیا۔

امام ابن تیمیہ کی کتاب ''مجموع الفتاوی الکبری'' (۴) مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے یوں استفادہ کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے فلاں حکم کی تشریع خصوصا نکاح وطلاق اور وراثت کے مسائل میں شارع کے مقصد کا لحاظ رکھتے ہوئے فتوی دیتے وقت نصوص سے استدلال میں کون سا منہج اختیار کیا ہے۔

امام شاطبی (متوفی ۷۹۰ھ) نے خاندان کے بارے میں مقاصد شریعت کے تعلق

(۴) ابن تیمیہ، احمد عبدالحلیم، مجموع الفتاوی الکبری، تحقیق: عبدالرحمٰن بن محمد قاسم، ریاض، مطابع ریاض، ۱۳۸۱

سے جو خدمت انجام دی ہے، وہ ان کی کتاب ''الموافقات'' میں مذکور ہے، اس کتاب میں انھوں نے نکاح کے بعض مقاصد سے بحث کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ نکاح کا مقصد اول توالد وتناسل ہے، ساتھ ہی انھوں نے سکون وراحت حاصل کرنے، دنیوی واخروی مصالح جیسے حلال سے لطف اندوز ہونے، نیز عورتوں کے حسن وجمال کی طرف دیکھنے، عورت کے مال سے آرائش وزیبائش اختیار کرنے یا عورت کا اپنے شوہر کی نگہ داشت اور بال بچوں کی پرورش و پرداخت، نفسانی خواہشات اور بدنگاہی سے تحفظ اور بندوں کا اللہ کی نعمتوں پر زیادہ سے زیادہ شکر وغیرہ امور پر تعاون کے مقاصد کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، نکاح کا مقصد اصلی یعنی تحفظ نسل کو برقرار رکھتے ہوئے، ذیلی مقاصد کے دائرے کی توسیع کاری میں بھی امام شاطبیؒ کا حصہ نمایاں ہے۔

اس کے علاوہ کئی نئی تحریریں بھی منظر عام پر آئی ہیں، جو ان تاریخی، فکری اور معاشرتی احوال وحوادث سے متاثر ہوکر لکھی گئی ہیں، جن سے عالم اسلامی انیسویں صدی عیسوی کے نصف سے نبرد آزما رہا ہے، اسلامی دنیا کو مغربی استعمار کی آندھی اور اس کی ظالمانہ کوششوں کا سامنا رہا ہے، جس کا مقصد مسلم معاشرے خصوصا خواتین کی اہم بنیادی حیثیت کو تاخت وتاراج کرنا ہے۔

اسی لیے اس عرصہ کے مصلحین نے خاندان کے مسئلے پر اس خیال سے ارتکاز اور فوکس کیا کہ معاشرتی اصلاح میں خاندان اہم اور بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے، ہم اس بات کا مشاہدہ شیخ ذہبی کی کتاب ''التفسیر والمفسرون'' میں کرتے ہیں، جس میں انھوں نے طرق تفسیر کا تتبع کیا ہے، چناں چہ انھوں نے تفسیر عصر حدیث کا نام ''التفسیر الاجتماعی'' رکھا، یہ رجحان شیخ محمد عبدہ کی تفاسیر میں بھی واضح نظر آتا ہے، جس کی اشاعت ان کے تلمیذ محمد رشید رضا نے ''تفسیر المنار'' یا ''تفسیر القرآن العظیم'' (۵) کے نام سے کی ہے، اسی طرح سید قطب کی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' اور ان کی دوسری کتابوں میں یہ بات مذکور ہے، جس میں انھوں نے معاشرتی اور

(۵) رضا، محمد رشید، تفسیر المنار، بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، دوم ایڈیشن، ۱۹۷۱ء

اقتصادی تعاون وتکافل اور تہذیبی بنیاد کے بارے میں خاندان کے کردار کی اہمیت پر زور دیا ہے، اسی طرح محمد عبداللہ دراز کی کتاب ''دستور الاخلاق فی القرآن'' میں بھی ان جہات سے بحث کی گئی ہے، اس کتاب میں شریعت کے بارے میں اقدار کے اس نظام کی علمی اصول سازی کی گئی ہے، جس کو فضائل کے دائرے سے نکال کر منہجی دائرے تک لایا گیا ہے۔

قانونی نقطۂ نظر سے مصطفیٰ السباعی کی کتاب ''**المرأة بين الفقه والقانون**'' (٦) اہم ہے، جس میں انھوں نے خواتین اور خاندان سے متعلق مختلف فقہی اور قانونی احکام سے اس ہدف ومقصد کے ساتھ بحث کی ہے کہ اسلام کا دفاع کیا جائے اور شیدائیان مغرب نے جو بے بنیاد الزامات لگائے ہیں، ان کا جواب دیا جائے۔

شیخ ابوزہرہ نے احوال شخصیہ پر خامہ فرسائی کی ہے اور مختلف فقہی مسالک کے تمام عائلی قوانین کا تقابلی انداز میں جائزہ لیا ہے۔

محمد بدر کی بھی تحریریں بہت اہم ہیں جو قاہرہ یونیورسٹی میں فلسفہ قانون کے پروفیسر ہیں، پروفیسر محمد بدر نے کئی کتابیں اور مقالات لکھے ہیں، جس میں انھوں نے'' قانون ازدواج'' اور'' تعدد ازدواج'' جیسے مختلف عائلی مسائل سے بحث کی ہے، پروفیسر موصوف کی تحریروں کا یہ امتیازی پہلو یہ ہے کہ انھوں نے اسلامی احکام وقوانین اور یونانی، رومی، فرعونی اور اس کے علاوہ یہودی اور عیسائی قوانین کے درمیان بڑے پیمانے پر تقابل ومقارنہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں محمد عزہ دروزہ کی دو کتابیں ''**الدستور القرآنی فی شئون الحیاة**'' (٧) اور ''**المرأة فی القرآن والسنة**'' (٨) بھی بہت اہم ہیں، قرآن وسنت کے ساتھ تعامل کے

(٦) سباعی، مصطفیٰ، المرأة بین الفقہ والقانون، بیروت: المکتب الاسلامی، چھٹا ایڈیشن، ١٩٨٤ء

(٧) دروزہ، محمد عزة، الدستور القرآنی فی شئون الحیاة، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیة، ١٩٥٦ء

(٨) دروزہ، محمد عزة، المرأة فی القرآن والسنة، بیروت: منشورات المکتبہ العصریہ، ١٩٨٠ء

حوالے سے ان کتابوں میں منہجی دلائل موجود ہیں۔

اس قسم کی تحریروں کا سلسلہ حجۃ اللہ البالغۃ (۹) کے مصنف شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے علاوہ ان ہندستانی علما کی مؤلفات و تالیفات تک دراز ہوجاتا ہے، جنھوں نے نظامہائے خاندانی میں مقاصد شریعت کی اصول سازی کرنے کی جدوجہد میں حصہ لیا، اس جدو جہد میں مولانا ابو الاعلی مودودیؒ بھی شامل ہیں، جنھوں نے قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہوئے مختلف معاشرتی مسائل سے بحث کی، انھوں نے اپنی تحریروں میں اسلام کے عائلی نظام کا خاص طور پر ذکر کیا اور خواتین کے حقوق، اس کی ذمہ داریوں اور خاندان میں اس کے فعال کردار کو اچھی طرح واضح کیا، بہت سے ہندستانی علما نے اس معاملے میں مولانا مودودی کی راہ اپنائی، مولانا مودودی کی پیروی کرنے والے وہ لوگ بھی ہیں جنھوں نے اس مقصد کے ساتھ قرآن کریم کا انگریزی اور اردو میں ترجمہ کیا، تاکہ معاشرتی اصلاح کے معانی و مفاہیم کو پختہ تر کیا جاسکے اور اس بات کا ذکر کیا جاسکے کہ یہ مقصد عائلی نظام پر ترکیز و توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔

مغرب عربی میں اس رجحان کو طاہر بن عاشور نے تسلسل عطا کیا، مقاصد شریعت کے حوالے سے ان کی درج ذیل کتابیں: "**تفسیر التحریر والتنویر**" (۱۰)، "**مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ**" (۱۱) اور "**اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام**" (۱۲) اہم ہیں، عائلی احکام کے مقاصد کی جان کاری کے لیے ابن عاشور کا مطالعہ اصولی اور فقہی میدان میں ممتاز تصور کیا جاتا ہے، کیوں کہ اس مطالعہ میں یہ پہلو واضح ہوجاتا ہے کہ ابن عاشور نے اپنے ماقبل

(۹) دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، تحقیق ومراجعہ: سید سابق، قاہرہ، دار الکتب الحدیثہ، (د.ت)

(۱۰) ابن عاشور، محمد طاہر، تفسیر التحریر والتنوی، تیونیشیا، جزائر، دار التونسیہ للنشر، المؤسسۃ الوطنیہ للکتاب، ۱۹۸۴ء

(۱۱) ابن عاشور، محمد طاہر، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، تحقیق ومطالعہ: محمد طاہر میساوی، عمان، دار النفاش-دار النفجر، ۱۹۹۹ء

(۱۲) ابن عاشور، محمد طاہر، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، تیونیشیا، جزائر، الشرکۃ التونسیہ للتوزیع، المؤسسۃ الوطنیہ للکتاب، ۱۹۸۵ء

کے اہم تحقیقی محاور کا احاطہ کیا ہے، اسی لیے طاہر بن عاشور کو یہ موقع حاصل ہوا کہ انھوں نے ایک ممتاز منہجی پیش کش کے لیے عائلی مقاصد کے تمام مفردات کا سابقہ تحقیقی مطالعوں سے تجاوز کرتے ہوئے تحلیل و تجزیہ کیا، اور اپنے بعد آنے والوں کے سامنے اس منہجی ساخت کی تکمیل کا ایک چیلنج پیش کیا، جس کے تمام محاور و مصادر کے در کو انھوں نے اپنے کارگر اسلوب سے وا کیا اور اس منہجی عمارت کو اس قابل بنایا کہ اس پر تمام محاور میں اور خاص طور پر مقاصد شریعت کے ساتھ تعامل کے مناہج یا خاندان کے ساتھ تعامل کے مناہج کے باحثین و محققین کے لیے مضبوط عمارت کی تعمیر کی جا سکے، تا کہ عمارت کو مضبوطی عطا کرنے والی منہجی خشت کا اضافہ ہو سکے، کیوں کہ اس میں مثبت طور پر تمام اشارات کا احاطہ کیا گیا ہے، طاہر بن عاشور نے عائلی مقاصد کو ایک دائرہ عطا کرنے اور اس کو ایک تنگ قانونی میدان سے نکال کر وسیع مقصدی بنیاد تک لے جانے کے راستے سے متفرق و متعدد جزئیات کو وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔

طاہر بن عاشورؒ نے عائلی قوانین کی اصل میں موجود عمومی اصول و مبادیات کی تحدید پر ارتکاز کیا ہے، جیسا کہ انھوں نے کہا ہے کہ تمام تر انسانی رشتوں کو تین اساسی منطقوں میں ضبط کیا جائے، رشتۂ نکاح، رشتۂ قرابت داری، رشتۂ نسبتی (دامادی)، اور گویا کہ انھوں نے اس طرح اعلی ترین مقاصد کی ترجیحات کو متعین کیا ہے کہ یہ اعلی ترین مقاصد بذاتہ منہجی اشارات کو محیط ہے کہ عائلی احکام کے اہم مقاصد میں رشتوں کے نیٹ ورک کی توسیع ہے جو ان رشتوں میں بنی نوع انسانی کے مابین ادلا بدلی ہونے والے حقوق اور واجبات کی تحدید و تعیین کرتا ہے، یہ حقوق اور واجبات تشریعی تنظیم کے درجے میں ہیں اور جب ہم یہ کہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ ان کا شمار اہم قضایا میں ہوتا ہے جس کی کمی آج تمام تشریعی اور معاشرتی نمونوں کو محسوس ہوتی ہے، خواہ وہ تشریعی نمونے مغربی ہوں یا مشرقی، اور اس کا سبب وہ باہمی طور پر ہم آہنگ شرعی خصوصیات ہیں، اس طور پر کہ ان میں سے بعض بعض پر حملہ آور و متصادم نہیں ہوتے، بلکہ یہ اتنے نظم و ضبط کے ساتھ

یک جہت اور ہم آہنگ ہوتے ہیں کہ اس کی مثال کسی بھی انسانی تنظیم یا کسی بھی دوسری مذہبی تنظیم میں ملنی مشکل ہے۔(۱۳)

اس مسئلے سے بعض پیش رو مصنفین نے بھی بحث کی ہے، لیکن یہ اتنی واضح نہیں ہے جتنی ابن عاشور کے تجزیوں میں واضح اور روشن ہے۔

عائلی مسائل میں مسلسل اور متعدد جہتوں سے بحث وتحقیق ہوتی رہی ہے، تاکہ عالم اسلام مغربی دنیا کے لیے وسعت قلبی کا مظاہرہ کر سکے اور ان کے مراجع سے اختلاط وہم آہنگی پیدا کر سکے، معاصر ادبیات میں عائلی مسائل سے بحث وتحقیق کے مناہج میں تبدیلی پیدا ہو چکی ہے، جس کے سبب ان عائلی مسائل سے بحث ومباحثہ کے منہج میں بھی بہت اختلاف پیدا ہو گیا ہے، چناں چہ تربیتی تحقیقات کا منہج قانونی تربیت، یا معاشرتی اور انسانی تحقیقات یا معاشرتی یا صحت خدمات سے بڑی حد تک مختلف اور جدا ہوتا ہے۔

دوسری طرف بہت سی جدید علمی بحث بھی سامنے آئی ہے، جس میں پیش رو فقہا کے اسلوب کا تتبع کرتے ہوئے عائلی احکام کے ساتھ تفصیلی بحث کی گئی ہے، مگر یہ کہ وہ تحقیق اس عہد کی زبان میں تھی، عبدالکریم زیدان کی کتاب "**المفصل فی احکام المرأة**" (۱۴) میں زیر بحث آنے والی باتوں کو اس کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے، اسی طرح عبدالحلیم ابوشقہ (۱۵) کی کتاب "**تحریر المرأة فی عصر الرسالة**" بھی نئی علمی بحث کا نمونہ ہے، یہ کتاب ایک الگ نوعیت کی منہجی کوشش ہے جس میں دو اساسی مآخذ قرآن اور صحیح سنت نبوی سے راست استفادہ کرتے ہوئے خواتین اور خاندان کے مسائل کی اصول سازی کی گئی ہے، اس جدو جہد

(۱۳) ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، ص: ۱۵۵-۱۸۳

(۱۴) زیدان، عبدالکریم، المفصل فی احکام المرأة، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، پہلا ایڈیشن، ۱۹۹۳ء

(۱۵) ابوشقہ، عبدالحلیم، تحریر المرأة فی عصر الرسالہ: دراسۃ جامعۃ لنصوص القرآن الکریم وصحیحا البخاری ومسلم، کویت، دارالقلم، ۱۹۹۰ء

میں عبدالحلیم ابوشقہ نے شیخین: بخاری اور مسلم کی روایات پر اعتماد کیا ہے۔

پچھلی دو دہائیوں میں جن باحثین نے علم عمرانیات وعلم معاشرت سے بحث کی ہے، ان میں سے بعض کی تحریروں میں ایسا رجحان دیکھنے کو ملتا ہے جو واضح اسلامی نمونہ کی نمائندگی کرتا ہے، مگر یہ کہ ان کی تحقیقات میں عائلی مسائل کے موضوع کی نمائندگی کا معاملہ ہنوز ابتدائی مراحل میں ہے، یہ نمونہ ایسے مناہج کی تعمیر کی دعوت دیتا ہے جو نظریاتی مسلمات اور مغربی تعلیم گاہوں کے ان تحلیلی مناہج کی مراجعت کر سکے جو سیکولر نقطۂ نظر کا ترجمان ہے اور عربی اسلامی جامعات میں بغیر مراجعت اور نقد کے پڑھایا جا رہا ہے، مزید یہ رجحان شرعی اور قانونی علوم کی تحقیق اور اس کی مراجعت پر بھی آمادہ کرتا ہے، تاکہ مغربی معاشرتی نظریات کے تنگ دائرے سے نکلا جا سکے اور اس اسلامی نظریہ کو ترقی دی جائے، جو ایسا تجزیاتی دائرہ پیش کر سکے، جو نہ صرف اسلامی بلکہ عالمی تاریخی اور تہذیبی سیاق میں بھی معاشرتی صورت حال کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کر سکے، اس میدان میں بہت سی سنجیدہ کوششیں سامنے آئی ہیں جس کا معاشرہ اور قوم وامت کی بہت سے معاشرتی واخلاقی مسائل کا حل کے حوالے سے خاندان کے کردار اور اس کی حصہ داری کی تاثیر پر یقین واعتقاد رہا ہے۔

اسی طرح بہت سی تحقیقات، جامعات کی سطح پر لکھے جانے والے مقالات اور کتابوں کی شکل میں بھی منظر عام پر آئی: جیسے ہبہ رؤف عزت کا رسالہ ''المرأة والعمل السیاسی: رؤیة اسلامیة'' (۱۶) کا نام لیا جا سکتا ہے جس میں خاندان کے کردار پر منہجی بحث کی گئی ہے اور یہ مقالہ اہم منہجی پیش کش کی حیثیت رکھتا ہے، مگر اس مقالہ میں عام خاندان کے رول کو نمایاں کرنے پر ارتکاز کیا گیا ہے، اس میں خصوصیت کے ساتھ امریکا کے مسلم معاشرے پر توجہ مرکوز نہیں رکھی گئی ہے، احمد ریسونی نے بھی امام شاطبی کے نظریۂ مقاصد شریعت سے بحث کی ہے، امام شاطبی کے

(۱۶) عزت، ہبہ رؤف، المرأة والعمل السیاسی: رؤیة اسلامیة، ہیرندن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء

نظریۂ مقاصد سے اسماعیل حسنی نے بھی اپنی کتاب ''نظریۃ المقاصد عند الامام محمد الطاہر بن عاشور'' (۱۷) میں بحث کی ہے، اسی طرح جمال الدین عطیہ نے بھی خاص طور پر اپنی کتاب ''نحو تفعیل مقاصد الشریعۃ'' (۱۸) میں اس سے بحث کی ہے، اس کتاب میں انھوں نے اس کی بنیاد اس بحث پر رکھنے کی کوشش کی ہے، جس کی ابتدا ابن عاشور نے مقاصد عائلہ کے بنیادی ڈھانچہ میں کی ہے، مگر یہ کہ ان کے ڈھانچہ کی بنیاد مکمل نہیں ہے، کیوں کہ انھوں نے مقاصد کا رخ جزئیات کی طرف پھیر دیا ہے، اور کتاب کے اخیر میں انھوں نے اس میدان کی متعدد بحثوں کی تلاش و جستجو کی اپیل کی ہے۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا نے بھی اپنی کانفرنسوں میں فقہ مقاصد کا اہتمام کیا ہے، چناں چہ ۲۰۰۶ء کے موسم گرما میں یونیورسٹی نے ایک عالمی کانفرنس کا انعقاد کیا تھا، جس میں علما اور دانشوروں نے مختلف پہلوؤں سے مقاصدی موضوع پر بحث ومناقشہ کیا تھا، اس یونیورسٹی کی دل چسپی یہاں کے اساتذہ اور طلبہ کی تحریروں میں بھی منعکس ہوئی ہے، جیسے قطب سانو کا نام لیا جاسکتا ہے جنھوں نے اپنے مقالات اور علمی بحثوں میں مقاصد شریعت پر اساسی جہت سے دل چسپی لی ہے، اسی طرح محمد طاہر میساوی نے ابن عاشور کی کتاب مقاصد الشریعۃ پر تحقیق کرتے ہوئے مقاصد شریعت کا اہتمام کیا ہے، یونیورسٹی کے ایک دو نہیں، متعدد طلبہ نے مقاصد کے موضوع خصوصا عائلی مقاصد پر خامہ فرسائی کی ہے، ان تحریروں میں تحفظ نسل، جنین، ٹیوب بے بی، اجرت کی کوکھ، کلوننگ کی شکلیں اور مانع حمل ادویہ وغیرہ کی طبی اور ٹیکنیکل ترقیات سے عبارت چیلنجز پر خاص توجہ دی ہے، یہ وہ مسائل ہیں جو مسلم علما اور فقہا کو درپیش ہیں، جو ان جدید مسائل کا ادراک اور ان کا مفید حل تلاش کرنے کے لیے شب وروز جدوجہد میں مصروف ہیں۔

(۱۷) حسنی، اسماعیل، نظریۃ المقاصد عند الامام محمد طاہر بن عاشور، ہیرندن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء

(۱۸) عطیہ، جمال الدین، نحو تفعیل مقاصد الشریعہ، عمان-دمشق: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، دار الفکر، ۲۰۰۱ء

اس کے ساتھ بعض مراکز نے مقاصد سے متعلق تحقیقات کو ترقی دینے اور اس موضوع سے مسلسل بحث کرنے اور اس کا تحلیل و تجزیہ کرنے سے دل چسپی کا مظاہرہ کیا ہے، تا کہ ان تحقیقات کو منہجی اور علمی اعتبار سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا جائے، انھی مراکز میں ایک اہم مرکز المعہد العالمی للفکر الاسلامی بھی ہے، جس کا شمار اولین فکری مراکز میں ہوتا ہے جس نے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو مقاصد شریعت کے مطالعہ و تحقیق پر توجہ دینے کی نہ صرف دعوت دی، بلکہ ان بحثوں کو شائع بھی کیا، تا کہ باحثین و محققین کے سامنے بحث و تحقیق کا دروازہ کھل سکے، لندن کے مرکز دراسات مقاصد شرعیہ نے بھی اسی جہت پر کام کیا، اس مرکز نے جاسر عودہ صاحب کی نگرانی وادارت میں مقاصدی تحقیق سے دل چسپی لینے والے اسکالرس کی ایک ٹیم تیار کی، تا کہ مقاصد شریعت کے میدان کو علما کی تحقیقات اور ان کے تجزیات سے ثروت مند بنایا جا سکے، جامعات وغیرہ کے وہ علمی مراکز جو منہجی علوم سے دل چسپی لیتے ہیں، برابر اپنی علمی سرگرمیوں سے اس میدان میں نئی تحقیقات پیش کر کے اس کو ثروت مند بنا رہے ہیں۔

اس موضوع کی اہمیت اور افادیت، اس موضوع میں منہمک باحثین کی سنجیدگی، نیز معاصر خصوصا مغربی معاشرے کو درپیش چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے، کئی علمی اور ثقافتی مجلّات و جرائد (جو عالم اسلام یا مغربی دنیا کے مسلم معاشرے کو زیر بحث لاتے ہیں) اس پہلو پر روشنی ڈالتے رہے ہیں (۱۹)، چناں چہ ان مجلّات نے ایسی منظر کشی کی، جس میں عورت اور خاندان کے مسائل کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا، جس سے تاکید کے ساتھ اس میدان میں توازن کے فقدان اور تباہی و بربادی کا پتہ چلتا ہے، یہ ایسا معاملہ تھا جو عائلی مقاصد اور اس کے استنباط و استخراج پر

(۱۹) ریاستہائے متحدہ امریکا میں کئی مجلّات ہیں، جو مسلم مسائل سے دلچسپی لیتے ہیں۔ جیسے ''مجلۃ الزواج والاسرۃ'' (The Journal of Marriage and Family)، جو مجلس وطنی برائے عائلی معاملات سے شائع ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ۶۰ برسوں سے نکل رہا ہے، جو خاندانی تاریخ اور اس کے ارتقاء سے بحث کرتا ہے۔

مبنی تالیف وتصنیف، ان مقاصدی تحریروں کومختلف اسلامی اور غیر اسلامی معاشرے اور ماحول میں روبہ عمل لانے کے طریق کار کے حوالے سے بڑی اور سنجیدہ کوششوں کا مطالبہ کرتا ہے، اسی وجہ سے اس کتاب کے موضوع کے بارے میں غور وفکر کا آغاز کیا گیا۔

جہاں تک مغرب میں ہونے والی تحقیقات کی بات ہے تو اس قسم کی کوششوں کا آغاز ان اساسی مضامین کے لکھے جانے کے برسوں بعد ہوا ہے، جنھیں اسماعیل فاروقی نے اپنی کتاب "التوحید" (۲۰) اور اسماعیل فاروقی اور ان کی اہلیہ لویس فاروقی نے کتاب "اطلس الحضارۃ الاسلامیۃ" (۲۱)، نیز فضل الرحمٰن، علی مزروعی، امینہ ودود وغیرہ وغیرہ نے اپنی تحریروں میں پیش کیا ہے، دوسری طرف شریعت سے ہم آہنگ قانونی تحقیقات بھی پیش کی گئیں، عزیزہ ہبری اور ان کے علاوہ ہارورڈ یونیورسٹی اور رچمنڈ یونیورسٹی میں قانونی میدان کے مرد و خاتون باحثین ومحققین کی تحریروں کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے، جنھوں نے قانونی زاویے سے نکاح وطلاق کے مسائل کے باب میں کئی نظریات پیش کیے ہیں، جن سے امریکی عدالتوں میں مسلمانوں کے باہمی مقدمات میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، مگر یہ کہ یہ تحقیقات ایسی اساسی جہت سے خالی ہیں جو جانب داری سے پاک ہوں۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اس قسم کی تحقیقات پیش کرنے والے اکثر افراد کا تعلق تحریکات نسواں سے ہے، یا ان کی پرورش و پرداخت سیکولرازم کی گود میں ہوئی ہے، یہ ایسی بات ہے جو بذات خود قانون سازی کرنے والوں اور فقہا کے لیے ایک چیلنج ہے اور جو انھیں اس بات کی تحریک دیتا ہے کہ وہ ایسے قواعد وضوابط کی تشکیل کریں جو

20- Faruqi, Ismail Raji. Al- Tawhid: Its Implications for Life and Thought. Herndon, VA: International Institute of Islamic Thought, 2000Al

(۲۱) فاروقی، اسماعیل راجی، لویس لمیاء۔ اطلس الحضارۃ الاسلامیۃ، ترجمہ: عبدالواحد لؤلؤۃ، ہیرندن، ریاض، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، مکتبہ العبیکان، اول ایڈیشن، ۱۹۹۸ء

نصوص کوان زوائد سے پاک کرسکیں جونصوص کا حصہ نہیں ہیں۔

بعض مفکرین نے اصول سازی ونظریہ سازی کی کوشش بھی کی ہے، جس کو ''فقہ الاقلیات'' (۲۲) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، فقہ الاقلیات ایک وسیع الاطراف فقہ ہے، جو یکساں طور پر زندگی کے مختلف عقائدی اور عملی امور کو شامل ہے، اسی بات کے سبب بعض مفکرین کو یہ تحریک ملی کہ وہ اس موضوع میں بھی ''الفقہ الاکبر'' کے طرز پر اصول وفروع سازی کا کام کریں، اس فقہ کا نظریہ پیش کرنے والے اولین افراد میں شیخ یوسف قرضاوی اور ڈاکٹر طہ جابر علوانی صاحب شامل ہیں، جنھوں نے ان بہت سارے چیلنجز کا حل پیش کرنے کی جدوجہد کی، جس سے آج مسلم اقلیت دوچار ہے، مغرب میں ایسے محققین اور مفکرین پیدا ہوئے جنھوں نے اس فقہ کی منہجیت سے اس مقصد کے تحت بحث کی کہ وہ اس سے ان پیچیدہ چیلنجز کا حل پیش کرنے کا کام لے سکیں جن سے مسلمان دوچار ہیں، انھیں محققین میں سے طارق رمضان صاحب ہیں، ان تحقیقات کے قریب ترین وہ تحقیق ہے جو خاتون پروفیسر آن صوفیا ریوالڈ نے اپنی کتاب ''**النساء فی الإسلام: تجربة غربية**'' (۲۳) میں پیش کی ہے، کیوں کہ انھوں نے کتاب ہذا میں اخیر وقت کے بعض مسلم علما اور اساتذہ کے اقوال کا مراجعہ کیا ہے اور اسلام میں عورتوں کے مقام ومرتبے سے متعلق ان علما نے قرآنی مفاہیم کو جس طرح سمجھا اور اس کا احاطہ کرنے کی کوشش کی، ان تمام کی موصوفہ نے تحقیق کی ہے، اسی طرح محترمہ نے ان اہم اشکالات کا بھی جائزہ لیا ہے جو اسلامی نمونہ وآئیڈیل کے خلاف، مغرب کی طرف سے برپا کیے ہوئے ہیں، عورتوں کا درجہ، قوامیت، حکم عدولی، نکاح وطلاق اور تعدد ازواج وغیرہ میں مرد وکا عورت کے ساتھ تعلق، نیز خواتین کا حجاب وغیرہ انہی اہم اعتراضات میں شامل ہیں، محققہ نے عالم عرب وعالم اسلام یا

(۲۲) عبدالقادر، خالد۔ فقہ الاقلیات المسلمہ، بیروت: دارالایمان، ۱۹۹۸ء

23- Roal, Anne Sofie. Women in Islam: The Western Experience, London:Routledge,2001

مغربی ممالک کے اکثر مسلم علما اور دعاۃ کی آراء کے تتبع واستقرا میں کافی جاں فشانی کا مظاہرہ کیا ہے، ساتھ ہی انھوں نے اسلامی اور مغربی دنیا میں موجود مختلف ومتنوع اسلامی تحریکات و رجحانات اور عناصر واشخاص کا انتخاب کیا ہے اور ان کے ساتھ انٹرویو اور سوال وجواب کیا ہے، موصوفہ کا یہ تحقیقی کارنامہ-خصوصا علما اور عموما معاشرے کی فہم وشعور پر مختلف ماحول و رسوم کی تاثیر سے صرف نظر کرتے ہوئے -قرآنی معانی و مفاہیم اور مختلف قرآنی قواعد و اصول جیسے قوامیت، حکم عدولی، نکاح وطلاق اور مرد وعورت کے رشتہ کی تفسیر میں تبدیلی واختلاف کی گنجائش کی حدود کو واضح کرتا ہے۔

مغربی ایجادات اور ان مغربی دلائل سے (جن کا تعلق حالات کی تبدیلی کی وجہ سے خاندان میں مرد کی پوزیشن کی تبدیلی سے ہے) تاثر کی وجہ سے محققہ وغیرہ نے کئی سوالات پیش کیے، جن کا تعلق مسائل نکاح وطلاق اور مسئلہ قوامیت سے ہے، مثلا یہ کہ کیا مرد کی قوامیت ساقط ہوجائے گی، ایسی صورت میں جب کہ عورت مرد کے ہی برابر نان ونفقہ کے حصول میں شریک ہو، اگر یہ سوال کیا جائے کہ'' قوامیت کا تعلق تو نان ونفقہ اور اس کی ذمہ داریوں کے نظریہ سے مربوط ہے''، اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ یہ قوامیت اس صورت میں بھی ساقط نہیں ہوگی، تو پھر سوال پیدا ہوگا کہ قوامیت کا آخر کیا مطلب ہے؟

احادیث کو محض ان دلائل کی طرف منتقل کرنے کی سنگینی بھی مراجعت سے واضح ہوجاتی ہے، جو قائل کی رائے کے موافق یا اس سے متصادم ہے، یہ ایسی بات ہے جو معاصر فقہا اور محدثین کے مابین سنجیدہ علمی تعاون کے ساتھ جدو جہد کرنے کی اہمیت کی توثیق وتاکید کرتی ہے، تاکہ نصوص کے ساتھ تعامل کے لیے ایسے مفید وکارگر منہج تک رسائی حاصل کی جائے جو قارئین سے اس بات کا مطالبہ کرے کہ وہ اپنی رائے یا اپنے منہج فکر کے اثبات کے لیے سابقہ مفروضات سے استدلال کی طرف توجہ نہ کرے، بلکہ قرآن وسنت کا قاری حقیقت کی تلاش میں ہدایت کے

حصول کو سامنے رکھے۔

ان دونوں محققین یعنی زینب طہ علوانی اور سلمی ابوجدیری نے مسلم امریکی خاندان کے بارے میں ایک کتاب ۲۰۰۳ء میں شائع کی تھی، جس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۷ء میں منظر عام پر آیا، اسی طرح محققہ علوانی نے انگریزی کتاب "**التغییر من الداخل: رؤی متعددہ حول العنف الأسری**" (۲۴) میں ایک فصل بعنوان "**النموذج القرآنی للأسرۃ**" شامل کی تھی۔

ان مذکورہ کوششوں کے ساتھ، ریاستہائے متحدہ امریکا میں- میری ناقص معلومات کے مطابق- عائلی مقاصد کی تنفیذ کے موضوع پر کوئی ایسی تحقیق سامنے نہیں آئی ہے، جس میں مستقل طور پر اسی موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہو، اسی وجہ سے اس موضوع پر یہ تحقیقی کتاب پیش کرنے کا داعیہ پیدا ہوا۔

یہ کتاب ایک مقدمہ اور چار فصول اور ایک خاتمہ پر مبنی ہے، فصل اول میں مقاصد کے مفہومی دائرے سے بحث کی گئی ہے، فصل ثانی میں عائلی مقاصد پر عمل کی ارتقائی تاریخ کا جائزہ لیا گیا ہے، فصل سوم میں ریاستہائے متحدہ امریکا میں عائلی مقاصد کی تنفیذ کے منہج سے بحث کی گئی ہے، جب کہ فصل چہارم میں عائلی مقاصد اور اس کی تنفیذ کے ضوابط کا جائزہ لیا گیا ہے۔

☆☆☆

24- Alwani, Zainab."The Quranic Model for Harmony in Family Relations." In Change from Within:Diverse Perspectives on Domestic in Muslim Communications, edited by Maha B. Alkhateeb and Salma Elkadi Abugideri,33-64.VA Peaceful Families Project,2007

فصل اول:

مقاصد: مفہومی دائرہ:

پیش رو نسل کے اجتہادات نے ایسے سنجیدہ جوابات تیار و مرتب کیے تھے، جس میں ان سماجی اعتراضات و اشکالات کا حل موجود تھا، جو ان کو درپیش رہے تھے، یہ ظاہری بات ہے کہ ہر زمانے کی نسل کے چیلنجز دوسرے عہد کے انسانوں کے چیلنجز سے مختلف اور الگ ہوتے ہیں، تعلیمات وحی کو عملی جامہ پہنانے سے متعلق سوال کی پیش کش میں ہر نسل نے استمرار و دوام کا ثبوت پیش کیا ہے، اسی لیے ہر نسل اور ہر عہد کے علما نے ایسے علمی مناہج کا سانچہ تیار کیا، جو نصوص کے فہم و اتقان، فہم نصوص کے ضبط و تنظیم کی کارروائی اور اس کے بعد ان نصوص پر عمل درآمد کرنے میں معاون ثابت ہو، تاکہ مقاصد شارع کی زمینی سطح پر تنفیذ اور آخری شریعت کے احکام کے معیار کے اثبات کے لیے اس کی صلاحیت کی حد کو جانچنا ممکن ہو۔

منہجی پیش کش اور خطاب کے اسلوب کے اعتبار سے جن مباحث کا علما نے مختلف عہد میں جائزہ لیا ہے، وہ متعدد و متنوع رہے ہیں، اسی لیے ان انسانی تحقیقات میں تضاد و تصادم نظر آتا ہے، جس میں انسانی عقل نے ان احکام اور معانی کے استنباط و استخراج پر مشتمل نصوص کے ساتھ تعامل کے منہج سے بحث کرتے ہوئے نص فہمی کی کوشش کی ہے، وہ احکام اور معانی جو شریعت الٰہیہ کی پاس داری کرتے ہوئے اپنی جانشینی کی مہم کو روبہ عمل لانے میں بنی نوع بشر کے لیے معاون و مددگار ثابت ہوتے ہیں، اس قسم کی کوششیں ان منہجی مباحث کی شکل و صورت میں ظاہر ہوتی رہی ہے، جنھیں قرون اولی میں اصولی بحث و مناقشہ کے لیے پیش کیا جاتا رہا ہے، انہی منہجی مباحث میں وہ

بحث بھی ہے جو ثانوی دلائل جیسے قیاس، تعلیل، مصلحت، استحسان، عرف اور سد ذرائع وغیرہ کے اصطلاحی ناموں سے مشہور ہے، اور اس لیے کہ ان مناہج میں سے اکثر کا تعلق قطعیت وحتمیت سے نہیں، ظن وتخمین سے ہے، علما اور اسکالرس ہمیشہ ایسے مناہج کی تلاش وجستجو میں مصروف رہے ہیں، جو اپنی تفصیلات سے قطعیت کے قریب ہوں، تاکہ وہ ضبط وتعیین قدر کے ایسے مناہج کی شکل لے سکیں، جن کی اساس پر فقہی اور علمی تحقیقات حزم واحتیاط کے ساتھ نمایاں ہوسکیں۔

چوں کہ مقاصد کی بحث کی حیثیت ایسے علمی منہج کی ہے، جس کے اندر نصوص سے شرعی احکام کے استنباط کی کارروائی، نیز انسانی افعال وصورت حال کی تقییم (تعیین قدر) کی بھی توانائی اور قدرت ہے، اسی لیے مقاصد کی بحث انتہائی اہم ہے، جن چیلنجز سے موجودہ زمانے کے فقہا اور مجتہدین دوچار ہیں، وہ ہمارے پیش رو علماء کی پیش کردہ بنیادوں پر عمارت کی تعمیر کی کیفیت، مقاصدی کردار کی تنفیذ، مقاصد کو ظنی حدود سے نکال کر قطعیت کے دائرے تک پہنچانے، نیز اس کو جزئیت سے ایسی کلیت کی طرف منتقل کرنے کی راہوں میں پوشیدہ ہیں، جس کے اندر نصوص قرآنی واحادیث صحیحہ سے ماخوذ ایک منضبط عملی منہج بننے کی قوت ہو، تاکہ اس کے توسط سے معاصر حالات کے پیدا شدہ سوالات کا جواب تلاش کیا جاسکے، نیز اجتہادات کی تنقیح وتوضیح کرنے اور ان اجتہادات کو خلاف شرع امور کی آمیزش سے پاک کرنے کی راہ تلاش کی جاسکے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے پیش رووں کے چھوڑے ہوئے مباحث ومسائل کا کیسے اس طرح مطالعہ کریں کہ ہم ان کے چھوڑے ہوئے نقوش پر ایک عمارت کی تعمیر کرسکیں اور اس کو اس طرح سنجیدہ علمی طریقے پر فروغ دے سکیں جس سے معاصر معاشرے کی پیچیدگیوں اور ان چیلنجز کا حل برآمد ہو، جس سے مخلوط امریکی مسلم خاندان دوچار ہے؟

اس فصل میں انہی مباحث کو چھیڑا گیا ہے، جو ہمارے اسلاف اور معاصرین میں سے ہر ایک کے عمومی مقاصدی مفہوم کے اساسی پہلو کو شامل ہے، وہ ایک تجزیاتی منہج کے عین مطابق

ہے، خاص طور پر اس لیے کہ اس تحقیق کا مقصد اور اس کا محور مقاصدی موضوع کے ماہر علما کی تحقیقات کو پیش کرنا ہے، خواہ وہ نظریاتی سطح کی ہوں یا تطبیقی سطح کی ہوں، اس فصل میں مختلف مکاتب فکر کی آراء کے درمیان ترجیح وتقابل سے گریز کیا گیا ہے۔

اول: مقاصد کا عمومی مفہوم

ا- مقاصد کے مفہوم کی تعریف:

مفاہیم کی تعریف ایک منہجی وسیلہ ہے، جس کے ذریعہ معنی ومفہوم واضح ہوتا ہے اور مقصد بھی عیاں ہوجاتا ہے، مفاہیم کی تعریف ایک مرکب فلسفیانہ کارروائی ہے، جو ایک ایسی کوشش کی متقاضی ہوتی ہے جو عقلی تقابل اور حقیقت آمیز تنفیذ وتطبیق سے ہم آہنگ ہو، اسی بات کو ڈاکٹر طہ جابر علوانی نے یوں بیان کیا ہے:

''مفہوم افکار ونظریات اور علمی فلسفوں، نیز مفہوم کے بارے میں تحقیق وتجربات کے نتائج کی ایسے علمی نظام میں نمائندگی کرتا ہے، جو اس کا مرجع ہے اور جس کا تعلق فکری تعمیر سے ہے، اور اسی لیے کسی بھی معلوماتی میدان میں مفاہیم کا تحلیل وتجزیہ، اس کے اصول ومبادی اور مباحث کی تحدید کے لیے تمہید اولیں تصور کیا جاتا ہے، چناں چہ مفاہیم صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں ہے، جس کو اس کے مشمولات کی مدد سے سمجھا جاسکے، بلکہ یہ معانی کا بڑا خزینہ ہے، جو فلسفۂ امت اور اس کی قدر وقیمت کے مخفی اسرار اور اس کی فکر ومعلومات کی وسعت کی عکاسی کرتا ہے، اور اسی لیے اللہ تبارک وتعالی نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں کی ایسی ہمہ گیر تعلیم عطا کی، جو ان کے لیے استخلافی اور تہذیبی فرائض کی انجام دہی میں مددگار ثابت ہو، کیوں کہ اپنی فکری، علمی اور ثقافتی پس روی کے مرحلوں میں قومیں جس چیز سے پہلے متأثر ہوتی ہیں، وہ قوم کے مفاہیم ہیں، جیسا کہ پہلے پہل جو چیز فکری کش مکش کی کارروائیوں سے متأثر ہوتی ہے، وہ بھی قوم سے متعلق مفاہیم ہیں،

خاص طور سے اس وقت جب کہ اس کے اندر لچک اور ابہام کا معاملہ درپیش ہو، چناں چہ مفاہیم کے استعارہ سے وہ دوسروں سے آسان ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ قوم کی خصوصیت مفقود ہوجاتی ہے پھر وہ ابہام کے دائرے میں داخل ہوجاتی ہے، نتیجتاً ظاہری طور پر ایک ہی نوع کے مضامین ومعانی کی ادائیگی کے لیے کئی کلمات مستعمل ہوتے ہیں، حالاں کہ حقیقی طور پر یہ ایک نہیں ہوتے۔(۱)

آج کل علم مقاصد کو ایک اہم مفہوم اور اہم فکری منہج کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، مقاصد صرف ایک اصطلاح نہیں رہ گیا ہے، جسے کسی پیشے سے یا دیگر امور سے وابستہ افراد نے وضع کرلیا ہو، جیسے کسی لفظ کو کسی معنی یا فرد خاص کے لیے معین کرلیا جاتا ہے اور لوگ اس کی مخالفت بھی نہیں کرتے، کیوں کہ یہ قاعدہ (لامشاحۃ فی الاصطلاح) مشہور ہے کہ اصطلاح سازی میں اختلاف نہیں کیا جاتا اور اسی لیے علم مقاصد کے مفہوم کی ایسی علمی تعریف ضروری ہے، جس کی اپنی خصوصیات ہوں اور وہ اس کے آغاز، نشو ونما اور اس کے مدلولی اور تاریخی ارتقا اور اس کے مسلسل ترقیاتی سفر کی تحلیل وتقییم میں موجود بھی ہوں۔ (۲)

مقاصد: لغوی تعریف:

مقاصد مقصد کی جمع ہے، یہ قصد یقصد قصدا سے مشتق ہے، قصد کا لغوی معنی ہے ارادہ کرنا، متوجہ ہونا اور کسی چیز کی طرف رخ کرنا، مقصد کا ایک معنی ''استقامة الطريق'' (۳)

(۱) دیکھئے، عارف نصر محمد کی کتاب: الحضارة - الثقافة - المدنية: دراسة السيرة المصطلح ودلالة المفهوم، (مطبوعہ ہیرندن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۴ء) پر طہ جابر علوانی کا مقدمہ ص:۹-۷

(۲) ایضا، ص:۷

علوانی، طہ جابر، لسان القرآن ومستقبل الامة القطب، قاہرہ، مکتبۃ الشروق الدولیۃ، ۲۰۰۶ء، ص:۶۷

(۳) ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، قاہرہ، دار المعارف، ج:۳، ص:۹۶۔ نیز دیکھئے: فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، بیروت: مطبعۃ الرسالہ، ۱۹۸۷ء، ص:۳۹۶

(راہ راست) بھی ہے، جیسا کہ قول خداوندی ہے "**وعلی اللّٰہ قصد السبیل**" (نحل:۹) (سیدھا راستہ اللہ تک پہنچاتا ہے) قصد کا معنی عدل، میانہ روی اور عدم افراط بھی ہے، قول خداوندی ہے: "**واقصد فی مشیک**" (لقمان:۱۹)، (اور اپنی رفتار میں اعتدال اختیار کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**القصد القصد تبلغوا**" (۴)، حدیث میں القصد منصوب ہے، جس میں تحریک و ترغیب دی گئی ہے، یعنی درمیانی اور معتدل راہ اختیار کرو (۵)، اسی طرح کہا جاتا ہے: قصدت الطریق یعنی میں راستے پر چلا، قصد کا ایک معنی ارادہ بھی ہے، کہا جاتا ہے: قصدہ یقصدہ قصدا، یعنی اس نے اس کا ارادہ کیا اور اس کی طرف چلا۔

معنیٔ قصد کے لغوی مفہوم کے مطالعہ میں جو اہم بات ہے، وہ اس کا مخفی مفہوم ہے، جو ہدف، غرض کے معنی کی تاکید اور فعل انسانی کی رہ نمائی کے باب میں اس کی اہمیت سے عبارت ہے، چوں کہ قصد کے معنی میں عدل و میانہ روی شامل ہے، اس لیے روئے زمین پر خلیفۂ خدا انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنے ظاہری اور باطنی اہداف و اغراض کا ڈھانچہ تیار کرے، جس کے ذریعے وہ تمام امور میں عدل اور میانہ روی کے قیام پر قدرت حاصل کر سکے۔

اسی لیے شریعت اسلامیہ نے شخص مکلّف کی نیت اور اس کے باطنی ارادے پر فوکس کیا

(۴) بخاری، محمد اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق: احمد محمد شاکر، بیروت: دار الجیل، باب الرقاق، ۱۹۸۱ء، حدیث نمبر: ۵۹۸۲۔ بخاری کے مطابق حدیث کی پوری عبارت یوں ہے: ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بھی آدمی کو اس کا عمل نجات نہیں دلا سکتا، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ بھی ایسا نہیں کر سکے، اس پر آپ نے فرمایا کہ میں بھی کسی کو نجات نہیں دلا سکتا، اگر اللہ اپنی رحمت کے سایہ میں مجھے نہ ڈھانپ لے اور کہا۔ اپنے عمل کو درست کرو، میانہ روی اختیار کرو، صبح و شام اور کسی قدر رات میں بھی عبادت کرو اور اعتدال کے ساتھ چلا کرو، منزل مقصود کو پہنچ جاؤ گے۔

(۵) عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، تحقیق: عبد العزیز عبد اللہ بن باز، ریاض: المطبعۃ السلفیۃ، ۱۳۸۲ھ حدیث نمبر: ۵۹۸۲

ہے اور نیت اور ارادہ کے استحضار کو ارکان فعل اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کا اہم اور اساسی رکن قرار دیا ہے، چناں چہ نیت ہی اعمال انسانی کا رخ متعین کرتی ہے، جب کہ وہ عمل ایمان و یقین اور اتباع خواہش سے آمیز ہو کر صادر ہوا ہو، جیسا کہ ایک روایت ہے، علقمہ بن واقص لیثی سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے عمر بن الخطاب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا، جس کی اس نے نیت کی ہے۔ چناں چہ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی کہلائے گی اور جس شخص کی ہجرت دنیا کے حصول یا عورت سے نکاح کی طرف ہوگی، تو انھی کی طرف ہوگی'' (٦)، اسی لیے مقاصد کی شمولیت و جامعیت اور اس کی واقعیت و اخلاقیات کی وجہ سے وہ ظاہری قانونی شکلیں رفع ہو جاتی ہیں، جن کا اعتبار ظواہر کرتے ہیں، جس کے سبب حقوق ضائع ہو جاتے ہیں اور ایسی عدالتی اور سیاسی ذہنیت کو سامنے رکھ کر قانون سازی کی جاتی ہے، جس کی بنیاد ظاہر کی تزیین پر ہوتی ہے اور جس کا مقصد حیلہ سازی ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ علم مقاصد، نیت و ارادہ کو غدر و فریب، نیز دباؤ، ظلم اور غلو کی آلائش سے پاک کرنے کی تاکید کرتا ہے، اصحاب علم، نیت کے ظاہری عمل کے ساتھ تطابق و توافق کی شرط اس لیے لگاتے ہیں، تاکہ یہ عمل دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے صحیح ہو، یعنی اس عمل سے رضائے الٰہی اور عوامی مصالح بروئے کار آتے ہوں، اسی لیے بہت سے اجتماعی اور انفرادی معاملات کو ممنوع قرار دیا گیا ہے، جن کی بنیاد حیلہ حوالہ پر ہے، جیسے نکاح متعہ، بیوی کو میراث سے محروم کرنے کی نیت سے طلاق اور زکاۃ سے قبل مال کا ہدیہ۔

(٦) یہ حدیث صحیح کے علاوہ کتب سنن میں بھی موجود ہے۔ یہاں ابوداؤد کے الفاظ مندرج ہیں۔ دیکھئے: سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، بیروت: المکتبۃ العصریہ، ١٩٩٥ء، باب الطلاق، حدیث نمبر: ١٩٨٢ء

مفہومی اور منہجی اعتبار سے مقاصد شریعت کا جو لغوی معنی ہے، اس سے شارع کے مقصد و ارادہ کے استنباط میں بھی مدد ملتی ہے، ساتھ ہی انسانی رویہ وعمل کی قدر و قیمت کے باب میں انسان کی نیت کی اہمیت بھی ظاہر ہوجاتی ہے، اسی لیے مقاصد کی منہجیت سے کام لیا جاتا ہے، تاکہ انسان کے عمل کا قصد وارادہ قصد شارع کے موافق ہوجائے، اور افعال انسانی کے تنوع اور اس کے عقل ودماغ اور روح و بدن میں پیچیدگی کی وجہ سے عمومی قواعد اور کلی قوانین کی تشکیل ضروری ہے، جو جزئیات کو کلیات کے ساتھ مربوط کرنے میں معاون ہو اور انسانی معاشرہ ہدایت الٰہی کا دامن تھام سکے، اسی لیے قرافی (متوفی ۶۸۵ھ) نے کہا ہے: جس کسی نے بھی قاعدہ کلیہ سے صرف نظر کرتے ہوئے جزئی مناسبات کے ذریعے فروعی مسائل کی تخریج کی ہے، اس پر فروع کا مسئلہ متناقض ہوگیا ہے، اور فروع کے باب میں اس کا ضمیر غیر یقینی کیفیت سے دوچار ہوگیا ہے اور اس کو قرار نصیب نہ ہوسکا، اور جس نے بھی فقہ کو اس کے قواعد کے ساتھ منضبط ومرتب کیا وہ جزئیات کے کلیات میں مندرج ہونے کی وجہ سے اکثر جزئیات کے حفظ سے بے نیاز ہوگیا۔(۷)

اسی بنیاد پر فقہا نے کئی ایسے فقہی قواعد واصول تشکیل دیے ہیں، جو اس مفہوم ومعنی (۸) کی

(۷) قرافی، احمد بن ادریس، الفروق (انوار البروق فی انواء الفروق) قاہرہ: مطبع دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۳۴۴ھ ج:۱، ص:۳-۲

(۸) کسی متعین مسئلہ میں مسالک کے درمیان تقابل کرتے وقت مکلّف کے قصد ونیت کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔ مثال کے طور پر مالکی مسلک میں مکلّف کی نیت کا اعتبار ان نکاحوں میں ہوتا ہے جہاں قصد فاسد کا دخل ہوتا ہے۔ اسی لیے احناف وشوافع کے برخلاف ان کے یہاں محلل کا نکاح باطل ہے، اس لیے کہ محلل کے نکاح کا قصد، قصد فاسد میں داخل ہے، اس کو نکاح کے مقاصد سے کوئی مس اور تعلق نہیں ہے۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ نکاح حلالہ اور نکاح شغار کے بطلان کا اہل مدینہ کا مسلک، ان اہل عراق کے مسلک کے مقابلے میں سنت کے زیادہ تابع ہے، جنھوں نے اس نکاح کو باطل قرار نہیں دیا ہے۔ کیوں کہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے محلل اور محلل لہ دونوں پر لعنت بھیجی ہے۔ نیز صحابۂ کرام سے بھی یہ ثابت ہے انھوں نے اس سے منع کیا ہے، صحابہ میں سے کسی سے بھی اس بارے میں رخصت منقول نہیں ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تائید کرتے ہیں، جیسے یہ فقہی اصول کہ "**الأمور بمقاصدها**" (۹)، **والمقاصد معتبرة فی التصرفات** (۱۰)، "**والمقاصد تغیر أحكام التصرفات**"، جس کو ابن قیم نے باقاعدہ ایک فصل بنایا ہے اور اس میں مکلّف کی نیت کی اہمیت اور ایک ذمہ دار فرد کی حیثیت سے انسانی اعمال میں مکلّف کی نیت کے اثر کو واضح کیا ہے۔(۱۱)

۲-تاریخی سیاق میں مقاصد کی تعریف:

الف-متقدم اصولیین کی بحثوں میں مقاصد کا ذکر:

منطقی خاکہ یا ارسطی طریقہ کے مطابق مقاصد کے معانی ومفاہیم سے واقفیت حاصل کرنا دشوار ہے، جیسا کہ مفاہیم کی تعریفات، اصطلاحوں کے اطلاق وتدوین اور فقہا ومحدثین کے ظہور کے زمانے میں منطقی شکل کے ساتھ حدود کی قاعدہ سازی کے باب میں دشواری پیش آچکی ہے، اسی لیے اس زمانے کے فقہا اور اصول کے ماہرین نے ان مفاہیم اور مختلف اصطلاحات کی لغوی اور اصطلاحی تعریف وضع کرنے کا اہتمام کیا ہے، جس کا انھوں نے اصول وفروع میں استعمال کیا ہے۔

معاصر محققین کی تحقیق کا تقریبا اس امر پر اتفاق ہے کہ اکثر متقدمین علما نے کوئی ایسی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) اور یہ اہل مدینہ کے اصول کے موافق ہے، کیوں کہ ان کا ایک اصول ہے کہ معاملات میں قصد کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ دیکھئے: ریسونی، احمد، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، ہیرندن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۲ء، ص:۱۰۱

(۹) ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفۃ النعمان، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵/ ۱۹۸۵ء، ص:۸

(۱۰) شاطبی، ابراہیم بن موسی اللخمی، الموافقات فی اصول الشریعہ، تحقیق: محمد عبداللہ دراز، بیروت: دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، دوم ایڈیشن، ۱۹۷۵ء، ج:۲، ص:۳۲۳

(۱۱) ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین عن رب العالمین، تحقیق: طہ عبد الرؤف سعید، مکتبہ الکلیات الازہریہ، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۶۸ء، ج:۳، ص:۹۸۔ مزید دیکھئے: ابن نجیم، الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفۃ النعمان، حوالۂ سابق، ص:۸

اصطلاحی تعریف وضع نہیں کی ہے، جو مقاصد کے معنی ومفہوم کو جامع اور مانع ہو اور مقاصد کے لفظی مفہوم کو محیط ہو، چناں چہ متقدمین علما نے علت و قیاس کے مباحث اور مصالح مرسلہ کے مبحث سے بحث کرتے ہوئے مقاصد سے بھی بحث کی ہے، اصولیوں نے مقاصد کے معنی ومفہوم کو کئی الفاظ سے تعبیر کیا ہے، جو الفاظ کے اعتبار سے تو متفاوت ہیں، مگر معنی کے اعتبار سے باہم قریب ہیں، جیسے مناسب (۱۲)، مصلحت وحکمت (۱۳)، اور علت۔ (۱۴)

(۱۲) غزالی، ابوحامد، شفاء الغلیل، تحقیق: احمد الکبیسی عراق، احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۷۰ء، ص: ۱۴۴، نیز دیکھئے:
رازی، فخر الدین محمد بن عمر حسین، المحصول فی علم الاصول، دراسۃ وتحقیق: طہ جابر علوانی، بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، دوم ایڈیشن، ۱۹۹۲ء، ج: ۵، ص: ۱۵۸-۱۷۵
آمدی، سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۳ء، ج: ۳، ص: ۲۷۰
تفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر، التلویح علی التوضیح علی التنقیح، بیروت: دار الکتب العلمیہ، (د.ت) ج: ۲، ص: ۶۹
زرکشی، بدر الدین، البحر المحیط، کویت: وزارۃ الاوقاف، اول ایڈیشن، ۱۹۸۸ء، ج: ۵، ص: ۲۰۶

(۱۳) ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص: ۲۱، مزید دیکھئے:
کیلانی، عبد الرحمٰن، قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی: عرض ودراسۃ وتحلیلا، دمشق: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، دار الفکر، اول ایڈیشن، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، ص: ۴۴-۵۳
حسنی، نظریۃ المقاصد عند الامام محمد طاہر بن عاشور، ص: ۱۳۳-۱۲۰
الونشریسی، ابوعباس احمد بن یحیی، المعیار المعرب والجامع المغرب عن فتاوی اہل افریقیۃ والاندلس والمغرب، تحقیق: مجموعۂ علما زیر نگرانی محمد حجی، رباط، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۹۸۱ء، ج: ۱، ص: ۳۴۹
ربیعہ، عبد العزیز، السبب عند الاصولیین، ریاض: جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ۱۹۸۰ء، ج: ۲، ص: ۱۷-۱۸

(۱۴) شلبی، محمد مصطفیٰ، تعلیل الاحکام: عرض وتحلیل لطریقۃ التعلیل وتطورہا فی عصور الاجتہام والتقلید، بیروت: دار النہضۃ العربیۃ للطباعۃ والنشر، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۱۲، مزید دیکھیے: نجار، عبد المجید، فصول فی الفکر الاسلامی بالمغرب، بیروت: دار العرب الاسلامی، اول ایڈیشن: ۱۹۹۲ء، ص: ۱۴۱-۱۴۳

مثال کے طور پر تیسری صدی ہجری میں حکیم ترمذی نے اپنی کتاب کا نام "الصلاۃ ومقاصدھا" (۱۵) رکھا اور تیسری صدی کے بعد جو تحریریں مدون ومرتب ہوئیں، ان میں ایسے الفاظ وارد ہوئے جن سے مقاصدی فکر کی طرف اشارہ ہوتا ہے، چناں چہ امام جوینی نے پانچویں صدی میں مقاصد کی ایسی نظری اساس کی طرح ڈالی جس میں انھوں نے احکام کو دو قسموں میں تقسیم کیا، ایک واجب احکام جس کا تحفظ بہر حال ضروری ہے اور ایک مطلوبہ احکام جو انسانی مطالبات کی تکمیل کرتے ہیں، اس کو انھوں نے مصالح عامہ کا نام دیا (۱۶)۔ ان کے بعد ان کے تلمیذ ابو حامد غزالی آئے اور اس تقسیم کی طرف انھوں نے خصوصی توجہ دی اور مقاصد کو کئی سطحوں میں ترتیب دے کر قضیۂ مقاصد کی اصول بندی کی، تا کہ اس کی تنفیذ کا مرحلہ آسان ہو جائے، انھوں نے مقاصد کو مصالح مرسلہ کے ضمن میں تین سطحوں؛ یعنی ضروریات، حاجیات اور تحسینیات میں رکھا، چناں چہ یہ کہا:

"مصلحت اصل میں جلب منفعت اور دفع مضرت کا نام ہے اور اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ جلب منفعت اور دفع مضرت ایسے مقاصد ہیں، جو مخلوق سے متعلق ہیں اور مخلوق کی فلاح ان کے مقاصد کی تحصیل میں مضمر ہے، لیکن مصلحت سے ہماری مراد مقصود شارع کا تحفظ ہے اور مخلوق سے شریعت کا مقصود پانچ چیزیں ہیں، وہ یہ کہ شریعت مخلوق کے دین، ان کی جان، ان کی عقل، ان کی نسل اور ان کے مال کی حفاظت کرے، تو ہر وہ چیز جو ان اصولوں کی حفاظت کی ضامن ہو وہ مصلحت کہلائے گی، اور جن مقامات پر یہ اصول فوت ہو جائیں وہ باعث فساد شمار کیا جائے گا، اور اس کو رفع کرنا مصلحت ہوگا (۱۷) اور گویا کہ ابو حامد غزالی مصلحت کا اعتبار کرتے ہوئے مقاصد شریعت کو

(۱۵) ترمذی، محمد بن علی، الصلاۃ ومقاصدہا، تحقیق: حسنی نصر زیدان، قاہرہ، دار الکتاب العربی، ۱۹۶۵ء

(۱۶) جوینی، ابو المعالی، عبد الملک بن عبد اللہ، البرہان فی اصول الفقہ، تحقیق: عبد العظیم الدیب، قاہرہ، دار الانصار، ایڈیشن دوم، ۱۴۰۰ھ، ج: ۲، ص: ۹۲۳-۹۶۴

(۱۷) غزالی، ابو حامد، المستصفی فی علم الاصول، ترتیب: محمد عبد السلام شافی، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۹۳ء، ج: ۱، ص: ۲۸۶-۲۸۷

ایک شرط قرار دے رہے ہیں، مصلحت کو مقاصد شریعت پر محمول کرتے ہوئے، مصالح کی شناخت کے باب میں صرف عقلی فیصلے کو خود کفیل ضابطہ شمار نہیں کیا جائے گا، ورنہ یہ عمل ایسی خواہشات میں تبدیل ہو جائے گا، جس پر روایت و رسوم اور عادت نے مصالح کی چادر ڈال دی ہے۔

طوفی نے مصلحت کی تعریف اس طرح کی ہے: ''مصلحت ایسا سبب ہے جو مقصود شارع تک بطور عبادت پہنچاتا ہے، نہ کہ بطور عادت'' (۱۸)، عز بن عبدالسلام کی کتاب قواعد الاحکام میں یہ عبارت درج ہے: ''جو کوئی جلب مصالح اور دفع مفاسد کے لیے مقاصد کا تتبع کرے گا، اس پر اس کے مجموعہ سے اس بات کا یقین و عرفان حاصل ہو جائے گا کہ اس مصلحت کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور یہ کہ اس مفسدہ کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہے؛ اگرچہ اس بارے میں نہ اجماع ثابت ہو، نہ کوئی نص وارد ہوئی ہو اور نہ کسی مخصوص قیاس کا پتہ چلتا ہو، کیوں کہ نفس شریعت کا فہم اس کو لازم و ضروری قرار دیتا ہے، اس کی مثال وہ شخص ہے جو کسی فاضل و دانشور شخص کی صحبت اختیار کرے اور ان چیزوں کو سمجھے جس کو وہ صاحب علم و فضل شخص پیش آمدہ معاملات میں ترجیح دیتا ہے یا اس کو رد کرتا ہے، پھر اس کو کوئی مصلحت یا مفسدہ پیش آجائے جس کے بارے میں ان کا قول مذکور نہ ہو، تو وہ شخص ان کے طور طریقوں اور ان کی عادات و اطوار کے مجموعہ سے یہ جان لیتا ہے کہ وہ اس مصلحت کو ترجیح دیتے اور اس مفسدہ کو مکروہ سمجھتے'' (۱۹)، جب شریعت کا فہم مجتہد و محقق کے لیے شارع کے مقصود یعنی مصالح و مفاسد کی معرفت کے باب میں ممتاز ملکہ کی تخلیق کرتا ہے، تو یہ ملکہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب کہ جزئیات کی بابت شارع کے تصرفات کا استقرا اور تتبع کیا جائے؛ تاکہ ہم کسی قضیہ میں شارع کے مقصد کلی تک رسائی حاصل کر سکیں۔

(۱۸) طوفی، نجم الدین سلیمان عبد القوی حنبلی، التعیین فی شرح الاربعین، بیروت: مؤسسۃ الریان، ۱۴۱۹ھ، ص: ۴۷۸

(۱۹) ابن عبد السلام، عزالدین، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، ترتیب: عبداللطیف حسن عبدالرحمٰن، بیروت: دار الکتب العلمیہ، اول ایڈیشن، ۱۹۹۹ء، ج: ۲، ص: ۱۸۹

ب-معاصر اصولیین کی بحثوں میں مقاصد کا ذکر:

امام شاطبی کی کتاب ''الموافقات'' پر محمد عبداللہ دراز کی تحقیق اور پھر اس کتاب کے تحلیل وتجزیہ کے لیے سنجیدہ کوششوں کے منظر عام پر آنے کے بعد، موضوع مقاصد اور متقدمین کے نتائج کے مراجعہ کے سلسلے میں بیسویں صدی کی ابتدا سے معاصر محققین اور اسکالرس کے درمیان، جوں ہی بحث ومباحثہ کا در وا ہوا، اس بات پر تعجب کا اظہار کیا گیا کہ متقدمین علما اور اسکالرس نے کیوں مقاصد کی جامع و ہمہ گیر تعریف پیش نہیں کی اور کیوں انھوں نے اتنے اہم موضوع مقاصد کو دوسری اصطلاحات: مناسب، مصلحت، حکمت اور علت وغیرہ کے ضمن میں شامل کر دیا؟، خادمی نے اس بات کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ: ''یہ متقدمین کے پیش کردہ چند مختلف الفاظ ومصطلحات ہیں جن سے انھوں نے مقاصد مراد لیا ہے، حالاں کہ ان الفاظ کا معنی ومفہوم مقاصد کے مفہوم سے الگ ہے'' (۲۰)۔ جب کہ مقاصد کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع وہمہ گیر ہے جو ان اصولی مفاہیم واصطلاحات کے بطن سے برآمد ہوتے ہیں، جس کی تعریف قیاس اور تعلیل کے باب میں کی گئی ہے۔

شاطبی کی کتاب ''الموافقات'' کی تحقیق ومراجعہ سے دل چسپی لینے والے محققین نے بھی اس امر پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ شاطبی نے اپنی کتاب میں مقاصد کی تعریف سے گریز کیا ہے، حالاں کہ امام شاطبی ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے مقاصد کا ذکر اتنی دقیق تفصیل کے ساتھ کیا ہے، جو اس میدان کے پیش رو محققین کے یہاں ناپید ہے، کیوں کہ شاطبی نے مقاصد کو ایسے منہج اور اصولی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے جس سے کئی منہجی چیلنجز کا جواب تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے، چناں چہ ریسونی نے شاطبی کے یہاں مقاصد کی تعریف کے عدم ذکر کا یہ تخمینی سبب بیان کیا

(۲۰) خادمی، نورالدین بن مختار، الاجتہاد المقاصدی: حجیتہ، ضوابطہ، مجالاتہ، دوحہ، دارالاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۹۹۸ء، ج:۱، ص:۴۷-۵۲

ہے کہ: ''شاید شاطبی نے مقاصد کی تعریف کے معاملے کو بہت واضح سمجھ لیا اور یہ کہ مقاصد کے لیے مخصوص ان کی کتاب موافقات کا مطالعہ کیا جائے تو مقاصد کی تعریف کا معاملہ بہت واضح ہوجاتا ہے، یا شاطبی نے اس لیے مقاصد کی تعریف نہیں کی کہ ان کا روئے خطاب متخصص و ماہر اہل علم سے تھا'' (۲۱)،لیکن ریسونی نے خود مقاصد کی تعریف کے ذکر کی اہمیت کا ادراک کرلیا اور مقاصد کی ان لفظوں میں تعریف کی کہ: ''مقاصد سے مراد وہ غایات ہیں جن کو بندوں کی مصالح کے مدنظر بروئے کار لانے کے لیے شریعت نے وضع کیا ہے۔(۲۲)

امام شاطبی کے مقاصدی قواعد کی تلخیص کرنے والے کیلانی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ معنی کی وضاحت اس کے لغوی معنی کی مطابقت میں پوشیدہ ہوتی ہے،اس بارے میں وہ کہتے ہیں: ''متقدمین فقہا اور اصولیوں نے جب اس لفظ (مقاصد) کا استعمال کیا ہے،تو انھوں نے اس کے لیے کوئی ایسا معنی مقرر نہیں کیا ہے کہ وہ ان دوسرے الفاظ سے ممتاز اور جدا ہوجائے جن کا اس کے ساتھ ربط وتعلق ہے، یا اس کے معانی کے قریب ہے،عمومی طور پر جب بھی انھوں نے لفظ مقصد کا استعمال کیا ہے،تو اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اس سے عین لغوی معنی مراد ہے، جیسے یہ کہ قاعدہ: '' **الأمور بمقاصدها**'' معاملات اپنے مقاصد کے ساتھ مربوط ومحدود ہوتے ہیں،یعنی جس بات کا مکلّف قصد کرتا ہے اور جو اس کی نیت میں مضمر ہوتا ہے اور جس کی طرف وہ دوران عمل چلتا ہے۔(۲۳)

حسنی نے مسلسل کوشش کی کہ وہ امام شاطبی کی کتاب ''الموافقات'' کا دقت نظر کے ساتھ مطالعہ وتجزیہ کرکے،شاطبی کے یہاں مقاصد کی تعریف کا استنباط کریں، چناں چہ انھوں نے مقاصد کی تعریف ان کے اس قول سے کی: ''مقاصد،شرعی احکام سے مقصود اصطلاحی معانی کا نام ہے، اور

(۲۱) ریسونی،نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی،حوالۂ سابق،ص:۱۷

(۲۲) حوالۂ سابق،ص:۱۹

(۲۳) کیلانی،قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی: عرضا ودراسۃ وتحلیلا،حوالۂ سابق،ص: ۴۵

مقاصد وہ مدلولی معانی ہیں جو خطاب سے مقصود ہیں اور جو مکلّف کے ذریعہ شریعت کے اوامر ونواہی کے امتثال کے نتیجے کے طور پر مرتب ہوتے ہیں'' (۲۴)، پیش رووں کے یہاں مقاصد کی تعریف و توضیح کے عدم ذکر کے مسئلے سے بحث کرتے ہوئے علوانی نے جو تحقیق کی ہے، وہ اصولی اور نظریاتی منہج کی جامع تحلیل کا نتیجہ ہے، چناں چہ انھوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''گرچہ قرآن کریم میں ''تعلیل احکام'' کا قضیہ موجود نہیں ہے، یا نبی کریم ﷺ کے اعمال وافعال میں اس قضیہ کا ذکر ناپید ہے، مگر اصولی اور فقہی اذہان نے حال میں ''مقاصد شریعت'' کی طرف توجہ دی ہے، جیسا کہ اصولی دلیل کی شکل میں مقاصد شریعت کی توضیع وتشکیل کا عمل اس سے بھی زیادہ بعد میں منصۂ شہود پر آیا ہے، بہر حال اس دلیل کا استعمال قیاس اور مصلحت کے حوالے سے ہوا ہے، یہاں تک کہ ''مقاصد'' کا رنگ ایک دلیل کے طور پر نکھر کر سامنے آیا اور یہ اس لیے ہوا کہ مقاصد نے ایک نظریہ کے طور پر غلبہ وتسلط حاصل کرلیا، یہاں تک کہ امام الحرمین اور ان کے بعد امام غزالی وغیرہ نے عز بن عبد السلام اور پھر شاطبی سے تحریک حاصل کرتے ہوئے جن مقاصدی قواعد کی اساس ڈالی تھی، وہ منتشر طور پر سامنے آنے لگے، جس میں اکثر جزئیات کا احاطہ کیا گیا تھا، اس کے سبب قیاس اور مصلحت کے ضمن میں ان قواعد کو شامل کرنا یا انھیں شریعت کے فضائل ومناقب سے منسلک ومربوط کرنا آسان ہوگیا، مگر ہر وہ امر جس میں کسی حکمت، یا علت کا ظہور ہو، یا اس میں کوئی مناسبت یا مصلحت کا پہلو پایا جاتا ہو، وہ مقاصد شمار نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ علماء امت اور ائمہ امت، اہل رائے یا اہل حدیث یا اہل عقل ونقل کے خانوں میں منقسم ہوگئے، جس کے سبب مقاصد کی بحث فضائل شریعت کے بیان اور نقل کی بنیاد پر قائم شرعی احکام کی معقولیت کے دائرے میں منتقل ہوگئی، تاکہ دونوں فریقوں کو ایک اسٹیج پر لایا جاسکے اور ان کے مابین تصادم کو دور کیا جاسکے۔ واللہ اعلم۔ (۲۵)

(۲۴) حسنی، نظریۃ المقاصد عند الامام محمد طاہر بن عاشور، حوالۂ سابق، ص: ۱۱۵

(۲۵) علوانی، طہ، مقاصد الشریعہ، بیروت: دار الہادی للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۰۰۱ء، ص: ۱۳۸-۱۳۹

مقاصدی علوم کا اہتمام کرنے والے معاصر اہل علم نے مناہج کا استنباط کیا اور ان مناہج کو از سر نو مرتب کیا اور خاص طور پر آخری دہائیوں میں ایسے جدید مناہج کی دریافت کی، جن کا نصوص کے ساتھ تعامل کی تحریک کے ضبط میں حصہ رہا ہے، تاکہ ان نصوص کے مقاصد کا پتہ لگایا جاسکے، اور یہ کام انھوں نے قرآن کریم کے کلیوں، اس کے بلند اقدار، اس کے مقاصد کی تلخیص اور قرآن کی تعمیری اکائیوں کے منہج کی رعایت کرتے ہوئے سرانجام دیا۔(۲۶)

یہ منہج محمد عبداللہ دراز کی کتاب "**النبأ العظیم: نظرات جدیدة فی القرآن**" (۲۷) میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے، جس کے مشمولات کی انھوں نے اصول سازی کی اور اس کو قرآن کریم کی طویل ترین اور موضوعات کے اعتبار سے متنوع وثروت مند سورت سورۂ بقرہ پر منطبق کیا، چناں چہ انھوں نے قرآن کریم کی آیات اور اس کے اجزا کے درمیان تناسب وترابط اور ہم آہنگی کو بیان کیا۔

اجتماعی زاویے اور مقاصد شریعت کے انکشاف کے مقصد سے، معاصر علما کے قرآن کریم کے ساتھ تعامل کے سبب ہی ان اہم اجتماعی اعتراضات اور چیلنجز کو پیش کرنا ممکن ہوا ہے، جن سے موجودہ معاشرہ دوچار ہے، ان علما نے مقاصد کے کلی دائرے میں رہ کر فقر وغربت، ظلم واستبداد، عورت کے کردار وغیرہ کے فقدان جیسے اشکالات وچیلنجز کا قرآن کریم سے جواب تلاش کیا۔

اس منہج کی ابتدا جمال الدین افغانی کے مناقشات اور ان کے مباحث سے ہی ہوگئی تھی (۲۸)، ان کے بعد محمد عبدہ نے نہ صرف اس منہج کی حمایت کی اور اس کو ترقی دی، بلکہ قوموں

(۲۶) مثال کے طور پر دیکھئے: علوانی، طہ، الوحدة البنائیة للقرآن المجید، قاہرہ، مکتبة الشروق الدولیة، ۲۰۰۶ء

(۲۷) دراز، محمد عبداللہ، النبأ العظیم: نظرات جدیدة فی القرآن، تحقیق: عبدالحمید احمد الدخاخنی، قاہرہ، دار المرابطین، دار طیبہ، ۱۹۹۷ء، شیخ دراز وہی ہیں جنھوں نے شاطبی کی کتاب "الموافقات" پر تحقیق وتعلیق کیا ہے، شاطبی کی مذکورہ کتاب علم مقاصد کا محور ومرکز تسلیم کی جاتی ہے۔

(۲۸) دیکھئے: افغانی، جمال الدین، الاعمال الکاملہ، تحقیق: محمد عمارة، بیروت: المؤسسة العربیة للدراسة والنشر، ۱۹۷۹ء، نیز دیکھئے: افغانی، جمال الدین، وعبدہ محمد، العروة الوثقی، بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۹۸۰ء

اورانسانی تہذیبوں کے بارے میں فقہ سنن قرآنی کی بناڈالنے کی دعوت بھی دینے لگے، پھران کے شاگرد محمد رشید رضا(۲۹) اس میدان میں آئے جنھوں نے مقاصد قرآن کو بالتفصیل بیان کیا اوراس میں اہم کلی مفاہیم یعنی توحید، وحی اور نبوت پر زور دیا اور یہ واضح کیا کہ اسلام دین فطرت ہے، وہ عقل و وجدان اور علم کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے، ساتھ ہی انھوں نے معاشرت، اقتصادی اور سیاسی اصلاح اور عورتوں کو ان کے حقوق سے بہرہ مند کرنے کی اپیل کی، پھر مالک بن نبی نے اپنی کتاب ''**الظاهرة القرآنية**'' (۳۰) میں ان معانی کی تایید وحمایت کی اور تہذیب وثقافت اور مدنیت وغیرہ کی بحث کرتے ہوئے اس کو ایک فلسفے کے طور پر مستحکم ومنظّم کیا، پھر انھوں نے مثالی انسانی معاشرے کے حوالے سے اس کے تصورات کی تشکیل کرتے ہوئے ان منہجی معانی کو عملی جامہ پہنانے کی بھی کوشش کی۔

مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ مقاصدی علوم طاہر بن عاشور کی تحریروں خصوصا ''تفسیر التحریر والتنویر''(۳۱) میں وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے، یہ کتاب مقاصد قرآنی کے جوہر اور اس کے ذریعے معاشرتی صورت حال کے جائزہ کی نمائندگی کرتی ہے، یہ مقاصدی معانی طاہر بن عاشور کی درج ذیل کتابوں: ''**أصول النظام الاجتماعی**''، ''**أليس الصبح بقريب**'' اور ''**مقاصد الشريعة الإسلامية**'' وغیرہ میں بھی بیان ہوئے ہیں۔

ابن عاشور نے مقاصد کی ایسی تعریف کی ہے کہ یہ تعریف جامع ومانع اصولی تعریف کے دائرے سے نکل کر تشریح وتوضیح کے دائرے میں داخل ہوگئی ہے، اس کی وجہ اس تعریفی مرحلے کی

(۲۹) دیکھئے: رضا محمد رشید، الوحی المحمدی ثبوت النبوۃ بالقرآن، بیروت: مؤسسۃ عز الدین للطباعۃ والنشر، دوم ایڈیشن، ۱۳۵۲ھ

(۳۰) دیکھئے: ابن نبی، مالک، الظاہرۃ القرآنیۃ، ترجمہ عبد الصبور شاہین، کویت: الاتحاد الاسلامی العالمی للمنظمات الطلابیۃ، ۱۹۷۸ء

(۳۱) دیکھیے: ابن عاشور، محمد طاہر، تفسیر التحریر والتنویر، حوالۂ سابق

اہمیت ہے، جو مقاصد خصوصا مقاصد کو اساسی اور تطبیقی جہات پر مبنی ایک مستقل علم کے طور پر متعارف کرانے کے باب میں ان کی اساسی جدوجہد کے خلاصہ پر مبنی ہے، اسی لیے ابن عاشور نے معنی مقاصد کے بیان پر توجہ دی ہے اور اس کو عام اور خاص مقاصد میں تقسیم کیا ہے، اور ان میں سے ہر ایک کی تعریف کی ہے، لکھتے ہیں: ''شریعت کے عمومی مقاصد درج ذیل ہیں، یعنی شریعت کے عمومی مقاصد وہ مفاہیم اور مصالح ہیں جن کا لحاظ شارع نے شریعت کے تمام احوال یا اکثر احوال میں اس طور پر کیا ہے کہ اس کی رعایت شرعی احکام کی کسی خاص قسم میں مخصوص نہ ہو، چناں چہ اس میں شرعی اوصاف، اس کی عمومی غایت اور وہ تمام مفاہیم ومعانی داخل ہیں، جن کی رعایت شریعت نے ملحوظ رکھی ہے (۳۲)، ابن عاشور نے مقاصد خاصہ کی تعریف اس طرح کی ہے: ''مقاصد خاصہ وہ احوال ہیں، جو انسانوں کے مفید مقاصد کو روبہ عمل لانے، یا ان کے خصوصی افعال میں ان کے عمومی مصالح کے تحفظ کے لیے شارع کو مقصود ہوں'' (۳۳)، اس طرح ابن عاشور کو اہم منہجی اضافات کو پیش کرنے کی قدرت ملی، اس لیے کہ انھوں نے جزئیات کا استقرا کیا اور پھر انھوں نے ان جزئیات کو ایک کلی کے طور پر مرتب ومنظم کیا اور اسلام کے معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی نظام کی کلیات کے دائرے میں ان جزئیات کی تحقیق ومراجعہ کا کام کیا۔

ابن عاشور نے ایک دوسری منہجی مثال بھی پیش کی، جس کی اہمیت ماقبل کی مثالوں سے کم نہیں ہے، وہ یہ کہ انھوں نے اسلامی اقدار کو اعلی مقاصد جیسے رواداری، آزادی اور مساوات کی حیثیت سے پیش کیا، مثلا رواداری کے مفہوم کے واسطے سے انھوں نے جس اعتدال کی دعوت دی ہے، وہ آج، خصوصا مذہبی اور سیاسی تعصب کے طوفان اور اس کے نتیجے میں انسانوں کے مابین

(۳۲) ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، حوالۂ سابق، ص:۶، مزید دیکھئے: حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، حوالۂ سابق، ص:۱۱۷

(۳۳) ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، حوالۂ سابق، ص:۵۱

جنگ، قتل و غارت گری، ظلم و جبر جیسے معاملات کے ظہور پذیر ہونے کے بعد ایک ضرورت بن گئی ہے، انہی حالات کے سبب بدنظمی وانتشار اور تباہی کی تمام شکلیں دنیا میں دیکھنے کو مل رہی ہیں۔(۳۴)

محققین کی نظریں اقداری نظام اور اس کو اعلی مقاصد کے ساتھ مربوط کرنے پر مرکوز رہی ہیں، تو جیسا کہ ماضی میں شاطبی وغیرہ متقدمین اصولیین نے مکلفین کے مقاصد کا انکشاف کیا اور انھوں نے ضروریات، حاجیات اور تحسینیات وغیرہ مکلفین کے مقاصد کو روبہ عمل لانے کی اہمیت پر زور دیا، آج یہ بات اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ اعلی مقاصد کو مکلفین پر عائد ہونے والے مقاصد کے ساتھ مربوط کرنے کے موضوع پر بحث کا آغاز کیا جائے، مکلفین پر عائد ہونے والے مقاصد میں سب سے اہم ''اقدار'' ہیں، جیسا کہ ابن عاشور نے بھی آزادی کو مقاصد کے ضمن میں شامل کیا ہے اور اس کو فطرت کا نتیجہ قرار دیا ہے، علال فاسی نے آزادی وحریت کو مسئولیت اور تکلیف کے ساتھ ہم رشتہ کر دیا ہے اور حریت و آزادی کی تمام اقسام کو توحید کا نتیجہ قرار دیا ہے جو انسانوں کو غیر اللہ کی بندگی سے آزادی عطا کرتا ہے، انھوں نے اس مفہوم سے ایمانی حریت، وطنی حریت، انفرادی حریت، سیاسی حریت، حریت علم وعمل جیسی حریت کی مختلف شکلوں کی جزئیات بر آمد کی ہے'' (۳۵)، اسی طرح محققین نے اقدار کی بحث تسلسل کے ساتھ کی ہے، چناں چہ محمد غزالی نے مساوات و انصاف اور حقوق انسانی کو مقاصد میں شامل کیا ہے (۳۶) یوسف قرضاوی نے حریت، مساوات، انصاف، اخوت، تعاون اور تکریم جیسے معاشرتی مقاصد کا اہتمام کرتے ہوئے،

(۳۴) حوالۂ سابق، ص: ۶۰-۶۲

(۳۵) فاسی، علال، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ ومکارمہا، بیروت: دار الغرب، ۱۹۹۳ء، ص: ۲۴۴-۲۵۸ مزید دیکھئے: عطیہ، نحو تفعیل مقاصد الشریعہ، حوالۂ سابق، ص: ۱۰۴

(۳۶) عطیہ، نحو تفعیل مقاصد الشریعہ، حوالۂ سابق، ص: ۹۸، مقاصد کے تعلق سے شیخ غزالی کے ملاحظات ان کی اکثر تالیفات میں نظر آتے ہیں، خاص طور پر درج ذیل تالیفات میں:

غزالی، محمد، کیف نتعامل مع القرآن، ہیرندن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۱ء

غزالی، محمد، قضایا المرأۃ بین التقالید الراکدۃ والوافدۃ بیروت: دار الشروق، ۱۹۹۰ء

مقاصد کے مشمولات پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے (۳۷)، اسی طرح امام غزالی اور قرضاوی نے ایسے مناہج کی دریافت کی ہے، جو فقہ اولویات، فقہ موازنات اور فقہ برائے ضابطۂ تمدن وغیرہ جیسے مقاصد کی تنفیذ و تطبیق کے باب میں محققین کے لیے ممد و معاون ثابت ہو، تجدید و ترقی کے حامی محققین کے سامنے اس میدان میں بحث و مباحثے کا دروازہ ہنوز کھلا ہوا ہے۔

یوسف عالم نے یہ لکھا ہے کہ شرعی مقاصد کی دو قسمیں ہیں: ۱-مخلوق سے مطلوب خالق کے مقاصد، ۲-شریعت سے مطلوب مقاصد۔

پہلی قسم کے مقاصد اللہ سبحانہ و تعالی کی عبادت میں مجسم و محقق ہوتے ہیں جب کہ دوسری قسم کے مقاصد اس غایت میں موجود ہیں جو شریعت کا مطمح نظر ہے، نیز ان اسرار میں موجود ہیں جن کو شارع حکیم نے ہر حکم میں وضع کیا ہے، اسی کے واسطہ سے شریعت، عام مقاصد کو روبہ عمل لانے کا قصد کرتی ہے، وہ عام مقاصد افراد و معاشرہ کی فلاح، نظام کا تحفظ، خیر و فلاح اور ان اشیا کی بنیاد پر دنیا کی تعمیر سے عبارت ہے جس سے انسانیت کی تکمیل کی راہ ہموار ہوتی ہے، تاکہ دنیا آخرت کی کھیتی بن جائے اور انسان دونوں جہان کی فلاح سے بہرہ مند ہو جائے۔ (۳۸)

علوانی اپنے استقرا اور تتبع کے بعد یہاں تک پہنچے ہیں کہ: ''مستقل اور اعلی ترین شرعی مقاصد: توحید، تزکیہ اور تہذیب و تمدن ہیں، پھر اس کی انھوں نے اس طرح تعریف کی ہے: ''قطعی اور مطلق کلیات کے مصادر قرآن کریم کی کلیت، اس کی قطعیت اور اس کے احکام کا منبع و ماخذ ہونے میں منحصر ہے، بہر حال سنت تو وہ لازمی طور پر مصدر و منبع کی وضاحت کرنے والی ہے۔ سنت قرآن کریم کے پائیدار اعلیٰ مقاصد کی عملی تطبیق کی تشکیل کرتی ہے، اور سنت قرآن کریم کے ساتھ ایک ایسی

(۳۷) قرضاوی، یوسف، مدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیہ، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، ایڈیشن سوم، ۱۹۹۷ء، ص: ۷۵ مزید دیکھئے: عودہ جاسر، فقہ المقاصد: انالۃ الاحکام الشریعۃ بمقاصدہا، ہیرندن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۰، ۲۳، ۲۷

(۳۸) عالم، یوسف، مقاصد الشریعۃ العامہ، ہیرندن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، اول ایڈیشن، ۱۹۹۱ء

تعمیری اکائی کی شکل میں ہم آہنگ ہوجاتی ہے، جس کی روشنی میں ہزاروں صحیح احادیث اور آپ ﷺ کے مسلم افعال واعمال کی تفہیم وقرأت کی جاتی ہے''، پھر انھوں نے یہ لکھا کہ: ''اعلی مقاصد کلی مقاصد کا مقام نہیں پاسکتے، اگر تمام انبیا کے پیغامات میں ان مقاصد کا ذکر نہ ہو، ایسا اس لیے کہ نبوی پیغامات وحدت دین، وحدت عقیدہ، وحدت مقاصد اور تمام پیغامات میں وحدت غایت سے عبارت ہیں، اگر چہ شریعت کے بعض پہلوؤں میں تعدد اور تنوع ہو، جیسا کہ انصاف ومساوات اور حریت وغیرہ عمومی اقدار کی تعریف، نیز ضروریات کے تحفظ اور زندگی میں حاجیات وتحسینیات کے حصول کے لیے تگ ودو کے معاملے میں ان مقاصد کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، اور اسی راہ سے مقاصد تمام انسانی افعال (خواہ ان کا تعلق قلب وعقل سے ہو یا جسم وبدن سے) کے حوالے سے جزئی احکام کے ضبط اور بوقت ضرورت جزئی احکام کی ایجاد پر قادر ہوسکتے ہیں، تاکہ جزئیات کلیات کے ساتھ مربوط وہم آہنگ ہوسکے اور پورا انسانی معاشرہ راہ ہدایت پر آجائے۔(۳۹)

منہجیت کے تصور میں ارتقا کی وجہ سے محققین چیلنجز کی آخری منزل تک رسائی اور ایسی سنجیدہ تحقیقات کی پیش کش پر آمادہ ہوئے، جو صرف اسلامی ورثہ تک محدود نہیں ہیں، بلکہ اس میں بعض جدید مغربی علوم کا رد بھی پیش کیا گیا ہے، خاص طور پر مقاصد کی روشنی میں اس کا مطالعہ کرتے ہوئے اور انسانی خدمت کی صلاحیت کے حامل، انسانی علوم کی حیثیت سے اس کا استعمال کرتے ہوئے، فلسفہ اور ترقی مناہج کے میدان میں ان سنجیدہ تحقیقات کی اہمیت دو چند ہوجاتی ہے، جاسر عودہ کی تحقیقی کتاب ''**مقاصد الشريعة كفلسفة للتشريع الإسلامي: رؤية منظومية**'' (۴۰)، اس میدان میں ایک مثبت اور سنجیدہ نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کتاب میں

(۳۹) علوانی، مقاصد الشریعہ، حوالۂ سابق، ص: ۱۳۵-۱۳۹

(۴۰) Auda, Jasser. Maqasid Al- Shariah as Philosphy of Islamic law: A systems Approach.London, Washington: The International Institute of Islamic Thought, 2008 اس کتاب کا عربی ترجمہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقاصد کی اساسی اہمیت اور اس کے مطالعہ کے حوالے سے ایسے منہج کی تاکید کی گئی ہے، جو کلیت وشمولیت اور ہم آہنگی وتوازن پر مرکوز ہے، چوں کہ تمام تر مقاصد کی اصل بیان وتطبیق کے اعتبار سے قرآن کریم اور صحیح حدیث ہے، اس لیے مقاصد ایسے اصولی فکری منہج، بلکہ فلسفۂ تشریع اور فلسفۂ اخلاق کو پیش کرتا ہے جو اسلامی اور انسانی ورثہ کی مراجعت اور اس کی تحلیل وتفہیم، تطبیق وتنفیذ، نیز مختلف عہدوں اور شکلوں میں انسانیت کو درپیش مسائل کا حل پیش کرنے کے حوالے سے جامع وہمہ گیر اسلامی تجدیدکاری کا منہجی دائرہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

مقاصدی علوم کو ترقی سے ہم کنار کرنے کے لیے ایسے فکری علمی اور تہذیبی منہج کے ضمن میں جدوجہد اور تحقیقات ہو رہی ہیں، جو جدید انسانی ذہنیت کی تعمیر میں مددگار ثابت ہوتا ہے، ایسی انسانی ذہنیت جس میں قرآن کریم کے بلند تر اقدار ومعیار کی رعایت کی گئی ہے۔

مقاصد کی تعریفات اس مرحلے کی منہجی ترقی کی عکاسی کرنے لگی ہیں، اور وہ ایسی ترقی ہے جو اصولی اور فکری محققین کی بحث وتحقیق کا نتیجہ ہے، جو مقاصد کو تشریع کے محدود دائرے سے نکال کر، اس کو ایک ایسا علمی اور تہذیبی منہج بنانے کی سنجیدہ کوشش کا حصہ ہے، جو مجتہد کو راست طور پر قرآن وسنت کے ساتھ جوڑ کر مجتہدین کے اجتہادات کی رہ نمائی کر سکے، یہاں تک کہ فقہی فتوی اور دینی فتوی کے درمیان خط تفریق کھینچنا ممکن ہو، اس کی وجہ سے مختلف دیگر دینی اور دنیوی علوم میں مقاصد کے استعمال کے دائرے کی توسیع کرنے کے بجائے، نص کو انسانی حقائق کی طرف منتقل کرنے میں مدد ملتی ہے، یہ عمل جدت کی منزل تک پہنچانے والے مقصدی غایت کے طرز پر مسلم ذہنیت کی تشکیل میں مددگار ثابت ہوگا۔

اسی لیے یہ تحقیق، مقاصد کے معانی کی تعریف وتحدید سے اعتنا کر رہی ہے، تاکہ ایسے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) بعنوان: ''مقاصد الشریعۃ کفلسفۃ للتشریع الاسلامی: رؤیۃ منظومیۃ'' المعہد العالمی للفکر الاسلامی سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا۔

منہج کی بنیاد کا پتہ لگایا جائے جو نص کو حقیقی صورت حال سے منطبق کرے۔ خلاصہ یہ کہ مقاصد ان کلیات کا نام ہے، جو قرآن وصحیح احادیث کے مکمل استقرا کے بعد ان دونوں سے مستنبط کیے گئے ہیں، ان کلیات کی مدد سے انسانی افعال اور شرعی احکام کی معیار بندی ممکن ہے، تاکہ نوع انسانی، زمین کی آبادکاری اور دونوں جہان میں انسان کی فلاح کے حوالے سے، خالق کائنات کی جانشینی کا فریضہ ادا کر سکے۔

ثانیا: تعلیل وتعبد کی اصطلاحوں میں مقاصد:

پیش رو اصولیین نے مقاصد کی بحث پر اتنی توجہ نہیں دی، جتنی توجہ اصول ونظریہ سازی پر مبنی دوسری اصولی بحثوں کے حصے میں آئی، بلکہ مقاصد کی بحث کو قیاس کے باب میں علت کی بحث اور مصلحت مرسلہ کے ضمن میں شامل کر لیا گیا، اسی لیے ان دونوں موضوع پر بحث ونزاع کا معاملہ طویل ہو گیا اور مقاصد کو حکمت اور مناسبت وغیرہ اصطلاحوں کے ساتھ جوڑ دیا گیا، جس کے سبب مقاصد، دلیل قیاس کے استحکام اور اس کی جہات کی توسیع اور دلیل مصلحت و انتصار کی تقویت اور جزئی دائرے میں تعبدی رجحان کے مقابلے میں تعلیل کا وسیلہ بن گیا، جس کے اردگرد اس وقت اصولی فکر کے میدان میں بحث وجدال کا معاملہ گرم تھا، اس طرح تعلیل اور تعبد بحث میں اہم کردار کا حامل بن گیا اور بہت سے اصولیین معاملاتی احکام کو تعلیل اور عبادات سے متعلق احکام کو تعبد کے مفہوم کے ساتھ مربوط کرنے میں لگ گئے۔

چوں کہ آج کل مقاصدی فکر تعمیر نو کے مرحلے میں ہے، اس لیے ان اصطلاحات کے مراجعہ اور اس کے تحلیل وتجزیہ سے تو صرف نظر کیا جا سکتا ہے، مگر ان اہم اصطلاحات کا اعادہ کرنا ضروری ہے، جو اس فکر کے ساتھ تاریخی طور پر مربوط ہیں اور جو اس فکر کے مدلولی اور تاریخی آغاز و ارتقا کے سفر پر اثر انداز رہی ہیں، مثال کے طور پر دو اصطلاحوں: تعبد اور تعلیل کا اعادہ کرنا اس

لیے ضروری ہے کہ مقاصد کی علمی اور منہجی تعمیر نو اور پھر اس پر عمل درآمد کرنا ممکن ہو، تاکہ اس طرح جزئی فقہ سے پیدا شدہ منفی امور سے بچا جائے اور مجتہد کو قرآن وسنت کے ساتھ راست طور پر مربوط کیا جائے، نیز کلی نظریہ مستحکم ہو اور کلی اور جزئی احکام کو اعلی مقاصد ومعیار سے مربوط کرنا اور اس پر عمل کی کیفیت کے بیان کے ساتھ ان مقاصد کو اس سے مستنبط کرنا آسان ہو، پھر روئے ارضی پر انسانوں کی جانشینی کی مہم کی روشنی میں فعل کی حقیقت، نیز اس فعل (خواہ وہ فعل مثبت ہو یا منفی، دینی ہو یا اخروی، مادی ہو یا معنوی) پر مرتب ہونے والے اثرات اور اسی طرح انسانی ارادہ اور اس کے متعلقات یعنی نیت، قصد وعزم، قدرت، اعمال کے حسن وقبح کی رعایت کرتے ہوئے عقلی اور نقلی دلیل کو انسانی افعال کی منہجی معیار بندی کے لیے کام میں لایا جائے۔(۴۱)

۱-تعبد کا مفہوم

الف-تعبد کا لغوی اور فقہی مفہوم:

لسان العرب میں مذکور ہے: عبودیت کی اصل اطاعت وفرماں برداری ہے، عبودیت مصدر تعبد سے مشتق ہے، کہا جاتا ہے "**تعبد فلان فلانا إذا صیره عبدا**" (فلاں نے فلاں کی بندگی کی جب وہ اس کو عبد یعنی بندہ بنالے) یا جیسا کہ غلام جب وہ اطاعت وفرماں برداری قبول کرلے، قرآن کریم میں موسی علیہ السلام کی زبان سے یہ ادا ہوا: "**وتلک نعمة تمنها علی أن عبدت بنی إسرائیل**" (الشعراء:۲۲)، (اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان رکھتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے) یعنی تم نے ان کو اپنا تابع ومطیع بنالیا(۴۲)، کتاب: "**المفردات فی غریب القرآن**" میں مذکور ہے: عبودیت اطاعت کا اظہار کرنا ہے، عبادت اس سے زیادہ بلیغ ہے،

(۴۱) علوانی، مقاصد الشریعہ، حوالہ سابق، ص: ۱۷۷-۱۸۴

(۴۲) ابن منظور، لسان العرب، حوالہ سابق، مادہ "عبد"

کیوں کہ یہ اطاعت کی انتہا ہے، اور اس کا مستحق وہی ہوسکتا ہے جس کی مہربانیاں بے حد وحساب ہوں اور ایسی ذات صرف اللہ تبارک وتعالی کی ہے، اسی لیے قرآن میں آیا ہے: ''ألا تعبدوا إلا إياه'' (یوسف:۴۰)، (بجز اس کے اور کسی کی عبادت مت کرو)، (۴۳)

تعبد کی ایک تعریف یہ بھی ہے جس کے معانی فقہی تحقیقات سے مربوط ہیں کہ تعبد وہ ہے کہ جس کا معنی خصوصیت کے ساتھ عقل میں نہ آئے؛ گرچہ اس کی حکمت اجمال کے ساتھ سمجھ میں آجائے، اور اس میں تجاوز اور قیاس ممکن نہیں، دوسرا معنی اس سے زیادہ عام ہے اور وہ یہ کہ جس میں اللہ کا حق ہو؛ اگر مکلّف اس کا قصد وارادہ کرے گا تو اس پر ثواب ملے گا اور اگر اس کو ترک کرے گا تو عذاب کا مستحق ہوگا، اور یہ معنی محض شارع کی طرف سے امر ونہی کے صدور سے مستفاد ہوتا ہے، یہ معنی قیاس کے منافی نہیں ہے۔ (۴۴)

ب- دلالت قرآنی اور تطبیق نبوی میں تعبد کا مطلب:

سابقہ شریعتوں، خصوصا شریعت بنی اسرائیل میں عبادت کے مقابلے میں نظریۂ تعبد عام رہا ہے، قرآن کریم نے بھی عبودیت کے وسیع تر معنی کی وضاحت کرنے اور انسانوں کے ذریعے خدا کی بندگی اور انسانوں کی بندگی کے درمیان خط فاصل کھینچنے کا اہتمام کیا ہے۔

بندگیٔ خدا کو انسان کی عبادت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، جیسا کہ اس کی وضاحت سورۂ نحل میں کی گئی ہے: ''ضرب الله مثلا عبد مملوكا لا يقدر على شئ و من رزقناه منا رزقا حسنا فهو ينفق منه سرا و جهرا هل يستوون الخ'' (سورۂ نحل: ۷۶)، (اللہ تعالی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ ایک غلام ہے مملوک کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا

(۴۳) اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، حوالۂ سابق، ص:۳۱۹

(۴۴) شلبی، تعلیل الاحکام: عرض وتحلیل لطریقۃ التعلیل وتطوراتہا فی عصور الاجتہاد والتقلید، حوالۂ سابق، ص:۲۹۹، اور اس کے بعد کے صفحات

اور ایک شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دی ہے تو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے، کیا اس قسم کے شخص آپس میں برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری تعریفیں اللہ تعالی ہی کے لیے لائق ہیں؛ بلکہ ان میں تو اکثر جانتے ہی نہیں) اور اللہ تعالی ایک اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ دو شخص ہیں جن میں ایک تو گونگا ہے کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر ایک وبال جان ہے وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی کام درست کر کے نہیں لاتا، کیا یہ شخص اور ایسا شخص برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم کرتا ہو اور وہ خود بھی معتدل طریقہ پر ہو)۔

انسانوں کا خدا کی بندگی کرنا، انسانوں کے لیے آزادی ہے، جب کہ انسانوں کے ذریعے انسان کی بندگی سے اس کی نقل وحرکت مفلوج ہو جاتی ہے، وہ اپنے آقا پر بوجھ بن جاتا ہے اور عبودیت کی کمزوری اور ذلت کی وجہ سے وہ ہر معقول اور غیر معقول بات کی تنفیذ و بجا آوری پر مجبور ہو جاتا ہے، بندوں کے ذریعے بندوں کی بندگی اس اللہ کی عبادت و بندگی سے بہت مختلف ہے جو بندوں کو مادی اور نفسیاتی قیود سے آزادی عطا کرتا ہے۔

غلام بنانے کا قضیہ ان اہم قضایا میں سے ایک ہے، جس کا تاریخ انسانی پر بہت گہرا اثر پڑا ہے اور اب تک جس کے اثرات انسانی معاشرے پر دراز ہوتے جا رہے ہیں، قرآن کریم نے تعبید (غلام بنانا) کے مفہوم، اس کے اثرات اور اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کے معنی سے اس کے مختلف ہونے کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا سورۂ نحل کی آیت میں وارد ہوا ہے، ڈاکٹر علوانی کا خیال ہے: ''جب انسان، انسان کی بندگی اختیار کر لیتا ہے، تو وہ گونگا بن جاتا ہے، وہ اظہار رائے کی آزادی سے محروم ہو جاتا ہے، اس کا آقا ہی اس کی زبان سے بولتا ہے اور اس کے تمام معاملات کو انجام دیتا ہے، اس کا آقا کسی بھی نقل وحرکت کا حق نہیں دیتا، چنانچہ وہ اپنے آقا پر ایک بار ہوتا ہے، جس کے سبب اس کی توانائی اور تمام انسانی صلاحیتیں دم توڑ دیتی ہیں۔ اس کی صلاحیتوں کے مردہ ہو جانے کے بعد جب اس کا آقا اس کو تحریک دینے یا اس کو کوئی

حکم دینے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو کوئی خبر نہیں رہتی، جب کہ خدا کا بندہ زبردست صلاحیتوں کا اس درجے تک مالک ہوتا ہے کہ وہ صرف عدل وانصاف کی معرفت اور اس کے التزام تک محدود نہیں رہتا، بلکہ اس کا حکم بھی دیتا ہے اور اس کی طرف دعوت بھی دیتا ہے۔(۴۵)

الٰہی معانی کو عملی جامہ پہناتے ہوئے، اسی پہلو کو آپ ﷺ نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے: ''تم میں سے کوئی اپنے ماتحتوں کو عبدی اور امتی (میرا بندہ اور میری بندی) کہہ کر نہ پکارے، بلکہ میرے لڑکے اور میری لڑکی کہہ کر پکارے۔''(۴۶) آپ ﷺ کا قول اس مسئلے میں اس لیے اہم جہت پر مبنی ہے کہ دو لفظوں: عبد وامۃ (بندہ اور بندی) کے استعمال سے آپ ﷺ کی ممانعت کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ ایک لفظ کو دوسرے لفظ کی جگہ پر بدل کر رکھ دیا جائے، کیوں کہ لفظ، تعبیر وادائیگی کا ایسا آلہ اور معانی کا ایک ایسا فریم ہوتا ہے جو سامع اور قاری کے ذہن پر منعکس ہونے والے اہم مدلولات کا حامل ہوتا ہے، یہ فکری، علمی اور وجدانی تشکیل میں مؤثر ہوتا ہے جو کائنات میں اس کے حرکت وسلوک کی تشکیل میں کردار ادا کرتا ہے۔

جب انسان ''عبدی و امتی'' (میرا بندہ اور میری بندی) کہہ کر دوسرے انسان کی عبودیت کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے، تو یہ انتساب اپنے مضمون ومشمول میں اپنے خطاب ''میرے لڑکے اور میری لڑکی'' سے مختلف ہوتا ہے، یہ خطاب انسانی اخوت کے مفہوم کی حامل جانبین کی انسانیت اور جانبین کے مابین حسن سلوک، رحم دلی اور احسان کی طرف داعی امور کی بھی

(۴۵) دیکھئے طہ علوانی کی کتاب: ''الحسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، حوالۂ سابق کا مقدمہ، حوالۂ سابق، ص:۹

(۴۶) ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنی زبان سے میرا بندہ اور میری بندی کا لفظ نہ نکالے، اسی طرح کوئی مملوک شخص میرا مالک اور میری مالکن نہ کہے، آقا کو میرے بچے اور میری بچی کہنا چاہیے اور غلام کو چاہیے کہ وہ سید اور سیدہ (صاحب اور صاحبہ) کہہ کر پکارے۔ کیوں کہ تم سب مملوک اور غلام ہو اور رب صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے۔ دیکھئے: سجستانی، سنن ابی داؤد، حوالۂ سابق، کتاب الادب، حدیث نمبر: ۴۳۲۴

حمایت کرتا ہے، یہ وہ اوصاف ہیں جو انسانوں کے ذریعے صرف اللہ کی عبادت کے مفہوم سے مستنبط ہوتا ہے، جس کی وساطت سے انسان غیر اللہ کی عبودیت و بندگی کی زنجیروں سے آزاد ہوجاتا ہے۔(۴۷)

اسی طرح اسلام غلامی اور عبودیت و بندگی کے سلسلے میں پائے جانے والے ان تمام مفاہیم کی تصحیح کرتا ہے، جو جسم وروح اور عقل کے اعتبار سے انسانوں کے اپنے انسانی بھائیوں کی ملکیت کے معنی کی ترجمانی کرتے ہیں، اس تصحیح کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس روش کو ایسے مفاہیم سے بدل ڈالے جو انسانوں کے درمیان غلامی و استعباد کی صورت حال کے خاتمے کے لیے انسانی معاشرہ کو تیار کرے۔

تمام مخلوقات میں موجود تعبید (بمعنی تسخیر) اور بغیر کسی جبر واکراہ کے اپنے اختیار سے عبادت کرنے والے انسان کی عبادت کے مفہوم کے درمیان قرآن کریم نے اس طرح امتیاز پیدا کیا ہے۔فرمان باری تعالی ہے:(ترجمہ: جتنے بھی کچھ آسمانوں اور زمین ہیں، سب خدا تعالی کے روبرو غلام ہوکر حاضر ہوتے ہیں)(مریم:۹۳)۔

ایسا انسان خالص اللہ کی عبادت کرنے کی وجہ سے خدا کا بندہ ہے اور اسی لیے لفظ عبد شرف وتکریم کے معنی کا حامل ہے: اللہ فرماتا ہے:(ترجمہ: وہ نوح بڑے شکر گزار بندے تھے)(الاسراء:۳)۔دوسری جگہ فرماتا ہے:(ترجمہ: بڑی عالی شان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کیا کہ کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا جہاں والوں کے لیے ڈرانے والا ہو)(الفرقان:۱)۔ایک اور جگہ کہتا ہے:(ترجمہ: تمام خوبیاں اس اللہ کے لیے ثابت ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی)(کہف:۱)۔اور یہ بندے اللہ سبحانہ وتعالی سے قرب ونزدیکی سے یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔فرمان خداوندی ہے:(ترجمہ: واقعی

(۴۷) دیکھئے طہ علوانی کا مقدمہ بر کتاب:''الحسنی،نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور،حوالۂ سابق کا مقدمہ،حوالۂ سابق،ص:۹

میرے ان بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا)(الاسراء:۶۵)۔دوسری جگہ فرماتا ہے:(ترجمہ:اور رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں)(الفرقان:۶۳)۔(۴۸)

یہ اور ان کے علاوہ دوسری آیات بھی شرف وتکریم کے معنی کی مظہر ہیں۔اسی لیے علمائے لغت کا یہ خیال ہے کہ جب لفظ عبد کی جمع بنائی جائے اور اس میں خدا کی طرف نسبت کے معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو اس وقت اس کی جمع ''عباد'' آئے گی۔مگر جب لفظ عبد میں غیر اللہ کی اطاعت کے معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو اس کی جمع ''عبید'' آئے گی (۴۹)،اس کا شمار ان دقیق فرق میں ہوتا ہے جو توحید کے مفہوم اور انسان کی داخلی آزادی میں اس کے اثرات کی اہمیت کی عکاسی کرتا ہے،تاکہ یہ رویہ نہ صرف انسانی سلوک پر، بلکہ غلامی تک پہنچانے والے تمام عناصر سے آزادی کی تحریک دینے والے امور میں منعکس ہو۔

انسانوں کی اپنے رب کی عبادت یا غیر اللہ کی عبادت کی اہمیت کے درمیان دقیق فرق ایک دوسرے اہم مسئلے میں ظاہر ہوتا ہے۔وہ مسئلہ انصاف اور ظلم ہے۔اللہ تبارک وتعالی کے فرمان:**وما انا بظلام للعبید** (ق:۲۹)،ترجمہ:اور میں بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں) کی تشریح کرتے ہوئے راغب اصفہانی نے اس مسئلے کی طرف متنبہ کیا ہے۔چناں چہ وہ کہتے ہیں:یہ اس بات پر دال ہے کہ اللہ نہ تو ان لوگوں پر ظلم کرتے ہیں جو اس کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی ان لوگوں پر ظلم کرتے ہیں جو غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں یا غیر اللہ یعنی سورج وغیرہ کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور عبد شمس یعنی سورج کا بندہ کہلاتے ہیں۔جہاں تک آپ ﷺ کے فرمان: ''**تعس عبد الدرهم الخ** (ترجمہ:درہم کے بندے تباہ وبرباد ہو جائیں.....) کی بات ہے،تو یہ اس شخص پر محمول ہے،جس کی توجہ صرف ہر قسم کے مال کے جمع کرنے پر ہوتی ہے،یہاں تک کہ

(۴۸) اصفہانی،المفردات فی غریب القرآن،حوالۂ سابق،ص:۳۱۹

(۴۹) ایضا،ص:۳۱۹-۳۲۰

وہ مال کے سوا ہر چیز سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔(۵۰)

قرآن کریم میں مفصل انداز میں بیان کردہ عبادت کے مفہوم کی اہمیت خاص طور پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے، جب شرائع ابراہیمیہ کا تقابل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سابقہ شریعتوں خاص طور پر شریعت بنی اسرائیل میں تعبد کا جو مفہوم ہے، وہ اسلامی مفہوم سے مختلف اور جدا ہے۔ اسلام میں عبادت کا تصور، عبادت کرنے والے انسان اور اس کے خالق کے درمیان تعلق کے شعور وادراک پر قائم عقلی اور قلبی اختیار و پسند کے معانی و مفاہیم کا حامل ہے، جب کہ شریعت بنی اسرائیل میں عبادت کا معنی ہے تابع بنانا اور قابو میں کرنا۔ اسی سبب سے ''تعبد'' کو ان قوموں کے فکری منہج کا درجہ دیا گیا، جو قومیں خلیفۂ مختار انسان کے مرتبے سے نکل کر ایسی مسخر و تابع مخلوق کے مرتبے پر پہنچ گئیں، جو ہر عمل اس کی حکمت کو بغیر سمجھے انجام دیتی ہیں۔(۵۱)

قرآن کریم نے ان انبیاء اور رسل کے اقوال کے ذریعے اس مسئلے کو مفصل طور پر بیان کیا ہے، جن میں سے ایک ایک نبی اور رسول نے صرف اللہ تعالی کی عبادت کا اعلان کیا، بلکہ ان اقوال سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اللہ تبارک وتعالی نے بنی اسرائیل سے اس بارے میں عہد و پیمان کرایا تھا۔ قرآن میں ہے:(ترجمہ: اور جب لیا ہم نے قول وقرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا بجز اللہ تعالی کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور یتیموں وغریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکاۃ۔ پھر تم اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے۔ اور تمھاری تو معمولی عادت ہی اقرار کر کے ہٹ جانا ہے) (بقرہ: ۸۳)۔ دوسری جگہ آیا ہے:(ترجمہ: اور ہم نے موسی علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور ہم نے عیسی بن مریمؑ کو واضح

(۵۰) ایضا، معنی ''عبد'' ص: ۳۱۹

(۵۱) علوانی، طہ، مقاصد الشریعۃ، مجلّہ قضایا اسلامیہ معاصرہ، ع، ۱۴، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء، ص: ۳۲

دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کو روح القدس سے تائید دی۔ کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمھارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمھارا دل نہ چاہتا تھا، تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا، سو بعضوں کو تو تم نے جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو قتل ہی کر ڈالتے تھے) (بقرہ:۸۷)۔ان آیات وغیرہ میں ان قوموں کے ردعمل کو بیان کیا گیا ہے، جنھوں نے اس شکل میں عبادت کے مفہوم کا انکار کیا تھا جس کو انبیاء لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ چنانچہ ان قوموں نے تکبر کا ارتکاب کیا اور اپنے نبیوں پر اپنی تعلیٰ و برتری ظاہر کی اور ظاہری معجزات کا بھی انکار کر ڈالا، جس کے سبب ان قوموں نے شریعت الٰہیہ کی تطبیق سے راہ فرار اختیار کیا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہوا ہے (۵۲)، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان پر حلال اشیاء کو بھی حرام کر دیا گیا اور احکام آسان سے مشکل ترین بنا دیے گئے۔ اللہ فرماتا ہے: (ترجمہ: سو یہود کے ان ہی بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں، ان پر حرام کر دیں اور بسبب اس کے کہ وہ بہت آدمیوں کو اللہ تعالی کی راہ سے مانع بن جاتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے، حالاں کہ ان کو اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے اور ہم نے ان لوگوں کے لیے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے۔ (النساء:۱۶۰-۱۶۱)

اس طرح قرآنی تعبیر کے مطابق ان قوموں کے بارے میں شریعت کی اصل زجر و توبیخ اور تادیب و تعذیب پر قائم ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے شریعت بنی اسرائیل کے اہم خصائص کو یوں بیان کیا ہے کہ انھوں نے اپنے مکلّف بنائے جانے کے حکم کے خلاف سرکشی کی، انھوں نے اسباب کے بارے میں کھوج کرید کی، انھیں شرعی احکام کو قبول کرنے کی دھمکی دی گئی وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ باتیں ہیں جن سے اللہ جل شانہ کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت کا پتہ چلتا ہے جس

(۵۲) بنی اسرائیل کی اس قسم کی گفتگو کا نمونہ سورۂ اعراف میں خاص طور پر ۱۲۷ تا ۱۷۸ آیات میں دیکھئے۔

سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ کے ساتھ ان کا تعلق کشمکش اور انتقام کا تعلق تھا۔ (۵۳) اور اس لیے کہ زجر و توبیخ اس تعلق کا اساسی مقصد ہو گیا تھا، اس لیے آسان احکام کی عدم انجام دہی اور مشکل ترین احکام کے صدور کے حوالے سے ان کی سرکشی پر تنبیہ اور ان کی تادیب کا ایک حصہ یہ تھا کہ مقاصد کو پوشیدہ رکھا گیا، نیز حکمت کو بھی پردے میں رکھا گیا، تاکہ اس طرح انسان جانشینی و خلافت کے مرتبے سے نکل کر تابع و ماتحت انسان کی سطح پر پہنچ جائے (۵۴) اور یہ ایک سنگین مسئلہ ہے، جس میں گہرے فلسفیاتی، نفسیاتی اور تربیتی معانی پوشیدہ ہیں اور یہ اسی سبب سے ایسا تعلق ہے جس کا جوہر و مزاج امت وسط کے ساتھ خدا کے تعلق سے مختلف اور الگ ہے، وہ امت وسط جس کی شریعت کا یہ امتیاز ہے کہ وہ آسان ہے، اس میں رحم دلی کا پہلو ہے اور اس شریعت میں احکام کے مقاصد و معانی کو اس طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اس سے مومن کی فکر میں عمق و گیرائی پیدا ہوتی ہے اور اس کے ایمان کو بھی جلا ملتی ہے۔

اسی لیے ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ یہودیوں کی معاصر تحریک اصلاح اس لیے نمودار ہوئی کہ مقاصدی رجحان سے کام لے کر بوجھ اور سختی سے عبارت شریعت کے خلاف بغاوت کا بگل بجایا جائے، مگر یہ تحریک، نصوص فہمی کے باب میں مقصد کا استعمال کرتے ہوئے افراط کا شکار ہوگئی، چنانچہ اس نے خدائی اوامر کو علی الاطلاق انسانی مصالح کے تابع کر دیا اور مسلسل تبدیلی کے

(۵۳) سابقہ مذاہب کے پیروکاروں نے نکاح و طعام اور سونے جاگنے جیسے انسان کے فطری اعمال کو بشری کمزوری سمجھا ہے، جس میں بنی آدم کو بطور سزا مبتلا کر دیا گیا ہے، جب کہ آخری مذہب اسلام نے انسانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ تمہارے لیے صحبت و ہمبستری میں بھی اجر و ثواب ہے، اس لیے کہ یہ افزائش نسل اور خالق کائنات کے حکم کی پاس داری کی وجہ سے تعبد کا حصہ ہے۔ اس حقیقت کے ادراک سے یہ بات پختہ ہو جاتی ہے کہ بار اور قیود سے عبارت جن شریعتوں کو ہم نے قبول کر لیا تھا، وہ ناقابل اتباع ہیں، کیوں کہ آخری شریعت سابقہ تمام شریعتوں سے الگ ہے۔

(۵۴) دیکھئے کتاب: ''الحسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور پر طہ علوانی کا مقدمہ، حوالۂ سابق، ص:۱۱

قابل عرفی سماجی التزام کو مذہبی التزام سے بدل ڈالا اور یہ عمل صرف معاملات تک محدود نہیں رہا، بلکہ عبادات تک دراز ہوگیا۔ پھر یہودیت میں مسلسل شریعت کی خلاف ورزی کی گئی، اور ان خلاف ورزیوں کے سبب یہودی علماء کا تعلق روایتی تعلیمات سے منقطع ہوگیا، جو دینی تعلیمات کی روح اور ان تعلیمات کے مقاصد کی کھود کرید کا نتیجہ تھا، چنانچہ عبادت کا مقررہ وقت یوم الاحد (سنیچر) سے یوم السبت (اتوار) میں بدل دیا گیا اور عبادتوں کو سمجھنے کے مقصد سے یہودی عبادت گاہوں میں رائج متداول لغات کو عبری لغت سے بدل دیا گیا اور ان کی نظروں میں احکام کی صحت ان چیزوں میں منحصر ہوگئی جو فلسفہ فقہ مقاصدی کے حق میں مفید ثابت ہو، جس کی وجہ سے بعد میں فلسفۂ اخلاق انتشار کا شکار ہوگیا اور مطلق سیکولرازم کے اصول کے تابع ہوگیا اور سیکولرازم کے فلسفے کو اختیار کرلیا۔(۵۵)

جہاں تک آخری شریعت یعنی اسلام کی بات ہے تو خارق عادت امور اور عقل انسانی کے جبر پر اس کی بنیاد نہیں رکھی گئی ہے کہ جس کے سبب انسانی عقل نامعقول باتوں کے سامنے مغلوب ہوجائے، بلکہ رسالت اسلامی کی بنیاد منہج ومنطق اور اسباب کے مسببات کے ساتھ، نیز نتائج کے مقدمات کے ساتھ ربط وتعلق پر قائم ہے۔ چنانچہ ہم بہت کم یہ پاتے ہیں کہ قوانین الہیہ میں سے کوئی قانون ایسا ہو جس کی علت منصوص نہ ہو۔ تاکہ عوام الناس شریعت کی فلاح کا یقین کرسکیں اور اس کو روبہ عمل لاسکیں۔ شریعت اسلامیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ فرمان باری تعالی: **وما ارسلناک الا رحمة للعالمین** (انبیاء:۱۰۷)، ترجمہ: اور ہم نے آپ کو دونوں جہاں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) کے مصداق دونوں جہاں کے لیے رحمت ہے۔ یہی سبب ہے کہ شریعت اسلامیہ میں تکلیف مالا یطاق نہیں ہے، اس میں حرج اور تنگی نہیں ہے، اس میں پاک اشیاء کو حلال قرار دیا گیا ہے اور ناپاک اشیا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

(۵۵) علوانی، رقیہ طہ، اثر العرف فی فہم النصوص: قضایا المرأۃ نموذجا، دمشق: دار الفکر، ۲۰۰۳ء

اسی طرح عبادت کا جو معنی و مفہوم ہے، وہ روئے ارضی پر اس انسانی مشن کا عکاس ہے، جو خدائی اوامر کی تنفیذ اور خدائی نواہی سے اجتناب سے عبارت ہے۔ اس پابندی کے سبب روحانی ترقی نصیب ہوتی ہے جو مادی اغراض میں کائنات کی منفعت کاری کی راہ سے مادی دنیا کے ساتھ تعامل کر کے، انسانوں کے ذریعے تمدنی معانی کو بروئے کار لاتے ہوئے حاصل ہوتا ہے۔ اور اس مفہوم کے ساتھ نفس اور تعمیر کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے عبادت، نیز دنیا و آخرت میں انسانی نفع کے حصول کی راہ سے، خلافت کے معنی کا حصول ہوتا ہے۔ اور یہ سب محض فضل خداوندی سے میسر ہوتا ہے جو مطلق کمالات کا مظہر ہے۔ (۵۶)

۲۔ لغوی اور اصطلاحی مفہوم میں تعلیل:

تعلیل لغوی اعتبار سے علل کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے علل الرجل یعنی وہ بار بار پلاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے علل فلانا المال یعنی مال کو اچھی طرح خرچ کیا، علل الشئ: اس کی علت بیان کی اور اس کو دلیل سے ثابت کیا۔ اس معنی میں کہ یہ ایسی کارروائی ہے جس کے ذریعے اس شے کی علت واضح کی جاتی ہے اور اس میں تعلیل کی وجہ دلیل سے ثابت کی جاتی ہے۔

اصطلاح میں تعلیل کا مطلب ہے: شئ کے علت بننے کے کے اظہار کا عمل (۵۷) تو تعلیل شئ کی علت کا بیان ہے اور اس کا اطلاق اس شے پر ہوتا ہے جہاں علت کے ذریعے معلول پر استدلال کیا جاتا ہے اور اثر کو ثابت کرنے کے لیے مؤثر کے ثبوت کا اظہار کیا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ شئ کی علت کا اظہار ہے خواہ وہ تام ہو یا ناقص۔

اصولیوں نے علت کی یہ تعریف کی ہے کہ علت وہ ظاہری اور منضبط حالت ہے جس پر حکم

(۵۶) اصفہانی، تفصیل النشأتین و تحصیل القعادتین، حوالۂ سابق، ص: ۱۰۴-۱۱۴

(۵۷) جرجانی، شریف علی بن محمد بن علی، التعریفات، تحقیق: ابراہیم ابیاری، بیروت: دار الکتاب العربی، ایڈیشن دوم، ۱۹۹۲ء، ص: ۸۶

مرتب کرنے سے مکلّف کی مصلحت یعنی دفع مضرت اور جلب منفعت کی مصلحت لازم آئے (۵۸)، یہ اس لیے کہ تعلیل کو اتنا منضبط اور معیاری بنایا جاسکے کہ استنباط اور تخریج میں غلطی سے بچا جائے۔ اس کے ذریعے عقل مسلم ایسی عقل کامل بن جاتی ہے جو ضابطہ اور قانون کی متلاشی ہوتی ہے اور منفرد توازن کے ساتھ علل واسباب کو اپناتی ہے۔

مگر یہ کہ ماہرین علم کلام کے ظہور اور تعلیل وتعبد کے مسئلے میں ان کے غور وخوض کا اثر اصولیین اور فقہاء کے مناقشات میں آج تک ظاہر ہورہا ہے۔ علم کلام میں تعلیل کے انکار اور فقہی استدلالی جدوجہد میں اس کے اعتراف کے سبب ایک منہجی اشکال نے جنم لیا، جس کے سبب علما دو گروہ میں منقسم ہوگئے۔ ایک فریق تعلیل احکام اور اس کی معقولیت کا قائل ہے اور دوسرا فریق احکام کی تعبدیت پر مصر ہے۔ علماء کے اس اختلاف کے سبب عبودیت کے معنی کی ایسی تفسیر وتشریح کرنی پڑی جو انسانی فہم سے بالاتر ہے اور ان پر جس طرح احکام نازل ہوئے ہیں، اس کی تنفیذ کو لازم قرار دیتے ہیں۔ جب کہ عبودیت ایسا اساسی مفہوم ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالی نے روئے ارضی کو آباد کرنے کے لیے انسانوں کے ساتھ مربوط کردیا ہے۔ عبادت شعائر تک ہی محدود نہیں، انسان کی نقل وحرکت کو بھی شامل ہے، یہ ''عبادات اور معاملات'' یعنی خرید وفروخت، تعلقات اور معاہدات وغیرہ کو بھی محیط ہے۔

قرآنی معنی کے ساتھ عبادت کے مفہوم کا استحضار مقاصدی اجتہاد میں ایک منہجی ضابطے کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ عبادت کی علت تزکیہ ہے، تو اس طرح عبادت مقصدی معاملہ ہے اور معنوی اعتبار سے عقلی شے ہے، اگر اس کی حکمت کسی زمانے میں ظاہر نہ ہو تو کسی اور زمانے میں ظاہر ہوگی اور اگر بعض علماء پر اس کی حکمت مخفی رہ جائے تو دوسرے علما پر اس کی حکمت ظاہر ہوگی۔ اسی طرح معانی ومقاصد کے فہم اور اس کے استنباط کے باب میں مجتہد کی کاوش عبادت کے

(۵۸) ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص: ۲۳

دائرے میں داخل ہوجاتی ہے۔

اس تفہیم میں زبان کا اہم رول ہے، جو کبھی احکام کی بنیاد پر الفاظ کے ضبط کے دوران مبالغہ کی حدتک لے جاتا ہے، چناں چہ تعبد کی یہ لغوی تعریف کہ:"**تعبد فلان فلانا اذا صیرہ عبدا او کالعبد فی اذلالہ و اخضاعہ**" (فلاں نے فلاں کی بندگی اختیار کی، جب وہ اس کو عبد بنالے یا جیسا کہ غلام، اپنی اطاعت شعاری و ماتحتی کے اعتبار سے) قرآن کے تعبدی معنی سے مختلف ہے جس کا مطلب ہے انسان کا اپنی مرضی واختیار سے اپنے رب کی طاعت وفرماں برداری کرنا (۵۹)۔ اس اعتبار سے عبودیت کا معنی احترام وتکریم ہوگا جو معنوی اعتبار سے معقول تکلیف (مکلّف بنانا) کے مناسب ہے۔ جیسا کہ شاطبی نے بھی اس حوالے سے یہ کہا ہے:''شریعت کی توضیع کا شرعی مقصد شخص مکلّف کو اپنی خواہشات کے چنگل سے نکالنا ہے، تاکہ وہ اختیار ومرضی سے اللہ کا بندہ بن جائے جیسا کہ وہ اضطراری طور پر اللہ کا بندہ ہے (۶۰)، ابن عاشور نے بھی اس بات پر زور دیا ہے کہ اس مسئلہ میں متکلمین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ لفظی ہے۔ (۶۱)

ادلہ کو ایک اصل کا مقام دے کر اصولیین نے بھی لفظ'' تعبد'' کا کثرت سے استعمال کیا ہے، جیسا کہ ان کا یہ قول ہے کہ: ہم لوگ خبر واحد یا قیاس کے سبب بندگی کرنے والے ہیں۔

فقہائے کرام عبادات اور عبادت سے متعلق امور پر لفظ'' تعبدیت'' کے اطلاق کے حوالے سے متفق الرائے ہیں، اس خیال سے کہ ان تمام امور میں علت کی تلاش نہیں کی جاتی ہے، اس لیے ان میں قیاس کا دخل نہیں ہے۔'' تعبدیت'' کا اطلاق ہر اس حکم پر کیا گیا ہے جس کی

(۵۹) شاطبی، ابراہیم موسی لخمی، الاعتصام، تحقیق: محمد رشید رضا، قاہرہ، مطبعۃ المنار، ۱۳۳۲ھ، ج:۳، ص:۲۰۱-۲۵۱، مزید دیکھئے: شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، حوالۂ سابق، ج:۲، ص: ۹۲، عالم، مقاصد الشریعۃ العامہ، حوالۂ سابق، ص۱۰۹

(۶۰) شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، حوالۂ سابق، ج:۲، ص:۹۲

(۶۱) ابن عاشور، تفسیر التحریر والتنویر، حوالۂ سابق، ج:۱، ص:۳۷۹

تشریع میں بندوں کی طاعت کا اور اپنے خالق کی فرماں برداری کے امتحان کے سوا کوئی اور علت یا حکمت مجتہد پر ظاہر نہ ہو۔(۶۲)

اس قسم کے احکام میں اگر بطور اجمال کسی حکمت کا علم بھی ہو جائے تو یہ احکام اپنی تعبدیت کے دائرے سے خارج نہیں ہوتے ہیں، بلکہ یہ ضروری ہے کہ خصوصی طور پر اس کے معنی کو سمجھا جائے۔ اوقات صلاۃ اور طلاق و وفات میں شہور عدت کے عدد کو امر تعبدی سمجھا جائے۔(۶۳)

اس لیے کہ احکام کو عبادات و معاملات کے خانوں میں منقسم کیا گیا ہے، ان دونوں کے حوالے سے ذیل کے سوال میں بحث چھڑ گئی کہ کیا عبادات و معاملات میں اصل تعلیل ہے یا تعبد، یا صرف معاملات میں تعلیل ہے نہ کہ عبادات میں، یا احکام معاملات میں تعلیل اصل ہے؟ اکثر اصولیوں نے کہا ہے کہ معاملات میں بندوں کے مصالح کی علت کا خیال کیا گیا ہے، ان کا اختلاف عبادات میں ہے، تو ان میں سے بعض نے عبادات کی تعلیل کی تاکید و حمایت کی ہے، جیسے اس موقف کے قائلین میں حکیم ترمذی ہیں، جنھوں نے نماز اور مقاصد نماز کے موضوع پر کتاب تحریر کی، اسی طرح جوینی بھی اسی موقف کے قائل ہیں اور ابن قیم بھی جنھوں نے اکثر عباداتی احکام کی علت تلاش کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہے۔(۶۴)

قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ ظاہری علل اور ایسے منصوص اسباب پر مشتمل ہیں، جن میں شرعی احکام سے شارع کے مقصود کو بیان کیا گیا ہے۔ ہم شرعی احکام میں سے بہت کم ایسا حکم پاتے ہیں جس کی علت منصوص نہ ہو۔

(۶۲) دیکھئے کتاب: ''الحسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور پر طہ علوانی کا مقدمہ، حوالۂ سابق، ص:۱۱

(۶۳) حوالۂ سابق، ص:۱۰

(۶۴) جوزی، ابن قیم، اعلام الموقعین عن رب العالمین، مراجعہ: طہ عبدالرؤف، بیروت: دارالجیل، ۱۹۷۲ء، ج:۲، ص:۵۸ اور اس کے بعد۔

چنانچہ احکام کی علت بیان کرنا قرآن وحدیث کا طریقہ ہے اور اس میدان میں جو کچھ مذکور ہوا ہے، اس میں ادق ترین وہ بات ہے جس کو امام عز بن عبد السلام نے اپنے دو رسالوں: "**مقاصد الصلاۃ**" اور "**مقاصدا لصوم**" میں بیان کیا ہے، چنانچہ انھوں نے پہلے رسالے کا آغاز اس قول سے کیا کہ: ''تمام عبادات کا مقصد اللہ عزوجل کا تقرب ہے''، پھر انھوں نے تقرب کے معنی کی یوں وضاحت کی کہ اس کی ذات اور اس کے احسان کا قرب دونوں اس کے مومن بندوں کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ کہ وہ اپنے متقرب بندوں سے اس شخص کی طرح پیش آتا ہے جو طاعت وتعظیم اور عظمت وفرماں برداری کے جذبے سے اس کا تقرب حاصل کرتا ہے۔(۶۵)

ابن قیم نے قرآن وسنت کی تعلیلات کی دسیوں مثالیں بیان کی ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''مفتاح دار السعادۃ'' میں لکھتے ہیں: ''قرآن وحدیث حکم ومصالح کی بنیاد پر احکام کی تعلیل اور ان حکم ومصالح کے اسباب سے مملو ہیں، جس کے پیش نظر یہ احکام مشروع کیے گئے ہیں اور جس کے لیے ان احکام کی تخلیق کی گئی ہے۔ اگر قرآن وحدیث میں ان احکام ومصالح کی تعداد سو دو سو ہوتی تو ہم اس کو بیان کرتے، مگر یہ مختلف انداز میں ہزار سے بھی زائد مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔(۶۶)

شاطبی کے یہاں عبادات میں اصل تعبد ہے اور معاملات میں اصل تعلیل ہے۔ جیسا کہ انھوں نے کہا ہے: ''مکلّف کے حوالے سے معانی کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے، بلکہ عبادات

(۶۵) ابن عبد السلام، عز الدین، مقاصد الصلاۃ، تحقیق: ایاد خالد الطباع، بیروت: دمشق: دار الفکر المعاصر، ۱۹۹۵ء، ص:۹، مزید دیکھئے: ابن عبد السلام، عز الدین، مقاصد الصوم، تحقیق: یاد خالد الطباع، بیروت: دمشق: دار الفکر المعاصر، ۱۹۹۵ء، اس کے علاوہ کئی اور کتابوں میں شریعت خصوصا عبادات کے اسرار وحکم بیان ہوئے ہیں۔ درج ذیل یہ دو کتابیں اسی نوعیت کی ہیں۔ ''محاسن الاسلام وشرائع الاسلام'' ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن بخاری، (متوفی ۵۴۶ھ) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی: ۱۱۷۶ھ) کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ''

(۶۶) جوزی، ابن القیم، مفتاح السعادہ ومنشور ولایۃ العلم والادارۃ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، (د.ت) ج:۲، ص:۲۲، مزید دیکھئے: ریسونی: نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص: ۲۲۴-۲۳۵

میں اصل تعبد ہے اور عادات میں اصلا معانی پر توجہ مرکوز رکھی گئی ہے۔(٦٧)

شرعی احکام کی تعلیل کے قول پر صحابہ وتابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں مسلمانوں کا اجماع رہا ہے۔ کئی علماء (مثلا اصولی شافعی المسلک اور ماہر علم کلام آمدی) نے اس مسئلے میں اجماع کے انعقاد کی حمایت کی ہے، چنانچہ انھوں نے یہ صراحت کی ہے کہ یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ کوئی ایسا حکم ہے جس کی کوئی علت نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ قول فقہا کے اس بات پر اجماع کے خلاف ہے کہ حکم علت سے خالی نہیں ہوتا ہے (٦٨)، ابن حاجب نے بھی یہی کہا ہے کہ: ''دلیلِ اجماع امت کی بنیاد پر احکام بندوں کے مصالح کے لیے مشروع کیے گئے ہیں۔(٦٩)

معاصرین میں سے اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ محمد مصطفیٰ شلبی نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: '' قرآن وحدیث، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے متفقہ ومتحدہ مسلک میں تعلیل کی نصوص پیش کرنے کے بعد، مجھے اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس میں اس بات پر حجت قاطعہ موجود ہے کہ خدائی احکام میں بندوں کی مصلحت کی علت پوشیدہ ہے۔ اس بارے میں اختلاف کرنے والوں کی آمد سے پہلے اس دعوی پر اجماع یا نیم اجماع منعقد ہو چکا ہے۔(٧٠)

(٦٧) شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، حوالۂ سابق، ج:٢، ص:٣٠٠

(٦٨) آمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، ج:٣، ص:٣٨٠، مزید دیکھئے: ریسونی: نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص:٢٢٥۔ آمدی کے قول کی اہمیت یہ ہے کہ وہ بھی ان متکلمین واصولیین کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، جنھوں نے علم کلام میں عدم تعلیل کا موقف اختیار کیا، مگر پھر انھوں نے اس سے رجوع کیا اور علم اصول میں اس کا اعتراف کیا۔ آمدی نے ایک دوسری جگہ تاکید کے ساتھ کہا: ائمۂ فقہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خدائی احکام حکمت ومقصد سے خالی نہیں ہیں۔ دیکھئے: آمدی، الأحکام فی اصول الاحکام، حوالۂ سابق، ج:٣، ص:٤١١

(٦٩) ابن حاجب، ابوعمرو عثمان بن عمر، منتہی الوصول والامل فی علمی الاصول والجدل، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ١٩٨٥ء، ص:١٨٤

(٧٠) شلبی، تعلیل الاحکام: عرض وتحلیل لطریقۃ التعلیل وتطوراتہا فی عصور الاجتہاد والتقلید، حوالۂ سابق، ص:٩٦

پہلے کے مسلمانوں نے قیاس اور تعلیل کے نظریہ کو، ممتاز علمی انداز میں استعمال کیا ہے (۷۱)، لیکن متکلمین کے اختلافات خصوصا معتزلہ کے ظہور کی وجہ سے، شریعت کی معقولیت اور شرعی احکام کی تعبدیت کے تعلق سے نزاع پیدا ہو گیا۔

اور اسی بات نے اشاعرہ کو علم کلام میں تعلیل کے انکار پر اور فقہی استدلالی جدوجہد میں اس کے اعتراف پر آمادہ کیا، چنانچہ یہ ایک منہجی اشکال (۷۲) کا سبب بن گیا، جس میں علماء نے کئی موقف اختیار کیے۔ خاص طور پر اہل سنت دو گروہ میں بٹ گئے۔ ایک نے تائید کی اور ایک نے انکار کیا۔ یہ اشکال تعلیل کی وجہ سے نہیں، بلکہ (جیسا کہ شاطبی کی رائے ہے) یہ اس لیے ہوا کہ اس معاملے میں اختلاف کا اثر اصولی دائرے میں منتقل ہو گیا، جب کہ وہ اختلاف علم کلام کے

(۷۱) ہمیں اس کی مثال امام شافعی کی کتاب ''الرسالہ'': شافعی، محمد بن ادریس، الرسالہ، تحقیق: احمد محمد شاکر، قاہرہ، المطبعۃ المیریہ، ۱۳۲۱ھ، میں ملتی ہے۔ مزید دیکھئے: سالم یفوت کا مراجعہ، جو نہ صرف علم اصول فقہ، اس کے محرکات ونتائج، اس کے مراحل ومنازل اور امام شافعیؒ کے ہاتھوں اس کی تاسیس، علم فقہ خصوصا قیاس وتعلیل کی ترقی، علم کلام میں اس کے تداخل، نیز علم کلام کے ارتقا پر اس کے اثر سے متعلق ہے، بلکہ ابن حزم نے اجتہاد کی تاسیس اور ایسے جدید پختہ اور منضبط قواعد (جو نص سے انحراف کی ممانعت کرتے ہیں کیوں کہ قیاس فقہی کے قواعد ظنی ہیں، جب کہ منطقی بنیاد قطعیت پر منتج ہوتی ہے) کی بنیاد پر احکام کے استنباط کی جو کوشش کی ہے، اس کا بھی اس مراجعہ میں تتبع کیا گیا ہے۔ یفوت سالم، ابن حزم والفکر الفلسفی بالمغرب والاندلس، الدار البیضاء، المرکز الثقافی العربی، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۶۷-۲۰۸

(۷۲) بعض علماء نے علم کلام میں تعلیل کے انکار اور فقہ کی استدلالی جدوجہد اور اس کی نظریہ سازی کے دوران تعلیل کے اعتراف پر مبنی اشکال کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ابن ہمام کہتے ہیں: ''تحقیق سے یہ بات زیادہ قریب ہے کہ یہ اختلاف، لفظی اختلاف ہے جو غرض کے مفہوم پر مبنی ہے، جن لوگوں نے اس کی تشریح فاعل کی طرف لوٹنے والی منفعت سے کی ہے، انھوں نے کہا کہ علت تلاش نہ کی جائے اور اس باب میں تنازع نہیں کرنا چاہیے، مگر جن لوگوں نے اس کی تشریح بندوں کی منفعت سے کی، انھوں نے کہا کہ علت کی تلاش کی جائے، اسی طرح اس باب میں تنازع بھی کھڑا نہیں کرنا چاہیے۔ دیکھئے: ابن عاشور، تفسیر التحریر والتنویر، حوالۂ سابق، ج: ۱، ص: ۳۸۰-۳۸۱

دائرے میں تھا، اس لیے کہ سرکردہ متکلمین کی اکثریت اصولی بھی تھی۔ اور اسی لیے تعلیل کے مسائل میں اصولی طور پر الفاظ کے حوالے سے تعریفات، شرائط اور مسالک کا ہجوم دیکھا جارہا ہے۔ علم کلام کے بحث ونزاع سے صرف نظر کرلیا جائے تو فقہ اور اصول فقہ میں بڑے پیمانے پر تعلیل کا استعمال کیا جارہا ہے۔(۷۳)

معاصرین میں سے ابن عاشور نے معاملات کے بارے میں مطلق تعلیل کا موقف اختیار کیا اور کہا کہ عبادات میں علت بیانی کے لیے خوب جدوجہد کی جائے، اس لیے ابن عاشور کے ہاں اصل یہ ہے کہ تمام احکام کو ان معانی پر قیاس کرتے ہوئے قبول کرلیا جائے، جو اس میں ملحوظ ہیں (۷۴) اور یہ کہ شرعی احکام میں اصل وہ علت ہے، جو عبادات ومعاملات دونوں میں مصالح کی رعایت کرتے ہوئے ملحوظ رکھی گئی ہے۔

اور اسی لیے احکام کی تعبدیت کو اسی وقت تسلیم کیا جاتا ہے جب فقیہ اس باب میں انتھک کوشش کرے، گویا کہ یہ فقیہ کی طرف سے یہ کوشش ہے کہ اجتہاد کی کارروائی کو منضبط کیا جائے اور احکام میں تعبدیت کے منہج کے استعمال کو کم کیا جائے۔(۷۵)

احکام کی تعبدیت کے حوالے سے فقہاء کے جو اقوال ہیں، مقاصد کی معرفت پر ان فقہاء کی قدرت کے سبب ان کا تناسب بہت کم ہوجاتا ہے، کیوں کہ احکام حکم ومصالح سے معمور ہیں، فقیہ کی صرف ایک ذمہ داری ہے کہ وہ معتبر مسالک کی راہ سے ان مقاصد کی چھان بین کرے اور ان کا استخراج کرے۔ استخراج کا یہ کام ان ظنی طریقوں کی مدد سے نہ کرے جو ایک غیر منضبط اور آزاد طریقے پر عبادات کی معقولیت کو ثابت کرنے کی کوشش میں افراط پر منتج ہو۔

(۷۳) ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالہ سابق، ص: ۲۲۴

(۷۴) حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، حوالہ سابق، ص: ۳۲۰

(۷۵) حوالہ سابق، ص: ۳۸۱

کیوں کہ جب یہ مقاصد بعض افراد کے خیال وتصور سے متصادم ہوں گے، تو اس کے سبب افراتفری جنم لے گی یا عبادات کی کچھ صورتیں متروک ہو جائیں گی۔(۷۶)

ایک دوسرا اہم مسئلہ جو اصولیوں اور فقہاء کے مباحث ومناقشہ کے سبب اہمیت کا حامل بن گیا ہے، وہ شریعت کے عملی احکام کی دو خانوں یعنی عبادات اور معاملات میں تقسیم ہے۔ مراجعت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اس وقت کی علمی تالیفات میں صرف اصطلاحی فنی تقسیم کا ایک حصہ ہے۔ اور یہ صرف ایک اصطلاح تھی جس سے فقہاء اور اصولیوں نے احکام کی دونوں قسموں کے درمیان تفریق مراد لیا ہے (۷۷) چنانچہ پہلی قسم (عبادات) ان مقررہ صورتوں اور احوال کو شامل ہے، جس کو اللہ تعالی نے مشروع قرار دیا ہے تا کہ اس کو ادا کر کے بندے خدا کا قرب حاصل کریں، تو شارع ہی اس قسم کے احکام کا موجد یا اس کا حکم صادر کرنے والا ہے، شارع کے سوا کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ از خود عبادت کی کوئی ایسی صورت ایجاد کرے جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا ہے۔ اور یہ تعبدی شعائر ہیں۔ بہر حال دوسری قسم (معاملات) ان احکام پر مشتمل ہے جو لوگوں کی زندگی میں ان کے باہمی تعلقات جیسے نکاح و طلاق اور میراث وغیرہ کی تنظیم کرتی ہے۔ تو ان تعلقات کی ایجاد شارع نے نہیں کی ہے، بلکہ انھیں عوام نے بنایا ہے۔ شریعت کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ان تعلقات کی تہذیب کرے اور اس میں سے مفید کو باقی رکھے اور خراب وضرر رساں تعلقات کا سد باب کرے۔(۷۸)

مگر یہ کہ اصطلاحی تقسیم بعد میں -سید قطب کے تجزیہ کے مطابق- برے اثرات پر منتج ہوگئی جس کے تھوڑے عرصے بعد ہی پوری اسلامی زندگی میں برے اثرات در آئے، اس لیے کہ عوام کے تصور میں یہ بات جاگزیں ہونے لگی کہ عبادت کی صفت پہلی قسم کی ان سرگرمیوں کے

(۷۶) حوالۂ سابق، ص:۳۸۱-۳۸۲

(۷۷) قطب سید، خصائص التصور الاسلامی، بیروت: دار القرآن الکریم، ۱۹۷۸ء، ص:۱۸۶-۱۸۷

(۷۸) قرضاوی، یوسف، العبادۃ فی الاسلام، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، ۱۹۸۵ء، ص:۷۰-۷۱

ساتھ مخصوص ہے، جس کو ''فقہ العبادات'' شامل ہے، جب کہ یہ عباداتی صفت قیاس کو دوسری قسم کی سرگرمی کی طرف موڑنے لگی ہے اور وہ فقہ معاملات ہے۔ یعنی یہ کہ لوگ اس بات کے مالک ہیں کہ اگر وہ اسلامی احکام کے مطابق عبادت کریں گے تو مسلمان کہلائیں گے گرچہ وہ اپنے معاملات دوسرے منہج کے مطابق انجام دیں۔(۷۹)

آج مسلمان فکری انحرافات سے دوچار ہیں، اس لیے کہ کچھ لوگوں نے شریعت پر یہ الزام لگایا ہے کہ یہ-خصوصا امریکا میں- زمانے کے مطالبات کی تکمیل اور چیلنجز کا جواب دینے سے، عاجز وقاصر ہے۔ غیر ملکیوں اور مسلم فیملی کو جو داخلی اور خارجی چیلنجز درپیش ہیں، وہ صرف خواہشات نفسانی کے اتباع میں نصوص کی تاویل یا ایسی سخت گیری سے نجات پانے کے عمل میں افراط وتفریط پر منتج ہوتا ہے، جس نے شرعی احکام کو متبعین کی گردن میں ایک طوق بنا کر رکھ دیا ہے، اسی کے سبب بعض لوگ یہ کہنے لگے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی نظر صرف اخروی امور تک محدود ہے۔ اور وہ لوگ یہ بھول گئے کہ شریعت کا مقصد دنیا میں انسانی زندگی کی تنظیم وترتیب بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: (ترجمہ: ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں اور تاکہ اللہ تبارک وتعالی جان لے کہ بے دیکھے اس کی اور اس کے رسولوں کی کون مدد کرتا ہے اور اللہ تعالی قوی اور زبردست ہے) (حدید:۲۵) چنانچہ آخرت بدلہ کا گھر ہے نہ کہ عمل کا (۸۰) شریعت کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں سے حرج کو رفع اور ضرر کو دفع کرے، بندوں کے مصالح کو روبہ عمل لائے، ان کے لیے پاک اشیاء کو حلال کرے، ناپاک اشیاء کو حرام قرار دے، ان سے بوجھ کو اتار پھینکے،

(۷۹) قطب، خصائص التصور الاسلامی، حوالۂ سابق، ص:۱۸۶-۱۸۷

(۸۰) ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، حوالۂ سابق، ص:۱۰

ان کے گلے سے طوق کو اتارے اور ان کے احوال کی اصلاح کرے۔

مقاصد شریعت کی معرفت کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان شریعت کے سایے میں زندگی بسر کرتا ہے اور اپنے معاملات کو شارع کی ہدایات کے مطابق منظّم کرتا ہے، تاکہ انسان تہذیب و تمدن کی تعمیر میں اپنا استخلافی کردار ادا کر سکے۔ اسی لیے علم مقاصد کے مطالعہ و تحقیق کا اہم مقصد یہ ہے کہ مقاصدی تعلیلی ذہن کو ترقی دے سکے، جو بغیر افراط و تفریط کے کائناتی ضابطوں، انسانی قوانین، معاشرتی طور طریقوں اور کائنات کی غرض و غایت سے متعلق چیزوں میں غور و فکر کر سکے۔ تاکہ موضوع مقاصد ایسا اہم موضوع بن جائے جو قوم کا اپنی ذات اور اپنے علماء پر اعتماد بحال کر سکے۔ تو سوال یہ ہے کہ نصوص کے فہم اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے تعلق سے جو منہجی اصول ہیں، ان کو کس طرح ترقی دی جائے اور ان میں کس طرح توازن برقرار رکھا جائے؟

اسلام کی نظر میں مسلمات اور عام احکام کی تعریف کو ایسی حفاظتی دیوار کی حیثیت حاصل ہے، جو عمارت کو سخت چیلنجز کی آندھی میں بھی محفوظ رکھے گی، اس لیے یہ مسلمات پائیدار، واضح، منضبط اور کثیر الوقوع منہجی اینٹ کی طرح ہیں (۸۱)، جو تمام انبیاء کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ یہ وحدت دین، وحدت عقیدہ اور تمام نبوی پیغامات میں موجود مقاصد و غایت کی وحدت سے عبارت ہے۔ حالاں کہ شریعت کے بعض امور میں اختلاف بھی ہے، انھی خصوصیات کے سبب یہ شریعتیں پورے نظام حیات میں توازن کی حفاظت کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

(۸۱) ابن عاشور نے ان خصائص کو مقاصد کی شرط قرار دیا ہے۔ یہ خصائص مقاصد کو منضبط کرنے والے اعلی مفاہیم پر منطبق ہوتے ہیں۔ انھوں نے ثابتہ کی یہ تعریف کی ہے کہ یہ وہ قطعی معانی ہیں جن کا تحقق یقینی ہے اور ظہور کی یہ تعریف کی کہ یہ ایسی واضح شئ ہے جس کے سبب فقہاء حفظ نسب جیسے معنی کی تشخیص پر متفق ہیں۔ انضباط کی انھوں نے یہ تعریف کی ہے کہ انضباط، مفہوم کی معتبر حد کے وجود سے عبارت ہے جس سے تجاوز و انحراف کرنا ممکن نہیں۔ اطراد کی انھوں نے اس طرح تعریف کی کہ اطراد کا مطلب ہے مفہوم کی عدم تبدیلی، خواہ زمان و مکان بدل جائے۔ دیکھیے: ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، حوالۂ سابق، ص: ۲۵ اور اس کے بعد۔

اسلامی مفاہیم کے تحلیل وتجزیہ کی طرف توجہ اوران میں سے اہم عمیق ودقیق مفاہیم جیسے دین، عبادت، شریعت اور ایمان کو منہاجی معیار سمجھنے کی اہمیت ظاہر ہوجاتی ہے۔ یہ منہاجی معیارات اس لیے مقرر کیے گئے ہیں کہ آخری شریعت کی ضرورتوں کی تکمیل پر لبیک کہہ سکیں، وہ آخری شریعت جس میں دونظری نہیں ہے اور جو دنیا وآخرت کے ساتھ وحی وعقل کی خصوصیات کی بھی حامل ہے۔

۳۔تعلیل وتعبد کی اصطلاحات سے مقاصد کا تعلق

سابقہ بحث سے یہ عیاں ہوگیا کہ تعلیل وتعبد اور اس کے اسباب ونتائج میں کہاں کہاں اتفاق ہے اور کہاں کہاں اختلاف ہے۔ اس کے باوجود یہ ضروری ہے کہ مقاصد کے ساتھ ان دونوں اصطلاحوں کے تعلق پر نظر ڈالی جائے۔

تیسری صدی ہجری کے ایک عالم، حکیم ترمذی نے احکام شریعت کی تعلیل اور اس کی حکمت ومصلحت کی دریافت سے بہت زیادہ دلچسپی لی ہے، بلکہ یہ ان تمام علماء میں قدیم ترین ہیں، جنھوں نے لفظ ''مقاصد'' کا استعمال کیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ''**الصلاۃ ومقاصدھا**''(۸۲) کے موضوع پر کتاب لکھی اور حج اور اس کے اسرار ومصالح پر بھی ان کی کتاب ہے۔(۸۳)

(۸۲) ترمذی، محمد بن علی، الصلاۃ ومقاصدہا، تحقیق: حسنی نصر زیدان، قاہرہ، دار الکتاب العربی، ۱۹۶۵ء، مزید دیکھئے: ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص: ۴-۱۴

(۸۳) ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص: ص: ۴۲، استاد محمد علی بجاوی نے ترمذی کی کتاب ''الامثال من الکتاب والسنۃ'' کی تحقیق کرتے ہوئے جو مقدمہ لکھا ہے، اس میں (۱۲-۱۳) یہ ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب پیرس کے مکتبہ وطنیہ میں مخطوطہ کی شکل میں تھی، جس کی ایک نقل دار الکتب المصریہ میں موجود تھی۔ ترمذی کی کتاب ''علل العبودیہ'' جس میں انھوں نے فرائض کی عقلی تعلیل کی ہے، اس کے بارے میں عثمان شخت نے ترمذی کی کتاب ''المنہیات'' کی تحقیق کرتے ہوئے جو مقدمہ سپرد قلم کیا ہے، اس میں صفحہ ۱۳ پر لکھا ہے کہ یہ ضائع ہوگئی۔ سبکی نے اپنی کتاب ''طبقات الشافعیۃ الکبری'' (ج: ۲، ص: ۲۰) میں اس گم شدہ کتاب کا نام ''علل العبودیہ'' رکھا ہے۔ اس کے علاوہ کئی اور کتابوں میں شریعت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امام غزالی نے ''احیاء علوم الدین'' میں بعض عبادات کی تعلیل بیان کی اور یہ کہا:
''بہر حال رکوع وسجود تو اس کا مقصد قطعی طور پر تعظیم خداوندی ہے۔(۸۴)

اس میدان میں جو دقیق ترین بحث ہے، وہ امام عز بن عبد السلام نے اپنے دو رسالوں:''**مقاصد الصلاۃ**'' اور''**مقاصد الصوم**'' میں کی ہے۔کیوں کہ انھوں نے عبادات کا مقصود بیان کرتے ہوئے لکھا کہ:'' تمام عبادات کا مقصد اللہ کی بڑائی و بزرگی، اس کے جلال اور اس پر توکل وخود سپردگی کا اظہار ہے۔(۸۵)

پھر وہ تقرب کے معنی کی اس طرح وضاحت کرتے ہیں:'' تقرب کا مطلب ہے اللہ کی ذات اور اس کے احسان سے قریب ہونا، جو اس کے مومن بندوں کے لیے مخصوص ہے اور یہ کہ اس کا قرب حاصل کرنے والا، اس کا قرب طاعت وتعظیم اور خضوع وفرماں برداری کے جذبے سے حاصل کرے (۸۶)۔اسی طرح حنفی فقیہ کاسانی عبادات کی تفاصیل کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:'' عبادات، حق عبودیت یا نعمت کے شکرانے کے حق کی وجہ سے واجب کی گئی ہیں، اس لیے کہ عقلی اعتبار سے یہ تمام چیزیں لازم ہیں۔(۸۷)

ابن قیم نے اکثر عباداتی احکام کی علت بیان کرنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔انھوں نے عبادات اور معاملات دونوں میں تعلیل کو اصل قرار دیا ہے، عدم تعلیل استثنائی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) خصوصا عبادات کے اسرار وحکم بیان ہوئے ہیں۔درج ذیل یہ دو کتابیں اسی نوعیت کی ہیں۔'' محاسن الاسلام وشرائع الاسلام'' ابو عبد اللہ محمد بن عبد الرحمٰن بخاری، (متوفی ۵۴۶ھ) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی:۱۱۷۶ھ) کی کتاب'' حجۃ اللہ البالغۃ''۔

(۸۴) غزالی، ابو حامد، احیاء علوم الدین، بیروت: دار المعرفہ، (د.ت) ج:۱، ص:۱۶۰

(۸۵) ابن عبد السلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، حوالۂ سابق، ج:۲، ص:۷۲

(۸۶) ابن عبد السلام، مقاصد الصلاہ، حوالۂ سابق، ص:۹

(۸۷) کاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، قاہرہ، مطبعۃ الجمالیہ، ۱۳۲۸ھ

حالت ہے۔اس کو انھوں نے بہت سے دلائل اور مثالوں سے ثابت کیا ہے(۸۸)۔ چنانچہ تاکید کے ساتھ کہتے ہیں: ''شریعت میں ایک بھی ایسا حکم نہیں ہے، جس کی کوئی علت یا حکمت نہ ہو، مگر یہ حکمت وعلت اسی شخص کو سمجھ میں آتی ہے جو باشعور ہو، جو عقل سے محروم ہو، وہ اس کی حکمت سے آگاہ نہیں ہوسکتا(۸۹) گویا کہ ابن قیم اس طرح یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی چیز کا انکشاف کسی زمانے میں یا کسی نسل پر نہ ہو، تو دوسرے زمانے میں اس کا انکشاف ہوتا ہے اور اس طرح یہ عمومی اصول بنتا ہے کہ شرعی احکام میں مصالح کی رعایت کی گئی ہے، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے۔اسی اصول کو امام شاطبیؒ نے مسلم اور قطعی مانا ہے۔

امام شاطبیؒ کے نزدیک عبادات میں اصل تعبد اور معاملات میں اصل تعلیل ہے، جیسا کہ انھوں نے کہا ہے: ''مکلّف کے حوالے سے عبادات میں اصل تعبد ہے نہ کہ معانی اور عادات میں اصولی طور پر معانی پر توجہ مبذول رکھی گئی ہے(۹۰) مگر وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ عبادات مجموعی طور پر اپنی اصل کے اعتبار سے علت کی بنیاد پر قائم ہیں اگرچہ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ تفصیلات میں عدم تعلیل کا پہلو غالب ہے(۹۱)، بلکہ جب وہ نماز کے طریقوں کی علت بیان کرتے ہیں، تو وہ اپنے قول سے ہی اختلاف کرتے ہیں۔ان کا قول ہے کہ: ''مثال کے طور پر نماز جب اس سے پہلے پاکی حاصل کرلی جائے تو یہ ایک عظیم مقصد کی تیاری کے ساتھ مشروع ہے، جب نمازی قبلہ رخ ہوتا ہے تو وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مقصود ومطلوب (خدا) کے سامنے کھڑا ہے، اگر تعبد کی نیت کی جائے تو اس سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے۔(۹۲)

(۸۸) اعلام الموقعین عن رب العالمین، حوالۂ سابق، ج:۲،ص:۸۵ اور اس کے بعد۔

(۸۹) حوالۂ سابق، ج:۲،ص:۸۶

(۹۰) شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، حوالۂ سابق، ج:۲،ص:۳۰۰

(۹۱) حوالۂ سابق، ج:۱،ص:۲۰۱

(۹۲) حوالۂ سابق، ج:۲،ص:۲۴

ابن عاشور کا موقف یہ ہے کہ معاملات میں مطلق تعلیل کو ملحوظ رکھا جائے اور عبادات میں علت کی تلاش کے لیے کوشش کی جائے، کیوں کہ ان کے نزدیک اصل یہ ہے کہ تمام احکامات کو ان معانی پر قیاس کر کے قبول کرنا ضروری ہے جو اس میں ملحوظ رکھے گئے ہیں (۹۳) اور یہ کہ شرعی احکام میں خواہ وہ عبادات ہوں یا معاملات، اصولی طور پر مصالح کی رعایت کی گئی ہے۔

ریسونی کا محتاط موقف یہ تھا کہ: ''تمام شرعی احکام میں اس کے مقاصد ومصالح کی علت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اگر کسی شخص پر اس حکم کی حکمت یا اس کا مقصد ظاہر نہ ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دوسروں پر اس کا انکشاف نہ ہو۔ مختلف فیہ مقاصد وحکمت کی بحث رکتی نہیں ہے، ضروری ہے کہ یہ بحث جاری وباقی رہے۔ (۹۴)

جملہ عبادات اصولی طور پر علت کے ساتھ وابستہ ہیں، ان کے معانی ومقاصد معقول ومفہوم ہیں۔ البتہ اس کی تفاصیل میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ اوقات واعداد جیسی بعض تفاصیل میں اگر حکمت کا راز بے نقاب نہ ہو تو اس کی وجہ سے مسئلے کو اس کی بنیاد سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ عبادات میں اصل تعبد کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ تعلیل کا، کیوں کہ عبادات کی اصل نص واجماع کے حوالے سے علت کے ساتھ مقید ہے۔ (۹۵)

اللہ سبحانہ تعالی نے نماز کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا ہے۔ (ترجمہ: بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے) (عنکبوت:۴۵) اور زکاۃ کے بارے میں یہ کہا ہے: (ترجمہ: آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجیے جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کردیں گے) (توبہ:۱۰۳) فریضۂ حج کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا

(۹۳) حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، حوالۂ سابق، ص: ۳۲۰

(۹۴) ریسونی، احمد، الفکر المقاصدی: قواعدہ وفوائدہ، الدار البیضاء، مطبعۃ النجاح الجدیدۃ ۱۹۹۹ء، ص: ۴۲-۴۳، مزید دیکھیے: ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص: ۱۸۱۲ اور اس کے بعد۔

(۹۵) ریسونی، الفکر المقاصدی: قواعدہ وفوائدہ، حوالۂ سابق، ص: ۴۲-۴۳

ہے: (ترجمہ: اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو لوگ تمھارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز سے راستوں سے پہنچی ہوں گی)۔ (حج: ۲۷-۲۸)

ریسونی نے ان باتوں کا جواب دینے کی بھی کوشش کی ہے، جس کو بعض علما نے ''عبادات'' کے میدان میں تعلیل کے لیے اہم رکاوٹ مانا ہے۔ اور یہ اشکال، مقادیر اور اعداد کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر انھوں نے عام مقصد کے حوالے سے کیا ہے، جو احکام میں تعیین وتحدید اور تقدیر کی صورت میں پوشیدہ ہے۔ اور یہ مقصد ضبط وقطعیت سے عبارت ہے، جس کے ذریعے واجبات اور حدود وعلاقات کا ضبط ونظم مراد لیا جاتا ہے، جو انسان کو تنفیذ وتعمیل کے وقت حیرت وکشمکش، اختلاف وتنازع، ابہام وخفا اور افراط وتفریط کے بھنور سے نکال سکے۔ اس بھنور سے اعداد واوصاف اور میعاد ومواقیت کی تعیین کے راستے ہی نکلا جا سکتا ہے، اس طرح ہر شخص اپنی حد اور اپنے حق کو ہی نہیں، اپنے اوپر واجب وغیر واجب امور کو بھی پہچانتا ہے(۹۶)۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادات کی بنیاد تزکیہ کی علت پر ہے، جو معنوی اعتبار سے معقول ہے اگر اس کی حکمت کبھی کسی زمانے میں ظاہر نہ ہو تو دوسرے زمانے میں وہ ظاہر ہو جائے گی۔

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی احکام خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، اس میں مصالح کی رعایت کی علت ملحوظ رکھی گئی ہے۔

واللہ تعالی اعلم

۴- منہج کا خلاصہ:

مفاہیم واصطلاحات کی تعریف اس لیے ضروری ہے تا کہ علماء بے نتیجہ اختلافات کا شکار

(۹۶) حوالۂ سابق، ص: ۵۴-۵۵، مزید دیکھئے: ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، حوالۂ سابق، ص: ۲۲-۱۲۲

نہ ہوں، ان اختلافات میں بیش تر صرف لفظی پہلو غالب ہوتا ہے، یہ وہ اختلافات ہوتے ہیں جو کلامی بحث ونزاع کا نتیجہ ہوتے ہیں، جو کسی بھی زمانے میں کسی بھی جگہ سر ابھار سکتے ہیں، جب تک کہ یہ بحث ونزاع ایسے منہجی ضابطوں کی پابند نہ ہو، جو حق اور باطل کے مابین تفریق کرے۔

اس میدان میں جن منہجی اقدامات کی رعایت ضروری ہے، اس میں پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کو پہلا اور آخری فیصل تسلیم کیا جائے، کیوں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو انسانی علم ومعرفت کے تمام مصادر پر غالب ہے، خواہ انسان کو کتنی ہی عقلی اور علمی کیوں نہ صلاحیت مل جائے۔ فرمان باری ہے: (ترجمہ: اور یہ لوگ آپ سے روح کو پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے) (اسراء:۸۵)

قرآن کریم کے ساتھ تعامل کے کچھ اصول وقواعد ہیں، جن کی رعایت ضروری ہے۔ اس بارے میں امام رازیؒ کہتے ہیں: ''قرآن نہ صرف اپنے الفاظ کی فصاحت اور اپنے معانی کی رفعت کی وجہ سے معجزہ ہے، بلکہ اپنے ترتیب وتنظیم اور اپنی آیات کے انضباط کی وجہ سے بھی ایک معجزہ ہے۔''(۹۷) قرآن کریم کی آیات کی دلالت کی مختلف سطحیں ہیں، مثال کے طور پر لغوی اور معنوی دلالت۔ اسی لیے لغت ومتعلق لغت کے حوالے سے عرب اور عربوں کے علوم نیز دوسرے انسانی علوم وفنون سے صادر ہونے والی تعریفات ومفاہیم کو ہر حال میں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ یہ وہ تابع مصادر ہیں، جو اس سے تعریف میں قریب ہیں، اس لیے کہ یہ اس پہلو کا حامل ہے جو ان مفاہیم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انسانی مشق ومہارت کی عکاسی کرتی ہیں۔

سیاقی دلالت کے بیان اور اس پر بحث ومباحثہ سے بھی اصولیوں نے دلچسپی لی ہے۔ چنانچہ سیاق، مجمل کی وضاحت اور محتمل کی تعیین کی طرف رہ نمائی کرتا ہے۔ نصوص کی دلالت کی دو

(۹۷) رازی، فخر الدین، محمد بن عمر بن الحسین، التفسیر الکبیر، تحقیق: محمد محی الدین عبد الحمید، قاہرہ، المطبعۃ المصریہ، اول ایڈیشن، ۱۹۳۳ء، مزید دیکھئے: علوانی، طہ جابر، ازمۃ الانسانیہ ودور القرآن الکریم فی الخلاص منہا، قاہرہ، مکتبہ الشروق الدولیہ، ۲۰۰۶ء، ص:۹۲

قسمیں ہیں۔ایک حقیقی، دوسرے اضافی۔حقیقی دلالت، متکلم کے قصد وارداے کے تابع ہے، یہ دلالت مختلف نہیں ہوتی۔ دلالت اضافیہ سامع کے فہم و ادارک ، اس کی فکری جودت، اس کی روحانی پاکیزگی اور الفاظ ومراتب الفاظ سے اس کی معرفت کے تابع ہے۔اور یہ دلالت سامعین کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔(۹۸)

اس بات میں شک نہیں ہے کہ شرعی احکام کو افعال پر منطبق کرنے اور اس کو عمل سے ہم آہنگ کرنے کی کارروائی (تاکہ انسانی زندگی شرعی احکام کے مطابق عمل وترک عمل کے حوالے سے اللہ کے اوامر ونواہی کے تابع ہوجائے) صحیح فہم کی متقاضی ہوتی ہے، جو شرعی خطاب اور شرعی مقاصد کو منضبط کرے تاکہ اس سے خدائی مراد کی تکمیل ہو۔(۹۹)

اس لیے استنباطی کارروائی اور کلی یا جزئی عائلی مقاصد کی دریافت کی کوشش، نیز ان مقاصد کی تنفیذ کے وسائل کی تحقیق کا عمل- دقیق منہجی طرز پر- قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی تطبیقات کے مکمل استقراء کا متقاضی ہے، جس کے سبب ان ضوابط اور معیارات پر نظر ڈالنا ضروری ہے جس پر مقاصد کی تنفیذ اور اس کی دریافت کے عمل میں چلنا مناسب ہے۔(۱۰۰)

(۹۸) ابن القیم، اعلام الموقعین ، حوالۂ سابق، ج:۱، ص:۳۵۰-۳۵۱، مزید دیکھئے: علوانی، اثر العرف فی فہم النصوص: قضایا المرأۃ نموذجا، حوالۂ سابق، ص: ۶۲-۵۶۲

(۹۹) نجار، فصول فی الفکر الاسلامی بالمغرب، حوالۂ سابق، ص: ۱۶۳-۱۸۸

(۱۰۰) نجار اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں: ''تفہیم کی بنیاد ان چیزوں میں مراد الٰہی کی دریافت کی بنیاد پر قائم ہے، جس کا کرنا یا ترک کرنا، زمان ومکان کی قید سے قطع نظر انسانوں کے لیے مناسب ہے، نیز اس تفہیم کا مقصد زبان عربی کے قوانین، نزول کے مناسبات، اطلاق وتقیید، تعمیم وتخصیص وغیرہ تمام منصوص قواعد کی تفہیم کے تقاضوں کی جستجو ہے۔ چنانچہ تفہیمی منہج کی اساس انکشاف اور تجرید وتعمیم پر قائم ہے۔تطبیقی منہج کا مقصد، رفتار زندگی میں پیش آنے والے احداث واحوال پر، مجرد احکام کی تنفیذ وتطبیق ہے۔ یہ وہ جزئی اور شخصی احوال واحداث ہیں، جو خاص منطق سے عبارت احوال وظروف اور عوامل واسباب سے متأثر ہوتے ہیں۔ وہ خاص منطق جو مجرد وثابت منطق سے منضبط ہوتی ہے۔ دیکھئے: نجار، فصول فی الفکر الاسلامی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مقصدی عمل میں ضوابط اور معیار کے تقاضے کی اہمیت ایک منہجی اپیل کی ایجاد کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جس کے ذریعے عائلی مقاصد کی اہمیت، نیز نکاح وطلاق کے مسائل میں اجتہاد کی بابت مقاصد کے کردار کی اہمیت پر مرکوز اصول سازی کے مرحلے سے نکل کر اس تعمیری مرحلے تک رسائی ممکن ہو، جس میں کسی تاویل یا کاوش کے رد وقبول کے ضابطے کی تشکیل کی جائے، جس کا مقصد مقاصدی نہج کا استحضار ہو۔ قارئین اگلے صفحات میں بعض ضوابط سے واقف ہوں گے، جن کا استحضار عائلی مقاصد کی دریافت اور ان مقاصد کی تنفیذ کی بابت ضروری ہے، کیوں کہ ان مقاصد کے عدم استحضار سے مکمل مقاصد شریعت کے ضیاع یا اس میں نقص رہ جانے کا امکان ہے۔ یہ تحقیق اگرچہ ان ضوابط کو پیش کرتی ہے، مگر دوسری جانب دوسرے ضوابط کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا، جو آنے والی بحث کے لیے تقویت کا باعث ثابت ہوگا۔

☆☆☆

(پچھلے صفحے کا بقیہ حاشیہ) بالمغرب، حوالۂ سابق، ص:۳۶۱

دوسری فصل:

خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء

پہلا مبحث: قرآن کریم کے اندر خاندان کا مفہوم اور اس کی تعمیر وتشکیل کے اقدار:

قرآن کریم کی نصوص اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات نے صاف وصریح اور واضح طور پر اس بات کو بیان کیا ہے کہ شریعت کا مقصد انسانوں کی مصلحت کو وجود میں لانا اور ان سے مفسدہ کو دور کرنا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے خاندان سماجی عمارت کی بنیاد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی شریعت میں بڑی تفصیل سے اس کے احکام بیان کئے گئے ہیں اور خاندانی تعلقات منظّم کیے گئے ہیں۔

خاندانی احکام ان بنیادی مقاصد سے مربوط ہیں جن کی وجہ سے وہ مشروع ہوئے ہیں تاکہ احکام اپنے ان مقاصد سے ہمیشہ جڑے رہیں، جن کی بنیاد شریعت نے رکھی ہے، قرآن کریم کی دسیوں آیات، متعدد احادیث نبویہ اور سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف واقعات نے ان کو معلوم کرنے کی راہیں کھولی ہیں، تاکہ قطعی طور سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ احکام وقوانین ہر زمانہ، ماحول اور جگہ کے اندر ہر خاندان کے لیے سازگار ہیں۔

خاندان کے ان موضوعات سے متعلق اکثر نصوص کے اندر صریح وواضح طور پر خاندان سے متعلق مقاصد میں سے متعدد کا ذکر ہے جن کی تفصیلات کو پوری وضاحت کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزم وحکمت کے ساتھ خاندان کی صورت حال کی تبدیلی کے سلسلہ میں رہنمائی کا فرض انجام دیا، تاکہ اس تبدیلی کے ذریعہ ایسی چیزیں وجود میں

آئیں جن سے سماج کے افراد اور جماعت کے لیے نفع وخیر کی تحصیل ہو، اور ان سے شر وفساد کا ازالہ ہو۔ اس مقصد کی خاطر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان کے لیے بنیادی قانونی اصول و قواعد مقرر فرمائے۔ اس سلسلہ میں باہمی تعلقات کے احکام خاص طور سے تشکیل کے مرحلہ میں نکاح وطلاق کے احکام کو اجاگر فرمایا۔

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نکاح کی ترغیب دلائی اور اس کی علت اس پر مرتب ہونے والے دینی و دنیوی مصالح ومنافع کی شکل میں اجاگر فرمایا۔ بخاری کی ایک حدیث میں ہے: ''عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں، ہم چند نوجوان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جن کے پاس کچھ نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ''اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو نان ونفقہ اور جماع کی قدرت رکھتا ہو اسے شادی کر لینی چاہئے، کیونکہ اس کی وجہ سے نگاہ نیچی رہتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی اور جسے قدرت نہ ہو وہ مسلسل روزہ رکھے، اس لیے کہ اس سے شہوت ختم ہو جاتی ہے''۔(۱)

ایک دوسری جگہ حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اور ترغیب دلاتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا جائز طریقہ سے جنسی خواہش پوری کرنا، صدقہ ہے، صحابہ نے عرض کیا! اے اللہ کے رسول! کیا ہم میں کا کوئی شخص اپنی شہوت پوری کرے گا اور اسے اس میں ثواب ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: بتاؤ، اگر وہ حرام طریقہ سے اپنی جنسی خواہش کی تکمیل کرتا تو کیا اسے گناہ ہوتا؟ اسی طرح جب وہ حلال طریقہ سے اپنے جنسی تعلقات کو انجام دے گا تو اسے ثواب ملے گا۔(۲)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیوانی لذت اندوزی کے دائرہ سے نکال کر نکاح کو اس خاندانی ادارہ کی تشکیل کے دائرہ میں پہنچا دیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کو وجود میں

۱- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۴۶۷۸

۲- نووی، یحیٰ بن شرف، صحیح مسلم بشرح النووی، بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۹۴، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۱۶۷۴

لانے کے لیے قائم ہوتا ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح شرعی کے خلاف ہر تعلق کو باطل قرار دیا، خواہ ہم جنس پرستی کا تعلق ہو (جیسے: اغلام بازی یا سحاق (عورت کا عورت سے رگڑ کر خواہش پوری کرنا) یا دوسرے مرد سے نطفہ طلب کیا جائے، یا زنا کاری کا تعلق ہو، یا اس کے علاوہ دوسرے منحرفانہ تعلقات ہوں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی شریعت وقانون میں باطل تعلقات ہیں۔

اس لیے کسی مقصد کو اخذ کرنے کے لیے قرآن کریم کا مکمل استقراء اور تفصیلی مطالعہ ضروری ہے، مزید برآں اس حالت کے سماجی اوصاف کا مطالعہ بھی ضروری ہے، کیونکہ کسی حالت کے اوصاف متعین کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، خاص طور سے آج کے پیچیدہ ساخت والے سماج میں، چونکہ قرآن کریم بنیادی منبع وسرچشمہ ہے اس لیے قطعی مقاصد کا حصول اسی وقت ہوگا جبکہ وہ قرآن کریم سے ماخوذ ہوں، پھر احادیث مبارکہ سے مدد لی گئی ہو اور ان کو استعمال کیا گیا ہو، کیونکہ احادیث نبویہ قرآن کریم کے دائرہ میں گھومنے والی انسانی صورت حال کی عملی تطبیقات ہیں۔

مختلف انسانی سماج کے اندر خاندان کا شمار پہلی سماجی وحدت واکائی (Unit) کے طور پر ہوتا ہے، جس میں ایک فرد ان ابتدائی اقدار ومفاہیم کو حاصل کرتا ہے جو کائنات اور سماج کے اندر اس کی سرگرمی اور چال وڈھال پر کنٹرول کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے خاندان پر اس درجہ توجہ دی ہے جو اس کے اس نمایاں رول وکردار کی فطرت سے ہم آہنگ ہے جو فکری اور تشکیلی اعتبار سے امت اور سماج کی تشکیل اور افراد کی زندگی میں خاندان ادا کرتا ہے۔ چنانچہ خاندان ہی ماضی میں نوع انسانی کے تعمیر کردہ کارناموں کی حفاظت کرتا ہے اور اسی سے نسل در نسل اور عہد بہ عہد مستقبل میں اس کی نسل اور اولاد وجود میں آتی ہے۔ آج انسانیت زبردست آزمائش وامتحان کے مرحلہ سے دوچار ہے، جس نے اس کے مسلمہ حقائق کو ہلا کر رکھ دیا ہے، بغیر کسی قید وپابندی کے اس کے بڑے مقدمات سے نبرد آزما ہے، خاص طور سے خاندان کے شعبہ میں یہ امتحان درپیش ہے، اس لیے سخت ضرورت

ہے کہ خاندان کے شعبہ میں قرآنی مفاہیم کے تسلسل کو معلوم کیا جائے۔

اسلام میں خاندان کا کیا مفہوم ہے؟ اور وہ نمایاں اقدار کیا ہیں جن پر یہ مفہوم مبنی ہے؟

اسلامی نقطۂ نظر سے خاندان سماج کی ایک چھوٹی سی وحدت و اکائی (Unit) کی نمائندگی کرتا ہے جو کہ کائناتی معمار کی اکائی ہے اور سماج کی وہ بنیادی عمارت ہے جو دوسری عمارتوں سے مل کر زمین میں انسان کو بسائے جانے اور خلیفہ و جانشین بنانے کے مقاصد کو وجود میں لاتی ہے۔ نیز خاندان کائناتی فطرت اور سماجی قانون ہے جس کے شرعی احکام اور اخلاقی آداب کی پابندی سے اعراض کا نتیجہ سماج کا بکھر جانا اور تباہ ہو جانا ہے۔ اسی کے ساتھ خاندان وہ قدرتی ادارہ ہے جسے تقوی، معافی اور حق سے زائد ادائیگی وغیرہ اقدار کنٹرول کرتے ہیں۔ (۳)

اسلام نے جس قدر ان اقدار کی تعیین پر توجہ دی ہے جو خاندانی تعلقات کو مربوط رکھتے ہیں اور جتنا اہتمام تعلقات کو منظّم کرنے والے مرکزی دائروں کے بیان کے سلسلہ میں کیا ہے، خواہ اس کا تعلق محارم کے نظام سے ہو یا نکاح کے نظام سے ہو، اس قدر اسلام نے خاندان کی نوعیت کو لازم نہیں کیا ہے یا مکمل طور سے اس کی حد بندی نہیں کی ہے کہ جداگانہ خاندان ہو یا مشترکہ خاندان ہو۔ چنانچہ اسلام نے جنسی رابطہ کو مرکزی دائرہ قرار دیا ہے تاکہ محارم کی تعیین کے نظام کے سلسلہ میں تعلقات کی نوعیت کی حد بندی ہو سکے اور تعلق کی فطرت (Nature) کو مکمل طور سے واضح کیا جا سکے، نیز ہر تعلق کے بارے میں حقوق و فرائض کو بھی واضح کیا جا سکے۔

ذیل میں ان نمایاں اقدار پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر اسلام کے اندر خاندان کا مفہوم قائم ہوتا ہے:

۳- عزت، ہبہ رؤوف، المرأۃ والعمل السیاسی: رؤیۃ اسلامیۃ، ہیرندن، المعہد العالی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۸۷، اور اس کے بعد کے صفحات

۱-توحید:

توحید صرف ایک عقائدی قدر یا دینی مفہوم ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک تصور ہے جو انسان کی تخلیق کے مقصد اور کائنات اور زندگی کے ساتھ اس کے تعلق کو متعین کرتا ہے، چنانچہ اس کے وجود کے مقصد کا پرتو اس کی تفکیر وسوچ کے منہج اور عملی سرگرمیوں پر بھی پڑتا ہے۔ اگر عقیدہ ثابت و مستحکم رہے تو پھر فکر قاعدہ واصول کی پابندی یا اس سے انحراف کی حالت میں بھی ہدایت وگمراہی اور حق و باطل کے درمیان تبدیلی کو قبول نہیں کرتی ہے۔ عقیدہ کے اسی ثبات واستحکام کی وجہ سے فکر اسلامی کو اصالت حاصل ہوئی، اس کے باوجود کہ وہ کبھی انحرافات (۴) سے بھی دوچار ہوجاتی ہے۔ خاندان چونکہ تبدیلی، اصلاح اور تعمیر وتشکیل کا نمونہ ہے، اس سے خاندان کے رول کو سمجھنے کے سلسلہ میں توحید کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ توحید چونکہ عقیدہ کا جوہر اور اس کے قوانین کی تشکیل کی بنیاد ہے، اس لیے اسلامی شریعت کے احکام توحید کے اردگرد ہی مرکوز ہیں۔ اس حیثیت سے توحید ایسے اصول ومقاصد اور قواعد پر مشتمل ہے جو دائمی اور ہمہ گیر ہیں اور زمان ومکان کی تبدیلیوں کے تابع نہیں ہیں، کیونکہ اس کے اندر مقاصد کا شمار کنٹرول کرنے والے اقدار کی حیثیت سے ہوتا ہے، جن سے ساری باتوں، مفاہیم، تصورات اور احکام صادر ہوتے ہیں۔ (۵)

۴- مرجع سابق، ص: ۴۷

۵- قرضاوی، یوسف ''الحل الاسلامی فریضۃ وضرورۃ''، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۷۴ء، ص: ۱۲۱ اور بعد کے صفحات۔ نیز دیکھیے: میلاد، زکی، الفکر الاسلامی بین التجدید والاصالۃ، بیروت، دار الصحوۃ، ط: ۱، ۱۹۹۴ء، ص: ۸۷ اور بعد کے صفحات۔ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ مرجع سابق ۱/ ۱۳۱ اور بعد کے صفحات۔ ترابی، حسن وتجدید الفکر الاسلامی، جدہ، الدار السعودیہ للنشر والتوزیع، ط: ۲، ۱۹۸۷ء، ص: ۶۳ اور بعد کے صفحات۔ دراز، محمد عبد اللہ، دستور الاخلاق فی القرآن: دراسۃ مقارنۃ للأخلاق النظریۃ فی القرآن، تعریب وتحقیق و تعلیق: عبد الصبور شاہین، مراجعہ: سید محمد بدوی، کویت، بیروت، دار البحوث العلمیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، ط: ۱، ۱۹۷۳، ص: ۸۷، اور بعد کے صفحات۔

مقاصد کی روشنی میں سماج کے زمانی ومکانی حالات کے پس منظر میں اس کی اولویات کی ترتیب ممکن ہے، ان مسلمہ اصول وقواعد پر عمل کرتے ہوئے جو انسان کے وجود اور اس کی زندگی کے استمرار و برقرار رہنے کے لیے ضروری اور اس حاجی اور کمالی یا تحسینی کے درمیان فرق کرتے ہیں، جن سے بے نیازی برتنا یا ملتوی کرنا ممکن ہے۔

یہ مقاصد ایک ایسے معیار کے سایہ میں وجود پذیر ہوں گے جو حق کو متحد کرے، اس کے کلیات واصول کے تابع ہو، نیز بدلنے والی مصلحت کے تابع نہ ہو، توحید سے پھوٹنے والی عادلانہ اور کنٹرول کرنے والی شریعت اس کی تعیین کرے، اس طرح کہ اس کے اندر مصلحت حق سے مربوط ہو اور حق کے ذریعہ ہی اس پر حکم لگے۔(٦)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **یا أیھا الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط الخ** (۴/نساء:۱۳۵)، (اے ایمان والو! عدل وانصاف کو پورے طور پر قائم کرنے والے بنو اور اللہ کی رضا کے لیے صحیح گواہی دو چاہے (وہ گواہی خود تمہارے خلاف یا تمہارے والدین اور قریب ترین رشتہ داروں کے خلاف پڑ رہی ہو (جس کے بارے میں گواہی دی جارہی ہے) وہ مالدار ہو یا نادار، ان کا اصل حقدار تو اللہ ہے (ان سے اپنا تعلق اور محبت دکھا کر ان کے حق میں جھوٹی گواہی کی کسی حال میں اجازت نہیں) اس لیے خواہشات اور جذبات کی پیروی میں عدل و انصاف کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا ہے اور اگر تم موڑ توڑ کر یا حق سے کتراتے ہوئے اور بچتے ہوئے کوئی بات کروگے تو اللہ کو تمہاری باتوں اور عمل کی خوب خبر ہے (تم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے)۔

اگر علم، معرفت اور قانون سازی کا الٰہی معیار نہ ہو تو پھر مصلحت حق کے ذریعہ اپنی تحدید

٦- سلمی عیاض، استدلال الاصولیین بالکتاب والسنۃ علی القواعد الاصولیہ، ریاض، مطابع التقنیۃ للأوفست، ط:۱، ۱۴۱۸ھ، ص:۵۱-۵۳

کھو دیتی ہے اور خواہش نفس حکمراں بن بیٹھتی ہے۔(۷)

۲-استخلاف:

خلیفہ و جانشیں بنائے جانے کے مفہوم سے انسان کی سرگرمی منضبط ہوتی ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے اسے اپنے فرائض اور اپنے وجود کے مقاصد کی شناخت ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ مکلّف مخلوق ہے جسے دنیا و آخرت کی صلاح و بہتری چاہنے کا پابند کیا گیا ہے۔(۸)

ایسا اس وجہ سے ہے کہ انسان ان خصائص اور اوصاف سے مزین و آراستہ ہے جو اسے اس امانت کو اٹھانے کا اہل بناتے ہیں، جس کا اسے ذمہ دار و پابند بنایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''**و إذ قال ربک للملائکة الخ**''، (۲/بقرہ:۳۰)۔(اس وقت کے بارے میں سوچو، جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں ''خلیفہ'' کا تقرر کرنے والا ہوں، انہوں نے عرض کیا تھا: کیا آپ اس کو یہ ذمہ داری سونپ رہے ہیں جو زمین میں فساد مچائے گا اور خون بہائے گا اور ہم تو آپ کی تسبیح و تحمید و تقدیس (آپ کی پاکی، آپ کی حمد و ثنا اور آپ کی عظمت و بزرگی کے ذکر) میں لگے ہوئے ہیں، تو اللہ نے فرمایا تھا: جو میں جانتا ہوں، تمہیں اس کا علم نہیں)۔ خود اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود بخشا اور تعلیم دی، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:''**و علم آدم الأسماء کلها**'' (۲/بقرہ:۳۱)۔(اور آدم کو تمام چیزوں کے ناموں اور ان کے اوصاف و خصوصیات کا علم (اللہ نے) عطا فرمادیا)۔

انسان کو اس لیے پیدا کیا گیا تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت و پرستش کرے اور زمین میں خلیفہ مقرر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکامات کے نفاذ کی پابندی کرتے ہوئے اور اس کے

۷- عارف، نصر محمد، نظریات التنمیۃ السیاسیۃ المعاصرۃ، ہیرندن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۲ء، ص:۲۰۶ اور بعد کے صفحات

۸- اصفہانی، تفصیل النشأتین و تحصیل السعادتین، مرجع سابق، ص:۹۰ اور بعد کے صفحات

نواہی ومحرمات سے بچتے ہوئے زمین کوآباد کرے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:''**وماخلقت الجن والإنس إلا ليعبدون**'' (۵۱/ذاریات:۵۶)۔(میں نے جنوں اورانسانوں کوصرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں)۔

چنانچہ انسان اس زمین کا سردار ہے،اس کی صلاح وبہتری اور بگاڑ اس کی صلاح اور فساد وبگاڑ سے مربوط ہے۔(۹)اس سے اس ادارہ کے کردار کی اہمیت وعظمت معلوم ہوتی ہے جو اس کی پرورش وپرداخت اورتعلیم وتربیت کا نگراں ہے۔

مجموعی اعتبار سے یہ آیتیں بیان کرتی ہیں کہ انسان ایک مقصد کے لیے پیدا کیا گیا ہے جوایک طرف اللہ تعالیٰ کی عبادت تو دوسری طرف زمین کی خلافت وجانشینی میں نمایاں ہے۔ ''عبادت''اور''خلافت'' کے معانی اس سلسلہ میں متفق ہیں کہ وہ اللہ کے اوامر واحکامات کی بجا آوری اور اس کے ممنوعات ومحرمات سے بچنے پر قائم ہیں،جس کا نتیجہ روحانی ترقی اور مادی مقاصد کے سلسلہ میں کائنات کو بارآور بنانے کے ذریعہ مادی کائنات کے ساتھ تعامل برتتے ہوئے انسان کا آبادی کے معانی ومفاہیم کو وجود میں لانا ہے۔اس مفہوم میں''خلافت'' اس عبادت کے ذریعہ انجام پاتی ہے،جس میں نفس سے جہاد کیا جائے اور آبادکاری کے لیے جانفشانی کی جائے اوردنیاوآخرت میں انسان کے نفع کا تحقق ہو،یہ سب محض اس فضل الٰہی سے انجام پذیر ہوتا ہے جوکمال مطلق کا مظہر ہے۔(۱۰)

رہا''تزکیہ'' تواسلام میں اس کا شمار کنٹرول کرنے والے بلندترین اقدار،توحید،تزکیہ اورآبادکاری میں ہوتا ہے۔یہی فرمان باری تعالیٰ کا مقصداق ہے:''**ونفس وما سواها** .....'' (۹۱/شمس:۷-۱۰)۔(قسم ہے ہرشخص کی اوراس کی مکمل تخلیق کی،پھر(یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ)

۹- رضا محمد رشید،تفسیر المنار،تفسیر القرآن الحکیم،قاہرہ،مطبعۃ المنار،ط:۱،۱۳۴۶ھ،ج:۱،ص:۶

۱۰- اصفہانی،تفصیل انشأتین وتحصیل السعادتین،مرجع سابق،ص:۱۰۴-۱۱۴

اللہ نے اس میں اس کے فجور اور تقوی کی صلاحیت رکھ دی ہے۔ یقیناً وہ کامیاب ہوتا ہے جو نفس کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور وہ ناکام و نامراد ہوتا ہے جو اس کو ملیامیٹ کرتا ہے (برائیوں میں ملوث ہوتا ہے)۔ اسلام نے اپنے دیگر نظاموں کی طرح تزکیہ کا بھی کامل و مکمل اور معجزانہ نظام مقرر کیا ہے جو کامل ترین صورت میں اسے وجود میں لانے کا ذمہ دار ہے۔

''تزکیۂ نفس'' کے بنیادی دروازے عبادات ہیں۔ چنانچہ اسلام میں عبادات فلسفیانہ اور روحانی عمق و گہرائی رکھتی ہیں، جو ہر عبادت یا ممتاز علامت یعنی شعائر (شہادتین، نماز، زکوۃ، روزہ اور حج وغیرہ) کو وسیع نظام میں تبدیل کر دیتی ہے جو تمام جسمانی، نفسیاتی، روحانی اور عقلی پہلوؤں کے ساتھ نفس انسانی کی تعمیر و تشکیل کی قدرت رکھتا ہے۔ عبادات سے ہی تزکیہ کی پہلی اینٹیں تشکیل پاتی ہیں جن کے اثرات انسانی سلوک و برتاؤ پر پڑتے ہیں۔

اسلام میں تزکیہ صرف روح تک محدود نہیں ہے بلکہ اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہے جس میں فکر و تصور کا تزکیہ، عقائد کا تزکیہ، سلوک و رویہ اور برتاؤ کا تزکیہ، فرد، خاندان اور سماج کا تزکیہ اور انسانوں اور نظاموں سے باہمی تعلقات کا تزکیہ سب شامل ہے۔

بہرحال مختلف پہلوؤں سے تزکیہ کو تصور کے ذریعہ وجود میں لایا جائے گا، تاکہ کائنات، زندگی، انسان اور اس کے خالق کے مکمل اسلامی تصور کی راہ سے مختلف انسانی تصورات اور فکر کے تزکیہ کے طریقہ کی شناخت ہو سکے۔ جب کہ عقائد کا تزکیہ ہر قسم کے دباؤ سے جس سے انسان دوچار ہوتا رہتا ہے انسانی شعور اور ضمیر کو آزاد کر کے ہوگا اور یہ اس تعلق کو واضح کر کے انجام پائے گا جو انسانی وجدان کی آزادی اور عقیدہ کے درمیان ہے کہ عقیدہ انسانی وجدان کو اس کے تصورات سے پاک وصاف کرنے کے بعد آزاد کرتا ہے۔

اس کے بعد انفرادی سلوک و برتاؤ کا تزکیہ ہوگا جو اس تعلق کو بیان کر کے انجام پائے گا جو خالق عظیم کے مقرر کردہ راستہ پر انسان کے ثابت قدم رہنے اور وجدان کی آزادی اور توحید و

ایمان کے درمیان ہے۔ چنانچہ کچھ انفرادی عبادتیں ہوتی ہیں، کچھ اجتماعی عبادتیں ہوتی ہیں، بعض فرائض عینی ہوتے ہیں (یعنی ہر عاقل و بالغ مرد پر فرض ہوتے ہیں)، بعض فرائض کفائی ہوتے ہیں (یعنی چند افراد کا انجام دنیا کافی ہوتا ہے) اسی طرح کچھ محرمات ہر شخص کے حق میں ہوتے ہیں اور کچھ محرمات جماعت کی حیثیت سے جماعت پر عائد ہوتے ہیں اور اسی طرح دیگر امور ہیں۔

اس طرح خاندان کی تعمیر و تشکیل کے سلسلہ میں کلی اسلامی تصور کے دائرہ میں ''استخلاف وخلیفہ مقرر کیے جانے'' کے مفہوم کا شمار کنٹرول کرنے والے مفہوم کی حیثیت سے ہوتا ہے، کیونکہ اس کے اندر ایسے معانی پائے جاتے ہیں جو انسان کی سرگرمیوں اور کاروائیوں کو منظّم کرتے ہیں۔ چنانچہ ''استخلاف'' کی ذمہ داری مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے اور اس ذمہ داری کی انجام دہی دوسرے فریق کو چھوڑ کر ایک فریق تک محدود نہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ مفہوم عمومی مرکزی تعلقات کے سایہ میں مردوں اور عورتوں کی سرگرمیوں کو متحد کرنے پر قائم ہے، جن سے امت کی تعمیر و تشکیل میں مدد ملتی ہے، پھر اس تعلق کے عناصر وسیع ہو کر خاندان کے اندر بھی اپنا خاص کردار ادا کرتے ہیں۔

بنابریں قرآنی خطاب کے مطابق بطور مثال: شادی کا مسئلہ سماجی آبادی کی سطحوں میں سے ایک سے زائد سطح کے اندر داخل ہے۔ جیسے: خاص سطح مرد اور عورت کے درمیان تعلق سے وابستہ ہے، خاندانی سطح میاں بیوی سے متعلق ہے، اس حیثیت سے کہ دونوں قرابت کے دائرہ میں مختلف سماجی کردار ادا کرنے کے پابند ہیں، عام سطح کے اندر میاں بیوی اہل ایمان کی جماعت کے حصہ اور اس کے خلیوں (Cells) میں سے ایک زندہ خلیہ (Cell) کے طور پر نمایاں ہوتے ہیں۔

۳-ولایت:

قرآن کریم نے اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلق کے میدان میں

''ولایت'' کے مفہوم کو وسعت دی ہے، تاکہ انسانی تعامل کے تمام میدان اس میں شامل رہیں اوراس کے ذریعہ افراد کے تعلق سے نکل کر امت کی تشکیل ہو۔ارشاد الٰہی ہے:''**والمؤمنون والمؤمنات .....الخ**'' (۹/توبہ:۷۱)،(جومومن مرد ہیں اور جومومن خواتین ہیں وہ ایک دوسرے کے معاون ومددگار اور رفیق ہیں، ان کا ایک دوسرے سے ایمانی تعلق ہے، وہ بھلائیوں کے داعی ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، ان پر اللہ اپنی رحمت نازل فرمائے گا، بے شک اللہ ہی غالب ہے، صاحب اقتدار ہے، حکمت والا ہے)۔

اس آیت کے اندر''ولایت''میں بھلائیوں کو سرگرم کرنے، برائیوں کو ختم کرنے اور اہل ایمان کے درمیان سچی باہمی خیر خواہی کے سلسلہ میں تعاون و باہمی مدد کے معانی ومفاہیم شامل ہیں۔

ان معانی ومفاہیم کا شمار ان اہم ترین محاور میں ہوتا ہے جن کی اینٹیں بہترین امت کے خدوخال کی تشکیل کرتی ہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے:''**کنتم خیر أمة أخرجت للناس .....الخ**'' (۳/آل عمران:۱۱۰)۔(تم بہترین امت ہو، تمام انسانوں کے لیے اس امت کو برپا کیا گیا ہے، تمہیں بھلائیوں کا حکم دینا ہے، برائیوں سے روکنا ہے اور اللہ پر ایمان رکھنا ہے)۔

یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ لوگوں میں سے ایک گروہ کا خیر و بھلائی کے کاموں کے سلسلہ میں تعاون باہمی قلبی محبت و الفت اور اہداف و مقاصد کے متحد ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔یہی فرمان الٰہی کا مصداق ہے:''**واعتصموا بحبل الله جميعا .....الخ**'' (۳/آل عمران:۱۰۳-۱۰۴)۔(اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور الگ الگ نہ ہو(گروہوں اور ٹولیوں اور فرقوں میں مت بٹو) اور تم پر اللہ نے جو انعامات فرمائے انہیں یاد رکھو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی اور اس کے احسان سے تم

بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچایا، اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی باتیں کھول کھول کر تم کو بتاتا ہے تاکہ تمہیں ھدایت ملے۔

تمہیں ایک ایسی امت ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے اور بھلائیوں کی تلقین کرے اور برائیوں سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں)۔(۱۱)

ہر دور اور ہر جگہ میں اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلق اسی بنیاد پر ہونا ضروری ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین مثال اور بہترین نمونہ دور نبوت کا معاشرہ ہے، جس میں ایک دوسرے کے لیے دلوں میں محبت و انسیت تھی۔ جس کے افراد نے جب ایمان کی صدا لگانے والے کی صدا سنی کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ تو وہ ایمان لائے اور جاہلیت کی زندگی اور اس کی حرص وطمع سے بے رغبتی اختیار کی اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے سرور و کیف سے کام ودہن کو لذت بخشی، اپنے اعضاء و جوارح اور دل وروح کے ساتھ اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو گئے، نیکی اور تقوی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کیا، لوگوں کے لیے سیدھی ترازو بن گئے، انصاف کو قائم کرنے والے ہو گئے، اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دینے والے بن گئے، خواہ یہ گواہی ان کی ذات، یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے زمین کو مسخر کر دیا اور وہ انسانیت کے لیے سہارا اور دنیا کے تحفظ کا ذریعہ بن گئے۔(۱۲)

یہ انسانی نمونہ بار ہا ظہور پذیر ہونے کی قدرت رکھتا ہے، اس وقت تک جب تک اس کے تشکیلی عناصر قیامت تک باقی رہیں گے۔ انسانوں کی صرف اتنی ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان کی

۱۱- جیسا کہ اس کا بیان ابوشقہ، عبدالحلیم کی کتاب: تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ: دراسۃ جامعۃ النصوص القرآن و صحیحي البخاری و مسلم، کویت، دارالقلم، ۱۹۹۰، جلد ثانی میں ہے۔

۱۲- ندوی، ابوالحسن، ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین، کویت، دارالقلم، ۱۹۹۴، ص: ۹۲-۹۵

روح واسپرٹ کو پیدا کریں تا کہ وہ انسانی نمونے ظہور پذیر ہوں جو دور نبوت کے درخشاں نقوش اور تصویروں کو دوبارہ قائم کر دیں، کیونکہ سماجی صورت حال کے پھیلاؤ کے سلسلہ میں انسانی تجربات کا عالمی اثر مرتب ہوتا ہے اور سماجی سرگرمی متنوع مسافتوں اور پے در پے آنے والی نسلوں کے اندر عالمی وسعت اختیار کر جاتی ہے۔ نیز وقت اور تنوع کے اصول سے ہم آہنگ ہو کر مخصوص یا ذاتی دائرہ میں تجربات پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں، کیونکہ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ ایک انسان اخلاقی پیغام دینے اور انسانی ضمیر خواہ کہیں بھی ہو، اسے بیدار کرنے کی کتنی قدرت رکھتا ہے۔(۱۳)

۴-زوجیت:

قرآن کریم کے اندر زوجیت کا مفہوم اس میدان میں نمایاں طور پر ظاہر ہوا ہے، جس میں اس نے ''خالق'' اور ''تخلیق'' کے درمیان دوہرے اتصالات کے سلسلہ میں وجود کے مسئلہ کو چھیڑا ہے۔ وہ میدان یہ ہے کہ خالق (Creator) ایک ہے اور مخلوقات متنوع نوعیت رکھتی ہیں، تا کہ نسل یا نوع کے افراد کے تحفظ کی خاطر بار آوری یا تناسل کا عمل انجام پائے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''**وجعلوا للہ شرکاء الجن .....الخ**''(۶/انعام:۱۰۰-۱۰۱)،(ان (مشرکوں) نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، حالانکہ اللہ نے ہی جنوں کو پیدا فرمایا ہے اور انہوں نے اپنی جہالت میں اللہ کے لیے بیٹے، بیٹیاں، گڑھ لی ہیں، پاک ہے اس کی ذات اور ان کی (بے بنیاد) باتوں سے وہ بلند و بالا ہے۔ آسمانوں اور زمین کو اس نے نیست سے ہست کیا، اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ اس کی کوئی رفیقۂ حیات تو ہے نہیں، اس نے تو ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔

۱۳- مرجع سابق، ص:۹۲-۹۵

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:"**فاطر السموات .....الخ**" (۴۲/الشوری:۱۱)،(وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے، اس نے تمہیں میں سے تمہاری بیویوں کا انتظام کیا اور چوپاؤں کو بھی جوڑا جوڑا بنایا (ان کے درمیان نر و مادہ کا انتظام کیا) اور اسی سے تمہاری نسلوں کا (خوب) سلسلہ چلایا، اس کے مثل کوئی چیز بھی نہیں (کسی سے نہ اس کو تشبیہ دی جاسکتی ہے اور نہ اس کو کسی چیز پر قیاس کیا جاسکتا ہے) اور وہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے)۔

اسلام میں عورت کے ساتھ مرد کے تعلق کے بارے میں کسی تصور کی تشکیل کے دائرہ میں مفاہیم کے نظام میں "زوجیت" کا مفہوم اہم ترین مفہوم کا حامل ہے، کیونکہ زوجیت کے دو پہلو ہیں: (۱) کائناتی پہلو (۲) انسانی پہلو-(۱۴)۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"**ومن کل شئ خلقنا زوجین .....الخ**" (۵۱/ذاریات:۴۹)۔(اور ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ہیں، تاکہ تم غور کر کے فائدہ اٹھاؤ)۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے:"**و تری الأرض هامدة..... الخ**" (۲۲/حج:۵)،(اور تم زمین کو دیکھتے ہو کہ بے جان پڑی ہے، پھر ہم جب اس پر بارش برساتے ہیں، تو وہ جھوم جاتی ہے، کھل جاتی ہے اور اُگ آتی ہے؟ اور طرح طرح کے خوش منظر پودے اگاتی ہے)۔

اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:"**فیهما من کل فاکهة زوجان**" (۵۵/رحمٰن:۵۲)،(ان میں ہر پھل کی دو دو قسمیں ہوں گی)۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:"**و أنه خلق الزوجین الذکر والأنثی، من نطفة إذا تمنی**" (۵۳/نجم:۴۵-۴۶)۔(اور اسی نے دونوں صنفوں مرد و عورت کو ایک نطفہ سے، جب وہ ٹپکایا جاتا ہے، پیدا کیا ہے)۔

نیز اللہ جل وعلیٰ کا ارشاد ہے:"**خلقکم من نفس واحدة ثم جعل**

۱۴- صالح، أمانی "قضیة النوع فی القرآن: منظومة الزوجیة بین قطبی الجندر والقوامة"، المرأة والحضارة، ع ۳، شعبان/ ۱۴۲۳ھ، اکتوبر ۲۰۰۲ء، ص: ۲۲-۲۳

منھا زوجھا.....الخ'' (۳۹/زمر:۶)،(اس نے تم کو ایک اکیلی جان سے پیدا کیا، پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لیے چوپاؤں اور مویشیوں کی آٹھ قسمیں اتار دیں، اور وہ تم کو تمہاری ماؤں کے رحم میں تخلیق کے مرحلوں سے تین تاریکیوں میں گزارتا ہے (بچہ دانی اور رحم مادر اور اس کے پیٹ کی تاریکیوں میں رکھ کر پرورش کرتا ہے)، وہ ہے اللہ، تمہارا پروردگار، اسی کی بادشاہت ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو آخر تم کہاں لے جائے جارہے ہو؟ یقیناً کائنات کی تمام مخلوقات کے لیے'' زوجیت'' (جوڑے جوڑے ہونے) کو ثابت کرنا، نیز کائنات کا مادی فیزیکل نظام (Physical System) سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسانی زندگی اور تمام نیچر (Nature) یعنی موجودات کے درمیان مکمل ہم آہنگی ہے۔ اس سے ان تصورات کی تردید ہوتی ہے جو انسان کو فطرت کے مقابلہ میں لا کھڑا کرتے ہیں۔ نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ فطرت کے مفہوم کی حد بندی انسانی حدود کے دائرہ میں کی جائے گی، باوجودیکہ فطرت میں اختلاف ہے، لیکن سب کی اصل ایک ہے، جبکہ فروعات متنوع اور الگ الگ ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:'' **یا أیھا الناس اتقوا ربکم ..... الخ**'' (۴/نساء:۱)۔(اے لوگو! اپنے اس مالک وخالق کا لحاظ رکھو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت (دنیا بھر میں) پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے حوالہ سے تم مانگتے ہو اور رشتوں کا خیال رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا نگراں ہے)۔

اس وحدت کی تعبیر قرآن کریم میں ایک سے زائد مقامات پر ''**بعضکم من بعض**'' (۴/نساء:۲۵)،(تمہارا ایک دوسرے سے تعلق ہے (سب انسانی رشتہ میں منسلک ہیں) سے کی گئی ہے، اس کے ذریعہ ان انسانی تعلقات پر زور دیا گیا ہے جو دونوں صنفوں کو مربوط کرتے ہیں اور کسی بھی نئے سماجی یا قانونی بندھن کی تشکیل کرتے ہیں۔ اس طرح اختلاف تکامل وتعاون (ایک دوسرے کے ذریعہ مکمل ہونے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے) کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔

اختلاف کے معانی و مفاہیم کی وضاحت کے سلسلہ میں ہونے والی لطیف، عمدہ اور تجزیاتی گفتگو میں سے ''سورۂ لیل'' کی تفسیر میں شیخ شعراوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کلام ہے: ''یہ دونوں ''جنس'' کی دونوع کی طرح ہیں، جن کی ذمہ داریاں ہیں، جنس کی طرح مشترکہ ذمہ داریاں ہیں اور دونوع کی طرح الگ الگ ذمہ داریاں ہیں۔ اللہ رب العزت نے جب رات و دن کے مسئلہ کو پیش کیا جو کہ ایک کائناتی مسئلہ ہے، جس کے بارہ میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے اور نہ ہی کسی کے لیے ممکن ہے کہ اس کے بارہ میں کوئی مخالفت کرے، اس لیے کہ ہم سب رات کو سکون و راحت کے لیے مقرر کرتے ہیں اور دن کو محنت اور جانفشانی کے لیے استعمال کرتے ہیں .....تو دراصل اس مسئلہ کو اس مسئلہ سے مانوس کرنے کے لیے پیش کیا، جس کے بارہ میں اختلاف ہوسکتا ہے اور یہ مرد اور عورت کا مسئلہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**والليل إذا يغشى** .....**الخ**'' (۹۲/لیل: ۱-۴)۔ (قسم ہے رات کی جب وہ چھا جاتی ہے۔ قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہوتا ہے۔ قسم ہے نر و مادہ کی تخلیق کی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری سعی و کوشش الگ الگ ہے)۔

اس جگہ وقت کی دونوع ہیں۔ اور دو ایسی نوع ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہوسکتا ہے۔ گویا رات کی ایک ذمہ داری ہے اور دن کی ایک ذمہ داری ہے۔ اسی کے ساتھ مرد کی بھی ذمہ داری ہے اور عورت کی بھی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''**إن سعيكم لشتى**'' (۹۲/لیل: ۴)۔ (حقیقت یہ ہے کہ تمہاری سعی و کوشش الگ الگ ہے)۔

اس کا تعلق عمومی مسئلہ سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**ولا تتمنوا ما فضل الله به** .....**الخ**'' (۴/نساء: ۳۲)۔ (ان چیزوں کی حرص میں نہ پڑو، جن میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک صنف کو دوسری صنف کے مقابلہ میں کچھ زیادہ صلاحیتوں سے نوازا ہے، مرد جو کچھ کرتے ہیں اس کا پھل انہیں ملے گا اور عورتیں جو عمل کریں گی اس کا نتیجہ ان کے حصہ میں آئے گا اور اللہ کے فضل و کرم کے طلب گار رہو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کو عورت بننے کی تمنا نہیں کرنا چاہئے، نہ ہی عورت کو مرد بننے کی تمنا کرنا چاہئے، کیونکہ جنس کی ہر نوع کی ذمہ داری ہے جسے اسے ادا کرنا ہے، لہٰذا بغیر کسی مخالفت و تصادم کے اسی ذمہ داری کے پاس رکنا ضروری ہے اور باہمی ہمدردی اور مساوات کے ساتھ اسی ذمہ داری کو انجام دینا ہے۔ معاملہ میں بگاڑ تو اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ کوئی نوع دوسری نوع کے حقوق یا ذمہ داریوں پر ڈاکہ ڈالنے لگتی ہے۔ جس سے کائنات کے نظام میں فساد و بگاڑ پیدا ہوتا ہے''۔(۱۵)

مردوں اور عورتوں کے درمیان فرائض کا اختلاف ذمہ داری کی انجام دہی کی خاطر ہے۔ اور یہ بات خواہش نفس کے دائرہ میں آجائے گی کہ ایک صنف یعنی عورت کو دوسری صنف یعنی مرد کو قوی قرار دینے کے لیے ضعیف کہا جائے۔

قرآن کریم میں ''زوجین'' کی اصطلاح کے مکرر استعمال سے یہ بات پُر زور طریقہ پر معلوم ہوتی ہے کہ دو صنف کی نر و مادہ میں تحدید ان کی تعریف کے طور پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**و أنه خلق الزوجين..... الخ**'' (۵۳/نجم:۴۵-۴۶)۔(اور اسی نے دونوں صنفوں مرد و عورت کو ایک نطفہ سے، جب وہ ٹپکایا جاتا ہے پیدا کیا ہے)۔

نیز اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''**فجعل منه الزوجين الذكر والأنثى**'' (۷۵/قیامت:۳۹)۔(اور اس کو نر یا مادہ بنایا)۔

اسی طرح قرآن کریم میں تعدد جنس کے لیے کسی میدان کو کھولے بغیر نر و مادہ کے مفہوم کی پوری وضاحت کے ساتھ حد بندی کی گئی ہے۔ جبکہ مغربی نقطۂ نظر جنس کے مفہوم کو تعدد جنس کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

جب ''زوجیت'' کا مفہوم ''وحدت اصل'' اور ''تعدد فروع'' ہے تو فرائض میں تکامل

۱۵- شعراوی، محمد متولی، ''القرآن الکریم معجزۃ ومنہاج''، بیروت، دار الندوۃ الجدیدۃ، ۱۹۸۷ء، ص:۵۳۶-۵۳۶

(ایک دوسرے کے ذریعہ مکمل ہونا) ضروری ہے۔ لہٰذا دونوں صنفوں میں سے کوئی دوسری صنف سے بے نیاز نہیں ہوسکتی ہے۔ اسی طرح نوعی تقسیم کا ایک فریضہ ہے جو مرد وعورت کے باہمی (جائز) ملاپ کے ذریعہ نوع انسانی کے جاری اور باقی رہنے کے لیے ذریعہ کو وجود میں لانا ہے اور اس میں کثرت پیدا کرتا ہے تاکہ مادی آبادی اور کثرت وجود میں آئے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "**یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی ..... الخ**" (۴۹ر حجرات:۱۳)، (اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تعارف کے لیے تقسیم کیا ہے، تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے، خوب باخبر ہے)۔

جس صنفی انفرادیت اور دونوں صنفوں کے درمیان کشمکش کا نسوانی تحریکات گمان رکھتی ہیں اور اس کی دعوت دیتی ہیں، قرآنی نظریہ اس کے برعکس ہے(۱۶)۔

گذشتہ کلام کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرد وعورت کے درمیان تعلق کا جو رہنما نظام ''زوجیت'' کا مفہوم پیش کرتا ہے وہ مکمل طور پر دیگر تصورات ونظریات سے مختلف ہے، نیز (موجودہ دور کی بعض) خواتین کی تحریروں میں ''نوع'' سے متعلق تصورات وخیالات سے بھی الگ ہے، جن سے ''تعدد جنس'' کے امکانات کی راہیں کھلتی ہیں۔

بہرحال اسلامی نمونہ صرف ''میاں بیوی'' کی اصطلاح کو پیش کرتا ہے تاکہ مرد اور عورت کی حد بندی کرکے دونوں کے درمیان قائم ہونے والے مکمل تعلق پر زور دیا جاسکے، جس میں ''وحدت اصل'' اور ''تعدد فروع'' کی جلوہ گری ہوسکے۔(۱۷)

۱۶- مرجع سابق: ص:۲۵

17- Lois Lamya, Al-Faruqi,Women, Muslim Society and Islam: Plainfield, in: American Trust Publications, 1988, P. 73

چنانچہ ہر نوع (صنف) سے اس چیز کا حساب لیا جائے گا، جس کی خاطر اس کی تخلیق ہوئی ہے اور اس پیغام کا حساب لیا جائے گا جس کا وہ علمبر دار ہے اور اس سے اس کردار کا محاسبہ ہوگ۔ جو اسے ادا کرنا ہے۔ اس مفہوم کی طرف رسول اکرم -صلی اللہ علیہ وسلم- نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے: "**لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء ..... الخ**" (مردوں میں سے عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور عورتوں میں سے مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والیوں پر اللہ عزوجل کی لعنت ہے)۔

اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر صنف کی اپنی الگ الگ خصوصیات امتیازات اور انفرادیت ہے جو دوسری صنف میں موجود نہیں۔ اگر دونوں صنفوں کے درمیان مطلق مساوات و برابری وجود میں لانے کی کوشش کی گئی تو ہر صنف اپنی اہم ترین امتیازات و خصوصیات کھودے گی۔

چنانچہ مرد اور عورت میں سے ہر ایک کی خصوصیات کو علیحدہ کرنے اور اختلاف یا تنوع کے بغیر ایک مختلف حالت میں ان کو رکھنے کی کوشش کہ اس میں وہ دونوں مکمل طور پر برابر ہوجائیں، ان کا نتیجہ حتمی طور پر توازن کا خلل پذیر ہونا ہوگا۔ اس طرح عملی طور پر اسلام میں ''زوجیت'' کے مفہوم کی تطبیق خاندان کے ادارہ کے ذریعہ ہوگی اور اس کے سایہ میں ''زوجیت'' کی تشکیل ایک عام مفہوم سے ہٹ کر متعین افراد کے درمیان متعین تعلق کی شکل میں ہوگی، شادی کے تعلق کی وجہ سے اکٹھے ہوں گے اس وقت عملی طور پر فرائض کے تکامل، آبادی اور انسانی نسل کی کثرت اور نوع انسانی کی بقاء کے مفاہیم کی صورت گری ہوگی۔ اور نکاح پر مرتب ہونے والے فرائض اور حقوق کے لازمی متعین نظام کے ذریعہ دونوں فریق کے درمیان کردار اور فرائض کی تقسیم ہوگی۔ خود اللہ تعالیٰ نے صنف مخالف کی طرف کشش، ماں باپ بننے کی چاہت، ملکیت حاصل کرنے کی خواہش اور اولاد کی رغبت وغیرہ جیسی فطری رغبتوں کی شکل میں فریقین کے شادی

کے بندھن سے منسلک ہونے کے لیے ذاتی محرکات فراہم کیے ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعہ انسانی خاندان تشکیل پذیر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان کی اہمیت پر زور دینے کی خاطر اسلامی شریعت میں اس کے تفصیلی شرعی احکام بیان کیے گئے ہیں۔ اسی وجہ سے ''زوجیت'' کا مفہوم تکامل (ایک دوسرے کے ذریعہ مکمل ہونے)، تعاون، باہمی ساجھے داری وشراکت تجربات اور اس کے مثبت تنوع کے باہمی تبادلے کا داعی ہے، جس سے مختلف ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلہ میں باہمی تکامل میں مدد ملے۔ لیکن اگر مرد یا عورت میں سے کوئی الگ تھلگ رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فرائض کے سلسلہ کے توازن میں خلل واقع ہوجائے گا۔

مبحث دوم: دور رسالت میں خاندانی مقاصد اور تطبیقات:

ا-شرعی نکاح کا مقصد:

(الف) اسلام سے قبل شادی: سماجی صورت حال کا جائزہ:

اسلام سے قبل خواتین مردوں کے اختیار کردہ سنگین حالات کے تابع تھیں، جن کے اندر مختلف مفاہیم میں خاتون اپنی آزادی اور انسانی شرف کھوچکی تھی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے الفاظ میں اس کی انتہائی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ہم جاہلیت میں خواتین کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے، جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے خواتین کا تذکرہ کیا تو ہمیں معلوم ہوا کہ خواتین کے بھی ہمارے اوپر حقوق ہیں، بغیر اس کے کہ ہم اپنے معاملات میں سے کسی معاملہ میں ان کو داخل کریں'' (۱۸)۔

اس تبدیلی کا اثر خاندان کی ساخت اور ڈھانچہ پر پڑا، اسلام نے خاندان کے نظام

۱۸- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب اللباس، حدیث نمبر ۵۳۹۵-حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکمل بیان سے اس عظیم انقلاب کی واضح عکاسی ہوتی ہے جو اسلام کے اندر خواتین کی صورت حال میں آیا

اوراقدار میں پیدا ہونے والے بگاڑ کی اصلاح کی، جس کا آغاز نکاح سے ہوا۔

جاہلی سماج میں شادی کی صورت حال کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عمدہ عکاسی کی ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو بتایا کہ جاہلیت میں ''نکاح'' کی چار قسمیں تھیں۔

۱- ایک نکاح تو وہی ہے جو لوگوں میں آج بھی معروف ہے کہ کوئی مرد کسی شخص کو اس کے زیر سرپرستی لڑکی یا بیٹی کے سلسلہ میں پیغام دیتا ہے اور اس کا مہر متعین کرتا ہے، پھر اس سے (مجمع میں حاضرین اور گواہوں کے سامنے) نکاح کر لیتا ہے۔

۲- ایک دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہتا کہ جب تم حیض سے پاک ہو تو فلاں شخص کو پیغام دے کر اس سے نطفہ حاصل کر لو، اس مدت میں اس کا شوہر اس سے الگ رہتا اور جماع نہیں کرتا تھا، یہاں تک کہ اس شخص سے جس سے نطفہ حاصل کرتی، حمل ظاہر ہو جاتا، حمل جب ظاہر ہو جاتا تو اگر شوہر چاہتا تو ہمبستر ہوتا تھا، یہ اس مقصد سے کیا جاتا تھا کہ بچہ اچھا اور ذہین پیدا ہو۔ اس نکاح کو نطفہ حاصل کرنے کا نکاح کہتے تھے۔

۳- ایک تیسرا نکاح یہ تھا کہ دس سے کم افراد جمع ہوتے اور کسی عورت سے سب مباشرت کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی اور بچہ جننے کے بعد کچھ دن گزر جاتے تو وہ سب کو بلاتی، کوئی آنے سے باز نہیں رہ سکتا تھا، جب وہ سب اس کے پاس جمع ہو جاتے تو وہ کہتی: تم سب اپنے معاملہ سے واقف ہو، مجھے بچہ ہو چکا ہے، پھر جس مرد کے بارے میں وہ چاہتی کہہ دیتی کہ اے فلاں! وہ تمہارا بیٹا ہے، اس سے اس کے لڑکے کا نسب ثابت ہو جاتا تھا، وہ شخص اس سے نکار نہیں کر سکتا تھا۔

۴- چوتھی قسم کا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس

جاتے، وہ ہر آنے والے کو موقع دیتی۔ یہ طوائف تھیں جو علامت کے طور پر اپنے دروازے پر جھنڈے نصب کرتی تھیں۔ جو ان سے ہم بستر ہونا چاہتا ان کے پاس جاتا، ان میں سے کوئی حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو اس سے ہمبستر ہونے والے تمام مردوں کو جمع کیا جاتا اور قیافہ شناسوں کو بلایا جاتا جو اپنی صوابدید سے کسی شخص سے اس بچہ کے نسب کو ثابت کر دیتے تھے، وہ بچہ اسی کا سمجھا جاتا تھا اور اسی کے بیٹے کی حیثیت سے اسے پکارا جاتا تھا، وہ اس سے باز نہیں رہ سکتا تھا- جب نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حق کے ساتھ بعثت ہوئی تو آپ نے موجودہ دور میں جو صحیح نکاح رائج ہے اس کے علاوہ نکاح کی تمام قسموں کو باطل قرار دیا(۱۹)۔

جاہلیت میں لوگوں کی سرگرمیاں عدل و انصاف اور مہربانی وشفقت کے حدود سے تجاوز کر چکی تھیں۔ حتی کہ اس نکاح صحیح کی حالت میں بھی جس کا تذکرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا ہے ظالمانہ خلاف ورزیاں تھیں، مثال کے طور پر مہر کے سلسلے میں عورت کو یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنے مہر کو وصول کرے، بلکہ مہر وصول کرنا مرد یعنی ولی کا حق تھا جو اس میں جس طرح چاہتا تصرف کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''نکاح شغار'' سے منع فرمایا۔ ''شغار'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیٹی کا نکاح کسی مرد سے اس شرط پر کر دے کہ وہ بھی اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کر دے اور دونوں کا کوئی مہر نہ ہو''(۲۰)۔

اس سے اس صورت حال کی عکاسی ہوتی کہ اس دور میں سماج عورت کو کس نگاہ سے دیکھتا تھا، گویا اس کی حیثیت سامان تجارت کی تھی جسے فروخت کیا جاتا ہے اور خریدا جاتا ہے۔

اسلام سے قبل کے دور میں مرد، عورتوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرتے تھے کہ وہ ان

۱۹- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، باب النکاح، حدیث نمبر ۴۷۳۲

۲۰- احمد، مسند، مسند المکثرین من الصحابہ، بیروت: دار صادر (د.ت)، حدیث نمبر ۴۴۰۳

کی ملکیت ہیں۔مرد کو حق ہے جب چاہے ان سے شادی کرلے، یا اپنی خواہش سے جب چاہے طلاق دے دے۔ اس کی بہترین منظر کشی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کی ہے۔ فرمان الٰہی ہے:"یا أیھا الذین آمنوا لا یحل لکم أن ترثوا النساء کرھا ..... الخ" (۴/نساء:۱۹)۔(اے ایمان والو! تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو، اور نہ انہیں دق کرنا اور پریشان کرنا جائز ہے، تاکہ جو کچھ تم نے انہیں دے رکھا ہے، اسے واپس لے سکو (یا انہیں دق کر کے خلع پر مجبور کرو)۔

اس آیت کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں: جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کے اولیاء اس کی بیوی کے زیادہ حقدار ہوتے تھے، کوئی ولی چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا تھا اور اگر اولیاء چاہتے تو کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح کر دیتے تھے اور اگر اولیاء کی مرضی ہوتی تو اس کا نکاح کسی مرد سے نہیں کرتے تھے۔ مرنے والے کے اولیاء ہی عورت کے گھر والوں اور رشتہ داروں کے مقابلہ میں اس عورت کے زیادہ حقدار تھے۔ اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی"۔(۲۱)

مرد کو حق تھا کہ جتنی تعداد میں چاہے عورتوں سے نکاح کرلے اور جس خاتون کو چاہے تعداد یا حق کے تعین کے بغیر اپنے نکاح میں رکھے۔ یہ صورت حال غیلان ثقفی کے واقعہ میں نمایاں ہے۔

حضرت سالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد محترم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے، ان کے نکاح میں دس خواتین تھیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ان میں سے چار کا انتخاب کرلو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں انہوں نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی اور اپنے مال کو اپنے لڑکوں میں تقسیم کر دیا۔

۲۱- بخاری صحیح البخاری، مرجع سابق، باب تفسیر القرآن، حدیث نمبر ۴۲۱۳

اس کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو ملی، انہوں نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ شیطان چپکے سے جن آسمانی باتوں کو سننے کی کوشش کرتا ہے، ان میں سے تیری موت کی خبر بھی سن کر تیرے دل میں ڈال دیا ہے۔ شاید اب تیری زندگی بہت کم باقی رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! تم اپنی بیویوں سے رجعت کرلو گے اور اپنے مال کی تقسیم کو ختم کردو گے، ورنہ میں تمہاری بیویوں کو تمہارا وارث قرار دوں گا اور تمہاری قبر کو سنگسار کرنے کا حکم دوں گا، جیسے ''ابورغال'' کی قبر سنگسار کی گئی تھی۔ (۲۲)

اس واقعہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ لوگوں کے رویہ و برتاؤ اور عرف و رواج میں اسلام کے برپا کردہ عظیم انقلاب اور تبدیلی کے باوجود، بعض افراد کے لیے یہ مشکل تھا کہ بعض جاہلی رسم و رواج کو بیخ و بن سے اپنے دل سے اکھاڑ پھینکیں۔ یہی وجہ ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس طرح کی سرگرمیوں سے اسلامی معاشرہ کو پاک وصاف کرنے کے لیے اس طرح

۲۲- اس حدیث کی روایت میں ترمذی کے الفاظ اس طرح ہیں: ''زہری سالم سے نقل کرتے ہیں، وہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ: ''غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے۔ جاہلیت میں ان کی دس بیویاں تھیں۔ وہ بھی ان کے ساتھ اسلام لائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان میں سے چار بیویوں کے انتخاب کا حکم فرمایا۔ ابوعیسی ترمذی کہتے ہیں: معمر نے زہری سے، وہ سالم سے وہ اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ میں نے محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا، وہ فرماتے ہیں: یہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔ صحیح وہ حدیث ہے جو شعیب بن ابی حمزہ وغیرہ نے زہری سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: مجھے محمد بن سوید ثقفی سے بیان کیا گیا کہ غیلان بن سلمہ نے اسلام قبول کیا، اور ان کی دس بیویاں تھیں۔ محمد کہتے ہیں: زہری کی حدیث سالم سے وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے الفاظ ہیں کہ: ثقیف کے ایک شخص نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: تم اپنی بیویوں سے رجعت کرلو (دوبارہ اپنے نکاح میں لوٹالو) ورنہ میں تیری قبر کو اس طرح سنگسار کروادوں گا، جس طرح ابورغال کی قبر سنگسار کی گئی تھی۔ ترمذیؒ کہتے ہیں: ہمارے محدثین جن میں شافعیؒ و احمدؒ بھی ہیں، ان کے نزدیک عمل غیلان بن سلمہ کی حدیث پر ہے۔ دیکھئے: ترمذی، محمد بن عیسی بن سورہ، ''سنن ترمذی'' (جسے: ''الجامع الصحیح'') بھی کہتے ہیں)، تحقیق: عبدالوہاب عبداللطیف، عبدالرحمان محمد عثمان، بیروت، دارالفکر، ط: ۲، ۱۹۳۸ء، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۱۰۴۷

کی صورت حال میں پُرعزم تھے اور دوٹوک موقف اختیار کرتے تھے۔

(ب) اسلام میں شادی و بیاہ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کی فطرت میں متعدد طبعی خواہشات رکھی ہیں جن کا تعلق اس کی جسمانی اور نفسیاتی ضروریات سے ہیں۔ اسلام نے ان فطری خواہشات کو منظّم کرنے کا اہتمام کیا ہے اور ان کو متعین دائرے میں رکھا ہے جن سے مثبت نتیجہ برآمد ہو۔ ان طبعی خواہشات میں سب سے اہم جنسی خواہش ہے جو مردوں اور عورتوں کے درمیان تعلق کے سب سے اہم ترین ذاتی محرکات میں سے ایک ہے۔ اسلام نے اسے جائز دائرہ میں لگایا ہے جسے سماجی ذمہ داریاں اور اقدار کنٹرول کرتے ہیں۔ اور شادی کا ایک ہی دائرہ رکھا ہے جس سے انسان کے خلیفہ ہونے کے کردار کے مناسب اور کائنات کے معمار ہونے سے ہم آہنگ، مادی، اخلاقی، قانونی اور معاشرتی اعتبار سے ذمہ دارانہ جنسی (Sexual) سرگرمی کا مفہوم وجود میں آئے۔

جنسی خواہش کی تکمیل سے اسلام نے نہیں روکا ہے، جیسا کہ مسیحیت میں رہبانیت کی شکل میں ہوا اور نہ ہی اس نے جنسی خواہش کی تکمیل کو آزاد رکھا ہے کہ انسان شہوت پرست جانور میں تبدیل ہو جائے، جیسا کہ ''لیبرلزم'' اور ''سیکولرزم'' کے سایہ میں ہوا۔ بلکہ اسلام نے جنسی خواہش کو منظّم کیا ہے، جس سے ایسے تعلقات پیدا ہوئے جن کی بھلائیوں سے سماج کی تعمیر و تشکیل کا فریضہ انجام پایا۔

متعدد قرآنی نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ درست انسانی ازدواجی تعلق کا ڈھانچہ ''زوجیت'' کے نظام کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے جس میں ایک مرد اور عورت کے درمیان شادی کا تعلق ہوتا ہے جو ایک ساتھ قانونی شرعی بندھن سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شادی کو اپنی کائناتی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے، جس کے دائرہ میں انسان کے خلیفہ

ہونے کے کردار اور تہذیبی ذمہ داری سے ہم آہنگ، محبت وشفقت اور سکون واطمینان کی فضا میں ذمہ دارانہ جنسی سرگرمی وجود میں آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''ومن آیاته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا ..... الخ'' (۳۰/روم:۲۱)۔(اس کی یہ نشانی ہے کہ اس نے تم ہی میں سے تمہارے لیے جوڑوں (تمہاری بیویوں) کو وجود عطا کیا، تاکہ تمہیں ان سے راحت حاصل ہو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی رکھ دی، بے شک اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں)۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ''شادی'' کو لذت اندوزی کے دائرہ سے نکال کر ایک ادارہ کی شکل دی ہے۔

شادی کا اطلاق ایسے مرد اور عورت کے درمیان جائز تعلق پر ہی ہوگا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حدود کی رعایت، خود سے مربوط ذمہ داریوں کی ادائیگی کی پابندی اور اللہ عزوجل کے حکم کردہ اقدار پر عمل کرنے پر اتفاق کیا ہو، تاکہ ادارہ کے اندرونی و بیرونی ڈھانچہ کی حفاظت ہو، یعنی تقوی اختیار کیا جائے، سکون وراحت کی فراہمی کے لیے محبت والفت اور ہمدردی کو عام کیا جائے، معروف، بھلائی، احسان اور فضل کے ساتھ باہمی برتاؤ ہو اور باہمی مشورہ اور الفت وہمدردی کے ساتھ عدل وانصاف کو قائم رکھا جائے۔

اس طرح سماج کی چھوٹی اکائی (Unit) اور انسانی نسل کی کثرت یعنی نسل کے تحفظ کی خاطر جائز سماجی ادارہ کی حیثیت سے خاندان کا مفہوم متعین ہوگیا۔ جس خاندان کی تشکیل ایک ایسے منظم دائرہ میں دو ذمہ دار عاقل وبالغ مرد وعورت کرتے ہیں، جس میں باہمی تعلقات، حقوق اور ذمہ داریاں واضح ہوتی ہیں اور اولاد کا نسب ونسبت معلوم ومتعین ہوتی ہے اور جو کھوکھلے تعلقات سے خالی ہوتا ہے، اس طرح خاندان نوع انسانی کے چھوٹے بچوں کی درست پرورش وپرداخت کا کام انجام دینے کے لیے مادی ومعنوی تحفظات فراہم کرتا ہے۔ اسی طرح خاندان

میاں بیوی یعنی مرد وعورت کے درمیان ذمہ داریوں کی تقسیم کو بھی منظّم کرتا ہے، تا کہ معاشی اور بایولوجیکل (Biological) ڈبل کردار کی بنیاد پر نسل انسانی کی کثرت کا کام انجام پا سکے، اس طرح کہ نوع انسانی کے بچوں کے حمل اور نگہداشت کی ذمہ داری خاتون اٹھائے اور مرد خاندان کے افراد کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالے۔(۲۳)

اسلام میں شادی کے مفاہیم تین سطحوں کے اندر داخل ہیں: (۱) ایک سطح: مرد وعورت کے درمیان تمام پہلوؤں کے ساتھ مخصوص تعلق سے وابستہ ہے۔ (۲) دوسری سطح: (مشترکہ و وسیع) خاندان کے افراد کے اندر رائج تعلق سے متعلق ہے۔ (۳) تیسری سطح: امت سے مربوط ہے، جس میں میاں بیوی ایمان رکھنے والی جماعت کا حصہ ہوتے ہیں (۲۴)۔

چنانچہ شادی ایک ادارہ ہے جس کے اہداف ومقاصد اہم ترین مفاہیم واقدار کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ پہلی سطح یعنی میاں بیوی کے درمیان تعلق کی سطح پر درج ذیل قرآنی اقدار: (۱) لباس (یعنی میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے لباس کی طرح ہیں)، (۲) معروف و بھلائی (۳) محبت والفت (۴) ہمدردی (۵) سکون وراحت (۶) زن وشوہر کے تعلقات کا قیام (۷) کھیتی، کی شکل میں یہ تعلق نمایاں ہے۔(۲۵)

بیوی کو کھیتی قرار دینے میں عورت کو اس پاکیزہ وزرخیز زمین سے تشبیہ دی گئی ہے جو انسان کی اصل ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "**منها خلقناكم و فيها نعيدكم ..... الخ**" (۲۰/طہ:۵۵)۔ (اس زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں واپس ڈال دیں گے اور اسی سے دوبارہ نکال کر اٹھائیں گے)۔ قرآن کریم نے پاکیزہ وزرخیز زمین اور اس کی پیداوار اور عورت

۲۳- صالح، ''قضیۃ النوع فی القرآن: منظومۃ الزوجیۃ بین قطبی الجندر والقوامۃ''، مرجع سابق، ص:۲۹

۲۴- مصطفیٰ، ہند، ''الفضاء المعنوی للزوجیۃ فی البیان القرآنی: العلاقۃ بین الزوجین بین المنظور القرآنی والقراءۃ الفقہیۃ''، المرأۃ والحضارۃ: ۳/شعبان، ۱۴۲۳ھ، اکتوبر

۲۵- اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مرجع سابق، ص:۵۱۶-۵۱۷

اور (اولاد کے سلسلہ میں) اس کی بہتر کارکردگی کو مربوط کر کے مرد اور عورت کے تعلق کو حسی پہلو سے نکال کر عمرانی پہلو میں پہنچا دیا ہے۔(۲۶)

میاں بیوی کے جنسی تعلقات قائم کرنے کو ''افضاء'' سے تعبیر کرتے ہیں۔فرمان الٰہی ہے:''**وکیف تأخذونه و قد أفضی ..... الخ**'' (۴/نساء:۲۱)۔(تم کیسے اسے لے سکتے ہو جبکہ تمہارے درمیان زن وشوہر کے تعلقات قائم ہو چکے ہیں، اور وہ تم سے مضبوط عہد و پیمان لے چکی ہے (عقد نکاح ایک مضبوط عہد و پیمان ہے)۔

قرآن مجید میں ایک بار ہی ''افضاء'' کو مفرد شکل میں ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان نفسیاتی اور جسمانی تعلق ایک ہی ہے۔قرآن کریم نے جس لفظ ''مودت'' کا ذکر کیا ہے اس کا مطلب ایسی محبت والفت ہے جو جسم سے تجاوز کر کے محبت کے اعلیٰ ترین درجہ میں پہنچ جائے جبکہ ''رحمت و ہمدردی'' وہ سائبان ہے جو میاں بیوی کے تعلق کے رشتے کو مضبوط کرتا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں میں باہمی ہمدردی کے ذریعہ اس کا تحفظ کرتا ہے۔(۲۷)

قرآن کریم نے میاں بیوی کے درمیان قائم ہونے والے جنسی تعلق کے موضوع پر روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں فریقین پر لازم قرار دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے احساسات کی رعایت کریں۔ چنانچہ حیض (ماہواری) کی مدت کے دوران مرد اور اس کی بیوی کے تعلق کی فطرت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:''**فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوهن ..... الخ**'' (۲/بقرہ:۲۲۲)۔(حیض کے ایام میں اور (خاص طور پر حیض کی حالت میں صحبت کے سلسلہ میں) عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہوں ان کے قریب نہ جاؤ (صحبت نہ کرو)

۲۶- مرجع سابق،ص:۱۱۲-۱۱۳

۲۷- مصطفیٰ،'' الافضاء المعنوی للزوجیۃ فی البیان القرآنی: العلاقۃ بین الزوجین بین المنظور القرآنی والقراءۃ الفقہیۃ، مرجع سابق،ص:۵۷-۵۸

پھر جب ٹھیک سے پاک ہوجائیں، تو ان سے حکم الٰہی کے مطابق صحبت کرو)۔

اس طرح قرآن کریم نے اہل ایمان مردوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ عورت کی نفسیاتی اور جسمانی حالت کی رعایت کے ساتھ حسن معاشرت کا وہ نمونہ پیش کریں جو انسانی سطح تک بلند ہو (انسانیت کے خلاف نہ ہو)، تاکہ دونوں کے تعلق پر ہمدردی سایہ فگن رہے اور میاں بیوی کا تعلق جبری تعلق میں تبدیل نہ ہو، جیسا کہ ازدواجی تعلقات کی بعض صورتوں میں ایسا ہوتا ہے۔ جب راحت و ہمدردی کے مفاہیم موجود نہیں رہتے ہیں اور جنسی تعلق (Sexual Relation) حیوانی شکل میں منحصر ہوجاتا ہے اور اسے تکلیف دینے کا ذریعہ بنالیا جاتا ہے۔ اور دشواری میں مبتلا کرنے کے آلہ کے طور پر اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں وارد لفظ لباس اہم ترین مفاہیم میں سے ایک ہے، خاص طور پر ازدواجی تعلق کے میدان میں اس کا شمار اہم ترین مفاہیم میں ہوتا ہے، کیونکہ اس میں ظاہری و باطنی اور معنوی و مادی پہلو کو ملانے و مدغم کرنے کی سطح پر تکامل و توازن عیاں ہے۔ عمومی طور پر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فرمان میں بیان فرمایا ہے: "**يا بني آدم قد أنزلنا عليكم لباساً يواري سوئٰتكم و ريشا .....الخ**" (۷/اعراف:۲۶)، (اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے لیے پوشاک اتاری ہے، جو تمہاری شرمگاہوں اور قابل ستر حصوں کو چھپاتی ہے اور زینت بھی ہے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے (معنوی اعتبار سے کہ باطن اچھا رہے اور ظاہری اعتبار سے کہ شریعت سے مزین رہے) یہ اللہ کے فرمان ہیں کہ لوگ ہوش میں آئیں اور بھولا ہوا سبق یاد کریں)۔

جبکہ ازدواجی تعلق کی سطح پر قرآن کریم نے میاں بیوی کے ایک دوسرے سے قریب ہونے کو جسم سے لباس کے قریب ہونے کی شکل میں بیان کیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: "**أحل لكم ليلة الصيام الرفث إلى نسائكم ..... الخ**" (۲/بقرہ:۱۸۷)۔ (تمہارے لیے اسے جائز قرار دیا گیا ہے کہ روزہ کی رات میں اپنی بیویوں سے جنسی تقاضے پورے کرو، وہ تمہاری

پوشاک ہیں،تم ان کی پوشاک ہو)۔

پوشاک کی متعدد خصوصیات ہیں: گرمی فراہم کرنا،حسن و جمال اور زینت کا سبب ہونا اور ستر پوشی کرنا، وغیرہ،اسی طرح میاں بیوی سے بھی یہی توقع ہے کہ وہ ایک دوسرے کو یہ ساری چیزیں فراہم کریں۔

اس طرح ان سارے مفاہیم کا استعمال اس تعلق کے خدوخال کو بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہے جس میں انسان کے اندر حسی و معنوی تکامل کے سارے معانی سمٹ آئیں اور مرد و عورت دونوں صنفوں کے اندر تعلق کی جڑیں نفس انسانی کی گہرائیوں میں پیوست ہوجائیں تاکہ ان دونوں کے باہمی تعلق سے انسانی گروہ کا وہ ڈھانچہ تشکیل پائے جو محبت و الفت، شفقت ومہربانی، ہمدردی وراحت اور سکون واطمینان پر قائم ہو، یہ وہی تعلق ہوسکتا ہے جو دنیوی زندگی سے بڑھ کر آخرت میں بھی قائم رہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**هم و أزواجهم في ظلل على الأرائك متكئون**" (۳۶/یٰس:۵۶)۔(وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں مسہریوں اور صوفوں پر ٹیک لگائے آرام کررہے ہوں گے)۔

ازدواجی نظام کے سایہ میں سرپرستی کا مفہوم یہ ہے کہ مرد عورت کے معاملات کی ذمہ داری سنبھالے، ان کی معروف بھلائی کے سائبان کے تلے نگہدشات اور تحفظ کرے۔اللہ تعالیٰ نے مرد کی خصوصیت کا بیان ان الفاظ میں کیا ہے:"**بما فضل الله بعضهم على بعض**" (۴/نساء:۳۴)۔(اللہ تعالیٰ نے ان کو مزید صلاحیتوں سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہے: "**بما فضل الله بعضهم على بعض**" (اللہ عزوجل نے مردوں کو عورت پر فضیلت دی ہے)۔لیکن سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مقابلہ، میں مردوں کو مزید صلاحیتوں سے نوازنے کا تذکرہ ہے)۔

گویا اس جگہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مردوں کو دوسرے مردوں کے مقابلہ

میں مزید صلاحیتوں سے نوازا ہے، چنانچہ کسی کو علم کی فضیلت حاصل ہے، کسی کو مزید قوت حاصل ہے تو کسی کو مزید مال حاصل ہے، کسی کو اخلاق کی دولت حاصل ہے، اس لیے وہ اس فضل الٰہی کی بنا پر اپنی بیوی کی نگہداشت کرتا ہے۔

اسی سرپرستی اور گھر کے انتظامات کی ذمہ داری سے متعلق آیت کے اندر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عورتوں کو بہترین اوصاف سے متصف کیا ہے، جن کا مظہر بننے کی ان سے امید کی جاتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ''**فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللہ**'' (۴/نساء: ۳۴)۔ (نیک خواتین، اطاعت شعار ہوتی ہیں اور شوہر کے پیچھے۔ اللہ کی حفاظت کے سہارے مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں)۔

اور (شوہر کی) نافرمانی کو استثنائی حالت قرار دیا گیا ہے جو مسئلہ کو حل کیے جانے کے وقت ختم ہو سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**واللاتی تخافون نشوزھن ..... الخ**'' (۴/ نساء: ۳۴)۔ (جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں تجربہ ہو، انہیں سمجھاؤ، بجھاؤ (اس سے کام نہ چلے) تو بستروں میں علیحدگی اختیار کرلو اور (اس سے بھی کام نہ چلے تو) تادیب کرو، پھر اگر وہ اطاعت کرنے لگیں تو پھر زیادتی کا کوئی ارادہ مت کرنا (اور کسی موقعہ کی تلاش میں نہ رہنا)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل ایمان مردوں کو ان مؤمنہ خواتین سے مربوط ہونے (نکاح کرنے) پر آمادہ کیا ہے جن کا تذکرہ پہلی صنف میں ہوا ہے (اور مشرکہ خواتین سے نکاح نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**ولاتنکحوا المشرکات حتی یؤمن ..... الخ**'' (۲/بقرہ: ۲۲۱)۔ (مشرک لڑکیوں سے نکاح جائز نہیں ہے، جب تک کہ وہ مومن نہ ہو جائیں، اور حق یہ ہے کہ ایک مومن باندی ایک مشرک خاتون سے خواہ وہ تمہیں اچھی لگے، بدرجہا بہتر ہے اور اپنی لڑکیوں کا نکاح مشرک لڑکوں سے مت کرنا جب تک کہ وہ مومن نہ ہوں، اور حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن غلام ایک مشرک شخص سے چاہے وہ تمہیں کتنا ہی اچھا لگے، بدرجہا بہتر ہے، وہ دوزخ

کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ جنت اور اپنی مغفرت کی طرف اپنے فیصلہ سے بلا رہا ہے)۔

رفیق حیات یا رفیقۂ حیات کے انتخاب کے وقت اہل ایمان مردوں اور عورتوں کو اپنی نصیحت میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اسی مفہوم پر زور دیا ہے اور یہی ہدایت فرمائی ہے: کیونکہ ایمان ہی شبہات میں مبتلا ہونے یا حرام کے قریب پھٹکنے سے باز رکھتا ہے۔

قرآن کریم نے پہلی صورت کی مثال عمران کی بیٹی مریم اور فرعون کی بیوی ''آسیہ'' سے دی ہے جو دونوں تقوی اور خشیت الٰہی سے مزین تھیں۔ جبکہ پہلے نمونہ سے الگ نمونہ کی نمائندگی نوح اور لوط علی نبینا وعلیہما السلام کی بیویاں کرتی ہیں۔ البتہ یہ چیز شوہر کو نصیحت اور یاددہانی کی سرپرستانہ ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کرتی ہے۔ اور خاتون کو ایمان اور براہ راست اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ نکاح کے اقدار کے تحفظ سے سبکدوش نہیں کرتی ہے۔ (یعنی سابق شوہر کو ایمان لانے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے۔

جہاں تک دوسری سطح پر ایمانی ازدواجی تعلق کا معاملہ ہے تو اس سطح پر وسیع اور مشترکہ خاندان کے افراد سے تعلق کی راہ وا ہوتی ہے، اور مفاہیم کا نظام دوسری شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور اس تعلق کے پہلو میں جذبات ایک ایسے میدان کو کھولتی ہے جس میں عقل ومنطق کے اثر سے ایک بڑی تعداد کی گنجائش ہوتی ہے۔ بہت سے مواقع پر فضل، معروف، اصلاح، احسان، باہمی مشورہ اور باہمی رضامندی کے مفاہیم کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ جن مواقع پر احسان اور معافی کی ترغیب دی گئی ہے، اس حیثیت سے کہ یہ تعلق کا بلند ترین مرحلہ ہے۔ اس مرحلہ میں خود میاں بیوی اپنے کمالات، خوبیوں اور قربانی، ایثار اور معافی کے ذریعہ اپنے ارتقاء کو معلوم کر سکتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وإذا طلقتم النساء ..... الخ'' (۲/بقرہ:۲۳۲)۔(۲۸)

۲۸- اور جب تم بیویوں کو طلاق دو اور ان کی عدت کی مدت پوری ہو جائے، تو انہیں اپنے ساتھ شوہروں یا دیگر زیر تجویز شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، اگر وہ آپس میں مناسب طریقہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تیسری سطح پر میاں بیوی اہل ایمان کے گروپ (یعنی مسلم گروہ) کا حصہ ہوں گے۔
یہی وجہ ہے کہ مختلف صورت حال، مثلاً: قصاص، امانت کا تحفظ وادائیگی، تعاون، قرض کی فراہمی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) پر راضی ہیں، اس کی تلقین تم میں سے ان لوگوں کو کی جارہی ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، یہ تمہاری پاکیزگی اور پاکی کے لیے زیادہ بہتر ہے اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے)۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: "فإن أراد افصالا .....الخ" (۲/بقرہ: ۲۳۳)۔ (ماؤں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو مکمل دوسال دودھ پلائیں، یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ جو دودھ پلانے کی مدت کو مکمل کرنا چاہتا ہے اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان کی ماؤں کا خرچہ اور ان کے لباس کا انتظام ہے، کسی بھی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ہے، نہ کسی ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے تکلیف پہنچانی چاہئے، نہ کسی باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور جو ان کا وارث ہو اس کی بھی ذمہ داری اسی طرح ہے۔ پھر اگر دونوں آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں، تو ان کے لیے حرج نہیں ہے اور اگر تم کسی دودھ پلانے والی کی خدمات لینا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر تم مناسب طریقہ پر ان کی اجرت ان کو دے دو، اللہ کے احکام کا خیال رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے)۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "فإن أرضعن لكم ..... الخ" (۶۵/طلاق: ۶)۔ (اور اگر وہ تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو اور اچھے طریقہ پر آپس میں مشورہ کرتے رہو)۔ ارشاد الٰہی ہے: "الرجال قوامون ..... الخ" (۴/نساء: ۳۴)۔ (مرد اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عورتوں کے مقابلہ میں مزید صلاحیتوں سے نوازا ہے اور کیونکہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں، عورتوں کے ذمہ دار ہیں (گھر کے انتظامات کی ذمہ داری انہیں پر ہے)۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "الطلاق مرتان ..... الـــخ" (۲/بقرہ: ۲۲۹)۔ (طلاق دو مرتبہ ہی ہونا چاہئے (زیادہ سے زیادہ) اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ پر بیوی کو روک رکھا جائے، یا حسن سلوک کے ساتھ آزادی دے دی جائے)۔ ارشاد الٰہی ہے: "و إذا طلقتم النساء ..... الخ" (۲/بقرہ: ۲۳۱)۔ (اور اگر تم بیویوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی مدت (عدت کے اختتام) تک پہنچ رہی ہوں، تو (عدت گزرنے سے پہلے) یا تو انہیں بھلے طریقہ پر روک لو (یعنی رجوع کرلو) یا اچھے طریقہ پر رخصت کردو، انہیں نقصان پہنچانے کے لیے اور زیادتی کرنے کے لیے روکنا جائز نہیں ہے، جو ایسا کرے گا خود اپنے اوپر ظلم کرے گا)۔ نیز ارشاد الٰہی ہے: "و إن امرأة خافت ..... الخ" (۴/نساء: ۱۲۸)۔ (اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر سے بدمعاملگی یا بے توجہی کا تجربہ ہو تو دونوں کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ آپس میں مصالحت کرلیں اور مصالحت ہی سب سے بہتر ہے۔

اور باہمی شرکت کے اندر اکثر اہل ایمان کے درمیان تعلق کے ذریعہ کو سمجھنے کی شاہ کلید معروف بھلائی ہے۔ لہٰذا اس صورت میں فضل، احسان، معافی اور رواداری اقدار پر مبنی ایسے مفاہیم ہیں جو اخلاقی رابطہ کی طرف مشیر ہیں، جو مومن گروہ کو مربوط رکھتا ہے اور اس کے سماجی اور قانونی تعلق پر سایہ فگن رہتا ہے۔

۲- خاندانی استحکام اور سکون وراحت پر مبنی مقاصد:

فرمان باری تعالیٰ ہے: "**ولہ ما سکن ..... الخ**" (۶/انعام:۱۳)۔ (رات ودن میں جو چیز بھی کہیں ٹھہری ہے، اللہ کی ہے، اور وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے)۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: "**واللہ جعل لکم ..... الخ**" (۱۶/نحل:۸۰)۔ (اور اللہ نے تمہیں اپنے گھروں میں سکون عطا فرمایا اور مویشیوں کی کھالوں کے گھر اور خیمے وغیرہ عطا کئے، جن کو تم اپنے سفروں کے موقع پر آسانی سے لے کر چلتے ہو اور ٹھہرنے کے موقع پر استعمال کرتے ہو، اور ان کے اون اور ان کے رؤوں اور بالوں سے مختلف سامان اور گھریلو چیزیں تیار کرتے ہو، یہ سب دم حیات تک ہے (ایک نامعلوم وقت تک زندگی کا یہ سب ساز وسامان ہے)۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: "**فالق الإصباح .....الخ**" (۶/انعام:۹۶)۔ (وہی صبح کی پو پھاڑتا ہے اور اسی نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے (جنتری) بنایا ہے، یہ زبردست، غالب اور حقیقی علم رکھنے والے کے منصوبے اور نظام ہائے عالم ہیں)۔ ''سکن'': متحرک ہونے کے بعد پُرسکون ہونے کو کہتے ہیں۔ اور وطن بنانے، آباد ہونے اور رہائش پذیر ہونے کے مفہوم میں بھی اس کا استعمال ہوتا ہے، ''سکن'' کا ایک مفہوم ''سکون واطمینان'' بھی ہے۔ ''سکنیٰ'' رہائش گاہ کو اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ بے اجرت مکان میں رہائش پذیر کو سکون فراہم کردیا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''سکینت'' اطمینان کو کہتے ہیں۔ ارشاد الٰہی ہے: "**الذین آمنوا و تطمئن قلوبہم ..... الخ**" (۱۳/رعد:۲۸)۔

(جولوگ مومن ہیں اوران کے دل ذکرالٰہی سے طمانیت حاصل کرتے ہیں، وہی اللہ سے لولگاتے ہیں، یادرکھواللہ کے ذکر سے ہی دلوں کوقرارآتا ہے،اورطمانیت نصیب ہوتی ہے)۔

بعض نے یہ کہا ہے کہ ''سکینت''عقل کو کہتے ہیں،اسے''سکینت''اس وقت کہیں گے جبکہ وہ خواہشات وشہوات سے بازآجائے۔بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ''سکینت''رعب وہیبت کے زائل ہونے کو کہتے ہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے:''**أنزل السكينة في قلوب المؤمنين**'' (۴۸/فتح:۴)۔(اللہ ہی نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت اور رعب ختم ہونے کی کیفیت اتاری تھی)(۲۹)۔

نیز اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:''**و من آياته أن خلق لكم ..... الخ**'' (۳۰/روم:۲۱)۔(اس کی یہ نشانی ہے کہ اس نے تم ہی میں سے تمہارے لیے جوڑوں (تمہاری بیویوں) کو وجود عطا کیا، تاکہ تمہیں ان سے راحت حاصل ہو اور تمہارے درمیان محبت اور ہمدردی رکھ دی، بے شک اس میں غوروفکر کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں)۔

اللہ سبحانہ کا فرمان ہے:''**هو الذى خلقكم من نفس واحدة ..... الخ**'' (۷/اعراف:۱۸۹)۔(وہی ہے جس نے تم کوایک اکیلی جان سے وجود عطا فرمایا اوراس سے اس کا جوڑا بنایا تاکہ اسے اس سے سکون حاصل ہو(یعنی آدم کو پیدا کیا اوران کے وجود سے حوا کو وجود بخشا تاکہ انسانی زندگی کا نظام شروع ہو)، پھر جب آگے چل کر مرد کا اپنی عورت سے ملاپ ہوا،تو عورت حمل کے ہلکے بوجھ کو لے کر چلتی رہی، پھر جب وہ حمل سے بوجھل ہوگئی،تو دونوں نے اپنے پروردگار اللہ سے دعا مانگی، کہ اے اللہ تو ہمیں نیک اولاد مرحمت فرمادے گا تو ہم بہت شکرگزار ہوں گے)۔

قرآن کریم نے معاشرت کے مرحلہ کی اہمیت بیان کی ہے جس میں ایک مرد کے تمام

۲۹- اصفہانی،المفردات فی غریب القرآن،مرجع سابق،ص:۲۳۶-۲۳۷

مخفی پہلو بغیر کسی پوشیدگی کے اپنی رفیقۂ حیات کے سامنے ظاہر ہوجاتے (اور خاتون کے بھی سارے مخفی پہلو اپنے رفیق حیات کے سامنے ظاہر ہوجاتے ہیں)۔اس مرحلہ کو قرآن میں: ''**ھن لباس لکم و أنتم لباس لھن**'' (۲/بقرہ:۱۸۷)۔(وہ تمہاری پوشاک ہیں،تم ان کی پوشاک ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہر فریق دوسرے فریق کے لیے اس مفہوم میں پوشاک ہے کہ اسے اس سے سکون حاصل ہوتا ہے،جس طرح رات میں تمام موجودات پُرسکون ہوجاتی ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:''**وجعلنا اللیل لباسا**'' (۷۸/نبأ:۱۰)۔(اور رات کو پوشاک بنادیا(کہ سب کو ڈھک دیتی ہے) یعنی رات کو ہم نے پُرسکون بنایا ہے جس میں تمہیں سکون حاصل ہوتا ہے۔ایسے ہی بیوی مرد کے لیے باعث سکون ہے جس سے اسے سکون حاصل ہوتا ہے اور شوہر بیوی کے لیے سبب سکون ہے جس سے اسے سکون حاصل ہوتا ہے۔ پوشاک جسم سے متصل ہونے والی سب سے قریب ترین چیز ہے۔اسی کے ساتھ اس کے مفہوم میں جسم کے عیوب،اس کے حسن و جمال اور آرائش وزیبائش کو چھپانا بھی شامل ہے۔اسی طرح میاں بیوی کے تعلقات ہونے چاہئے۔

وحی الٰہی کی تعلیمات کے سایہ میں ازدواجی تعلق قائم کرنا ایک قسم کی عبادت ہے۔جس کی چھاؤں میں حلال و پاکیزہ ذریعہ کی وجہ سے حرام سے بے نیازی اور عفت و پاکدامنی وجود میں آتی ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یوں بیان فرمایا ہے:'' تمہارے جائز طریقہ سے جنسی خواہش پوری کرنے میں بھی صدقہ ہے۔صحابہ نے اس پر(تعجب کے طور پر) عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے گا اور اسے اس میں ثواب ملے گا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: بتاؤ اگر وہ حرام طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرتا تو کیا اسے گناہ ہوتا؟ صحابہ نے جواب دیا: ہاں۔آپ نے ان کو سمجھاتے ہوئے فرمایا: اسی طرح حلال طریقہ سے جنسی خواہش (Sexual Desirs) پوری کرنے میں بھی ثواب ہے''(۳۰)۔

۳۰- بخاری،صحیح البخاری،مرجع سابق،کتاب اللباس،حدیث نمبر ۵۳۹۵

اس طریقہ سے میاں بیوی کے تعلق کی سطح کو حیوانیت سے نکال کر انسانیت کی سطح میں پہنچا دیا گیا ہے؛ کیونکہ ایک مومن جنسی سرگرمی سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس کے بعد غسل کرتا ہے۔ اس طرح جنسی تعلق کو پورا کرنا انسان کی خصوصیات میں سے ہے، جس کے اسرار و رموز سے کسی دوسرے انسان کو واقف نہیں ہونا چاہئے۔ یہ پاکیزہ طریقہ مغربی تہذیب کے پیش کردہ طریقہ سے بالکل برخلاف ہے۔ مغربی طریقہ میں ستر کھلا ہوتا ہے، بلکہ بغیر کسی شرم و حیا کے لوگوں کے سامنے جنسی تعلق یا اس کے مقدمات (بوس و کنار) ذرائع ابلاغ کے ذریعہ انجام دیئے جاتے ہیں، تاکہ حیوانی سطح پر (باہر کی دنیا میں بھی) یہ سرگرمی انجام دی جائے۔ جبکہ اسلام نے عقد نکاح کو فطری خواہشات کی تسکین کو منظّم کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ چونکہ جنسی طبعی خواہش مرد و عورت دونوں صنفوں کے مربوط ہونے کے اہم ترین ذاتی محرکات میں سے ہے، اسی لیے قرآنی نظام میں طبعی جنسی خواہش کی تسکین اور متعدد سماجی فرائض و اقدار کو ایک ایسی اکائی (Unit) کی تشکیل کے ساتھ مربوط کیا گیا، جس میں سارے فریق (میاں بیوی اور اولاد) کے حقوق کا تحفظ ہو۔ اس طرح عقد نکاح ہی انسان کے خلیفہ ہونے کے کردار سے ہم آہنگ ذمہ دارانہ جنسی سرگرمی کو وجود میں لانے کا واحد جائز دائرہ ہے۔

میاں بیوی کے درمیان اس قسم کے تعلق سے عفت و پاکدامنی وجود میں آتی ہے اور تحفظ حاصل ہوتا ہے، کیونکہ یہ پاکیزہ تعلق میاں بیوی کو نفسیاتی اور اخلاقی باطنی تحفظ فراہم کرتا ہے، جس سے دونوں فریق کی متعدد سماجی، مادی، نفسیاتی، جذباتی اور طبعی ضروریات کا تحفظ ہوتا ہے، جس کی بنا پر میاں بیوی کے درمیان اعتماد قائم ہوتا ہے اور سکون و اطمینان کا مقصد پورا ہوتا ہے، جس کا نتیجہ خاندان پھر سماج کا استحکام ہے۔

یہ صرف اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس نے اس مقصد کو سرگرم کرنے اور عملی سرگرمی میں تبدیل کرنے کے لیے متعدد عملی اقدامات کا حکم دیا ہے، مثلاً: میاں بیوی میں سے ہر فریق دوسرے فریق کی ضروریات اور دلچسپیوں کا خیال رکھے، اس کی رضامندی اور ناراضگی کے

اوقات کو پیش نظر رکھے اور اس کے حالات کے تقاضے کے مطابق برتاؤ کرے۔

چنانچہ مرد کی سرپرستی کا تقاضا یہ ہے کہ دوسرے فریق کی نگہداشت کرے اور اس کی دلچسپیوں کا خیال رکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے احساسات کا آخری درجہ میں خیال رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: میں اس حالت کو جانتا ہوں، جب تم مجھ سے راضی ہوتی ہو اور جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو۔ میں نے دریافت کیا، آپ کو اس کا علم کیسے ہوتا ہے؟ آپ نے جواب دیا: جب مجھ سے راضی رہتی ہو (تو کسی چیز کے انکار کے وقت) تم کہتی ہو: نہیں، محمد کے رب کی قسم اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں: ابراہیم کے رب کی قسم۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کہا: ہاں آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں'' (دلی محبت میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے)۔(۳۱)

یہ فطری بات ہے کہ ناراضگی اور رضامندی کی حالت میں دوسرے فریق کے ساتھ برتاؤ کے اسلوب میں فرق آئے۔

قرآن کریم نے شاندار طریقہ پر عورت کے نفسیاتی اور معنوی پہلو کی رعایت کے واجب ہونے کو بیان کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''ویسئلونک عن المحیض ..... الخ'' (۲/بقرہ: ۲۲۲-۲۲۳)۔ (آپ سے حیض (ماہواری) کے بارے میں بھی سوال کرتے ہیں، بتا دیں کہ وہ تکلیف دہ اور ناپسندیدہ حالت ہے، حیض کے ایام میں اور (خاص طور پر حیض کی حالت میں صحبت کے سلسلہ میں) عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہوں، ان کے قریب نہ جاؤ (صحبت نہ کرو)، پھر جب ٹھیک سے پاک ہو جائیں تو ان سے حکم الٰہی کے مطابق صحبت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرنے والوں اور اچھی طرح پاکی اختیار کرنے والوں سے

۳۱- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۴۸۲۷

محبت رکھتا ہے۔تمہاری عورتیں تمہارے لیے کھیتیاں ہیں (افزائش نسل کا ذریعہ ہے) اس لیے اپنی کھیتی میں جیسے چاہو جاؤ (افزائش نسل کے لیے زن وشوہر کا جو تعلق ہوتا ہے وہی ہونا چاہئے) اور اپنے لیے آگے کا انتظام کرو (یعنی اس کی فکر کرو جو مستقبل میں کام آئے) اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور (اے نبی) ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دونوں آیتوں کو اس طریقہ پر مربوط کیا ہے جس میں خاتون کی معنوی اور نفسیاتی حالت کی رعایت کی اہمیت واضح ہے۔اس جگہ یہ بات عیاں ہے کہ عورت کے احساسات کی رعایت کے سلسلہ میں ہمدردی، الفت ومحبت اور معروف و بھلائی کا استعمال ہونا چاہئے۔ خاص طور پر حیض (ماہواری) کے دورانیہ میں عورت جس درد و الم اور بے قراری کے احساسات میں مبتلا ہوتی ہے، اس کی رعایت ہونی چاہئے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف لفظ: اذیت (تکلیف دہ حالت) اور "**لاتقربوھن**" (ان سے صحبت نہ کرو) کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔یعنی ان کی نفسیاتی حالت کی رعایت کرو اور اس حالت میں بہترین بات اور رویہ اختیار کرو۔

دوسری آیت نے ایک وسیع قرآنی مفہوم یعنی کھیتی کو پیش کیا ہے۔راغب اصفہانی کے مطابق: ''حرث'' زمین میں بیج ڈالنے اور کھیتی کے لیے اسے تیار کرنے کو کہتے ہیں، کبھی کھیتی کو بھی ''حرث'' سے تعبیر کر دیتے ہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے: "**أن اغدوا علی حرثکم أن کنتم صارمین**"، (۶۸/قلم:۲۲)۔(کہ سویرے چلو اگر کھیتی کاٹنا ہے)۔''حرث'' سے آبادی کا مفہوم بھی نکلتا ہے۔اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: "**من کان یرید حرث الآخرة ..... الخ**" (۴۲/شوری:۲۰)۔(جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے (یعنی آخرت کو آباد کرنا چاہتا ہے) ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کرتے ہیں اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے)۔(۳۲)

۳۲- اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مرجع سابق ص:۱۱۲

پچھلی آیت میں دنیا کولوگوں کی کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے اور لوگ اس میں کھیتی کرنے والے ہیں۔اس آیت میں کھیتی کے طریقہ کو بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ خواتین مردوں کے لیے کھیتی ہیں یعنی خواتین وہ کھیتی ہیں جس سے نوع انسانی کو بقاو دوام حاصل ہے،جس طرح زمین کی کھیتی سے انسان زندہ رہتا ہے۔

اس لیے خاتون کو اس زرخیز زمین سے تشبیہ دینا درست ہے جس کی کاشت کی رغبت ہوتی ہے اور جس سے بہترین پھلوں (اور غلے) کی امید ہوتی ہے۔جس طرح کاشتکار پر لازم و متعین ہے کہ زمین میں کھیتی کرے اور اس کی حالت کے مناسب اس کی سینچائی کرے، نہ ضرورت سے زیادہ پانی دے اور نہ ضرورت سے کم پانی دے بلکہ مطلوبہ مقدار میں پانی کی سینچائی کرے اور ضروری مقدار میں ہوا اور دھوپ فراہم کرے۔خاتون کا بھی یہی حال ہے۔مرد کے لیے مناسب ہے کہ تمام حالات میں اس کی ذہنیت اور نفسیات کی رعایت کرے، خاص طور سے اپنی جنسی خواہش (Sexual Desire) کی تسکین کی کوشش کے وقت اس کی چاہت کی بھی رعایت کرے۔جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم نے کھیتی کے مفہوم کو جس طریقہ سے بیان کیا ہے اس میں یہ حقیقت نمایاں ہے جس سے میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلق کی فطرت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ فریقین کو ایک دوسرے کے احساسات کی رعایت کرنی چاہئے،خاص طور سے حیض (ماہواری) کے دورانیہ میں یہ رعایت مؤکد ہوجاتی ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوھن**" (۲/بقرہ:۲۲۲)۔(حیض کے دورانیہ میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہوں،ان کے قریب نہ جاؤ (صحبت نہ کرو)۔

ان جیسے لمحات میں ازواج مطہرات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رویہ اور آپ کے اقوال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہترین اوقات کا انتخاب فرماتے تھے اور

نفسیاتی اعتبار سے بیوی کو تیار فرماتے تھے، اس کے مقدمات اختیار فرماتے تھے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لمحات کو بلند ترین ایمانی دائرہ سے بھی مربوط فرما دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: ''جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے صحبت کرنا چاہے تو بسم اللہ پڑھے اور دعا کرے: ''**اللھم جنبنا الشیطان و جنّب الشیطان ما رزقتنا**'' (اے اللہ! ہمیں شیطان سے بچائیے اور ہماری ہونے والی اولاد کو بھی شیطان سے بچائیے)۔(۳۳)

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لمحات کو میاں بیوی کے لیے عبادت کے لمحات میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس بات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید مؤکد طور پر بیان فرمایا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ نے آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مالدار سارے ثواب لے گئے، جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں، جس طرح ہم روزہ رکھتے ہیں وہ بھی روزہ رکھتے ہیں (لیکن) وہ اپنے زائد مال کو صدقہ کرتے ہیں (جو ہم محتاجی کی وجہ سے نہیں کرتے ہیں)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے صدقہ کا طریقہ مقرر نہیں فرمایا ہے؟

یقیناً ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر تحمید (الحمدللہ کہنا) صدقہ ہے، ہر تہلیل (لاالہ الا اللہ کہنا) صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے، نیز تمہارے جائز طریقہ سے جنسی خواہش پوری کرنے میں بھی صدقہ ہے۔ صحابہ نے (بہ طور تعجب) عرض کیا: کیا ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے گا اور اسے ثواب ملے گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کے تعجب کو دور فرمانے کے لیے) ارشاد فرمایا: بتاؤ، اگر وہ حرام طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرتا تو اسے گناہ ہوتا؟ اسی طرح حلال طریقہ سے جب کوئی اپنی جنسی خواہش پوری کرتا ہے تو اسے ثواب ملتا ہے۔(۳۴)

۳۳- مسلم، صحیح مسلم، مرجع سابق، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۱۴۳۴

۳۴- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر ۱۶۷۴

اس طرح خواہش پوری کرنے یا لذت اندوزی کا عمل (مفید) تعمیری وعمرانی عمل میں تبدیل ہوجاتا ہے، جس سے میاں بیوی کے درمیان تعلق مضبوط ہوتا ہے اور نفسیاتی و جذباتی سکون کا مقصد پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے، پھر پاکیزہ اولاد کی پیدائش کی شکل میں اس کے ثمرات برآمد ہوتے ہیں، جس سے نوع انسانی کا تحفظ ہوتا ہے اور یہ تعلق برقرار رہ کر آخرت سے مربوط ہوجاتا ہے۔ (یعنی آخرت کی زندگی میں بھی دونوں میاں بیوی کی حیثیت سے برقرار رہتے ہیں) (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اس کا بیان ہے: "جنت عدن ..... الخ" (۱۳/رعد: ۲۳)۔(۳۵)

اس طرح قرآنی مفاہیم جیسے: لباس، محبت والفت، ہمدردی، معروف وفضل پر مشتمل نظام "کلی مقاصدی دائرہ" کی شکل اختیار کرلیتا ہے، جس میں متعدد جزئیات شامل ہوتی ہیں، جس کے ذریعہ نفسیاتی سکون وجود میں آتا ہے۔ سکون کے مقصد کو وجود میں لانے کی خاطر اسلام نے اصول (آباء واجداد) اور فروع (بیٹے اور پوتے پوتیاں) میں سے قریبی رشتہ داروں کے درمیان عقد نکاح کو حرام ٹھہرایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "ولاتنکحوا ما نکح ..... الخ" (۴/نساء: ۲۲-۲۳)۔ اور تمہارے باپ نے جس سے نکاح کیا تھا (جو تمہاری سوتیلی ماں ہے) اس سے نکاح کی اجازت نہیں ہے، ماضی میں جو بھی بدعنوانیاں ہوچکیں، سو ہوچکیں، وہ بڑی بے حیائی کا اور قابل نفرت عمل تھا اور وہ طرز ہی بڑا بدترین تھا۔ تم پر حرام کردی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری

۳۵- دائمی جنتیں جن میں یہ داخل ہوں گے اور ان کے نیک آباء واجداد اور بیویاں اور اولاد بھی (ان کے ساتھ ہوں گے) اور فرشتے ہر دروازے سے ان کے پاس حاضر ہوں گے)۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: "والذین آمنوا الخ....." (۵۲/طور: ۲۱)۔ (اور جو لوگ بھی ایمان لائیں گے اور ان کی اولاد بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کرے گی، ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو بھی شامل کردیں گے، اور ان کے عمل میں کوئی کمی نہیں کریں گے، ہر انسان اپنے عمل کا ذمہ دار اور پابند ہے۔

بیویوں کی وہ لڑکیاں جن کی تمہاری گود میں تربیت ہوئی، ان بیویوں کی جن سے تمہاری خلوت ہو چکی ہے، اگر تمہاری خلوت ان سے نہیں ہوئی ہے تو ان کی لڑکیوں سے شادی میں حرج نہیں ہے اور تمہارے سگے بیٹوں کی بیویاں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھو، جو اس حکم کی آمد سے پہلے ہو چکا سو ہو چکا، بے شک اللہ مغفرت فرمانے اور رحم فرمانے والا ہے)۔

جہاں عملی قربت کی بنا پر (نکاح کے ذریعہ) ایک مرد اور عورت کو قریب لانے کی حکمت موجود نہ ہوگی، وہاں عقد نکاح کی حکمت منتفی ہو جائے گی اور اس کے حرام ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اسی دائرہ میں اسلام نے باہمی سماجی تعلق کو پختہ کیا ہے اور انتشار اور کشمکش کے محرکات کو کم کیا ہے، چنانچہ کشمکش کا سبب بننے والے کسی بھی تعلق کو حرام ٹھہرایا ہے۔ ان ہی میں سے محرم مردوں اور عورتوں کے ساتھ نکاح کی حرمت ہے، نیز پہلے سے معلوم ہونے کی صورت میں اپنے مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغام دینے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔(۳۶)

اسی طرح فریقین کی جانب سے ازدواجی خیانت کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔

موجودہ وقت میں امریکی معاشرہ میں فریقین کی جانب سے ازدواجی خیانت کی کثرت ہے، جس کی وجہ سے سکون اور عفیف و پاکدامن رکھنے کے معانی کی رعایت نہیں ہو پاتی ہے، یعنی دونوں فریقوں کے لیے عفت و پاکدامنی کو ثابت کرنے والے اخلاقی و نفسیاتی باہمی تحفظ کا حصول نہیں ہو پاتا ہے۔ یہ سب اخلاقی کمزوری، معاشرہ کے کھلے پن، بلا حدود و قیود دونوں صنف کے اختلاط، خواہشات اور شہوات پر کنٹرول نہ ہونے اور اخلاقی نگرانی نہ ہونے کی وجہ سے اعتماد کے فقدان کا نتیجہ ہے، جس کی وجہ سے سکون جو نکاح کا ایک مقصد ہے خلل پذیر

۳۶- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ: ''شہری دیہاتی کے لیے فروخت کرے..... نیز اس سے منع فرمایا کہ: آدمی اپنے بھائی کے فروخت کرنے کی حالت میں فروخت کرے اور اپنے بھائی کے پیغام پر پیغام دے، بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۱۹۹۶

ہو چکا ہے، نتیجتاً خاندان تباہ ہو چکے ہیں اور تعلقات بکھر چکے ہیں۔

اس مقصد کے دائرے کی حد بندی کرتے ہوئے انسانی صورت حال میں ہونے والی کسی تبدیلی یا انحراف کو ایک مجتہد متعین کر سکتا ہے، جو اس مقصد کی خلاف ورزی ہو سکتا ہے اور نتیجہ کے طور پر سمجھ بوجھ اور سرگرمی میں انحراف کا سبب ہو سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں مغربی قانون داں اور اس کے قوانین نیز مسلم فقیہ اور اس کے فتاوی برابر ہیں۔ اس بارے میں اس میدان میں آخری سالوں میں پیش کیے جانے والے بعض حلول کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ بعض فقہاء سے سوال کیا گیا کہ: کوئی شخص عارضی حالات سے دوچار ہو، مثلاً اسے تعلیمی یا ڈپلومیسی (Diplomacy) کے وفود، یا اس سے ملتے جلتے حالات میں طویل سفر درپیش ہو تو اس کے لیے کیا مناسب ہے، جب کہ اس نے فیصلہ کیا ہو کہ جس ملک میں جا رہا ہے وہاں ہمیشہ کے لیے شادی نہ کرے (بلکہ ملازمت یا تعلیم کی مدت تک کے لیے شادی کر لے)، کیونکہ وہ اپنے ملک میں شادی کر چکا ہے، لیکن وہ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں رکھ سکتا ہے، وہ اس مدت میں شہوت بھڑکانے والے اسباب کے اثر سے حرام میں بھی مبتلا نہیں ہونا چاہتا ہے۔

بعض فقہاء نے قرآنی عقد نکاح کے مفاہیم میں تخفیف کر کے اس کے بعض شرائط سے دستبرداری اختیار کرتے ہوئے اور اس عقد کو وہ نام دیتے ہوئے جس کی سند اللہ تعالیٰ نے نہیں اتاری ہے، جواب دیا۔

اس طرح مرد و عورت کے درمیان تعلقات کی بعض منحرف شکلوں کو شادی سے موسوم کر کے مباح ٹھہرایا گیا (۳۷)۔

۳۷- چنانچہ طلاق کی نیت سے عقد نکاح ''عرفی عقد نکاح'' نیز ''دوستی پر مبنی عقد نکاح'' وغیرہ کو جائز قرار دیا گیا۔ انٹرنیٹ کے سائٹ پر بڑی تعداد میں یہ فتاوی پائے جاتے ہیں۔ نیز ٹی وی چینلوں کے ان پروگراموں میں بھی یہ فتاوی پائے جاتے ہیں جو لوگوں کے دینی اور سماجی سوالات پیش کرتے ہیں۔

جبکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ صورت حال کے نفسیاتی اور سماجی پہلو پر مشتمل گہرے جائزہ کی کوشش کے ذریعہ سماجی پرابلم (Problem) و دشواری کا حل نکالا جائے۔ گویا فقہاء کے حل میں بھی اسی شہوت ولذت اندوزی پر زور دیا گیا ہے جس پر مغربی تہذیب نے زور دیا ہے، گویا یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ مرد کو اپنی شہوت پر کنٹرول یا صبر کی قدرت نہیں ہے، اس لیے اسلام میں عقد نکاح کے مقاصد کا لحاظ کئے بغیر مرد کے شہوت پوری کرنے کے طریقہ پر زور دیا گیا، جبکہ اسلام کا مقصد یہ ہے کہ جنسی خواہش یا لذت پوری کرنے کا عمل تعمیری وعمرانی عمل کی شکل اختیار کرلے، جس سے میاں بیوی کے تعلق کو مضبوطی حاصل ہو اور نفسیاتی وجذباتی سکون کا مقصد پورا ہو۔

اس مقصد کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں نکاح کی ایسی ایسی قسمیں آتی ہیں جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرعی عقد نکاح کے مقاصد کے خلاف ہیں اور ناجائز تعلقات کے قریب ہیں۔ حالانکہ ایک مجتہد فقیہ کو جو کرنا تھا وہ یہ تھا کہ خواہشات وشہوات کے دروازے بند کرنے کے لیے حل پیش کرنے کی کوشش کرے۔ سورۂ نور میں قرآن کریم نے ان شہوات کا حل پیش کیا ہے (فرمان باری تعالیٰ ہے: "یا أیھا الذین آمنوا لاتدخلوا ..... الخ" (۲۴/نور: ۲۷-۳۱)۔(۳۸)

۳۸- اے ایمان والو! اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت کے اور بغیر سلام کئے داخل نہیں ہونا چاہئے، یہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ تم آداب ملحوظ رکھو اور اگر ان میں کسی کو موجود نہ پاؤ تب بھی بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور اگر تم سے واپس جانے کو کہا جائے تو واپس ہوجاؤ (گھر میں داخل ہونے کا موقع نہ ہو، تو ملنے کا اصرار نہیں کرنا چاہئے) یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ تمہارے عمل کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم ایسے گھروں میں جاؤ جہاں تمہارا سامان ہو اور وہاں کسی کی رہائش نہ ہو اور اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے جن کو تم ظاہر کرتے ہو اور جن کو چھپاتے ہو۔ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں (جہاں اجنبی عورتوں پر نظر پڑنے کا اندیشہ ہو) اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں (حرام طریقہ پر جنسی جذبات کو بھڑکانے والی ہر چیز سے پرہیز کریں، لٹریچر ہو، مناظر ہوں مجلسیں ہوں، جہاں بھی یہ حفاظت متاثر ہوتی ہو اور خلاف حیا کوئی بات ہو، اس سے بچنے کا حکم ہے) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرآنی حل میں: نگاہ نیچی رکھنا، ستر چھپانا، مرد اور عورت کے لباس میں شرم وحیا کی جھلک ہونا اور اجازت طلب کرنا وغیرہ نافذ کی جانے والی تدابیر شامل ہیں، جن سے فرد اور خاندان کو تحفظ حاصل ہوتا ہے اور جو شرعی عقد نکاح یا جسے آج کل مغرب میں ''روایتی عقد نکاح'' سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کی شرطوں میں سے کسی شرط میں کمی وکوتاہی کیے بغیر، اس کے مفاہیم کے تحفظ کی داعی ہیں۔

فقہاء کے سامنے جو بھی سماجی دشواری اور مسائل پیش کیے جاتے ہیں ان کے عمیق حل کی ضرورت ہے، اس حل کو پیش کرنا صرف فقہاء ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس کام میں مسئلہ سے متعلق سماجی علوم کے تمام ماہرین کی کوشش بھی شامل ہونی چاہئے، کیونکہ خاندان کے ڈھانچہ پھر سماج پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

دراصل مسئلہ کی بنیاد اس میں مضمر ہے کہ روایتی عقد نکاح کے اخراجات بہت بڑھ گئے ہیں، خواہ یہ مہر کی شکل میں ہوں، یا عاجز کردینے والے مادی مطالبات کی شکل میں ہوں جو

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) یہی ان کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اور ایمان والی عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش وآرائش کے مظاہرے نہ کرتی پھریں، سوائے اس حصہ کے جو کھل جاتا ہے (اور اس کے بند رکھنے میں بڑی زحمت ہے، جیسے ہاتھ، پیر اور آنکھیں) اور ان کو چاہئے کہ: اپنی اوڑھنیاں (دبیز دوپٹے) اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت اور زیورات والے حصے نہ کھولا کریں، مگر اپنے شوہروں، والد، دادا، نانا وغیرہ، اور اپنے شوہروں کے باپ دادا وغیرہ، اور اپنی اولاد، اور اپنے شوہروں کی اولاد، اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنی بہنوں کے بیٹوں اور اپنے ماحول کی عورتوں اور اپنی باندیوں یا ایسے کام کرنے والے خادموں جو جنسی جذبات سے خالی ہیں۔ یا ان بچوں کے سامنے یہ پابندی نہیں ہے جو عورتوں کے قابل ستر حصوں پر نگاہ نہیں رکھتے۔ اور زمین پر پیر پٹخ پٹخ کر نہ چلیں (نہ ایسی رفتار سے) جس سے پیروں کے زیورات نظر آئیں یا ان کی آواز سنائی دے، جن کو انہیں چھپانا ہے (اور اسی لیے عورتوں کو لباس ٹخنے سے نیچے تک پہننا ہے)۔ اور اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو، تاکہ کامیاب ہو۔

جوانوں کی کمر توڑ دیتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے نوجوانوں نے شادی سے ہی کنارہ کشی کر لی، مزید یہ کہ بہت سی لڑکیاں بغیر عقد نکاح کے رہ گئیں، حتی کہ یہ مسئلہ دشوار ترین سماجی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے جس سے متعدد سماج دوچار ہیں۔

بعض فقہاء نے اس کا یہ حل پیش کیا کہ خاتون کا اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہونا جائز ہے، ان حقوق میں اہم ترین مادی حقوق ہیں، مثلاً: شوہر کی طرف سے فراہم کی جانے والی رہائش گاہ، بیوی کا میکہ میں ہی رہنا اور شوہر کا بہ طور ملاقاتی اس کے پاس آنا، یہ چیز دوشیزہ کے گھر والے کی رضامندی سے ہوتی ہے۔ اس نکاح کو'' نکاح مسیار سے تعبیر کرتے ہیں۔

جبکہ فقہاء کے لیے مناسب یہ تھا کہ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے لوگوں کی ذہن سازی کی جائے اور ان کو دعوت دی جائے کہ شوہروں سے مادی بوجھ کو ہلکا کیا جائے (یا ہندوستان وغیرہ میں لڑکیوں سے لیے جانے والے تلک وجہیز کی لعنت ختم کی جائے)۔

اور ان کے وسیع اور مشترکہ خاندان کو آمادہ کیا جائے کہ شادی کرنے والے لڑکوں کو مادی ومعنوی مدد فراہم کی جائے۔ بلکہ مسئلہ کا تقاضا ہے کہ حکومتیں اور مالداروں میں سے اہل خیر بھی اس میں حصہ لیں اور جوانوں کو مدد دینے میں پہل کریں تاکہ وہ خاندان کی تعمیر وتشکیل کی ذمہ داری کے بوجھ کو اٹھا سکیں، نیز اس سلسلہ میں ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔'' نکاح مسیار'' یا اس جیسے دوسرے نکاح کو'' شرعی عقد نکاح'' کا متبادل قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ فریقین کی طرف سے مستحکم خاندان کے ادارہ کو تشکیل کرنے کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے محض لذت اندوزی کے مسئلہ پر زور دیا جائے۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ اس طرح کے نکاح میں'' سکون'' جو کہ ایک کلی مقصد ہے، نیز'' شرعی عقد نکاح'' سے وابستہ ہونے والے دیگر کلی یا جزئی مقاصد، اقدار اور قرآنی مفاہیم جن کو گذشتہ سطور میں ہم نے بیان کیا ہے، سب میں خلل واقع ہوتا ہے۔

۳-مرد اور عورت کے درمیان تعلق کو منضبط کرنے پر مبنی مقصد:

دونوں صنفوں کے درمیان تعلق کو قرآن کریم نے مستقل طور پر موضوع نہیں بنایا ہے، بلکہ قرآن مجید نے اس تعلق کو انسانی کارواں اور اس کے پیغام: امانت اور آزمائش کے کلی تصور کے دائرہ میں پیش کیا ہے۔ یہ مقصد آبادی، افزائش نسل اور نوع انسانی کے استمرار کو وجود میں لانے کے سلسلہ میں صنفی تقسیم کے کردار کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ شارع سبحانہ وتعالیٰ نے شرعی عقد نکاح سے باہر کسی بھی تعلق کو سخت حرام قرار دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "**والذین هم لفروجهم حٰفظون..... الخ**" (۲۳/مؤمنون:۵-۷)۔ (اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کی بیویاں اور باندیاں اس پابندی سے مستثنیٰ ہیں (ان کے ساتھ زن وشوہر کے تعلقات میں) ان پر کوئی ملامت نہیں۔ اور جو ان حدود سے آگے بڑھیں گے، وہ زیادتی اور بدعنوانی کرنے والے شمار ہوں گے)۔

نیز اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: "**ولاتقربوا الزنی ..... الخ**" (۱۷/اسراء:۳۲)۔ (زنا اور بدکاری کے قریب نہ پھٹکو، وہ بڑی بے حیائی کی بات، کھلا جرم اور بدترین راستہ ہے)۔

اسی وجہ سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عقد نکاح کے مقابل کسی بھی تعلق کو مثلاً: زنا کو حرام قرار دیا ہے اس حیثیت سے کہ زنا کاری شرعی دائرہ سے باہر کی ہمبستری ہے، نیز اس تعلق کو بھی حرام قرار دیا ہے جو اپنے انجام کار کے لحاظ سے زنا سے قریب یا اس کے مشابہ ہو، کیونکہ یہ طبعی خواہش کی ضروریات کی غیر ذمہ دارانہ تکمیل ہے، جس سے عقد نکاح کے تعلق کے اہم فریق (عورت اور بچہ) کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور پرورش و پرداخت کا مناسب ماحول ختم ہوجاتا ہے، نسب برباد ہوجاتا ہے اور نسبی اور سسرالی رشتے کے تعلقات کے ذریعہ سماجی ربط و اتحاد کو فروغ دینے کے سلسلے میں مرد اور عورت کے درمیان تعلق کا سماجی عمل ختم ہوجاتا ہے، کیونکہ ناجائز تعلق سے بربادی اور انتشار کے اسباب جنم لیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**واللہ یرید**

أن يتـــوب ..... الـــخ" (۴/نساء:۲۷)۔(اللہ تم پر توجہ فرماتا ہے اور تمہیں نوازنا چاہتا ہے، اور شہوت پرست لوگ چاہتے ہیں کہ تم شدید (اخلاقی) انحرافات کے شکار ہو جاؤ)۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے زنا سے باز رکھنے والی سزائیں لازم کی ہیں۔

اسی طرح قرآن کریم نے خاندان کو انتشار سے تحفظ فراہم کرنے کی خاطر متعدد باز رکھنے والے قانونی ذرائع جاری کیے ہیں، جن میں افواہوں کے درپے ہونے اور پاکدامن خواتین پر تہمت لگانے کی حرمت اور سزا شامل ہے، مزید میاں بیوی کے درمیان زنا کے دعوی سے متعلق مخصوص سخت کاروائیاں ہیں یعنی لعان کی کاروائیاں ہیں۔(۳۹)

آداب کی سطح پر قرآن مجید نے ایسے رویے اور سلوکیات بیان کیے ہیں جو اندر اور باہر سے بربادی کے محرکات سے خاندان کے تحفظ کے ضامن ہیں، مثلاً: گھر ایسی قابل حرمت جگہ ہے جس کی حرمت کی پامالی جائز نہیں ہے۔ نیز قرآن نے مردوں اور عورتوں کے درمیان روزانہ کے برتاؤ کے آداب میں شامل کر کے تزکیہ اور فضیلت وخوبی کے معیار پر زور دیا ہے، جیسے: نگاہ نیچی رکھنے، شرمگاہوں کی حفاظت اور ستر ڈھانکنے کا مؤکد حکم فرمایا ہے، گھروں میں داخل ہونے کے ضابطے بیان فرمائے ہیں، اور بیٹوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ باپ دادا اور ماں و دادی وغیرہا کے پاس جانے سے پہلے اجازت لے لیں، اسی طرح خادموں کو حکم دیا گیا ہے کہ مالکوں کے پاس جانے سے پہلے اجازت لے لیں۔

خاندان کے دائرہ میں مرد اور عورت کے درمیان تعلقات کو منضبط کرنے کے کچھ وسائل ہیں، جن میں نمایاں ترین درج ذیل ہیں:

(الف) قوامہ (سرپرستی وذمہ داری):

لفظ "قوامہ" اٹھنے، سعی وجانفشانی کرنے، کسی شخص یا چیز کی راہ میں مشقت جھیلنے، کسی

۳۹- دیکھیے: سورۂ نور آیت نمبر:۱-۱۰

چیز کے سلسلہ میں پختہ ارادہ کرنے اور شب بیداری کرنے، نگہداشت کرنے، کسی چیز کی دیکھ بھال کرنے، اہتمام کرنے، باقی رہنے، لازمی طور پر کسی چیز کے ادا کرنے اور کسی معاملہ کا دائمی التزام کرنے کے معانی کے ارد گرد گھومتا ہے۔ یہ سارے معانی ازدواجی نظام اور اس پر مشتمل فرائض واعمال کی تقسیم کے اندر شامل ہیں۔ اس طرح کائنات کو آباد کرنے کے سلسلہ میں فطری عمل کو انجام دینے کے بدلہ مرد خواتین پر خرچ کرتے ہیں اور ان کو نان ونفقہ فراہم کرتے ہیں۔ لفظ(قوامون/ قوامین) جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے قرآن مجید میں تین مقامات پر ذکر کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۱-ارشاد الٰہی ہے:"**الرجال قوامون علی النساء**" (۴/نساء:۳۴)۔(مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں)،(گھر کے انتظامات کی ذمہ داری انہیں پر ہے)۔

۲-فرمان باری تعالیٰ ہے:"**یا أیها الذین آمواکونوا قوامین ..... الخ**" (۴/ نساء:۱۳۵)۔(اے ایمان والو! عدل وانصاف کو پورے طور پر قائم کرنے والو بنو اور اللہ کی رضا کے لیے صحیح گواہی دو، چاہے وہ گواہی خود تمہارے خلاف یا تمہارے والدین اور قریب ترین رشتہ داروں کے خلاف پڑ رہی ہو (جس کے بارے میں گواہی دی جارہی ہے) وہ مالدار ہو یا نادار، ان کا اصل حقدار تو اللہ ہے (ان سے اپنا تعلق اور محبت دکھا کر ان کے حق میں جھوٹی گواہی کی کسی حال میں اجازت نہیں) اس لیے خواہشات اور جذبات کی پیروی میں عدل وانصاف کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا ہے اور اگر تم موڑ توڑ کر یا حق سے کتراتے ہوئے اور بچتے ہوئے کوئی بات کرو گے تو اللہ کو تمہاری باتوں اور عمل کی خوب خبر ہے (تم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے)۔

۳-ارشاد الٰہی ہے:"**یا أیها الذین آمنوا کونوا قوامین لله ..... الخ**" (۵/مائدہ:۸)۔(اے ایمان والو! اللہ کی خاطر حق پر قائم رہو اور حق وانصاف کی گواہی دو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں عدل وانصاف سے نہ روک دے، انصاف کرو، تقوی کے قریب یہی (انصاف پروری) ہے اور اللہ

سے ڈرتے رہو، اس کا لحاظ کرتے رہو، بے شک اللہ تمہارے تمام اعمال سے خوب باخبر ہے)۔

اس جگہ واضح طور پر یہ بات عیاں ہے کہ ''قوامہ'' (ذمہ داری) کا عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینے کے ساتھ ربط ہے۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**إلا ما دمت علیه قائما**'' (۳/آل عمران:۷۵)۔ (تو جب تک سر پر نہ چڑھے رہیں وہ اسے بھی ادا نہ کریں گے) یعنی جب تک مطالبہ کے لیے جم نہ جاؤ، وہ ادا نہیں کریں گے)۔

''قیام'' جو عزم کے معنی میں ہے اس پر فرمان باری تعالیٰ دلالت کرتا ہے، ارشاد ہے: ''**یقیمون الصلوة و یؤتون الزکوة و هم رکعون**'' (۵/مائدہ:۵۵)۔ (جو نمازوں کا اہتمام کرتے تھیں، زکوۃ دیتے ہیں اور وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں)۔

یعنی وہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی پابندی کرتے ہیں۔ ''قیام'' کا ایک معنی دارو مدار کے ہے جس کے ذریعہ کوئی چیز قائم رہتی ہے یعنی ثابت رہتی ہے، جیسے: ستون وسہارا، جس پر کوئی چیز کھڑی ہو اور اسے سہارا ملے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''**جعل الله الکعبة البیت الحرام قیٰماً للناس**'' (۵/مائدہ:۹۷)۔ (اللہ تعالیٰ نے کعبۂ مقدسہ محترم گھر کو لوگوں کی زندگی کی اصلاح کے لیے مقرر فرمایا ہے) یعنی لوگوں کی دنیا وآخرت کے امور کی انجام دہی کا وہ مرکز ہے۔

مرد کی سعی وکوشش صرف مال کے لیے نہیں ہونی چاہئے، بلکہ مادی ومعنوی نگہداشت بھی ہونی چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**بما فضل الله بعضهم علی بعض**'' (۴/نساء:۳۴)۔ (اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کے مقابلہ میں مزید صلاحیتوں سے نوازا ہے)۔ یعنی مرد باہم مقابلہ آرائی کرتے ہیں اور فضیلت وخوبی کی کوشش کرتے ہیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہونے والی تبدیلیوں، جیسے: فتوحات اور اس کے نتیجہ میں عجمی ماحول کے رسم ورواج سے اختلاط کی وجہ سے بعض مفسرین اور فقہاء نے اختلاف کے مفہوم کا اچھی طرح احاطہ نہیں کیا اور باہمی شناخت کے نقطۂ نظر سے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی اور

''قوامون'' کی تفسیر اقتدار، تسلط اور تادیب کی سرگرمی سے کی گئی اور اسے سورۂ بقرہ میں آیت طلاق کے سیاق میں وارد ''درجہ'' کے ساتھ ملادیا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے: ''والمطلقت یتربصن .....الخ'' (۲/بقرہ:۲۲۸)۔ (طلاق یافتہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ تین حیض تک اپنے سلسلہ میں انتظار کریں، ان کے لیے جائز نہیں ہے کہ ان کے رحم میں اللہ تعالیٰ نے جو پیدا کیا ہے، اسے چھپائیں، اگر انہیں اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے۔ اور اس دوران ان کے شوہروں کو اگر وہ حالات وتعلقات درست کرنا چاہتے ہوں تو انہیں واپس اپنی زوجیت میں رکھنے کا حق ہے۔ اور ان عورتوں کو اسی طرح دستور کے مطابق حقوق حاصل ہیں جیسے ان پر ذمہ داریاں عائد ہیں اور مردوں کو ان پر ایک درجہ مزید حیثیت حاصل ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہیں، حکمت والے ہیں)۔ حالانکہ اس کا تعلق -اور اللہ کو زیادہ علم ہے۔ مرد کے طلاق اور رجعت کے حق سے ہے، کیونکہ درجہ کا ذکر آیت طلاق کے سیاق میں کیا گیا ہے، جیسا کہ سید قطبؒ نے اپنی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں اسے مؤکد طور پر بیان فرمایا ہے۔ (۴۰)۔

لیکن متعدد تفاسیر میں اقتدار اور برتری کے مفہوم کو مؤکد کرنے کے لیے ''درجہ'' کے مفہوم پر زور دیا گیا ہے، پھر ''قوامہ'' اور ''درجہ'' کو جمع کر دیا گیا تا کہ مرد کے عورت پر تسلط واقتدار

۴۰- سید قطبؒ اپنی کتاب ''فی ظلال القرآن'' میں ارشاد الٰہی: ''وللرجال علیھن درجة'' (مردوں کو ان پر ایک درجہ مزید حیثیت حاصل ہے) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''میرا خیال ہے کہ یہ درجہ اس سیاق میں مردوں کے اس حق کے ساتھ مقید ہے کہ ان کو عدت کی مدت میں (ایک دو رجعی) طلاق یافتہ بیویوں کو دوبارہ اپنے عقد نکاح میں لوٹا لینے کا حق ہے، یہ حق مرد کو اس لیے دیا گیا ہے کہ اسی نے طلاق دی ہے۔ یہ بات معقول نہیں ہے کہ طلاق تو مرد دے اور رجعت کا حق عورت کو حاصل ہو جو مرد کے پاس جا کر اسے اپنی عصمت کا حق دے دے۔ یہ محض ایک ایسا حق ہے جو اس صورت حال میں پیدا ہوا ہے اور اسی محل کے ساتھ یہ درجہ مقید ہے، اس کی دلالت مطلق نہیں ہے جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں اور اس سے بے محل استدلال کرتے ہیں۔ (دیکھیے: قطب، سید فی ظلال القرآن، قاہرہ، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۱ء، ج ۱، ص: ۲۴۰۔

کے مفہوم کو مؤکد کیا جا سکے، جو مردوں کے لحاظ سے تفضیل و برتری کے مفہوم کو اجاگر کرے۔(۴۱)

جبکہ قرآن کریم نے تسلط و اقتدار کے مفہوم کو بتانے کے لیے متعین الفاظ مخصوص کیے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں: وکیل، مہیمن، مسیطر، سلطان۔

لیکن مرد اور عورت کے درمیان تعلق کے دائرہ میں اس طرح کے افکار و خیالات پر زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ میاں بیوی کے درمیان سماجی اور تاریخی اعتبار سے عمل کی تقسیم کے لیے فرائض کے پہلو کو سمجھا نہ جا سکا اس حیثیت سے کہ دونوں کے درمیان فرائض کی تقسیم ایک ایسی چیز ہے جو انسانی آبادی کے مفاد میں ہے، (اس سے ہٹ کر) فرائض کی تقسیم کی ایسی تفسیر کی گئی جو مرد کے مفاد میں ہو۔

بہرحال ''زوجیت'' کے نظام کے سایہ میں ''قوامہ'' (کفالت کی ذمہ داری) کا مطلب یہ ہے کہ مرد معروف کے سائبان تلے عورت کے امور و معاملات، اس کی نگہداشت اور تحفظ کو انجام دینے والا بن جائے۔ نیز ''معروف'' کا مفہوم وہ بنیادی مفہوم ہے جس سے ایک تعلق اور دوسرے تعلقات کے ساتھ اس کے رول کو سمجھنے کا کام لیا جا سکے۔ ''معروف'' عمیق مفہوم اور وسیع حقائق رکھنے والے قرآنی مفاہیم میں سے ہے، کیونکہ اس کا دائرہ نظریہ سے بڑھ کر عملی سرگرمی تک پہنچتا ہے، اس طور پر کہ تمام سطحوں پر فہم و تطبیق کے طریقے و مناہج اس سے مربوط اور مکمل ہو جاتے ہیں۔

گویا قرآن کریم اس فاصلہ کو انسان کے لیے کھلا چھوڑ دیتا ہے تاکہ وہ قرآنی اقدار کو عملی صورتحال میں تبدیل کرنے کے لیے پوری کوشش کرے اور انوکھے و عمدہ راستے اختیار

۴۱- رازی، فخر الدین محمد بن عمر بن حسین، مفاتیح الغیب، قاہرہ، مطبعہ امیریہ، ۱۲۸۹ھ، ج ۲، ص: ۲۴۶ اور بعد کے صفحات۔
رازی، فخر الدین، محمد بن عمر بن حسین، مفاتیح الغیب، بیروت، دار الکتب، ج ۶، ص: ۸۱ اور بعد کے صفحات۔
ابن کثیر، عماد الدین، ابو الفداء، اسماعیل بن عمرو، تفسیر القرآن العظیم، تقدیم: عبد القادر ارناؤوط، دمشق، ریاض، مکتبۃ دار الفیحاء للطباعۃ والنشر والتوزیع، مکتبۃ دار السلام، ط: ۱، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء، ج ۱، ص: ۳۹۸

کرے۔ چنانچہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں پوری کوشش کرے گا، کیونکہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ میں اس کے لیے نمونہ ہیں۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کا ادراک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہو گیا، جبکہ انہوں نے فرمایا: ''میں بھی اپنی بیوی کے لیے آراستہ ہونا چاہتا ہوں، جیسا کہ مجھے پسند ہے کہ میری بیوی میرے لیے آراستہ ہو، اس لیے کہ ایک درجہ مزید حیثیت ہونے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان کے بعد کیا ہے: ''**ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف**'' (۲/بقرہ:۲۲۸)۔ (اور ان عورتوں کو اسی طرح دستور کے مطابق حقوق حاصل ہیں، جیسے ان پر ذمہ داریاں عائد ہیں)(۴۲)۔

ابو جعفر طبریؒ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام کو سب سے پہلے نقل کرنے والوں اور اس کی مثبت تشریح کرنے والوں میں سے ہیں، تحریر فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک آیت کی سب سے بہترین تفسیر یہ ہے کہ: ایک دوسرے کو ضرر نہ پہنچانے کی ذمہ داری ہر ایک فریق پر ہے۔(۴۳)

نیز طبری رقمطراز ہیں کہ آیت کی تفسیر کے سلسلہ میں بہترین قول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے کہ: مرد عورت پر واجب ہونے والی بعض ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دے اور اسے خود سے راضی رکھے اور اپنے اوپر عورت کے تئیں عائد ہونے والی ساری ذمہ داریوں کو ادا کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے ایک درجہ کی مزید حیثیت کا تذکرہ اپنے اس فرمان کے بعد کیا ہے: ''**ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف**'' (۲/بقرہ:۲۲۸)۔(اور ان

۴۲- طبری، ابن جریر، جامع البیان وتأویل القرآن، تقدیم: احمد محمد شاکر، قاہرہ، دار المعرفہ، ۱۹۵۰ء، ج ۴، ص ۵۳۱-۵۳۸

۴۳- طبری، مرجع سابق، ج ۴، ص: ۵۳۱-۵۳۸، نیز دیکھیے: قرطبی، احمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لأحکام القرآن، قاہرہ، دار الکتب المصریہ، ودار الکتاب العربی للطباعۃ والنشر، ۱۹۶۷ء، ج ۳، ص:: ۱۲۴ اور بعد کے صفحات

عورتوں کواسی طرح دستور کے مطابق حقوق حاصل ہیں، جیسے ان پر ذمہ داریاں عائد ہیں)۔(۴۴)

رشید رضا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کلام:

''میں اپنی بیوی کے لیے آراستہ و پیراستہ ہوتا ہوں، جس طرح وہ میرے لیے زیب وزینت اختیار کرتی ہے اور سجتی وسجتی ہے'' کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: مثلیت سے مراد متعین چیزوں کے مانند ہونا نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان باہم حقوق کا تبادلہ ہوتا ہے اور وہ دونوں ہمسر ہیں، عورت مرد کے لیے جو بھی کام کرتی ہے اس کے مقابل میں مرد پر بھی عورت کے لیے کام کی ذمہ داری ہے، اگر وہ کام اسی کی مانند متعینہ طور پر نہ ہو تو بھی وہ ہم جنس ہونے کے لحاظ سے اسی کی مانند ہے، لہٰذا میاں بیوی دونوں حقوق و اعمال میں برابر ہیں، جس طرح وہ دونوں ذات، احساس، شعور اور عقل میں برابر ہیں یعنی دونوں میں سے ہر ایک مکمل انسان ہے جس کے پاس ایسی عقل ہے جو اپنے مصالح کے بارہ میں سوچتی اور غور وفکر کرتی ہے۔ لہٰذا یہ عدل کا تقاضا نہیں ہے کہ ایک صنف دوسری صنف کے بارہ میں من مانی کرے اور اسے غلام یا باندی بنا کر ذلیل ورسوا کرے اور اپنے مصالح میں استعمال کرے، خاص طور سے عقد نکاح اور مشترکہ زندگی میں داخل ہونے کے بعد، پُر بہار و پُر مسرت زندگی اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کا احترام کرے اور اس کے حقوق کو ادا کرے''۔(۴۵)

محمود شلتوت لکھتے ہیں: ''سورۂ نساء نے میاں بیوی کو حقوق اور ذمہ داریوں میں برابر قرار دینے کے بعد مردوں کے لیے عورتوں پر ایک درجہ کی مزید حیثیت کو بیان کیا ہے، یہ درجہ نگرانی، سرپرستی اور نگہداشت کا ہے، جس کی وجہ سے مرد عورت سے ممتاز ہے۔ نیز یہ درجہ اسے اس وجہ سے حاصل ہے کہ وہ محنت جانفشانی کرکے مال حاصل کرتا ہے تاکہ بیوی اور خاندان کے

۴۴- طبری، جامع البیان وتأویل القرآن، مرجع سابق، ج ۴، ص: ۵۳۱-۵۲۸

۴۵- رضا، تفسیر المنار، مرجع سابق ۲/ ۳۷۵

حقوق ادا کرنے کی راہ میں اسے خرچ کرے۔ یہ درجہ خادم ونوکر بنانے کا نہیں ہے، جیسا کہ فریب دینے والے اس کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ لو: "**ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف**" (۲/بقرہ:۲۲۸)۔(اوران عورتوں کواسی طرح دستور کے مطابق حقوق حاصل ہیں، جیسے ان پر ذمہ داریاں عائد ہیں)۔(۴۶)

اس طرح اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمام ادوار کے اندر انسانوں کے درمیان قائم ہونے والے تعلقات کے وسیع خطوط واضح فرما دیئے ہیں، چنانچہ باہمی مشورہ، باہمی خیر خواہی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ہمہ گیر اصول کو سماج کے ڈھانچہ، باہمی اتحاد اور نظام کی بنیاد کی حیثیت سے لازم قرار دیا ہے تاکہ باہمی مشورہ اور آراء کے تبادلہ کو افراد اور جماعتوں کے درمیان فکر اور رائے میں ہم آہنگی کا ضابطہ بنالیا جائے۔

باہمی مشورہ انسانیت کا اعزاز اور جماعت کی بہترین رہنمائی ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**والذین استجابوا لربهم ..... الخ**" (۴۲/شوریٰ:۳۸)۔(اور جو اپنے پروردگار کی بات پر لبیک کہتے ہیں اور نمازوں کا اہتمام کرتے ہیں اور ان کے معاملات آپس میں مشورہ سے طے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں)۔ نیز اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے: "**ولتکن منکم أمة ..... الخ**" (۳/آل عمران:۱۰۴)۔(تمہیں ایک ایسی امت ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے اور بھلائیوں کی تلقین کرے اور برائیوں سے روکے اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں)۔

مختلف ادوار میں امت کے افراد اور ممبران کی یہ عمومی خصوصیات ہیں۔ بہرحال ازدواجی تعلق کے سلسلہ میں باہمی مشورہ کے اصول کا انطباق (اس طرح ہوگا کہ مختلف امور میں میاں بیوی باہم مشورہ کریں گے، نیز علیحدگی کے بعد بھی اولاد کے بارے میں باہم مشورہ کریں

۴۶- شلتوت، محمود، تفسیر القرآن العظیم، قاہرہ (د.ن.)، ط: ۵، ۱۹۷۳ء، ص: ۱۷۴، نیز دیکھیے: شلتوت، محمود، الإسلام عقیدۃ وشریعۃ"، قاہرہ: دارالشروق، ط: ۱۲، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء

گے، مثلاً:) طلاق کی حالت میں رضاعت سے متعلق آیت نے اس کا مؤکد حکم دیا ہے اور اولاد کے لیے بہترین طریقہ اختیار کرنے کے لیے والدین کے درمیان باہمی مشورہ کی طرف متوجہ کیا ہے۔ اگر طلاق کی حالت میں بھی باہمی مشورہ مطلوب ہے تو عقد نکاح قائم رہنے کی حالت میں بدرجۂ اُولی مطلوب ہوگا۔ گویا یہی توقع ہے کہ میاں بیوی آپس میں مشورہ کے عادی ہو چکے ہیں، لہٰذا طلاق کی حالت میں بھی باہمی مشورہ کے اصول کے انطباق کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔ ارشاد باقی تعالیٰ ہے: "**والوالدات یرضعن ..... الخ**" (۲/بقرہ:۲۳۳)۔ (ماؤں کو چاہیے کہ اپنی اولاد کو مکمل دوسال دودھ پلائیں، یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ جو دودھ پلانے کی مدت کو مکمل کرنا چاہتا ہے اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان کی ماؤں کا خرچہ اور ان کے لباس کا انتظام ہے، کسی بھی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ہے، نہ کسی ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے تکلیف پہنچانی چاہئے، نہ کسی باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور جو ان کا وارث ہو اس کی بھی ذمہ داری اسی طرح ہے۔ پھر اگر دونوں آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان کے لیے حرج نہیں ہے، اور اگر تم کسی دودھ پلانے والی کی خدمات لینا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر تم مناسب طریقہ پر ان کی اجرت ان کو دے دو اللہ کے احکام کا خیال رکھو اور جان لو کہ اللہ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے)۔ اس معاملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ اور دنیا بھر کے لوگوں کے لیے بلند ترین مثال قائم فرمائی ہے۔ دیکھیے یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو تبدیلی کی حالت کی منظر کشی کرتے ہیں اور اپنی ذات سے اس بارے میں مثال دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: "ہم جاہلیت میں خواتین کو کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور اللہ تعالیٰ نے خواتین کا تذکرہ کیا تو اس کی وجہ سے ہم نے اپنے اوپر خواتین کا حق سمجھا، بغیر اس کے کہ ہم ان کو اپنے معاملات میں سے کسی معاملہ میں داخل کریں"۔ (۴۷)

۴۷- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب اللباس: باب ما کان النبی-صلی اللہ علیہ وسلم-یتجوز من اللباس والبسط، ج ۱۲، ص: ۴۱۸، نیز دیکھئے: ابوشقہ، تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ" مرجع سابق، ج ۵، ص: ۱۰۷

ایک روایت میں ہے: ''جاہلیت میں ہم خواتین کو کچھ نہیں سمجھتے تھے، جب اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ کیا تو ہم نے اس کی وجہ سے اپنے معاملات میں سے کسی معاملہ میں ان کو داخل کیے بغیر اپنے اوپر ان کے حق کو سمجھا''۔(۴۸)

ایک دوسری روایت میں ہے: ''ہم گروہ قریش عورتوں پر غالب رہتے تھے، جب ہم انصار کے پاس پہنچے تو ان کا حال یہ تھا کہ ان کی خواتین ان پر غالب رہتی تھیں۔ ہماری خواتین بھی انصاری خواتین کے طریقہ سے متأثر ہونے لگیں۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں: دریں اثنا کہ میں ایک چیز کا حکم دے رہا تھا، تبھی میری بیوی نے کہا: اگر آپ ایسا ایسا کرتے (تو بہتر ہوتا) میں نے اس سے کہا: تجھے اس سے کیا واسطہ؟ ایک چیز جسے میں چاہ رہا ہوں اس میں تیری دخل اندازی کا کیا مطلب؟ اس نے کہا: خطاب کے بیٹے تجھ پر تعجب ہے۔ تم نہیں چاہتے کہ تجھ سے رجوع کیا جائے، حالانکہ آپ کی دختر نیک اختر رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم- سے بحث کرتی ہیں، حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے دن غصہ کی حالت میں رہتے ہیں''۔(۴۹)

یہ تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ میں وارد ہے، اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں یعنی بیویوں اور بیٹیوں سے باہمی مشورہ اور تبادلہ خیال فرماتے تھے۔ مختلف ادوار میں اہل ایمان سے بھی جو اس کا تعلق تھا وہ ایسا تعلق تھا جس پر آزادی، مساوات اور عدل وانصاف کے مفاہیم کے انطباق کے لیے بلند ترین اقدار کنٹرول کرتی تھیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے تمام ادوار اور حالات میں باہمی مشورہ کا استعمال فرمایا: نیز اپنے صحابہ، گھر والوں، مردوں، عورتوں، چھوٹے اور بڑے سب کی اس بات

۴۸- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب النکاح، باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا، ج۱۱، ص:۱۹۰

۴۹- مرجع سابق، کتاب التفسیر، باب: تبتغی مرضاۃ أزواجک، ج۱۰، ص:۱۹۰۔ نیز دیکھیے: نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، ج۴، ص:۱۹۲

پر تربیت فرمائی کہ تمام ادوار اور حالات میں شوری کو کام میں لایا جائے، اس لئے کہ شوری ہی وہ مؤثر ذریعہ ہے جس سے امت کے اداروں اور مرکزوں کو ترقی دی جاسکتی ہے اور ان کو بہتر شکل میں لایا جاسکتا ہے۔

باہمی مشورہ کا آغاز سب سے پہلے خاندان سے ہوتا ہے تاکہ مختلف اغراض ومقاصد نیز مختلف سطحوں پر پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے اس کا استعمال کیا جاسکے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی حالت میں سختی ودرشتی اور سنگدلی کو باہمی برتاؤ کے اندر تربیتی ذریعہ کے طور پر استعمال نہیں فرمایا۔

یہ چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رویہ میں بالکل عیاں ہے جب ازواج مطہرات نفقہ میں اضافہ کے لیے جمع ہوئیں (۵۰)۔ (تو آپ نے کسی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا)، باوجودیکہ رسول کریم -صلی اللہ علیہ وسلم- کو اطاعت کا حق حاصل ہے، متعدد آیات میں یہ چیز وارد ہے۔ ایک آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "و أطيعوا الله .....الخ" (۵/مائدہ:۹۲)۔ (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور (غلط چیزوں سے) بچتے رہو، ہوشیار رہو، اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو (کہ اس کی ذمہ داری پھر تمہارے اوپر ہوگی)، ہمارے پیغمبر پر صاف کھول کر بات پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے (جو انہوں نے ادا کردی)۔ اس حق کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طاقت وقوت کے ذریعہ کسی ایک بیوی پر بھی اپنی رائی رائے نہیں تھوپی، بلکہ ان کو زوجیت میں باقی رہنے اور نبوت کے گھر کی ذمہ داری سنبھالنے یا بھلے طریقہ پر مفارقت وجدائی کا اختیار دیا۔ قرآن کریم نے اس رویہ کو اس فرمان باری تعالیٰ میں پیش فرمایا ہے: "يـأيهـا الـنبـى قل لأزواجك ..... الخ" (۳۳/احزاب:

۵۰- واقعہ کی تفصیلات احادیث کی تمام کتابوں میں ہے۔ صحیح مسلم میں اس کی تفصیل یوں ہے: ''عبید ابن حنین'' نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بیان کرتے ہوئے سنا وہ کہتے ہیں: ایک سال میں رکا رہا، عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک آیت کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا، لیکن ان کے رعب کی وجہ سے دریافت نہیں کر پا رہا تھا''۔ مسلم، صحیح مسلم کتاب الطلاق، باب فی الإیلاء واعتزال النساء، ج ۴، ص: ۱۹۲

۲۸)۔(اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ ہم تمہیں دے دلا کر اچھے طریقہ پر رخصت کر دیں (نبی کا گھر تو عظیم قربانیوں کا گھر ہے)۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اختیار دیا، لیکن سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کی رغبت ظاہر کی۔

یہی صورت حال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رویہ کی ہے جو واقعۂ افک میں آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام تراشی کے موقع سے اختیار فرمایا تھا۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر یا جس صحابی پر الزام تھا اس پر کسی طاقت کا استعمال نہیں کیا، نہ ان کو اعتراف واقرار پر مجبور کرنے کے لیے کسی قسم کا تشدد استعمال فرمایا۔(۵۱)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سخت ترین حالات، جیسے زنا کی تہمت کی حالت میں بھی بیوی کے ساتھ تشدد نہ برتنا لازم ہے۔

ایسی صورت حال میں قرآن مجید نے یہ حل پیش کیا ہے کہ میاں بیوی لعان کریں، یعنی دونوں کے درمیان پُر امن طریقہ پر تعلق ختم ہو، اس طرح کہ دونوں قاضی کے سامنے کھڑے ہوں تاکہ ان کا ازدواجی تعلق ختم ہو جائے اور ہر ایک اپنا راستہ لے۔

جہاں تک بیوی کے حقوق کا تعلق ہے تو ذکر کردہ آیات اور احادیث کی روشنی میں اسلامی مذاہب کے طے کردہ حقوق بہت سے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ عورت کی جب شادی ہوتی ہے تو وہ عقد نکاح سے پہلے اپنے اخراجات کی ذمہ دار نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس کا باپ اس کی کفالت کرتا ہے، (لیکن شادی کے بعد) وہ اس بات کی حقدار ٹھہرتی ہے کہ درج ذیل طریقے پر شوہر اس کی ضروریات پوری کرے:

۱-اس کے کھانے، پینے، پوشاک، رہائش گاہ اور دستور کے مطابق اس کے لیے لازم

۵۱- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، باب الشہادات، حدیث نمبر: ۲۴۶۷

تمام ضروریات کو پوری کرے۔

۲-اس کے لیے لازمی اشیاء کی فراہمی اس طرح کرے کہ اسے معمولی مشقت بھی لاحق نہ ہو۔

فقہ اسلامی میں درج ذیل طریقہ پر اس کی تفصیل وارد ہے:

حنفیہ میں سے امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''شوہر اس کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے اور سب سے اولین ضرورت مذہب حنفی کے طے کردہ طریقہ کے مطابق اس کے کھانے کا بہتر انتظام کرنا ہے(۵۲)۔

کاسانیؒ رقمطراز ہیں: ''شوہر اگر ایسا کھانا پیش کرے جسے پکانے کی ضرورت ہو، اور بیوی انکار کردے، تو بیوی کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ اس کے لیے تیار شدہ کھانا پیش کرے''۔(۵۳)

مالکیہ کے نزدیک امام مالکؒ کی ''المدونۃ الکبریٰ'' میں صراحت ہے کہ: ''اگر شوہر بیوی کی خدمت کرنے کی قوت نہیں رکھتا ہو تو خدمت کے سلسلہ میں وہ دونوں باہم تعاون کریں گے (خادم فراہم کرنا لازم نہیں ہے) شوہر پر بیوی کا حق صرف یہ ہے کہ پوشاک اور کھانے کی اس کی ضرورت پوری کرے۔ البتہ اگر شوہر مالدار ہو (تو خادم فراہم کرکے) اسے خدمت سے دور رکھے گا اور تنگدستی کے وقت بیوی اپنی طاقت کے ذریعہ شوہر کی مدد کرے گی''۔(۵۴)

فرمان باری تعالیٰ: ''ذلک أدنی ألا تعولوا'' (۴/نساء:۳)۔(یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ تم سے بے انصافی نہ ہو) کی روشنی میں امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ شوہر پر اپنی بیوی

۵۲- سرخسی، محمد بن احمد، مبسوط، قاہرہ، مطبعۃ السعادات (د.ت.) ج ۵، ص:۱۸۱

۵۳- کاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، قاہرہ، جمالیہ، ۱۳۲۸ھ، ج ۴، ص:۲۴

۵۴- انس، مالک، المدونۃ الکبری بروایۃ سحنون، قاہرہ، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۳ھ، ج ۴، ص:۱۱۳

کے لیے وہ چیز لازم ہے جس سے بے نیازی برتی نہیں جاسکتی ہو، جیسے: نان ونفقہ، پوشاک اور رہائش گاہ''۔(۵۵)

حنابلہ میں سے ابن قدامہ رقمطراز ہیں: ''عورت پر اپنے شوہر کی خدمت لازم نہیں ہے یعنی اس کی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ آٹا گوندھے، روٹی پکائے اور کھانے کی دوسری چیز تیار کرے، وغیرہ''۔

یہ مذہب حنبلی کی متفقہ رائے ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''عورت کی طرف سے جس چیز پر عقد ہوا ہے وہ یہ ہے کہ شوہر اس سے لطف اندوز ہو اور جنسی تسکین کا فائدہ اٹھائے، لہٰذا اس پر دوسری چیز لازم نہ ہوگی۔ لیکن بیوی کے لیے مناسب یہ ہے کہ عرف میں جس چیز کو خاتون انجام دیتی ہو وہ انجام دے، اس لیے کہ عرف پر عمل کئے بغیر حالت درست نہیں ہوسکتی ہے اور اس کے بغیر زندگی منظّم طریقہ پر گزر نہیں سکتی ہے۔(۵۶)

''ظاہریہ'' کی نمائندگی کرتے ہوئے ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''شوہر کی ذمہ داری ہے کہ بیوی کے لیے ایسے فرد کا انتظام کرے جو صبح وشام اس کے پاس کھانا اور پانی لے کر آئے، کھانا ایسا ہو جو کھانے کے قابل ہو اور جو جھاڑو لگانے اور بستر بچھانے جیسے تمام کاموں سے اسے فارغ کردے۔ نیز شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اسے اس کی پوشاک پیش کرے، اس لیے کہ یہی رزق اور پوشاک کی شان اور حیثیت ہے''۔

نیز تحریر فرماتے ہیں: ''عورت پر لازم نہیں ہے کہ شوہر کی کسی بھی چیز کے بارے میں خدمت کرے، نہ آٹا گوندھنے، نہ پکانے، نہ بستر لگانے اور نہ جھاڑو دینے کی خدمت اس پر لازم ہے، لیکن اگر وہ اپنی خوشی سے ایسا کرتی ہے تو یہ اس کے لیے بہتر ہے، اس کی ذمہ داری تو صرف

۵۵- شافعی، محمد بن ادریس، الأم (مع مختصر المزنی)، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۰ء، ج۵، ص: ۷۷-۸۲

۵۶- ابن قدامہ، موفق الدین عبداللہ بن احمد، المغنی، کویت، دار القلم، ۱۹۸۴ء، ج۷، ص: ۲۱

یہ ہے کہ شوہر کے ساتھ بہتر معاشرت اختیار کرے اور اس کے موجود ہونے کی حالت میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے''۔(۵۷)

جعفری شیعہ کی فقہ میں وارد ہے: ''بیوی کا نفقہ دیگر رشتہ داروں کے نفقہ پر مقدم ہے اور گزشتہ دنوں کے فوت شدہ نفقہ کی بھی ادائیگی کی جائے گی۔ جہاں تک رشتہ داروں کا معاملہ ہے تو ماں باپ اور اولاد کا نفقہ لازم ہے۔ بہر حال نفقہ کی مقدار کا ضابطہ یہ ہے کہ عورت کی ساری ضروریات پوری کی جائے، مثلاً: کھانا، سالن، پوشاک، رہائش گاہ، خادم کی فراہمی اور تیل کا برتن، یہ فراہمی اس خطہ میں اس جیسی خواتین کے عرف وعادت کے تابع ہے(۵۸)۔

بہر حال موجودہ دور میں تو مرد اور عورت کے درمیان تعلق کی فطرت ہی بدل گئی ہے اور اس نے ایک دوسری شکل اختیار کر لی ہے، یہ سب مغربی فکر میں نئی تأثیرات، ثقافتی سرمایہ اور دونوں کے درمیان تاریخی تعلق کی خصوصیات کا نتیجہ ہے۔ مغربی فکر میں عورت کو پست نگاہ سے دیکھنے کو عام کیا گیا ہے اور یہ دعوی کیا گیا ہے کہ عورت اپنی فطرت اور اخلاق میں پست ہے۔ جیسا کہ عہد قدیم میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح ایک طرف عورت کی ترقی کو کلیسا کے خلاف بغاوت اور دوسری طرف صنعتی انقلاب کے بعد عورت کے عمل کی بنا پر معاشی خودمختاری سے مربوط کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی خواتین سے متعلق مغربی فکر کی تعمیر وتشکیل اور عورت کی آزادی کی تحریک کے درمیان بنیادی کشمکش بھی پائی جاتی ہے۔ مغربی نسوانی فکر نے اپنے فلسفہ، تصورات اور نظریات کی تشکیل کے سلسلہ میں ''نوع''(صنف) اور ''جنس'' وغیرہ مفہوم پر اعتماد کیا ہے۔

چنانچہ ''نوع'' کا مسئلہ مرد اور عورت کے درمیان سماجی مساوات کی تبدیلی سے مربوط

۵۷- ابن حزم، علی بن محمد، المحلی، تعلیق: احمد شاکر، قاہرہ، مطبعۃ منیر دمشقی، ۱۳۵۲ھ، ج۱۱، ص: ۳۲۴، نیز ج۱۱، ص: ۲۹۶ اور بعد کے صفحات

۵۸- حلی، ابوالقاسم نجم الدین جعفر، ''المختصر النافع فی فقہ الإمامیۃ، العراق، مطبعۃ للنجف الأشرف، ۱۳۸۳ھ، ص: ۲۱۹

ہوکر ظاہر ہوا ہے، یہ سب نظام حکومت، علم اور معاشی فطرت کی تبدیلی کا نتیجہ ہے۔ اگرچہ یہ تبدیلی مغرب میں شروع ہوئی، لیکن ''استعمار'' (سامراج) کے اثر سے انیسویں صدی سے مغرب سے عالم اسلام کے فکری و مادی طور پر متاثر ہونے کی وجہ سے عالم اسلامی کے تہذیبی دائرہ میں بھی یہ تبدیلی منتقل ہوئی۔

قرآن میں بیان کردہ ''قوامہ'' (کفالت کی ذمہ داری) اور درجہ کے مفاہیم اور اپنے گھر والوں یعنی بیویوں اور اولاد کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں کے کلی مطالعہ سے جس میں موضوع سے وابستہ ساری جزئیات شامل ہوں، یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شارع کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کو مؤکد کیا جائے کہ اللہ کے حکم فرمودہ اقدار کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رہنے کے سلسلہ میں مرد اپنی ذمہ داری کا احساس رکھے تاکہ خاندانی ادارہ کے اندرونی و بیرونی ڈھانچہ کا تحفظ ہو، یعنی اللہ کا تقوی اختیار کیا جائے، سکون و اطمینان کی فراہمی کے لیے محبت و الفت اور ہمدردی کی روح عام کی جائے، بھلائی، احسان اور فضل کے ساتھ باہمی برتاؤ کیا جائے، عدل و انصاف قائم کیا جائے، باہم مشورہ کیا جائے اور باہمی الفت اختیار کی جائے۔(۵۹)

اس طرح مرد کا کردار عورت کے کردار کو مکمل کرنے والا اور عورت کا رول مرد کے رول کو مکمل کرنے والا بن جاتا ہے، جس سے توازن اور باہمی تعامل وجود میں آتا ہے۔ مرد اور عورت کے درمیان عمل کے تکامل کے بغیر خلافت کے رول کو ادا کرنا تقریباً محال ہے۔

چنانچہ خاندانی سطح پر تشدد کی سرگرمی، یا تکبر، تسلط اور برتری کا کوئی رجحان جو ''قوامہ'' کے نام پر ہو قرآن کے کلی اقدار کے منافی ہے، نیز اس سے شریعت کے اصول و کلیات مسمار ہوجاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی خلافت ورزی لازم آتی ہے۔

۵۹- سورۂ بقرہ، سورۂ نساء، سورۂ شوریٰ اور سورۂ توبہ (آیت نمبر ۷۱-۷۲) میں شادی اور طلاق کے مسائل سے متعلق آیتیں دیکھیے۔

ب-نسبی اور سسرالی تعلق کی پختگی:

عقد نکاح کے تعلق کی پختگی اور مرد اور عورت کے درمیان تعلق کو منضبط کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسری چیز بھی مدد دیتی ہے، جو یہ ہے کہ نکاح کے شرعی موانع کی تحدید کردی جائے، کیونکہ مادی اور معنوی اعتبار سے حقوق اور ذمہ داریوں کی وضاحت اور رشتے اور تعلقات کے تحفظ کے سلسلہ میں ان موانع کے واضح ہونے کی اپنی مخصوص اہمیت ہے۔

تین دائمی موانع کے اندر نکاح کے شرعی موانع شامل ہیں۔(۶۰)۔

(۱) ایک نسبی موانع ہیں۔ (۲) دوم: رضاعی موانع ہیں۔ (۳) سوم: مصاہرت اور سسرالی رشتہ پر مبنی موانع ہیں۔ یہ سارے موانع اس فرمان باری تعالیٰ میں جمع ہیں:"**حرمت علیکم أمهاتکم ..... الخ**" (۴/نساء:۲۳)۔(تم پر حرام کردی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں)۔

رضاعت پر مبنی موانع کے بارے میں ارشاد ہے:"**حرمت علیکم أمهاتکم ..... و أمهاتکم اللاتی أرضعنکم و أخوتکم من الرضاعة**" (۴/نساء:۲۳)۔(تم پر حرام کردی گئیں تمہاری مائیں .....اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں۔

حدیث پاک میں وارد ہے: حضرت عروہ بن زبیر، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پیدائش کی بنا پر جن رشتوں کو حرام ٹھہرایا ہے، رضاعت کی بنا پر بھی ان کو حرام ٹھہرایا ہے"۔

۶۰- بعض تعلقات وقتی طور پر حرام ہوتے ہیں، جیسے بیوی کی بہن، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کی حرمت، تین طلاق یافتہ عورت سے نکاح کی حرمت جب تک وہ طلاق دینے والے کے علاوہ دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے، عدت والی عورت سے نکاح کی حرمت، یا شادی شدہ عورت سے نکاح کی حرمت، یا مرتد خاتون سے نکاح کی حرمت۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور غیر صحابہ میں سے اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، اس سلسلہ میں ہمیں ان کے درمیان کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔(۶۱)

محارم مردوں اور عورتوں کا نظام (۶۲)۔ان کے درمیان نکاح کی حرمت کی بنیاد پر قائم

۶۱- ترمذی، سنن ترمذی، مرجع سابق، کتاب الرضاع، حدیث نمبر ۱۰۶۶

۶۲- اس کا بیان فرمان باری تعالیٰ میں ہے:"ولا تنکحوا.....الخ" (۴/نساء:۲۲-۲۴)، (اور تمہارے باپ نے جس سے نکاح کیا تھا (جو تمہاری سوتیلی ماں ہے) اس سے نکاح کی اجازت نہیں ہے، ماضی میں جو بھی بدعنوانیاں ہوچکیں، سو ہوچکیں، وہ بڑی بے حیائی کا اور قابل نفرت عمل تھا اور وہ طرز ہی بڑا بدترین تھا۔تم پر حرام کردی گئیں تمہاریں مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جن کی تمہاری گود میں تربیت ہوئی، ان بیویوں کی جن سے تمہاری خلوت ہوچکی ہے، اگر تمہاری خلوت ان سے نہیں ہوئی ہے تو ان کی لڑکیوں سے شادی میں حرج نہیں ہے اور تمہارے سگے بیٹوں کی بیویاں اور یہ بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھو، جو اس حکم کی آمد سے پہلے ہو چکا سو ہو چکا، بے شک اللہ مغفرت فرمانے اور رحم فرمانے والا ہے۔

اور اسی طرح شادی شدہ عورتوں سے نکاح نہیں ہوسکتا ہے، ہاں جو باندیاں تمہاری ملکیت میں آئیں (ان کے ساتھ زن وشوہر کے تعلقات قائم کرسکتے ہو)، یہ اللہ کی طرف سے طے کیا گیا ہے، ان کے علاوہ اور عورتوں سے نکاح ہوسکتا ہے، اگر مہر کے ذریعہ تم انہیں نکاح میں لینا چاہتے ہو، مقصد عفت وعصمت کی حفاظت ہو، آزاد شہوت رانی نہیں، جن سے تم ازدواجی زندگی کا لطف حاصل کرو، فرض جانتے ہوئے۔مہر ادا کرو، مہر کے تعین کے بعد آپس کی رضامندی سے تم جو طے کرلو، اس پر کوئی مواخذہ نہیں، بے شک اللہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے)۔

نیز اس کا بیان اس ارشاد الٰہی میں ہے:"وقل للمؤمنات یغضضن .....الخ" (۲۴/نور:۳۱)۔(اور ایمان والی عورتوں سے کہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زیبائش و آرائش کے مظاہرے نہ کرتی پھریں، سوائے اس حصہ کے جو کھل جاتا ہے (اور اس کے بند رکھنے میں بڑی زحمت ہے، جیسے ہاتھ، پیر اور آنکھیں) اور ان کو چاہئے کہ اپنی اوڑھنیاں (دیز دوپٹے) اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں اور اپنی زینت اور زیورات والے حصے نہ کھولا کریں، مگر اپنے شوہروں، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے، (لیکن) پھر قرابت کو حرمت و وقار کے لباس میں ملبوس کر کے اس کے تقدس کی خاطر محرم مردوں اور عورتوں کا نظام قائم ہوا، شریعت نے نسبی رشتہ کی وجہ سے حرمت کی علت طے کی اور اصول وفروع سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا، تاکہ کامل رشتہ کا وقار بحال رہے اس میں شہوت اور لطف اندوزی کا کوئی شائبہ تک نہ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دو بہنوں کے ساتھ نکاح کو نیز نکاح میں بیوی اور اس کی پھوپھی یا خالہ کو جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے، جبکہ اس طرح کا نکاح جاہلیت میں مروج تھا۔ "**المفردات فی غریب القرآن**" میں قرآنی مفہوم میں حرمت کی وضاحت کرتے ہوئے درج ہے۔ حرام: ممنوع ٹھہرائی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، خواہ تسخیر الٰہی کے طور پر اسے ممنوع ٹھہرایا گیا ہو، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: "**وحرمنا علیه المراضع**" (۲۸/القصص: ۱۲)۔ (ادھر) ہم نے موسیٰ کو دودھ پلانے والیوں کا دودھ پینے سے روک رکھا تھا)۔

یا زبردستی روک دیا گیا ہو، یا عقل یا شریعت کی طرف سے ممنوع ٹھہرایا گیا ہو، یا اس شخص کی طرف سے ممنوع ٹھہرایا گیا ہو جس کے حکم کی تعمیل کرتا ہو۔ حرام کے مفہوم میں حرمت، تحفظ، نگہداشت اور بچاؤ سب شامل ہے۔ ان سب کے پیش نظر اس مستحکم تعلق کی نوعیت متعین ہوتی ہے، جس پر نہ زمانہ کا اثر ہوتا ہے نہ جگہ کا، نہ جس میں موت، زندگی یا اختلاف سے کوئی تبدیلی آتی ہے۔ حالانکہ عقد نکاح کی صورت میں کبھی طلاق کی وجہ سے تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ (۶۳)

اس مستحکم تعلق کی وجہ سے حقوق طے ہوتے ہیں اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، جیسے:

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) والد، دادا، نانا وغیرہ، اور اپنے شوہروں کے باپ دادا وغیرہ اور اپنی اولاد اور اپنے شوہروں کی اولاد اور اپنے بھائیوں اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنی بہنوں کے بیٹوں اور اپنے ماحول کی عورتوں اور اپنی باندیوں یا ایسے کام کرنے والے خادموں، جو جنسی جذبات سے خالی ہیں۔ یا ان بچوں کے سامنے یہ پابندی نہیں ہے جو عورتوں کے قابل ستر حصوں پر نگاہ نہیں رکھتے۔ اور زمین پر پیر پٹخ پٹخ کر نہ چلیں (نہ ایسی رفتار سے) جس سے پیروں کے زیورات نظر آئیں، یا ان کی آواز سنائی دے، جن کو انہیں چھپانا ہے (اور اسی لیے عورتوں کو لباس ٹخنے سے نیچے تک پہننا ہے) اور اے ایمان والو! تم سب اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ کامیاب ہو

۶۳- اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مرجع سابق، ص: ۱۱۴-۱۱۵

والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی اور رشتہ داروں کا خیال اور دیگر باہمی تعلقات جو تکافل، تعاون اور باہمی ہمدردی کے مفہوم میں وسیع اور مشترکہ خاندان کے فریقوں کے درمیان قائم ہوتے ہیں۔ جس میں صلہ رحمی، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ہمسایہ کی رعایت وغیرہ کے اصول کو کارفرما کیا جاتا ہے۔

اس سیاق میں عقادؒ تحریر فرماتے ہیں: ''اسلام قریبی رشتہ داروں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیتا ہے، رشتہ داروں میں سے صرف ان ہی رشتہ داروں کے ساتھ نکاح کو مباح ٹھہراتا ہے جو تقریباً اجنبی کے درجہ میں ہوتے ہیں، اس طرح عقد نکاح کی وجہ سے خاندان کے تقریباً جدا ہونے والے افراد اکٹھے ہو جاتے ہیں، جیسے: پھوپھی، خالہ اور ماموں وغیرہ کے فرزند۔ اس حرمت کے مقاصد متنوع ہیں۔ اہم ترین مقصد یہ ہے کہ خاندان میں وسعت پیدا ہو اور لڑائی جھگڑے اور بغض ونفرت کے اسباب سے اس کا تحفظ ہو۔ نیز عقد نکاح کی وجہ سے محبت والفت اور نسبی رشتہ کے وہ اسباب وجود میں آئیں جو قرابت سے وجود میں نہیں آتے ہیں۔ خاندان میں وہ افراد لوٹ آئیں جو قریب تھا کہ اس سے جدا ہو جائیں۔ لیکن ان قریبی رشتہ داروں کے ساتھ نکاح حرام ہے، جن کو نسبی یا سسرالی رشتہ کے ذریعہ مستحکم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کریم میں نسبی اور سسرالی رشتہ کو انسان کی تخلیق کی نشانیوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''**وھو الذی خلق من الماء ..... الخ**'' (۲۵/فرقان:۴۵)۔ (اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کی تخلیق کی اور اس کو نسبی اور سسرالی رشتے عطا کیے اور تمہارا رب بڑی قدرت والا ہے)۔ (۶۴)

سسرالی رشتہ میں اصل یہ ہے کہ انسانی تعلقات کے دائرہ کو وسیع کیا جائے، اور اقدار پر مبنی نظام کی بنیاد پر اس کی تعمیر وتشکیل کی جائے، جس سے تعلقات مستحکم ومضبوط ہوں اور نکاح

۶۴- عقاد، عباس محمود، ''موسوعۃ عباس محمود العقاد الإسلامیۃ''، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۷۱ء، ج ۵، ص: ۱۶۷-۱۶۸

کی بنا پر سسرالی رشتہ وجود میں آئے۔جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:"**فجعله نسبا و صهرا**" (۱۵/فرقان: ۵۴)۔(اوراس کونسبی اور سسرالی رشتے عطا کیے)۔

سسرالی رشتہ نکاح کی بنیاد پر قائم ہونے والا رشتہ وتعلق ہے، جیسے: بیوی کی سابق اولاد، بیوی کی بہن، پھوپھی، خالہ، بیوی کی ماں یا قرابت کے رشتہ کے افراد کے عقد نکاح کی وجہ سے پیدا ہونے والے رشتے، جیسے: بیٹے کی بیوی اور باپ کی بیوی۔

سسرالی رشتہ کی بنا پر اسلام نے خاندان کے مفہوم کو وسعت دی ہے اور اسے عقیدہ کے ربط پر منحصر رہنے والے پہلو سے نکال کر انسانی دائرہ تک پہنچادیا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کے ساتھ جو توحید پر ایمان رکھنے اور ان اقدار پر ایمان رکھنے میں مسلمانوں کے ساتھ متفق ہیں جن کے نتیجہ میں اس انسان کی تشکیل ہوتی ہے جسے خلیفہ بنایا گیا ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ''کتابیہ خاتون'' کے ساتھ نکاح مباح ہے اور بغیر کسی تفریق کے مسلم خاتون کو جو تحفظ حاصل ہے وہ اسے بھی فراہم کیا گیا تاکہ یہ بات پختہ طور پر معلوم ہوجائے کہ اسلام اس کے سابقہ نبوتوں کے کارواں کی طرف نسبت رکھنے کا احترام کرتا ہے۔اور اس سرمایہ اور اس کے افراد کی قدردانی بھی کرنا چاہتا ہے۔نسل واولاد کا اپنے اصولوں کی طرف صحیح و درست نسبت رکھنا یہ اصول یعنی والدین اور دادا و دادیوں کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا سبب ہے، کیونکہ فطری طور پر یہ لوگ اپنی نسل پر شفیق ومہربان ہوتے ہیں۔چنانچہ شریعت نسب کے تحفظ اور اسے وجود میں لانے، اس سے شک دور کرنے اور کینہ وکپٹ کو ختم کرنے کی طرف میلان رکھتی ہے۔(۶۵)

شریعت نے رضاعت (دودھ پینے) پر مبنی رشتہ کو بھی نسبی رشتہ کے درجہ میں رکھا ہے، چنانچہ دودھ پلانے والی خاتون کو ماں اور دودھ پینے والے بچہ کو بہن یا بھائی کے درجہ میں رکھا

۶۵- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، مرجع سابق، ص: ۱۶۴

ہے۔ارشادالٰہی ہے:"و أمهاتكم اللاتی ..... الخ" (۴رنساء:۲۳)۔(اورتمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہےاورتمہاری رضاعی بہنیں بھی تم پرحرام ہیں)۔

متعددقوانین کے ذریعہ اسلام میں ان باہم تعلقات کومربوط کیا گیا ہے،جن کا ماحصل یہ ہے کہ میراث کے ساتھ محرم مردوں اورعورتوں کے نظام کی تکمیل ہوتی ہے۔(۶۶)

اس نظام کی اس شکل میں تکمیل ہوتی ہے کہ تعلقات محفوظ رہتے ہیں اور باہمی تبادلہ کے طور پرحقوق وفرائض کا نظام منظّم ہوتا ہے،اس طرح کہ اخوت و بھائی چارگی کے تعلق کی تعمیر وتشکیل کے سلسلہ میں یہ انسانوں کے لیے نمونہ بن جاتا ہےاورلوگوں کے درمیان باہمی الفت ومحبت اورتکافل کے مفاہیم کارکردہوجاتے ہیں،چنانچہ کوئی فقیر،محتاج،کمزور یا گراپڑا بچہ تعلقات کے ایسے دائرہ کے بغیرنہیں رہ جاتا ہے جواس کی حمایت کرےاوراسے تحفظ فراہم کرے۔

۶۶- ارشادالٰہی ہے:"یوصیکم اللہ ....." (۴رنساء:۱۱)۔(اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں(میراث کے سلسلہ میں)تم کو یہ حکم دے رہا ہے کہ لڑکے کودولڑکیوں کے برابرحصہ ملے گااوراگرلڑکیاں ہی ہوں اوردو سے زیادہ ہوں توان کومیراث کا دوتہائی ملے گااوراگرایک لڑکی ہےتواس کوآدھاملے گا۔اورمیت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کوترکہ میں سے چھٹا حصہ ملے گا،اگراس کی اولاد ہواوراگراس کی اولادنہ ہواورماں باپ وارث ہورہے ہوں، تواس کی ماں کوترکہ کا تہائی حصہ ملے گا۔اوراگر(میت کے)بھائی بھی ہوں،تواس کی ماں کوچھٹا حصہ ملے گا،اس کی وصیت کےنفاذ کے بعد جواس نے کی ہو(جس کا مجموعی ترکہ میں سے ایک تہائی میں نفاذ ہوگا)اوراس قرضہ کی ادائیگی کے بعد جواس کے ذمہ ہے۔تمہارے باپ دادااوربیٹوں میں سے کون تمہارے لیے زیادہ فائدہ اورنفع والا ہے،تم اس کی حقیقت کونہیں جانتے۔(میراث کا بیان کردہ ضابطہ)اللہ کی طرف سے فرض کیا گیا ہےاوراللہ تعالیٰ خوب علم رکھنے والا،اورحکمت والا ہے)۔نیزارشادہے:"ولكل جعلنا موالی ..... الخ"(۴رنساء: ۳۳)۔(اوردونوں کے لیےاس ترکہ کے حقدارہم نے طے کردیئے ہیں جس کووالدین اورقریب ترین رشتہ دار چھوڑتے ہیں اورجن سےتم نے معاہدہ کیا ہو،ان کوان کا حصہ دو،بےشک اللہ تعالیٰ ہرچیز کی نگرانی فرمارہا ہے)۔ نیزارشادباری تعالیٰ ہے:" و إذا حضر القسمة ..... الخ" (۴رنساء:۸)۔(اوراگرتقسیم میراث کے موقع پر رشتہ داراوریتامی اورمساکین موجودہوں،تواس میں سےانہیں بھی دواوران سے بھلی بات کہو۔

محرم مردوں اور عورتوں کے درمیان قائم ان تعلقات پر حقوق وفرائض مرتب ہوتے ہیں، جیسے: میراث، نفقہ اور پرورش کا حق، ساتھ ہی دوسرے آداب بھی لاگو ہوتے ہیں، جیسے: استئذان (اجازت طلب کرنا)، سلام اور باہمی زیارت وملاقات وغیرہ جن کا تحفظ اقدار پر مبنی نظام کے ذریعہ ہوتا ہے، جیسے: والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، مہمان کا اکرام واعزاز، اسی طرح ہمسایہ اور دوست کا اکرام واعزاز۔

یہی وجہ ہے کہ ''متبنیٰ'' (لے پالک) اور زنا سے پیدا شدہ بچہ اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ خاندانی محارم کے نظام میں خلاف ورزی پیدا کرتے ہیں؛ کیونکہ اس کے اندر نسب کا اختلاط ہے۔ چنانچہ محارم کے نظام میں باہمی برتاؤ کے اندر محرم مردوں اور عورتوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ آداب مرتب ہوتے ہیں جو لے پالک کی صورت میں باقی نہیں رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ان آداب کے التزام کے وقت ''اجنبی'' کے درجہ میں آجاتا ہے، مثلاً: اس سے شادی ہوسکتی ہے (وہ محرم نہیں ہے)، عورت کو اس سے پردہ کرنا ہوگا (کیونکہ حقیقت میں وہ اس کی ماں نہیں ہے) اور اسے میراث نہیں ملے گی (اس لیے کہ وہ حقیقت میں بیٹا نہیں ہے) اور اس طرح کے دیگر احکام۔

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کرم واحسان ہے کہ اس نے کسی انسان کو، خواہ یتیم ہو یا زنا سے پیدا شدہ بچہ ہو تعلقات کے دائرہ سے باہر نہیں کیا ہے۔ چنانچہ جاہلیت میں رائج لے پالک بنانے کے نظام کو اس طرح منظّم کیا کہ وہ اپنی جزئیات کے ساتھ ''یتیموں'' سے متعلق اسکیم سے مربوط ہوجائے جس میں قرآن کریم نے ایک طرف یتیم کے تحفظ کی خاطر تو دوسری طرف سماج کے تحفظ کے لیے احتیاطی کاروائیاں کی ہیں۔ اس سیاق میں اسلام نے یتیم کے ساتھ برتاؤ میں نرمی و شفقت اختیار کرنے، اس کے ساتھ بدسلوکی نہ کرنے اور اس کے احساسات وجذبات کی رعایت کرنے کی طرف متوجہ کیا ہے، تاکہ اس کے احساسات منفی شکل اختیار نہ کریں، یا وہ نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار نہ ہو، جس کا نتیجہ اس کے بگاڑ اور پھر معاشرہ کی اذیت رسانی کی صورت میں نکلے،

اسلام نے اس تعلق کی فطرت بھی واضح کردی ہے جو بچہ اور لے پالک بنانے والے خاندان کے درمیان ہونا چاہئے اور یہ شرط لگائی ہے کہ یہ ہمدردی وتکافل کے واضح تعلقات کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ اسلام میں دونوں فریق میں سے ہر فریق پر دوسرے کے جو حقوق ہیں اور جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کو بھی بتادیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "**ما جعل الله لرجل ..... الخ**" (۳۳/ احزاب: ۴-۵)۔ (اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے اندر دو دل نہیں رکھے ہیں (دوغلی باتیں کرنے والے منافق ہوتے ہیں) اور اپنی جن بیویوں سے تم لوگ (رسم جاہلیت کی تقلید میں) "ظہار" کرتے ہو (یہ کہہ دیتے ہو کہ تم میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو) ان کو اللہ نے تمہاری ماں نہیں بنا دیا۔ (یہ فضول جاہلی باتیں ہیں) اور تم جن لڑکوں کو متبنّی بنا لیتے ہو، وہ تمہارے صلبی بیٹے نہیں ہوجاتے، یہ سب تمہاری زبانی (جاہلانہ) باتیں ہیں اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہ صحیح راستہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ ان لڑکوں لڑکیوں کی نسبت ان کے باپ کی طرف کرو، اللہ کے نزدیک یہی انصاف کی بات ہے، اگر تم ان کے باپ کے بارے میں نہیں جانتے ہو، تو وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی ہیں اور زیر تولیت وتربیت ہیں اور تمہاری غلطی وچوک پر کوئی گرفت نہیں، لیکن جان بوجھ کر جو غلط کام کیا جائے گا (اس پر مؤاخذہ ہوگا) اور اللہ بہت معاف فرمانے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے)۔ (۶۷)

۶۷- فقہ کی کتابوں میں "لقیط" کی اصطلاح کا استعمال عام ومشہور ہے، جس کی ایسی دلالتیں ہیں جنکا منفی اثر بچہ کی نفسیات پر پڑسکتا ہے اور اس کی وجہ سے بچہ مستقبل میں نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہوسکتا ہے، جس کے نتیجہ میں اس کے دل میں انسانیت کے تئیں کینہ پیدا ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے اور لے پالک کے مسئلہ کو موضوع بناتے ہوئے اس کا بہترین حل پیش کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "**فإن لم تعلموا..... الـــخ**" (۳۳/احزاب: ۵)۔ (اگر تم ان کے باپ کے بارے میں نہیں جانتے ہو، تو وہ تمہارے دینی بھائی اور ساتھی ہیں اور زیر تولیت وتربیت ہیں)۔ یعنی اسلام چاہتا ہے کہ ایسے بچوں کے ساتھ سچا تعلق ہو اور لے پالک بنائے گئے شخص کے احساسات کی رعایت کی جائے اور اسے دینی بھائی یا ساتھی کہہ کر پکارا جائے "لقیط" یا اس جیسے دیگر القاب سے نہ پکارا جائے جو جذبات کو مجروح کرسکتے ہیں۔

ترکہ کی تقسیم سے متعلق آیات میں ایسی دلالتیں ہیں جو اس بات کو مؤکد کرتی ہیں کہ یتیموں کا خیال رکھنا اور ان کی کفالت فرض ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''و إذا حضر القسمة .....الخ'' (۴/نساء:۸-۹)۔ (اور اگر تقسیم میراث کے موقع پر رشتہ دار اور یتامی اور مساکین موجود ہوں، تو اس میں سے انہیں بھی دے دو اور ان سے بھلی بات کہو۔ اور انہیں ڈرنا چاہئے کہ جو اگر اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑ کر (دنیا سے) رخصت ہو رہے ہوں تو انہیں اپنی اولاد کے بارے میں اندیشے ہوتے ہیں اور ڈر لگا رہتا ہے، لہٰذا انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور صحیح و درست بات کہنی چاہئے (یعنی یتیم بچوں اور غریبوں، مسکینوں کے ساتھ غلط رویہ و برتاؤ نہیں اختیار کرنا چاہئے اور نہ سخت و درشت لہجہ میں ان سے بات کرنی چاہئے)(۶۸)۔

ان قرآنی نصوص کے اندر اسلام نے فرد یا جماعت کی سطح پر یتیم کی کفالت پر آمادہ کیا

۶۸- ابن کثیرؒ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ شیطان تین آیتوں کے سلسلہ میں لوگوں پر غالب آ گیا ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے ان پر عمل نہیں کیا: (۱) ''یا أیها الذین آمنوا .....الخ'' (۲۴/نور: ۵۸)۔ (اے ایمان والو! تمہارے غلاموں، باندیوں اور تم میں جو ابھی بالغ نہیں ہیں، ان کو تین مرتبہ (دن و رات میں گھر میں آتے ہوئے) اجازت لینا چاہئے (ایک تو) فجر سے پہلے (دوسرے) اس وقت جب تم دوپہر میں (آرام کی خاطر) اپنے کپڑے اتارتے ہو اور (تیسرے) عشاء کی نماز کے بعد، یہ تین اوقات تمہارے لیے لائق ستر ہیں۔ ان کے علاوہ اوقات میں ان پر اور تم پر کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ تمہارے پاس بار بار چکر لگانے والے ہیں (تمہیں بھی ان کی بار بار ضرورت پڑتی ہے) اس طرح ان سے تمہاری خاطر پوری وضاحت سے ہدایات دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کی ہر بات حکیمانہ ہے)۔ (۲) ''وإذا حضر .....الخ'' (۴/نساء:۸)۔ (اور اگر تقسیم میراث کے موقع پر رشتہ دار اور یتامی اور مساکین موجود ہوں، تو اس میں سے انہیں بھی دے دو اور ان سے بھلی بات کہو)۔ (۳) ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''إن أکرمکم عند الله أتقاکم'' (۴۹/حجرات: ۱۳)، (تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے)۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مرجع سابق ج۶، ص:۸۹۔ نیز دیکھیے: بدر محمد ''الحق فی الخصوصیۃ فی القرآن الکریم'' مؤتمر الحق فی حرمۃ الحیاۃ الخاصۃ، کلیۃ الحقوق، جامعۃ الاسکندریہ، ۱۹۷۸

ہے۔قرآن کریم کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے اہل خیر نے ایسے مخصوص اوقاف قائم کیے جو یتیموں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کی ذمہ داری لیں۔قرآن مجید نے زنا سے پیدا شدہ بچہ کو بھی بے سہارا نہیں چھوڑا، کیونکہ والدین کے جرم میں اس کی کوئی تقصیر نہیں ہے۔قرآن نے اسے ماں کے دائرہ سے مربوط کیا ہے، وہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اور اس کی ماں اس کی وارث ہوگی۔اس دائرہ میں اس کے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں۔(۶۹)

خاندانی تعلقات کو عمدہ طریقہ پر منظّم کرنے کی ایک صورت وسیع اور مشترکہ خاندان بھی ہے جو مخصوص سماجی حالات کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ وہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کی تشکیل اللہ تعالیٰ کے اوامر، تعلیمات، ہدایات اور شرعی احکام کی تعمیل میں ہوئی ہے۔وسیع مشترکہ خاندان کا مفہوم اس میں مضمر نہیں ہے کہ ایک رہائش گاہ میں زندگی گزاری جائے، بلکہ وسیع مشترکہ خاندانی تعلقات کا ایک ڈھانچہ اور ہر تعلق کے سلسلہ میں عائد ہونے والے فرائض اور حقوق کا نظام ہے۔یہی وجہ ہے کہ افراد خاندان کے درمیان مادی و معنوی توازن کے سلسلہ میں وسیع مشترکہ خاندان کی بڑی اہمیت ہے۔ لمیاء فاروقی نے وسیع مشترکہ خاندان اور نیوکلیر خاندان یا معاصر خاندان (غیر مشترکہ خاندان) کے درمیان ایک سرسری موازنہ کیا ہے۔جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان توازن کے تحفظ پر وسیع مشترکہ خاندان قادر ہے؟ اس لیے کہ وہ ایسا نظام ہے جس کی تشکیل خاندان کے افراد کے درمیان معنوی، مادی، جسمانی، جذباتی اور نفسیاتی سطح پر باہمی تعاون پر ہے۔(۷۰)

وسیع مشترکہ خاندان مختلف عمروں اور حالات میں بچوں کو مسلسل تحفظ اور تربیتی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔اس میں مختلف قسم کی شخصیات کی موجودگی کی بنا پر چھوٹوں اور بڑوں کے درمیان

۶۹- سرخسی، المبسوط، مرجع سابق، ج ۷، ص: ۱۵۴

70- Al-Faruqi, Women, Muslim Socity and Islam

باہمی خیر خواہی اور مناسب ساتھیوں کی موجودگی کی وجہ سے نفسیاتی انسیت حاصل رہتی ہے، اس کی وجہ سے مغرب نسلوں کے درمیان کشمکش کا جو مسئلہ درپیش ہے، اس کا حل نکل آتا ہے۔

متعدد مطالعات کے نتیجہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ مغربی سماج کو جو مطلق انفرادیت کنٹرول کر رہی ہے، اس صورت حال کی خطرناکی دن بدن بڑھتی ہی جارہی ہے۔ باہمی الفت ومحبت کے ساتھ مختلف نسلوں کے درمیان باہمی تعامل سے چھوٹوں اور بڑوں کو امن وامان کا احساس ہوتا ہے، نیز اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہر ممبر (فرد) دوسروں کے لیے نفع بخش اور مفید ہے۔ اس باہمی تعامل اور اس کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے اثرات سے وحدت وتنہائی کے احساس میں کمی آتی ہے، جبکہ مغربی سماج کے افراد کو وحدت کا احساس ہوتا رہتا ہے۔ اسی باہمی تعامل و برتاؤ سے بڑی عمر کے لوگوں، جیسے والدین، دادا، دادی وغیرہ میں دلچسپی لینے کے وسائل فراہم ہوتے ہیں، نیز خاندان کے افراد کے درمیان تکامل (ایک دوسرے کے ذریعہ مکمل ہونے) اور تعاون کے اسباب وجود میں آتے ہیں۔

جبکہ نیوکلیر خاندان کا وصف یہ ہے کہ اس میں قرابت کا تعلق داخل ہونے والے فریق کے بالقصد انتخاب کے عمل کے تابع ہے۔ چنانچہ ایک فرد اپنے رشتہ داروں کا خود انتخاب کرتا ہے۔ اور یہ انتخاب جذبات کے تابع ہوتا ہے، یہ خونی تعلقات کے نتیجہ میں مرتب ہونے والے اثرات نہیں ہیں، بلکہ ایسے تعلقات ہیں جو دوستی سے ملتے جلتے ہیں، جبکہ اسلامی نقطۂ نظر سے صلہ رحمی کا شمار شرعی پابندی والتزام کی حیثیت میں ہوتا ہے، جو خواہش نفس اور شخصی رجحانات کے تابع نہیں۔

قرابت کے رشتہ کی مضبوطی کی تکمیل اس سے ہوتی ہے کہ بالاتفاق باپ بیٹے کے نفقہ اور بعض مذاہب کے مطابق محتاج دادے اور پوتے کے نفقہ کے احکام کو پختہ طور پر روبہ عمل لایا جائے، مجموعی اعتبار سے قرابت کو میراث کی حقداری کا سبب قرار دیا جائے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم پر مضبوطی کے ساتھ عمل کیا جائے، صلہ رحمی کی جائے اور باہمی زیارت وملاقات

کی جائے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**لیس علی الأعمی حرج ..... الخ**" (۲۴/نور:۶۱)۔ (نابینا کے لیے حرج نہیں ہے اور نہ پاؤں سے معذور شخص کے لیے کوئی حرج ہے، نہ مریض پر کوئی مواخذہ ہے، نہ تمہارے اپنوں پر، کہ تم اپنے گھروں میں کھاؤ پیو، یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے، یا اپنی ماؤں کے گھروں سے، یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے، یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے، یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے، یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے، یا جن گھروں کی چابیوں کے تم مالک ہو اور (اسی طرح) اپنے دوستوں کے ہاں کھاؤ اور پیو، اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ مل کر کھاؤ، یا الگ الگ کھاؤ، ہاں جب گھروں میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کیا کرو، سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندگی کی مبارک اور اچھی دعا ہے۔اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکامات وضاحت سے بیان فرماتا ہے، تاکہ تم سمجھ سے کام لو)۔

یہ سارے آداب اور تعلیمات اسی عمدہ خاندانی نظام کی تکمیل ہیں، اس لیے کہ سلام کرنے، کھانے اور گفتگو کے آداب بذات خود معنوی سرمایہ ہیں جو ایک خاندان سے دوسرے خاندان کو منتقل ہونے والی انسانی میراث کے تمام مفاہیم کے حامل ہیں۔ یہ آداب ہمارے لیے زیارت اور سلام سے متعلق کلی قواعد پیش کرتے ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:"**فإذا دخلتم بیوتا .....الخ**" (۲۴/نور:۶۱)۔(جب گھروں میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کیا کرو، سلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے زندگی کی مبارک اور اچھی دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے احکامات وضاحت سے بیان فرماتا ہے، تاکہ تم سمجھ سے کام لو)۔

یہ آیت کریمہ بابرکت اور پاکیزہ زندگی کی دعا سے متعلق آداب پر مبنی ضابطہ کی حد بندی کرتی ہے، جس کے ذریعہ لوگوں کو برکت اور پاکیزگی کی دعا دی جاتی ہے اور لوگوں کے درمیان محبت عام کی جاتی ہے۔ یہ دعا مکمل ثقافتی، نفسیاتی اور تربیتی پہلوؤں کی حامل ہے، جس سے ان اہم خاندانی تعلقات کے اندرونی اور بیرونی ڈھانچہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

یہ سارے اقدار بنیادی مفاہیم ہیں جو خاندان کے استحکام واستمرار (برقرار رہنے) کے ضامن ہیں۔ یہ توحید، ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کے درمیان قرآنی آیات کے ربط سے بالکل عیاں ہے، کیونکہ رحم کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ وہ عورت کے جسم میں ایک مادی اور جاندار عضو ہے جو نوع انسانی کے تحفظ، تناسل اور افزائش نسل کی ضمانت کی بنیاد ہے، تاکہ ایک اہم ترین مقصد الٰہی یعنی آبادکاری کو وجود میں لایا جاسکے، یعنی مرد اور عورت کے درمیان تاریخی فرائض کی تقسیم کے عمل کے دائرہ میں عورت کے وظیفہ (فرض) کی حد بندی کے ذریعہ یہ مقصد پورا ہو، کیونکہ اس تقسیم میں دوبارہ انسانی پیداوار کے لیے عورت کو سماجی اور بائیولوجیکل (Biological) پہلو کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، جبکہ توالد وتناسل اور افزائش نسل کے ضابطہ کے تحفظ کی ضمانت کے لیے مرد کو معاشی پہلو کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، جس کا ہدف یہ ہے کہ اجتماعیت اور انسانی آبادی کی تشکیل نسبی اور سسرالی تعلقات کے دائرہ میں ہو، اس حیثیت سے کہ یہ تعلقات مادی مفاہیم سے نکل کر معنوی مفاہیم کی شکل اختیار کر چکے ہیں، وہ معنوی مفاہیم تقوی، عدل اور احسان کے مفاہیم ہیں تاکہ یہ تعلقات ایسے ایمانی رابطہ پر قائم ہوں جو سماج کے رشتوں کی تشکیل کرتا ہے اور اس کے عام وخاص احکام وقوانین کو مرتب کرتا ہے۔

(ج) تعدد ازدواج کے قانون کا انضباط:

اسلام میں خاندان کے ادارہ کے سایہ میں تعدد ازدواج (Polygamy) سماجی مسائل کا حل ہے جو ایسے قطعی اصول وضوابط سے مربوط ہے جس سے خاندان اور سماج کے بنیادی ستون کا تحفظ ہوتا ہے، خاص طور پر جنگوں اور قدرتی آفات کے پیش آنے کے وقت یہ بہترین حل ہے، جن کی زد کبھی سماج پر اس طرح پڑتی ہے کہ عورتیں اور بچے بے سہارا رہ جاتے ہیں۔ یتامی سے متعلق گفتگو کے دائرہ میں سورۂ نساء میں تعدد ازدواج کے بارہ میں گفتگو ہے۔ جیسا کہ حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو بیان فرمایا ہے۔ عروہ بن زبیرؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ سے پوچھا: امی! "وإن خفتم ألا تقسطوا ..... ما ملكت أيمانكم" کا کیا معنی ہے؟ (۴/نساء: ۳)۔ (اور یتیم لڑکیوں سے نکاح میں تمہیں خلاف انصاف اقدامات کے اندیشے ہیں، تو دیگر خواتین سے جو تمہیں بہتر لگیں: دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے نکاح کرلو، لیکن اگر (تعدد ازدواج میں) تمہیں عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہ کر پانے کا اندیشہ ہو، تو صرف ایک سے نکاح کرو، یا اپنی باندیوں سے (زن وشوہر کا) تعلق قائم کرو)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: اے بھانجے! یتیم لڑکی اپنے سرپرست کی تربیت میں ہوتی ہے، وہ اس کے مال و جمال کی طرف راغب ہوتا ہے، لیکن اس کا مہر کم مقرر کرنا چاہتا ہے، ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا، مگر یہ کہ ولی مہر مکمل کرنے کے سلسلے میں انصاف سے کام لے۔ ان سرپرستوں کو دوسری خواتین سے نکاح کا حکم دیا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں، اس کے بعد لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: "ويستفتونك في النساء ..... وترغبون أن تنكحوهن" (۴/نساء: ۱۲۷)۔ (یہ لوگ آپ سے خواتین کے بارے میں پوچھتے ہیں، ان سے کہیے کہ اللہ خواتین کے بارے میں تمہارے سوالات کا جواب دیتا ہے اور ہدایت کرتا ہے کہ اس کتاب میں یتیم بچیوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا اس کا پورا لحاظ رکھا جائے جن کو تم لوگ واجبی حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنا چاہتے ہو)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ یتیم لڑکی اگر مال والی ہو نیز حسن و جمال سے متصف ہو تو تم لوگ اس سے نکاح کرنے اور اس کے نسب اور مہر کی رغبت رکھتے ہو، لیکن اگر قلت مال اور قلت حسن و جمال کی وجہ سے وہ پسند نہ ہو تو تم اس کو چھوڑ دیتے ہو اور دوسری خاتون کا انتخاب کر کے اس سے نکاح کرتے ہو۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ جس طرح رغبت نہ

ہونے کی صورت میں وہ لوگ اس سے نکاح نہیں کرتے ہیں، اسی طرح رغبت ہونے کی صورت میں بھی وہ اس سے نکاح اسی وقت کر سکتے ہیں جبکہ اس کے ساتھ انصاف کریں اور مکمل مہر کا حق اسے دیں۔(۷۱)

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تعدد ازدواج (Polygamy) کی اباحت اسلام میں صرف مرد کی جنسی خواہش کی تسکین کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ ذمہ داری اور پابندی بھی ہے، یعنی سماج کی خواتین اور بچوں کے تحفظ کے لیے مرد اس ذمہ داری کو اپنے کندھوں پر لیتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے عدل وانصاف کے مفہوم پر زور دیا ہے، ارشاد الٰہی ہے: "**فإن خفتم .....الخ**" (۴/نساء: ۳)۔ (لیکن اگر (تعدد ازدواج میں) تمہیں عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہ کر پانے کا اندیشہ ہو تو صرف ایک سے نکاح کرو، یا اپنی باندیوں سے (زن وشوہر کا) تعلق قائم کرو، یہ اس کے زیادہ قریب ہے کہ تم سے بے انصافی نہ ہو)۔ اسی سورہ کے دوسرے مقام پر ہے: "**ولن تستطیعوا .....الخ**" (۴/نساء: ۱۲۹)۔ (اور تم لوگ اپنی عورتوں کے بارے میں مکمل عدل وانصاف چاہنے کے باوجود نہیں کر سکتے (متعدد بیویوں کی شکل میں انصاف بڑے جگر گردہ کا کام ہے)۔

چنانچہ تعداد کو چار بیویوں میں منحصر کر دیا گیا، نیز خاندان کے مقاصد یعنی عدل و انصاف، سکون واطمینان کی فراہمی اور تمام بیویوں اور ان کی اولاد سے محبت کو وجود میں لانے کی پابندی کا پختہ حکم دیا گیا ہے۔

۴۔ نسل اور اس کے دوام کے تحفظ پر مبنی مقصد:

علماء شریعت کا اس پر اتفاق ہے کہ نکاح کا اصلی مقصد نسل کو وجود میں لانے اور باقی رکھنے کا تحفظ ہے، یہ نکاح کی تعریف کے دوسرے جزء یعنی وطی سے مربوط ہے، یہی وجہ ہے کہ

۷۱- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۴۷۴۴

فریقین میں شہوت رکھی گئی ہے تاکہ یہ دونوں فریقوں کو حرکت دینے والی قوت بن جائے، نیز تعلقات کی تشکیل اور ذمہ داریوں کے بوجھ اٹھانے کا فطری اور قدرتی سبب بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی پیدائش کے محرک کے طور پر مرد وعورت کے اندر ماں اور باپ بننے کی فطری خواہش رکھی ہے، تاکہ روحانی، عقلی، جسمانی، فکری اور مذہبی ہر اعتبار سے اولاد کی مکمل پرورش و پرداخت، نفقہ، حضانت (ابتداء میں بچہ کی پرورش) رضاعت، ولادت اور حمل کی ساری ذمہ داریاں اٹھائی جاسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ نسل کا تحفظ صرف اس مقصد میں منحصر نہیں ہے، بلکہ اس میں پانچوں مقاصد شامل ہیں: یعنی (۱) دین (۲) جان (۳) عقل (۴) نسل (۵) مال کا تحفظ ہو، تاکہ خاندان کے ادارہ کے اندر نوع انسانی کے تحفظ کی یہ چیز ضامن بن جائے، اور یہ چیز دو بنیادی پہلوؤں کی رعایت سے وجود میں آتی ہے:

(۱) پہلا پہلو یہ ہے کہ ''روایتی نکاح'' کے نمونہ کو اختیار کر کے نسل کا تحفظ کیا جائے، اس اعتبار سے کہ مرد اور عورت کے درمیان یہی صحتمندانہ تعلق ہے، کیونکہ اس کے اندر شرعی، قانونی اور معنوی تحفظات ہیں، جن سے ''خلافت'' کے لیے مطلوب انسان کی پرورش و پرداخت کے لیے درست خاندانی فضا کی فراہمی ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسے ضابطے مستحکم کیے جائیں جن کی روشنی میں میاں بیوی کا صحیح انتخاب ہو سکے، کیونکہ اس ادارہ کی بنیاد فریقین کی طرف سے حدود اللہ کی رعایت اور تقوی پر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتخاب کے خدوخال کو واضح فرمادیا ہے، نیز مرد اور عورت کے مربوط ہونے کے اہم اسباب کو بھی واشگاف کر دیا ہے۔ البتہ دونوں صنفوں کے درمیان موجود فرق کا آپ کو احساس تھا، یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کے عمل کو خاندان کے سلسلہ میں دونوں کے فرائض سے متعلق کردار سے منسلک کیا ہے۔

لہٰذا مرد کے انتخاب کے وقت خاندان سے متعلق اس کے فرائض کے ساتھ مخصوص

پہلوؤں کی رعایت لازم ہے۔ مرد کی اہم ترین ذمہ داریاں یہ ہیں کہ مادی اور معنوی اعتبار سے وہ خاتون کی بہترین نگہداشت کر سکے اور بہ حسن وخوبی نان ونفقہ اور گھر کے انتظامات کر سکے۔ چنانچہ فاطمہ بنت قیسؓ کو تین مردوں نے پیغام دیا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ لیا تو آپ نے یہی بہترین نگہداشت اور نان ونفقہ کی ذمہ داری کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''معاویہ بخیل ہیں، ابوجہم اپنے کندھے سے ڈنڈا نہیں اتارتے ہیں (یعنی بیوی کو مارتے ہیں)، البتہ اسامہ بہترین انسان ہیں (۷۲)۔

اسامہ کے اندر وہ اوصاف تھے جو کسی خاتون اور خاندان کی سعادت اور مسرت و شادمانی کا سبب ہو سکتے ہیں۔ عورت کے انتخاب کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اولاد کی پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں اس کے فرائض سے متعلق رول اور خاندان کے ادارہ کی ذمہ داریوں کی انجام دہی پر قادر اور نیک خاتون کے انتخاب پر زور دیا ہے۔ ارشاد ہے: ''تنكح المرأة لأربع .....الخ'' (کسی خاتون سے چار اسباب کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب ونسب، حسن وجمال اور دینداری۔ اے بھلے مانس اور شریف انسان! تجھ پر افسوس ہے، دیندار خاتون کو حاصل کرلو''۔ (۷۳)

نیز فرمایا: ''اگر کوئی مرد کسی خاتون سے اس کے حسن وجمال اور مال کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو اسے اسی کے حوالہ کر دیا جاتا ہے اور اگر اس کی دینداری اور خوبی وکمال کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مال اور حسن وجمال سے بھی نواز دیتا ہے۔ (۷۴)

۷۲- نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی بشرح الحافظ السیوطی وحاشیۃ الإمام السندی، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۷۹ء، حدیث نمبر ۳۲۴۵

۷۳- ترمذی، سنن ترمذی، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۱۰۸۶

۷۴- شوکانی، محمد بن علی، نیل الأوطار، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ حلبی، ۱۳۴۷ھ، ج ۶، ص: ۱۱۵ - نیز دیکھیے: صنعانی، محمد بن اسماعیل، سبل السلام شرح فی بلوغ المرام، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ حلبی (د.ث.) ج ۳، ص: ۱۱۱

نیز فرمایا: ''احمق خاتون سے نکاح کرنے سے بچو، کیونکہ اس کی صحبت مصیبت ہے اور اس کی اولاد ضائع ہونے کے قریب ہوتی ہے (۷۵)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوع انسانی اور نسل کے تحفظ کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں: ''بہت محبت کرنے والی اور بہت زیادہ بچہ جنم دینے والی خاتون سے شادی کرو، کیونکہ میں تمہاری کثرت پر (قیامت کے دن) فخر کروں گا''۔(۷۶)

اس سے توالد وتناسل پر آمادہ کرنے اور ترغیب دینے کی اہمیت واضح ہے، کیونکہ اس کے اندر نوع انسانی کا تحفظ ہے نیز، انسانی ترقی کی بنیادوں کے ارتقاء کا فطری ذریعہ ہے، ساتھ ہی امت اور خاص طور پر مغربی ممالک میں بسنے والی مسلم اقلیات کے لیے ''خلافت'' کے لیے مطلوب انسان کی تشکیل ہے۔ جمہوری سماج میں اقلیتیں اپنے افراد کی تعداد پر اعتماد کرتی ہیں اور ملک کی عمومی سیاست اور خاص طور پر خود سے متعلق معاملات میں اثر انداز ہونے کا شعور رکھتی ہیں۔ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد کے مکمل اعداد وشمار دستیاب نہیں ہیں۔ بعض اعداد وشمار میں ان کی تعداد چھ اور آٹھ ملین کے درمیان بتائی گئی ہے جن میں افریقی اور یورپی نسلوں کے اصلی امریکی بھی ہیں، مزید برآں وہ مہاجرین بھی شامل ہیں جو عالم اسلامی اور عالم عربی کے مختلف ممالک سے ہجرت کر کے آئے ہیں، جبکہ بعض کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی تعداد تین ملین (تیس لاکھ) سے زیادہ نہیں ہے۔(۷۷)

۷۵- شوکانی، نیل الأوطار، مرجع سابق ج۶، ص: ۱۱۵، نیز دیکھیے، صنعانی، سبل السلام شرح بلوغ المرام، مرجع سابق، ج ۳، ص: ۱۱۱

۷۶- نسائی، سنن نسائی بشرح الحافظ السیوطی وحاشیۃ الإمام السندی، مرجع سابق، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۳۲۲۷

۷۷- امریکی وزارت خارجہ کے سائٹ ۲۰۰۰ء میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد چھ ملین (ساٹھ لاکھ) ہے۔ جبکہ ایک دوسری رپورٹ میں درج ہے کہ مسلمانوں کی تعداد ۴ر تا ۸ر ملین (چالیس تا اسی لاکھ) کے درمیان ہے۔ امریکہ کے بعض مسلم ماہرین کی رپورٹ میں درج ہے کہ مسلمانوں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دونوں کوتوقع ہے کہ ۲۰۰۰ء تک تعداد میں اضافہ ہوکر چھ ملین اور سات لاکھ (یعنی ۶۷ لاکھ) ہوجائے گی اور ۲۰۱۸ء تک یہ تعداد ڈبل ہوجائے گی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ امریکی مسلمانوں کی تعداد میں زبردست اضافہ کا آغاز ۱۹۶۵ء میں ہوا اور یہ اضافہ تاہنوز (اب تک) جاری ہے۔ اس کے متعدد اسباب ہیں: ایک سبب یہ ہے کہ ۱۹۶۵ء میں امریکی امیگریشن (ہجرت) کے قوانین کو آسان کیا گیا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ عالم اسلامی کے ممالک میں سیاسی اور معاشی ابتری پیدا ہوئی، نیز یہ ممالک کثرت مسائل سے دوچار ہوئے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ امریکی شرح پیدائش کے مقابلہ میں ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی شرح پیدائش میں اضافہ ہوا، مزید برآں دین اسلام کو اختیار کرنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے، کیونکہ ماہرین اور صحافی حضرات اس موضوع کو چھیڑتے ہیں کہ اسلام امریکہ میں سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔

اس اختلاف کے اپنے اسباب ہیں، کیونکہ حکومت کی طرف سے ایک مخصوص مدت کے اندر یعنی دس سال پر مذہبی اور نسلی بنیاد پر اعداد وشمار اکٹھے کرائے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی تعداد کے تناسب کو بڑھانے یا گھٹانے کے سلسلہ میں مبالغہ سے بھی کام لیا جاتا ہے۔

آبادی کے دائرہ کے پھیلاؤ کی وجہ سے بھی اعداد وشمار کی حقیقی تعداد کے سلسلہ میں اختلاف کے اسباب میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اعداد وشمار کے سلسلہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) کی تعداد ۶ر تا ۸ر ملین (ساٹھ تا اسی لاکھ) ہے۔ دیکھیے: قحف، عمار ''الأحکام الشرعیۃ الناظمۃ للعادات الاجتماعیۃ للأقلیات المسلمۃ فی أمریکا''، غیر شائع شدہ رسالہ، جامعہ اردنیہ، عمان، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۷۔ مسلمانوں کی تعداد کے بارہ میں ''عمار قحف'' کا بیان درج ذیل ہے: ''واشنگٹن میں امریکی مسلم سے وابستہ معلومات اور بحوث کے مرکز کی نگرانی اور اسکالر بایونس اور معین صدیقی کی کوشش سے ۱۹۹۷ء میں مسلمانوں کی تعداد کے سلسلہ میں سب سے جدید اور ہمہ گیر اعداد وشمار اکٹھے کرائے گئے۔ دونوں اسکالروں کا اندازہ ہے کہ شمالی امریکہ کے مسلمانوں کی تعداد ۱۹۹۷ء میں چھ ملین اور ایک لاکھ (یعنی اکسٹھ لاکھ) ہے۔

میں مخصوص تحقیقی ادارہ نہیں پایا جاتا ہے جو اس میدان میں مسلمانوں کے لیے مرجع وسورس کی تشکیل کرے۔(۷۸)

اس اختلاف کی سیاسی، معاشی اور سماجی اہمیت بھی ہے، خاص طور پر اس اختلاف کی اہمیت اس وقت مزید عیاں ہوجاتی ہے جب ہم سیاسی اعتبار سے امریکہ کی مختلف اقلیات کے عظیم مقابلہ کو سمجھ لیتے ہیں، خواہ یہ مقابلہ آرائی انتخابات کی سطح پر ہو یا مختلف حکومتی اور قانون سازی سے متعلق مناصب پر فائز ہونے کی سطح پر ہو، کیونکہ اس کی حد بندی کے سلسلہ میں ہجرت کر کے آنے والی قوم کی تعداد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔

اس سے نوع انسانی کی بقا کے لیے اور سماجی توازن کے تحفظ کی خاطر نسل کے تحفظ کے مقصد کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے۔ یہی چیز ہے جس پر نسل کے تحفظ کے مقصد کے ضمن میں خاندان کے موضوع کو چھیڑتے وقت علماء مقاصد نے بھی زور دیا ہے۔ نیز اصولیین کے نزدیک روایتی ضروریات کی تقسیم کے محاور میں سے یہ ایک اہم محور ہے۔ اصولیین نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نکاح کا بنیادی مقصد وجود میں لانے اور باقی رکھنے کے اعتبار سے نسل کا تحفظ ہے، اس لیے کہ فریقین میں شہوت اسی وجہ سے رکھی گئی ہے کہ یہ دونوں فریق کے لیے محرک قوت بن جائے۔ نیز تعلقات کی تشکیل اور ذمہ داریوں کے بوجھ اٹھانے کے سلسلہ میں یہ فطری وقدرتی سبب ہوجائے۔

اللہ تعالیٰ نے والدین کے اندر ماں باپ بننے کی فطری رغبت اسی لیے رکھی ہے کہ بچہ کی پیدائش ہو اور کامل مفہوم میں حمل، ولادت، رضاعت، حضانت (پرورش)، نان ونفقہ اور تربیت سے مربوط ساری ذمہ داریاں اٹھائی جاسکیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحفظ نسل کو نکاح کے اہم ترین فوائد یا مقاصد کی

۷۸- مرجع سابق، نیز ۲۰۰۰ء اور اس کے بعد کے سال میں امریکہ میں مساجد سے متعلق ''امریکی اسلامی تعلقات کی مجلس (کیر) کی رپورٹوں میں وارد معلومات

حیثیت سے شمار کیا ہے۔اور بنیادی مقصد اولاد کی تحصیل قرار دیا ہے۔ نیز شیطان سے تحفظ، جنسی خواہش کی تسکین، شہوت کی ہولنا کیوں کا ازالہ، نگاہ نیچی رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کو بھی مقاصد قرار دیا ہے(۷۹)۔

دوسرے اصولیین نے بھی امام غزالیؒ کی موافقت کی ہے اور تحصیل اولاد کو بنیادی مقصد قرار دیا ہے اور باقی فوائد کو ضمنی مقاصد قرار دیا ہے۔(۸۰)

بنیادی اور ضمنی مقاصد کی تشریح کے دائرہ میں امام شاطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس کی مثال نکاح ہے، کیونکہ اس کی مشروعیت کا بنیادی اور پہلا مقصد اولاد کی پیدائش ہے، اس کے بعد دوسرے مقاصد ہیں، جیسے: سکون حاصل کرنا، باہمی ربط اور دنیوی اور اخروی مصالح کے سلسلہ میں تعاون یعنی حلال سے لطف اندوز ہونا، عورتوں کے اندر اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ حسن و جمال پر نگاہ ڈالنا عورت کے مال سے معاشی خوش حالی حاصل کرنا، نیز عورت کا شوہر اور اولاد کے معاملات انجام دینا۔(۸۱)

اسلام کے اندر حقوق و ذمہ داریوں کا نظام اپنے فلسفہ اور اہداف و مقاصد کے اعتبار سے مغربی نقطۂ نظر سے مختلف ہے۔اس نظام کا تعلق اس بات سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مکرم و معزز بنایا ہے، نیز وہ اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور امانت و استخلاف (خلیفہ بنائے جانے) کے مفہوم سے مربوط ہے۔(واضح رہے کہ) لغوی اعتبار سے ''حق'' اور ''واجب'' کے مفہوم میں تداخل ہے۔ ''واجب'' وجوب و ثبوت کے مفہوم میں ہے۔کہا جاتا ہے: ''وجب الشیٔ وجوبا'' یعنی لازم ہونا۔ ''حق'' بھی لغوی اعتبار سے ثبوت و وجوب کے تصور سے ماخوذ ہے۔ارشاد الٰہی ہے: ''ولکن

۷۹- غزالی، احیاء علوم الدین، مرجع سابق ج ۲، ص: ۲۷-۴۰

۸۰- عطیۃ، نحو تفعیل مقاصد الشریعۃ، سابقہ حوالہ، ص ۱۳۲-۱۳۳

۸۱- شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، مرجع سابق، ج ۲، ص: ۳۹۶

حقت ..... الخ" (۳۹/زمر:۷۱)،(لیکن کافروں پر عذاب کا فرمان جاری ہو چکا ہوگا) یعنی ثابت ولازم ہو چکا ہوگا۔کہا جاتا ہے:"یحق علیک أن تفعل کذا" (یعنی تم پر ایسا کرنا لازم ہے)۔عرب بولتے ہیں:"حققت علیہ القضاء" (یعنی میں نے اس پر فیصلہ کو لازم کر دیا)، نیز بولا جاتا ہے:"أحققت الشئ" (یعنی میں نے فلاں چیز لازم کر دی)۔(۸۲)

اصطلاح میں حق کی تعریف یہ ہے کہ:" ہر وہ چیز جو شرعی اعتبار سے ثابت شدہ ہو یعنی شارع کے فیصلہ اور ثابت کرنے سے ثابت شدہ ہو اور یہ اس کے تحفظ کا سبب ہو۔

واجب کے قاعدہ کی خصوصیت صرف اس میں منحصر نہیں ہے کہ تکلیف و پابندی کے بوجھ میں تخفیف ہو اور انسانی شخصیت کی قدر و قیمت کا تحفظ ہو، وہ محض آلہ نہ بن جائے اور انفرادی ارادہ سے متعلق دو متصادم رجحانات یعنی موافقت اور پہل کی ہماری ڈبل ضرورت سے منسلک معقول اور عادلانہ تسکین ہی صرف اسے فراہم نہ کی جائے، بلکہ سماجی سطح پر بھی واجب کے قاعدہ کی بڑی اہمیت ہے۔اسی وجہ سے قرآن کریم نے ملتے جلتے دائرہ کو اس حیثیت سے وجود بخشا ہے جو جماعت کے تمام افراد کے درمیان مشترکہ اخلاقی دائرہ کی تشکیل کے لیے کافی ہے۔ساتھ ہی اس میں اتنا تنوع ہے کہ اس کے اندر اقدار کے بہت سے درجات آجاتے ہیں۔کامیابی کے اہم ترین محرکات کا راز یہ ہے کہ تمام قواعد یا اکثر قواعد کے اندر دو چیزیں شامل ہیں: (۱) واجب کی ادائیگی (۲) بھلائی کو وجود میں لانا۔مناسب ترین الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ان سے بنیادی ذمہ داری اور کمال پر مبنی ذمہ داری دونوں کی ادائیگی ہوتی ہے۔بنیادی ذمہ داری کے سلسلہ میں قرآن مجید سختی کرتا ہے اور کسی طرح کی نرمی اور بھاؤ تاؤ کو قبول نہیں کرتا ہے، جبکہ کمال پر مبنی ذمہ داری میں قطعیت حوصلہ افزائی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔(۸۳)

۸۲- اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مرجع سابق، ص:۱۲۵

۸۳- شاطبی، الموافقات، مرجع سابق، ص:۱۰۰ اور بعد کے صفحات۔نیز دیکھیے: دراز،" دستور الأخلاق فی القرآن: دراسۃ مقارنۃ للأخلاق النظریۃ فی القرآن مرجع سابق، ص:۸۷ اور بعد کے صفحات

یہی وجہ ہے کہ ''حقوق اور فرائض کے نظام'' سے ایک ایسے ضابطہ کی تشکیل ہوتی ہے جو کلی شکل میں انسانی تعلقات کے نظام کے استحکام کا ضامن ہے، جس سے بذات خود انسانی عالمی پہلو پیدا ہوتا ہے جس میں انسانوں کے درمیان جزئی اختلافات سے کوئی تفریق جنم نہیں لیتی ہے، خواہ اختلاف کا تعلق رنگ سے ہو یا اختلاف کا تعلق قوم سے یا نسل سے ہو یا کسی گروہ سے ہو۔ اس کی وجہ سے اسلامی نظام دیگر وضعی آسمانی نظاموں سے ممتاز ہے۔ اسلام میں حقوق کا نظام متوازن اور متکامل طریقہ پر فرائض اور ذمہ داریوں کے نظام کے ساتھ پیوست ہے، چنانچہ ایک نظام دوسرے نظام پر کوئی زیادتی نہیں کرتا ہے، بلکہ اس پر وہی احکام منطبق ہیں جو اسلام میں اقدار و مفاہیم کے نظام پر منطبق ہیں۔(۸۴)

جو اولاد کا حق ہے وہ والدین پر واجب ہے اور جو بیوی کا حق ہے وہ شوہر پر واجب ہے، جو کہ ایک ایسا حق ہے جو ساقط کیے جانے، صلح کیے جانے یا بری کیے جانے کے قابل نہیں ہے، فرد یا جماعت کا حق نہیں ہے کہ اس سے دستبردار ہو جائے یا اس کے بعض حصہ سے دستبردار ہو جائے یعنی واجبات کا جو مفہوم ہے اور اس کے اندر التزام، پابندی، ذمہ داری اور امانت کے جو مفاہیم ہیں، ان سے کوئی دست کش نہیں ہو سکتا ہے۔

۵- بھلائی کے ساتھ رخصت کر دینے پر مبنی مقصد:

اسلام نے طلاق کو مباح قرار دیا ہے، لیکن اسے اللہ کے نزدیک حلال اشیاء میں سب سے مبغوض قرار دیا گیا ہے، کیونکہ میاں بیوی کے درمیان اصلاح اور صلح کے تمام وسائل ختم ہونے کے بعد یہی آخری حل ہے، تاکہ انتشار اور بکھراؤ سے خاندان کے ادارہ کو بچایا جا سکے۔ اسلام میں طلاق کا نظام توحیدی نقطۂ نظر سے برآمد ہوتا ہے جو انفرادی و جماعتی اور مادی و معنوی پہلو کے

۸۴- عارف، نظریات التنمیۃ السیاسیۃ المعاصرۃ، مرجع سابق، ص:۲۴۹ اور بعد کے صفحات

درمیان توازن پر اس طرح قائم ہے کہ اس سے شرعی احکام کو قطعیت، وضاحت اور عمدگی حاصل ہوتی ہے، نیز مختلف حالات کے ساتھ ہم آہنگی کی قدرت اور لچک بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ اسی طرح طلاق کا نظام ایسے اقدار پر مبنی نظام پر قائم ہے جو اپنے داخلی و خارجی نظام کے ساتھ شرعی احکام سے ہم آہنگ ہے، جس کے ذریعہ اسے احکام کے اندر موجود قانونی آلات کے درمیان توازن اور تکامل کی قدرت حاصل ہوجاتی ہے، نیز اقدار پر مبنی نظام سے حاصل حکم کی روح بھی اس میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

ان تمام پہلوؤں کے درمیان قائم توازن میں کسی طرح کے خلل کا نتیجہ یا تو افراط کی شکل میں یا تو تفریط کی شکل میں ظاہر ہوگا، جس کی وجہ سے اس حکم سے مطلوب شرعی مقاصد باقی نہیں رہیں گے۔ اس طرح طلاق کا نظام میاں بیوی کے حدود اللہ قائم رکھنے پر قادر نہ ہونے کی صورت میں خاندان کے ادارہ کو ختم کرنے کے لیے پُر امن راہ ہے۔ بھلائی کے ساتھ رخصت کر دینے پر مبنی مقصد کو وجود میں لانے کے عمل سے نسبی اور سسرالی رشتے باقی رہیں گے اور شادی کے تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تعلقات محفوظ رہیں گے۔ اگرچہ میاں بیوی کے درمیان یہ رشتہ قائم نہ رہ سکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس شادی کی وجہ سے قائم ہونے والے انسانی تعلقات کے سلسلہ میں اسلام میں کسی طرح کی تفریط سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی رو سے جدائی بھلے طریقہ سے ہونی چاہئے۔ اسلام میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ طلاق دینے والے مرد اور طلاق یافتہ عورت کے لیے ایسے مواقع موجود ہیں جہاں وہ دونوں مثبت طور پر اپنے سابقہ تجربہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں تاکہ دو نئے خاندان کی تشکیل ہو سکے جن میں دونوں اپنے لیے ایسے رفیق حیات کا انتخاب کر سکیں جو حدود اللہ کی رعایت کرے۔ اسی طرح دوسرے انسانی تعلقات کے میدان کھلے رہتے ہیں، جن سے تعلقات کے دائرہ کو وسعت ملتی ہے۔

پھر بھی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمام مسلمان قرآن کریم کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل پیرا ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ بلکہ موجودہ دور میں عملی سرگرمی تعلیمات وحی سے الگ ہے۔

طلاق کا مفہوم یہ ہے کہ نکاح کے بندھن سے عورت کو آزاد کر دیا جائے۔ یہی سلامتی کے ساتھ نزاع ختم کرنے میں مدد دینے والی راہ ہے۔ نیز کم سے کم نقصانات کے ذریعہ میاں بیوی کے درمیان قائم خاندانی ادارہ کو ختم کرنے کا راستہ ہے۔ اس راستہ کو حدود اللہ قائم رکھنے اور معاشرت کے برقرار رہنے کے محال ہونے کی حالت میں خاندان کے تمام افراد کے تحفظ کے لیے وضع کردہ احکام وقوانین کے ساتھ اختیار کیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: " و إن يتفرقا .....الخ" (۴/نساء: ۱۳۰)۔ (اور اگر میاں بیوی جدائی کا فیصلہ کریں، تو اللہ تعالیٰ اپنے وسیع خزانوں سے دونوں کو (ایک دوسرے سے) مستغنی کر دے گا (ان کی ضرورتیں پوری کر دے گا) اور اللہ بڑی وسعت والا اور بڑی حکمتوں والا ہے)۔

اسلام میں طلاق کے نظام کا شمار لوگوں کے درمیان ہونے والے اختلافات کو ختم کرنے کے سلسلہ میں ممتاز نمونہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ (۸۵)

اسلام میں طلاق کے نظام کے احکام کے ذریعہ مختلف سطحوں پر پُر امن طریقہ پر نزاعات کے حل کے سلسلہ میں اہم پہلوؤں کو معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں طلاق کا نظام عفو و

۸۵- اس سلسلہ میں احمد محمد شاکر کی کتاب "نظام الطلاق فی الإسلام" کا مطالعہ مفید ہے، اس میں انہوں نے عدالت اور دار الافتاء کے اندر سماج کے مسائل کے حل کے سلسلہ میں اپنے تجربہ کا ماحصل درج کیا ہے۔ اس میں مسائل طلاق کے باب میں متعدد مفتی اور قاضی کے تشدد کا بھی ذکر ہے جس سے احکام کے شرعی مقاصد باقی نہیں رہتے ہیں۔ اور یہ احکام طوق اور بیڑیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یا ایسی تفریط کی جاتی ہے کہ شارع کی طرف سے نظام طلاق کے لیے مقرر کردہ توازن ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی، اس پر شیخ محمد حامد فقی کا مقدمہ ہے۔

درگزر، احسان و بھلائی، اصلاح اور معروف و نیکی وغیرہ کے اصول پر قائم ہے، تاکہ سلامتی کے ساتھ تعلق ختم کیا جاسکے۔

امام علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''طلاق کی مشروعیت مصلحت کی وجہ سے ہوئی ہے، اس لیے کہ کبھی میاں بیوی کے اخلاق میں (سخت) اختلاف ہوجاتا ہے۔ اور اخلاق میں (سخت) اختلاف کے وقت نکاح مصلحت نہیں رہ جاتا ہے، کیونکہ وہ مقاصد کے وجود میں آنے کا ذریعہ نہیں رہ جاتا ہے، یعنی نکاح کے مقاصد وجود میں لانے کا ذریعہ نہیں رہ جاتا ہے اور طلاق کی مصلحت غالب آجاتی ہے، تاکہ مرد اور عورت میں سے ہر ایک ایسے جوڑے تک پہنچ سکے جو اس کے لیے سازگار ہو اور اس سے نکاح کے مصالح حاصل کرسکے''۔(۸۶)

اللہ تعالیٰ کے اوامر و احکامات کی رعایت اور حدود اللہ قائم رکھنے کی بنیاد پر خاندان کے ادارہ کی تشکیل کی خاطر میاں بیوی کے درمیان باہمی اتفاق کی بنا پر شادی کا تعلق قائم ہوتا ہے۔ اور یہ تعلق حدود اللہ قائم رکھنے کے لیے ہی ختم ہوتا ہے۔ لہٰذا شوہر کو غصہ یا سرکشی و ہٹ دھرمی کے بغیر طلاق دینے کا فیصلہ کرنا چاہئے، کیونکہ طلاق کی آیتوں میں جس طرح ''حدود اللہ قائم رکھنے'' کی بات مکرر آئی ہے اس طرح کسی دوسرے باب میں نہیں آئی ہے۔ اس سے قطعی و پختہ انداز میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ طلاق کا نظام احکامات الٰہی سے مربوط ہے، کسی کو اس سے کھلواڑ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''حدود اللہ قائم رکھنے'' کے باہمی اتفاق کو میاں بیوی کے لیے برقرار رکھنا دشوار ہو تو شریعت نے اس حالت میں اس تعلق کے تحفظ اور سلامتی کے ساتھ ادارہ کو ختم کرنے کے لیے متعدد احکام وضع کیے ہیں، تاکہ ختم کرنے کی کاروائیوں میں منفی احساسات پیدا نہ ہوں، جن کا اثر سسرالی رشتے اور تعلقات کے ڈھانچہ پر پڑے۔ شریعت اپنے احکام کے ذریعہ مثبت طریقہ پر تعلق کا تحفظ چاہتی ہے، نیز یہ چاہتی ہے کہ ''زوجیت'' کی شکل

۸۶- کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مرجع سابق، ج:۳، ص:۱۱۲

دوسری شکل میں تبدیل ہوجائے، جیسے: اگر اولاد موجود ہوں تو ولدیت کا تعلق قائم رہے۔ طلاق دینے والے مرد اور طلاق یافتہ عورت کے درمیان تعلق اور خاص طور سے دونوں کی اولاد ہونے کی صورت میں تعلق کے خدوخال کو بھی قرآن کریم نے واضح کیا ہے جس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ سابقہ ازدواجی تعلق رفاقت وغیرہ کے تعلق میں بدل جائے، یعنی ''ولا تنسو الفضل بینکم'' (۲/بقرہ: ۲۳۷)۔ (اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اور خوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا چاہئے) کے قاعدہ کی روشنی میں دونوں کے درمیان احترام پر مبنی پُر امن تعلق قائم رہے۔ چنانچہ اسلام میں طلاق کا نظام ایسے قواعد اور احکام کے تابع ہے جس سے ضروری، حاجی یا تحسینی مصالح وجود میں آتے ہیں۔ لیکن موجودہ صورت حال قرآنی تعلیمات سے مختلف ہے، کیونکہ جیسے ہی طلاق ہوتی ہے یا میاں بیوی کے درمیان شقاق کی فضا قائم ہوتی ہے تو دونوں کے درمیان کا تعلق سخت جنگ میں تبدیل ہوجاتا ہے، جس میں قرآن کریم کے بیان کردہ متعدد اقدار: فضل، احسان اور معروف و بھلائی باقی نہیں رہتے ہیں۔

طلاق کے موضوع پر اپنے جاری کردہ قوانین میں امریکی عدالتیں بھی اس مقصد کو وجود میں لانا چاہتی ہیں۔ طلاق کے مسئلہ میں ضروریات کے دائرہ میں شمار ہونے والے اہم ترین مقاصد یہ ہیں:

(۱) ظلم کو روکنا (۲) سلامتی اور ہمدردی کے ساتھ نہ کہ کینہ ونفرت کے ساتھ، تعلق کو ختم کرنے کے لیے عدل وانصاف کو وجود میں لانا۔

چنانچہ اہل ایمان مردوں اور عورتوں کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کے تعلق کے تحفظ پر مبنی مقصد شارع کے تصرفات کے اندر ہر تعلق کے سلسلہ میں خاص طور سے طلاق کے بارے میں وارد ہے۔ اس لیے کہ طلاق منفی احساسات پیدا کرسکتی ہے جس کا نتیجہ عداوت ودشمنی اور نفرت ہوسکتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کے اندر سلامتی کے ساتھ طلاق کے تجربہ سے باہر آنے کے لیے عدل وانصاف قائم رکھنے میں مدد دینے والے وسائل متعین کیے گئے ہیں۔ اس مقصد کو وجود میں لانے کے لیے اہم ترین وسائل عقد طلاق کو پختہ کرنا اور اس پر گواہ بنالینا ہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ ''عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے پھر اس سے ہمبستری کرلیتا ہے اور اس کی طلاق اور رجعت پر گواہ نہیں بناتا ہے۔ حضرت عمران نے جواب دیا: اس شخص نے سنت کے مطابق طلاق نہیں دی اور نہ ہی سنت کے مطابق رجعت کی۔ اسے چاہئے کہ بیوی کی طلاق اور رجعت پر گواہ بنالے''۔(۸۷)

اسی طرح ہر فریق کے فرائض وذمہ داریوں اور حقوق کو مکمل طور پر واضح کرنا بھی لازم ہے، تاکہ اس پیچیدہ درجہ بندی کے اندر اولاد، بیوی یا مرد پر ظلم نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے انتہائی واضح طریقہ پر ہر مسئلہ کی حد بندی کا اہتمام کیا ہے، چنانچہ قرآن میں طلاق کی تعداد کا تعین فرما دیا گیا ہے، طلاق کا لفظ زبان سے نکالنے کی حالت، طلاق کے وقوع کے وقت، طلاق کی قسموں، مطلقہ کی عدت اور اس کے مقاصد اور معاملہ کے ہر فریق کے کندھے پر عائد ہونے والی مادی ومعنوی ذمہ داریوں اور حقوق کے سلسلہ میں انسان کی نفسیاتی اور ذہنی حالت کی رعایت کی گئی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس نے ہر اس فریق کو جو خاندان کے ادارہ کو ختم کرنے کی پہل کرتا ہے خواہ شوہر یا بیوی، طلاق کی مادی ذمہ داریوں کا پابند کیا ہے، مزید برآں اسے دوسرے ضوابط کے التزام کا بھی پابند کیا گیا ہے، جیسے: جدائی کا بنیادی سبب ''حدود اللہ قائم رکھنے'' کی قدرت نہ ہو۔ اس کی فریقین کے نزدیک مختلف شکلیں ہوسکتی ہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان عدل وانصاف کے تحفظ کے لیے مادی پہلو کو منظّم کرنے کا بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہتمام کیا ہے، تاکہ کوئی فریق دوسرے پر کوئی زیادتی نہ کرے، کیونکہ ظلم

۸۷- قزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد عبدالباقی، قاہرہ، عیسی حلبی، کتاب الطلاق، ۱۹۸۳ء، حدیث نمبر ۲۰۱۵

ان نمایاں محرکات وعوامل میں سے ہے جو کینہ و کپٹ کو ابھارتے ہیں۔ فرمان الٰہی ہے: ''لاتخرجوھن من بیوتھن .....الخ'' (۶۵/طلاق:۱)۔(عدت کی مدت میں) ان (مطلقہ) عورتوں کو گھر سے باہر نہیں نکالنا چاہئے اور نہ انہیں ہی نکلنا چاہئے)۔

نیز ارشاد الٰہی ہے:''أسکنوھن .....الخ'' (۶۵/طلاق:۶-۷)۔(ان (مطلقہ) عورتوں کے قیام کا اپنی حیثیت کے مطابق وہاں انتظام کردو، جہاں تم رہتے ہو اور انہیں دق نہ کرو، ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر بے جا تنگی کرنے لگو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو جب تک وضع حمل کے مرحلہ سے نہ گزر جائیں ان پر خرچ کرتے رہو اور وہ تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو، اور اچھے طریقہ پر آپس میں مشورہ کرتے رہو اور اگر تم تنگی کا رویہ اختیار کرتے ہو، تو کوئی دوسری عورت بچوں کو دودھ پلائے۔ وسعت رکھنے والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور جس پر رزق کی تنگی ہو تو وہ اللہ نے اسے جو کچھ بھی دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ ہر شخص کو اسی کا مکلّف کرتا ہے جو اس کو دے رکھا ہے اور آئندہ اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کردے گا)۔

اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے نسبی وسسرالی رشتہ کے تحفظ کی خاطر تمام فریق: میاں، بیوی اور اولاد کی رعایت کی ہے، نفقہ، حضانت (پرورش) اور رضاعت (دودھ پلانے) کے احکام کا تعین فرمادیا ہے۔ نیز متعلقہ مسائل کے حل کے لیے میاں بیوی کے درمیان باہمی مشورہ کو مثبت طریقہ قرار دیا ہے، تاکہ کم سے کم خسارہ ونقصانات کے ساتھ نکاح کا ادارہ ختم ہو۔ ان سب کے باوجود اسلام میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک طلاق کو حلال اشیاء میں سب سے مبغوض اور آخری حل قرار دیا گیا ہے۔

طلاق کی کاروائیوں اور اسے واقع کرنے کے سلسلہ میں ظلم سے باز رکھنے اور عدل و انصاف کو وجود میں لانے کی خاطر خاندان سے وابستہ یہ عظیم مقصد واضح ہے، جیسا کہ سورۂ طلاق کی آیتوں کے اخیر میں وارد ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی واضح کردہ آیتوں کی مخالفت

کرنے والوں کو دھمکی دی ہے اور ان بستیوں کی تباہی یاد دلائی ہے جنہوں نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کی اور ظلم کی روش اختیار کی تو ان کا سخت محاسبہ کیا گیا، تاکہ اس سیاق میں نہ صرف میاں بیوی کو بلکہ اہل ایمان جماعت کو کسی فریق پر ظلم کرنے سے خبردار کیا جائے اور متنبہ کر دیا جائے کہ ظلم کی انواع میں سے کسی قسم کے ظلم کا رونما ہونا مداخلت، ظلم کو روکنے اور عدل وانصاف کو ثابت کرنے کے لیے امر بالمعروف کا متقاضی ہے۔(۸۸)

احکام شریعت میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ عورت کے حق کے تحفظ اور عدل وانصاف کو وجود میں لانے کے لیے متعدد ضابطے مقرر کیے گئے ہیں ''طلاق سنت'' کو مشروع قرار دیا گیا ہے اور ''طلاق بدعی'' کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ''طلاق سنت'' یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے طہر (پاکی کی مدت) میں ایک طلاق دے جس میں اس سے ہمبستر نہ ہوا ہو اور نہ اس سے پہلے حالت حیض (ماہواری) میں صحبت کی ہو اور نہ ہی حالت حیض میں طلاق دی ہو)، نیز ایک طہر میں صرف ایک رجعی طلاق دے اور اسے چھوڑ رکھے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔(۸۹)

قرآن کریم میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی واضح فرمایا ہے کہ طلاق دینے کے لیے بیوی کا حالت طہر (پاکی) میں ہونا ضروری ہے، نیز اس سے ملتے جلتے دیگر امور کو بھی واضح فرمایا ہے۔(۹۰)

۸۸- دیکھیے: سورۂ طلاق: آیت نمبر: ۸-۱۲

۸۹- طلاق سنت کی تعریف اور اہل علم کے اقوال کے لیے ''مجموع فتاوی ابن تیمیہ'' نیز مختلف اسلامی مذاہب کے بارے میں ''فقہی موسوعات'' دیکھیے

۹۰- عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طلاق دی۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اسے حکم دو کہ بیوی سے رجعت کر لے (دوبارہ نکاح میں لوٹا لے) پھر اسے روکے رکھے یہاں تک کہ وہ پاس ہو جائے، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

قرآن کریم نے طلاق کی قسموں کو، نیز اگر ہمبستری کے بعد طلاق ہو تو شوہر پر بیوی کے مادی و معنوی حقوق کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "**الطلاق مرتان .....الخ**" (۲/بقرہ:۲۲۹)۔ (طلاق دو مرتبہ ہی ہونا چاہئے (زیادہ سے زیادہ) اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ پر بیوی کو روک رکھا جائے، یا حسن سلوک کے ساتھ آزادی دے دی جائے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس طلب کرو)۔

اگر طلاق مہر پر اتفاق کے بعد اور ہمبستری سے پہلے ہو تو اس کا حکم فرمان باری تعالیٰ میں ہے: "**و إن طلقتموهن ..... الخ**" (۲/بقرہ:۲۳۷)۔ (اور اگر ان کو خلوت و صحبت سے پہلے طلاق دے دی اور ان کے لیے مہر کا تعین کر دیا تھا، تو طے کردہ مہر میں سے نصف ادا کرنا ہوگا، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی باگ ڈور ہے وہ اور بڑھا کر دے اور تم بڑھا کر دو یہ بات تقوی سے زیادہ قریب ہیا اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اور خوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے)۔

اگر مہر متعین کرنے سے پہلے طلاق ہوئی ہو (یعنی صرف پیغام دینے اور نکاح ہونے کے بعد طلاق ہوئی ہو اور نکاح کے وقت مہر متعین نہ کیا گیا ہو تو حکم کی تفصیل ارشاد الٰہی میں ہے: "**لاجناح علیکم .....الخ**" (۲/بقرہ:۲۳۶)۔ (اس میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں کہ عورتوں کو قبل اس کے کہ ہاتھ لگاؤ (یعنی خلوت ہو اور تعلق ہو) اور قبل اس کے کہ ان کا مہر مقرر کرو۔ طلاق دے دو (اگر طلاق کی ضرورت پیش آ ہی جائے) اس حالت میں ان کو سامان دے کر (رخصت کرو) خوشحال شخص پر اس کے بقدر اور اس کے معیار سے سامان دینے کی ذمہ داری ہے اور تنگ دست

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) پھر اسے حیض آئے پھر پاک ہو جائے، اس کے بعد اگر چاہے تو روکے رکھے، اور اگر چاہے تو ہمبستر ہونے سے پہلے طلاق دے دے، سو یہی وہ عدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے خواتین کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ دیکھیے: بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر ۴۸۵۰

پر اپنی قدرت بھر ذمہ داری ہے، سامان عرف کے مطابق اچھے طریقہ پر ہونا چاہئے، یہ اچھے لوگوں پر ایک حق ہے (جس کو انہیں ادا کرنا ہے)۔

حدیث پاک میں طلاق بدعی کی ممانعت وارد ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارہ میں دریافت کیا، آپ نے جواب دیا، اسے حکم دو کہ بیوی سے رجعت کرلے (دوبارہ اپنے نکاح میں لوٹالے) پھر اسے روکے رکھے، یہاں تک کہ وہ پاک ہوجائے، پھر اسے حیض آئے پھر وہ پاک ہوجائے، اس کے بعد اگر بیوی کو روکنا چاہے تو روک لے اور اگر ہمبستر ہونے سے پہلے طلاق دینا چاہے تو طلاق دے دے، یہی وہ مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے''۔(۹۱)

''طلاق بدعی'' کے واقع ہونے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''طلاق بدعی'' کے واقع نہ ہونے کو ترجیح دی ہے۔ جس بیوی سے صحبت ہوچکی ہے اسے صرف ایک رجعی طلاق ہی پڑے گی، حالت حیض میں طلاق نہیں پڑے گی، نیز اس طہر (پاکی) کی حالت میں بھی طلاق نہیں پڑے گی جس میں عورت سے صحبت کرچکا ہو، یا اس سے پہلے حیض میں صحبت کرچکا ہو۔(۹۲)

اسلام میں اس بات کی دلیل ہے کہ طلاق کے مرحلہ میں اسلام کے اندر نفسیاتی پہلو کی زبردست رعایت کی گئی ہے۔ نیز طلاق کے مرحلہ میں پیدا ہونے والے منفی جذبات واحساسات پر بھی نظر رکھی گئی ہے اور ان کو مثبت اور تعمیری رخ دیا گیا ہے۔

۹۱- عسقلانی، ابن حجر، صحیح البخاری بشرح فتح الباری، بیروت، دارالفکر (د.ت)، ج۹ ص: ۳۴۵-۳۴۶

۹۲- زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق ج۷، ص: ۴۱۸-۴۲۲، نیز دیکھیے: ابو زہرہ، محمد، الأحوال الشخصیۃ'' قاہرہ، دارالفکر العربی، ط: ۳ (د.ت)، ص: ۲۸۸

قرآن کریم نے طلاق کے نظام کے ذریعہ نزاع کے حالات سے نمٹنے کے سلسلہ میں اسلامی نمونہ کی تجاویز پیش کی ہیں۔ یہ ایسی تجویزیں ہیں جن کا بنیادی مقصد باہم جھگڑنے والے فریق کے درمیان عفوودرگزر کے درجہ تک پہنچنا ہے، نیز مثبت طریقے سے (جھگڑوں سے) نمٹنے تک رسائی ہے۔

ان تجاویز میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمانی رابطہ کو مضبوط کیا جائے اور فریقین کے اندر خشیت الٰہی اور تقوی کے اوصاف میں اضافہ کیا جائے۔ ارشاد الٰہی ہے: ".....**ذلکم یوعظ به .....الخ**" (۶۵/طلاق:۲-۵)۔ (پھر جب ان کی عدت پوری ہونے والی ہو تو یا تو انہیں بہتر طریقہ پر روک رکھو (یعنی ان سے رجوع کرلو) یا مناسب طریقہ پر ان کو علیحدہ کردو، اور اپنے میں سے دو دیانتدار اور امانت دار افراد کو گواہ بنالو اور گواہی اللہ کے لیے صحیح ہونی چاہئے، اس کی نصیحت ہر اس شخص کو کی جارہی ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو بھی احکام الٰہی کا پاس ولحاظ کرے گا، اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کے راستے پیدا کردے گا۔ اور اس کو بے سان وگمان نواز دے گا اور جو بھی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کی کفایت کرتا ہے (اس کی ضرورتیں پوری فرمادیتا ہے)۔ اللہ کا جو فیصلہ ہوتا ہے وہ اس کو پورا فرماتا ہے، اس نے ہر چیز کا ایک نظام بنا رکھا ہے جو تمہاری عورتیں ایام ماہواری سے مایوس ہوچکی ہیں، اگر تمہیں کچھ شک وشبہ نہ ہو تو بہرحال ان کی عدت تین مہینے ہوگی اور یہی عدت ان کی بھی ہوگی جن کو ابھی ماہواری شروع نہیں ہوئی اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے (یعنی بچہ جن لینے سے ان کی عدت پوری ہوجائے گی)۔ اور جو اللہ کے احکام پر عمل کرے گا، اللہ اس کے معاملات میں آسانی پیدا فرمائے گا۔ یہ حکم الٰہی ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ کا خوف رکھتا ہے، اللہ اس کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور بڑے اجر سے نوازتا ہے)۔

مزید برآں معروف واحسان جیسے مفاہیم پر مبنی نظام کے ذریعہ منضبط رکھنے والے

قواعد کی تعمیر وتشکیل بھی کی گئی ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:''**فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان**'' (۲/بقرہ:۲۲۹)۔(اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ پر بیوی کو روک رکھا جائے، یا حسن سلوک کے ساتھ آزادی دے دی جائے)۔

نیز جھگڑے کی شدت میں فریقین کے درمیان سنہرے اوقات کو یاد رکھنے پر زور دے کر کمی کی گئی ہے جو''فضل'' کے مفہوم میں عیاں ہے۔ارشاد الٰہی ہے:''**ولاتنسوا الفضل بینکم**''(۲/بقرہ:۲۳۷)۔(اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اور خوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا چاہئے)۔جو غضب کی شدت میں کمی لانے کا سبب ہے، پھر اس کے ذریعہ معافی تک رسائی ہوجاتی ہے۔ارشاد الٰہی ہے:'' **وأن تعفوا أقرب للتقوی**'' (۲/بقرہ:۲۳۷)۔(اور معاف کردینا تقوی سے زیادہ قریب ہے)۔

طلاق کی آیتوں کے دوران نماز کے بارہ میں گفتگو کرکے قرآن کریم نے منفی جذبات واحساسات کو منضبط رکھنے اور ان کی بہترین نگرانی کرنے کا ذریعہ نماز کو قرار دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:''**حفظوا علی الصلوات .....الخ**'' (۲/بقرہ:۲۳۸)۔(نمازوں کی پوری پابندی کرو، اور خاص طور پر درمیانی نماز (عصر) کی اور نماز اللہ کے لیے خشوع وخضوع سے پڑھا کرو)۔

اس کے بعد حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنے کا مرحلہ آتا ہے، جب پُر امن طریقہ پر نزاعات ختم کرنے کے مہیا سارے وسائل ختم ہوجاتے ہیں، تاکہ جھگڑے کی صورتوں سے نمٹنے کے لیے طریقۂ کار پیش کیا جائے۔

اسلامی شریعت میں حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنے کے مقصد کو بروئے کار لانے کے لیے متعدد وسائل متعین کیے گئے ہیں۔ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

۱-حق کے استعمال میں من مانی سے روکا گیا ہے، یعنی شوہر کو اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ طلاق کے سلسلہ میں اپنے حق کے استعمال میں من مانی کرے، اس طرح کہ اسے اللہ

تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک مسلمان مرد کی اس سلسلہ میں ذہن سازی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن معاشرت، نکاح کے عمومی مقاصد اور اسلام کے تصورات ومفاہیم کی رعایت واشاعت کو لازم قرار دیا ہے۔ نیز شوہر کو یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ شرعی سبب کے بغیر طلاق کے حق کو من مانے طریقہ پر استعمال کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بیوی کو اذیت اور ضرر لاحق ہو۔ اور یہ چیز اس بات کا سبب ہوگی کہ اس من مانی پر اس کا محاسبہ کیا جائے۔

ارشاد الٰہی ہے: ''**ولا تضار وهن لتضيقوا عليهن**'' (۶۵/طلاق:۶)۔(اور انہیں دق نہ کرو، ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر بے جا تنگی کرنے لگو)۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**ولاتمسكوهن ضرارا لتعتدوا**'' (۲/بقرہ:۲۳۱)۔(انہیں نقصان پہنچانے کے لیے اور زیادتی کرنے کے لیے روکنا جائز نہیں ہے)۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بات کو واضح فرمایا ہے: ''**لاضرر ولا ضرار**'' (نہ خود کو اور نہ دوسروں کو ضرر پہنچانا جائز ہے)۔

نیز بیویوں کو بھی حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں کی یاد دہانی کرائی گئی ہے۔

۲-حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنے کے مقصد کو وجود میں لانے کا ایک ذریعہ ''خلع'' کی مشروعیت ہے۔ تعلق ختم کرنے اور طلاق کا مطالبہ کرنے کے سلسلہ میں ''خلع'' عورت کا حق ہے، جو کہ طلاق بائن ہے، خلع طہر (پاکی) اور حیض دونوں حالتوں میں ہوسکتا ہے۔ اس صورت میں عورت ایک حیض یا ایک ماہ کی عدت گزارے گی (یہ بعض اہل علم کا قول ہے، جبکہ حنفیہ اور دیگر اہل علم کا قول ہے کہ تین ماہواری سے عدت مکمل ہوگی)۔

''خلع'' کی مشروعیت قرآن کریم کی صراحت کے ساتھ وارد ہے، ارشاد الٰہی ہے: ''**الطلاق مرتان .....الخ**'' (۲/بقرہ:۲۲۹)۔(طلاق دو مرتبہ ہی ہونا چاہئے (زیادہ سے زیادہ) اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ پر بیوی کو روک رکھا جائے، یا حسن سلوک کے ساتھ آزادی دے دی

جائے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس طلب کرو، ہاں اگر دونوں کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ حدود الٰہی قائم نہ رکھ سکیں گے اور تم لوگوں کو یہ احساس ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے (ازدواجی زندگی صحیح طور پر نہیں گزار سکیں گے) تو دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں کہ عورت ''خلع'' کا بدل دے دے، یہ اللہ کی متعین کردہ حدیں ہیں، ان سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے آگے بڑھیں گے وہ ظلم کرنے والے اور ناحق عمل کرنے والے ہوں گے)۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**یا أیها الذین آمنوا إذا نکحتم** .....'' (۳۳/احزاب: ۴۹)۔ (اے ایمان والو! تم جب مومن عورتوں سے شادی کرو اور پھر انہیں چھونے سے پہلے یعنی خلوت سے پہلے طلاق دے دو، تو تمہارے لیے انہیں عدت میں نہیں بیٹھنا ہے، جس کا تمہیں شمار کرنا ہو (طلاق کے بعد) انہیں ہدیہ وتحفہ دے کر باعزت طریقہ سے رخصت کرنا چاہئے)۔ چونکہ ایسی خاتون پر مرد کے لیے عدت بھی نہیں ہے، لہٰذا شوہر کو اس سے رجعت کا حق بھی نہیں ہے (یعنی شوہر دوبارہ اسے اپنے عقد نکاح میں لوٹا نہیں سکتا ہے)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ثابت بن قیس کے اخلاق ودینداری کے بارہ میں کوئی طعن میں نہیں کر رہی ہوں اور نہ ہی کسی خفگی کا اظہار کر رہی ہوں، لیکن اسلام لانے کے بعد میں ناشکری کو ناپسند کرتی ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اسے اس کا باغ لوٹا دوگی؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں (میں لوٹا دوں گی)۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت سے کہا: تم باغ قبول کرلو اور اسے ایک طلاق دے دو''۔ (۹۳)

اس واقعہ سے ''خلع'' کی مشروعیت کی حکمت معلوم ہوتی ہے کہ وہ خاتون سے ضرر کا

۹۳- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر ۴۸۶۷

ازالہ ہے۔ابن قدامہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''خلع'' اس ضرر کے ازالہ کے لیے مشروع ہے جو غلط معاشرت کی وجہ سے نیز ناپسندیدہ شخص کے ساتھ رہنے کی بنا پر عورت کو لاحق ہوسکتا ہے''۔(۹۴)

گذشتہ حدیث سے یہ بات عیاں ہے کہ خاندان کے ادارہ کو محفوظ رکھنے والے مقاصد کی رعایت اسلام میں کس قدر کی گئی ہے۔ان مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان ہمدردی، الفت ومحبت اور سکون واطمینان کو وجود میں لایا جائے۔ چنانچہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی نے اپنے اوپر ہونے والے ظلم یا اس کی مانند کسی حق تلفی کی شکایت نہیں کی، بس انہوں نے اپنے شوہر کے تئیں محبت و الفت کے احساسات و جذبات کے فقدان کی شکایت کی، جیسا کہ دوسری روایت میں ذکر ہے کہ:''لا أطيقه'' (مجھے انہیں برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے)، (۹۵)۔ساتھ ہی وہ ان پر ظلم کرنا بھی نہیں چاہتی ہے۔اس لیے کہ میاں بیوی کے درمیان محبت کا فقدان خاندان کے بارے میں سکون واطمینان کو وجود میں لانے میں خلل ڈالتا ہے۔اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کو مہر لوٹا دینے کی صورت میں سلامتی

۹۴- مقدسی، ابن قدامہ، مغنی، قاہرہ، ادارۃ المنار، ۱۳۶۷ھ، ج ۷، ص: ۵۲

۹۵- ہم سے خالدؒ نے بیان کیا، وہ خالد حذاءؒ سے نقل کرتے ہیں، وہ عکرمہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کی بہن کو یہ حکم دیا گیا کہ: تم ان کا باغ لوٹا دوگی۔انہوں نے جواب دیا: ہاں، اور باغ لوٹا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوہر کو اسے طلاق دینے کا حکم دیا۔ابراہیم بن طہمان خالدؒ سے نقل کرتے ہیں، وہ عکرمہؒ سے نقل کرتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: اسے طلاق دے دو۔ایوب بن ابی تمیمہؒ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں۔انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں ثابت کی دینداری اور اخلاق پر طعن نہیں کرتی۔لیکن مجھ میں ان کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کے باغ کو لوٹا دوگی۔انہوں نے جواب دیا: ہاں''۔دیکھیے: بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر ۴۸۶۸

کے ساتھ عقد نکاح سے نکلنے کا حق اسے مرحمت فرمایا۔ یہی عدل و انصاف کے اصول کو مستحکم کرنے کے سلسلہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حکمت ہے کہ خاندان کے ادارہ کو ختم کرنے کی جو بھی پہل کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، اسی پر لازم ہے کہ طلاق کے مادی بوجھ اور ذمہ داریوں کو اٹھائے۔ حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینے کے مقصد کو وجود میں لانے کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ عیب کی وجہ سے طلاق دی جائے (۹۶)۔

یا قید کی وجہ سے طلاق دی جائے، یا لعان کی صورت اختیار کی جائے۔ یا طویل مدت تک غائب رہنے کی وجہ سے ضرر لاحق ہو، یا اس جیسی خاتون کے لیے جو شایان شان نہ ہو، ایسے عمل یا بات کے ذریعہ اذیت پہنچانے کی وجہ سے لاحق ہونے والے ضرر کی وجہ سے طلاق دی جائے۔ موجودہ وقت کی اصطلاح میں اسے ''خاندانی تشدد'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (۹۷)

موجودہ دور میں امریکہ اور دنیا کے دیگر ممالک میں یہی آخری سبب طلاق کی بہت سی صورتوں کا بنیادی سبب ہے۔ قرآن کریم نے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے حل پیش کیے ہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاندان کے دائرہ میں انسانی تعلقات کے تحفظ کی خاطر اپنے طرز عمل اور عملی سرگرمیوں کے ذریعہ اس پر روشنی ڈالی ہے، نیز ''پند و موعظت و نصیحت'' کو استعمال کر کے مثبت تربیتی پہلو پر اس مقصد کے لیے زور دیا ہے۔ یعنی سکون، احترام اور کھلے ذہن کے ساتھ متنازع فریقوں کے درمیان گفتگو ہو، جس میں دوسروں کے احترام کے ساتھ تمام فریقوں کو اپنی آراء اور احساسات و جذبات کی تعبیر کی پوری آزادی حاصل ہو۔

۹۶- ابوزہرہ، الأحوال الشخصیۃ، مرجع سابق، ص: ۳۰۹

۹۷- اس میدان میں انگریزی زبان میں مؤلفہ کی تالیفات دیکھیے: Abugideiri,s and Z. Alwani. What Islam says about domestic violence? Herndon, VA: Faith, 2008. Alwani, Zainab "The Qur'anic Model for Harmony in Family Relations. P. 33-64)

خودرسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان اور جماعت کی سطح پر نزاعات کو ختم کرنے کے لیے اس قسم کی باہمی گفتگو فرمائی ہے۔ نیز نزاعات کے دوسرے دائروں میں بھی اس سے کام لیا ہے۔

مبحث سوم: خلافت راشدہ کے دور میں خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء:

جن خاندانی مقاصد کی بنیاد قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی وعملی احادیث مبارکہ میں رکھی گئی ہے اور جن پر عہد نبوت ورسالت میں عمل تھا، وہ خلافت راشدہ کے دور میں بھی قائم رہے۔ چنانچہ علماء صحابہ اور تابعین سے اخذ کرنے والی نسل بہترین انسانی نمونہ تھی جس نے ان اہداف ومقاصد کو سمجھا اور ان کو مؤثر اور کارکرد کرنے والے وسائل کے ذریعہ وجود میں لایا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجتہادات میں غور وفکر کرنے والا، اس بات کا ملاحظہ کرسکتا ہے کہ صحابہ کرام نے بالعموم اور خاص طور پر نص وارد نہ ہونے کی صورتوں میں لوگوں کی مصلحتوں کی رعایت، نیز ان سے ازالۂ مفاسد کے دائرہ میں اسلامی شریعت کے اصول اور اس کے عمومی کلیات اور قواعد وضوابط کی پابندی کی۔ صحابہ کے اجتہادات کی اہم ترین خصوصیات کلیات و اصول پر نظر رکھنا، عمومی مصلحت کی رعایت اور لوگوں سے حرج ومشقت کو دور کرنا ہیں۔

دور صحابہ میں خاندانی مقاصد کو مؤثر بنانے کے نمونے:

اس جگہ کچھ ایسے نمونے ہیں جن سے خاندانی مقاصد کو مؤثر بنانے اور روبہ عمل لانے کے سلسلہ میں صحابہ کا اہتمام معلوم ہوتا ہے، نیز مقاصد کے مطابق نکاح وطلاق کے مسائل کے بارے میں وارد نصوص کو سمجھنے کی حرص معلوم ہوتی ہے۔

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ تین طلاق واقع ہونے کا ہے۔

دور جاہلیت میں لوگ بغیر کسی حصر وتعداد کے طلاق دیتے تھے اور رجعت کرتے تھے (دوبارہ بیوی کو نکاح میں لوٹا لیتے تھے)۔ جیسا کہ ایک حدیث میں وارد ہے، حضرت ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کچھ لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود سے کھلواڑ کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص کہتا ہے: میں نے تجھے طلاق دے دی۔ میں نے تجھ سے رجعت کر لی، میں نے (پھر) تجھے طلاق دے دی''۔(۹۸)

حتی کہ اس صورت حال سے خواتین کو بڑا ضرر لاحق ہوا اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا: ''**الطلاق مرتان**'' (۲/ بقرہ:۲۲۹)۔(طلاق دو مرتبہ ہی ہونا چاہئے (زیادہ سے زیادہ)۔

اس میں اس درست طریقہ کا بیان ہے جس سے جاہلیت کی بدنظمی کی صورت حال کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ قرآن نے شوہر کے لیے صرف دو مرتبہ طلاق رجعی کی اجازت دی ہے۔ نیز مرد کو یکبارگی تین طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ یہ بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وسعت ہے اور طلاق دینے والے بلکہ خاندان کو بھی لاحق ہونے والے حرج کو دور کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کے حق میں آسانی ہے، کیونکہ اس صورت میں بڑا حرج ہوتا جب یکبارگی تین طلاق سے خاتون بائنہ ہو جاتی۔

لوگوں نے اس قانون کی تعمیل کی، ظلم کی فضا ختم ہوگئی اور دلوں میں اطمینان پیدا ہوا، خاص طور سے اس بنا پر کہ وہ صدی - جیسا کہ مشہور ہے - تمام صدیوں میں بہتر ہے، کیونکہ وہ بلند ترین اخلاق و اقدار پر مبنی خصوصیات سے متصف ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سب سے افضل میری صدی کے لوگ ہیں۔ پھر اس کے بعد والی صدی کے لوگ افضل ہیں، پھر اس سے متصل صدی کے لوگ افضل ہیں۔ حضرت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو یا تین صدی کے بعد یہ فرمایا: اس

۹۸- ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، مرجع سابق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر ۲۰۰۷

کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو خیانت کریں گے اور قابل امانت نہیں ہوں گے، (جھوٹی) گواہی دیں گے، حالانکہ ان سے گواہی طلب نہیں کی جائے گی۔ نذر و منت مانیں گے اور اسے پورا نہیں کریں گے، ان کے اندر موٹاپا ظاہر ہوگا''۔(۹۹)

بہ تدریج صورت حال بدلنے لگی، جبکہ اسلام میں مفتوحہ خطوں کے لوگ بڑی تعداد میں داخل ہوئے، حالانکہ ابھی تک ان کے دلوں میں قانون کے مقاصد و اہداف پیوست نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ لفظ طلاق کے استعمال میں تساہل و سستی کی صورت حال رونما ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت حال کا مشاہدہ کیا۔ انہوں نے غلط جاہلانہ سرگرمیوں کے حل کے طریقہ کے سلسلہ میں صحابہ کرام کے ساتھ مشورہ کیا، انہوں نے صورت حال کی خطرناکی اور انجام کار خاندان کی تباہی کو بھانپ لیا، نیز اللہ تعالیٰ کے احکام میں تساہل اور بیخ و بن سے اسلام کی ختم کردہ جاہلیت کی سرگرمیوں اور اس کی غلط روایات کی طرف واپسی کو اچھی طرح محسوس کرلیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدت خلافت کے (پہلے) دو سال میں تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی۔ (اس کے بعد) حضرت عمرؓ نے کہا: ایک ایسے معاملہ میں جس میں لوگوں کو سنجیدگی اختیار کرنی چاہئے، انہوں نے جلد بازی کی (لہٰذا ہمیں) تین طلاق کو نافذ کر دینا چاہئے، انہوں نے تین طلاق کو نافذ کر دیا''۔(۱۰۰)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سابق سے مختلف اقدام کیا اور تین طلاق کو ایک قرار دیا۔ (اس لیے کہ) تین طلاق سے عورت بائنہ ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے بیوی اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے، جب تک کہ چاہت و رغبت کے ساتھ نہ کہ تحلیل (حلال ٹھہرانے) کے لیے

۹۹- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق کتاب الشہادات، باب: لا یشہد علی شہادۃ جور إذا شہد، حدیث نمبر ۲۴۵۷

۱۰۰- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، کتاب الطلاق، حدیث نمبر ۲۶۸۹

دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختیار کردہ اقدام اس وقت سماج کی سطح پر خاندانی مقاصد کو مؤثر بنانے کے لیے لازم تھا۔ انہوں نے یہ اقدام بہ طور سزا کیا تا کہ تساہل برتنے والے باز رہیں اور جلد بازی کرنے والے کی سرزنش ہو۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کے لیے اسی میں مصلحت سمجھی تا کہ بالعموم اور خاص طور سے نکاح و طلاق کے مسئلہ میں حدود اللہ سے کھلواڑ بند ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ طلاق کو مشروع فرمایا ہے، ایک ہی مرتبہ میں (کئی طلاق کو) مشروع نہیں فرمایا ہے۔ جس نے ایک ہی مرتبہ میں تین طلاق دی اس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا اور خود اپنے اوپر ظلم کیا (اس لیے) وہ سزاوار ہے کہ اسے سزا دی جائے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی رخصت پر عمل نہیں کیا اور اسے اپنے حق میں دشوار بنالیا اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق طلاق نہیں دی اور سخت ترین طریقہ اختیار کیا، اس لیے اسے اس کی سزا دی گئی۔ (۱۰۱)

صحابہ کرام نے طلاق واقع ہونے کے فساد سے بڑھ کر تین طلاق کو نافذ کرنے کی مصلحت دیکھی۔ اس طرح اس وقت لوگ باز آ گئے اور اس حکم کو جاری کر کے مسئلہ کا حل نکل آیا۔

جس ذریعہ کو صحابۂ کرام نے اختیار کیا وہ ہر دور اور جگہ کے لیے لازمی کاروائی نہیں ہے، بلکہ نص کو مؤثر بنانے اور نافذ کرنے کے سلسلہ میں اجتہاد ہے اور نص سے شارع کے مقصود کو سمجھنے کی ایک کوشش ہے۔ (۱۰۲)

ان ہی نمونوں سے ایک نمونہ ''مفقود'' (لاپتہ شخص) یا جس خاتون کا شوہر غائب ہو، اس کا مسئلہ ہے۔ یہ خاندان کے ان سنگین مسائل سے ہے جس پر بالعموم بحث کی سخت ضرورت

۱۰۱- جوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین ۶/ مرجع سابق، ج ۳، ص: ۳۰-۳۸

۱۰۲- شلبی، تعلیل الأحکام، عرض وتحلیل لطریقۃ التعلیل وتطورا تہا فی عصور الاجتہاد والتقلید، مرجع سابق، ص: ۵۸

ہے۔ ہنگامی حالات، جیسے: جنگ، فتنے وفساد، قدرتی آفات اور مہلک متعدی امراض وغیرہ کے موقع پر اس کے بارے میں بہ کثرت سوالات ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کی اہمیت اس میں مضمر ہے کہ یہ صورت حال کسی زمانہ اور جگہ میں پیش آسکتی ہے۔ نیز اس سے خاندان کے ادارہ کے سلسلہ میں تعلقات میں ابتری پیدا ہونے کا بھی امکان ہے، اسی طرح اختیار کردہ فیصلوں میں غموض و ابہام یا غلطی ہوسکتی ہے۔

فتوحات کی وسعت و پھیلاؤ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔ ''موطا'' میں امام مالکؒ کی روایت ہے: ''یحی بن سعیدؒ، سعید بن المسیبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''جس خاتون نے بھی اپنے شوہر کو کھو دیا ہو، اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، وہ چار سال انتظار کرے گی، پھر (عدت وفات) چار ماہ اور دس دن گزارے گی، پھر وہ (دوسرے مرد کے لیے) حلال ہوجائے گی۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ فرماتے ہیں: ''اگر وہ خاتون اپنی عدت گزارنے کے بعد نکاح کرلے اور اس کے شوہر نے اس سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو، اب پہلے شوہر کے لیے کوئی راہ باقی نہیں رہی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک یہی حکم ہے۔ (لیکن) اگر پہلے شوہر نے نکاح کرنے سے پہلے اسے پالیا، تو وہ اس خاتون کا زیادہ حقدار ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن الخطاب کے بارے میں بعض لوگوں نے جو بات کہی ہے اس پر میں نے لوگوں کو نکیر کرتے ہوئے پایا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ پہلے شوہر کے آنے کی صورت میں اسے اختیار ہوگا کہ بیوی کے مہر کو لے لے یا اپنی بیوی کو لے لے (یعنی اختیار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے)، (۱۰۳)۔

اس معاملہ پر غور کرنے والا اس بات کو ملاحظہ کرسکتا ہے کہ میاں بیوی کے لیے سکون و

۱۰۳- اصبحی، مالک بن انس، موطأ مالک، تصحیح: محمد فؤاد عبدالباقی، قاہرہ، عیسی البانی الحلبی، دار احیاء الکتب العربیۃ، کتاب الطلاق، (د.ت)، حدیث نمبر ۱۰۵۲

اطمینان اور استحکام کو وجود میں لانے کے لیے شارع کے خاندانی مقصد کو مؤثر بنانے کی صحابہ کرام رعایت کرتے تھے۔ بلاشبہ ایک متعینہ مدت تک شوہر کے غائب رہنے یا اس کی حالت کے مبہم ہونے سے سکون اور خاندانی استحکام میں خلل واقع ہوتا ہے۔

اس صورتحال میں اس بات کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ شک کو یقین کے ذریعہ ختم کیا جائے، وضاحت حاصل کی جائے، معاملات کو مبہم نہ چھوڑا جائے، خاص طور سے اس وجہ سے کہ یہ تعلقات کا معاملہ ہے۔ (اس لیے) شوہر کی صورت حال کی مکمل تحقیق کی جائے اور اس بارے میں یقین کامل حاصل کیا جائے، اس کی چھان بین کے سلسلہ میں ایک کافی مدت دی جائے، اس کے حالات کی مکمل تفتیش کی جائے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ، یا کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے، نیز اس طرح کے دیگر معاملات کی مکمل چھان بین کی جائے، جن سے لاپتہ شخص دوچار ہوسکتا ہے۔

چنانچہ لاپتہ شوہر کی صورت حال مردہ یا طلاق دینے والے شوہر سے مختلف ہے، کیونکہ شوہر کا معاملہ مجہول و نامعلوم ہے۔ دوسرے شوہر سے مربوط ہونے میں جلد بازی بیوی اور اس کی اولاد کے لیے مصالح سے زیادہ مفاسد کا سبب ہوسکتے ہیں، خاص طور پر اس صورت میں جبکہ شوہر لوٹ آئے اور اپنی بیوی کو دوسرے سے مربوط پائے۔ یہ صورت حال جو کینہ کپٹ اور دشواریاں پیدا کرے گی وہ اپنے حجم وسائز میں طلاق سے پیدا ہونے والی دشواریوں سے بڑھ کر ہوگی۔

ایک دوسری صورت حال میں بھی اس مقصد کو مؤثر بنانا نمایاں ہے۔ اس صورت حال کے بارے میں بھی صحابہ کرام نے فتوی دیا۔ وہ صورتحال یہ ہے کہ جس عورت کا شوہر موجود نہ ہو اور وہ بیوی کو طلاق دے دے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: ''مجھے اطلاع ملی کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کے بارے میں فرمایا: جسے غائب ہونے کی حالت میں اس کا شوہر طلاق دے دے، پھر رجعت کر لے۔ عورت کو رجعت کی اطلاع نہ ملے، (لیکن) اسے طلاق کی اطلاع مل چکی ہو اور وہ شادی کر لے۔ اگر دوسرا شوہر اس سے صحبت کر لے، یا

صحبت نہ کرے، (اب) پہلے شوہر کے لیے جس نے اسے طلاق دے دی تھی اس تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں رہی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں: اس سلسلہ میں اور مفقود (لاپتہ شخص) کے بارے میں جو بات میں نے سنی، یہ بات مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے''۔(۱۰۴)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے خاندان کے ڈھانچہ کے تحفظ کے مقصد کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔ خاص طور سے اس صورت حال میں کہ عورت پہلے شوہر کی طلاق معلوم ہونے اور پہلے شوہر کے ساتھ خاندانی ادارہ کے ختم ہونے کے علم کے بعد ہی دوسرے شوہر سے مربوط ہوئی ہے۔ اس طرح نئے خاندان کا تحفظ مطلوب ہے جو درست بنیادوں پر قائم ہوا ہے۔

بیوی سے رجعت کرنے کے معاملہ میں پہلے شوہر کا حق ساقط ہوگیا، کیونکہ اس نے معاملہ میں سستی اور تساہل برتا۔ جب کہ اسلام میں طلاق سنجیدہ اور سنگین معاملہ ہے جس سے کھلواڑ جائز نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح اور طلاق کے نظام کو پختہ کرنے کے لیے اس سے متعلق اجتہادات میں سختی سے کام لیتے تھے اور ان دونوں نظاموں پر اثر انداز ہونے والی شخصی چاہتوں اور ذاتی رغبتوں کے لیے کوئی موقع نہیں چھوڑتے تھے، کیونکہ ان دونوں نظاموں کے اندر ایسے قوانین ہیں جن سے درست انسانی تعلقات کی تعمیر وتشکیل ہوتی ہے اور ان کو صحیح بنیادوں پر قائم رکھا جاسکتا ہے، ان سب کا تانا وبانا یعنی ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ''استخلاف'' (خلیفہ بنائے جانے) کی ذمہ داری ادا کی جاسکے۔

مبحث چہارم: فقہاء مجتہدین کے دور میں خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء:

اس دور میں سیاسی، فکری اور سماجی سطح پر بڑی تبدیلی سامنے آئی۔ خلافت راشدہ سے

۱۰۴- اصبحی، موطأ مالک، کتاب الطلاق، باب عدۃ التی تفقد زوجہا، حدیث نمبر ۱۲۱۹

اموی حکومت کی طرف سیاسی اقتدار کے منتقل ہونے کی وجہ سے ڈھانچہ اور اہداف و مقاصد کے اعتبار سے نظام حکمرانی کے نیچر میں اختلاف پیدا ہوا۔

خلافت راشدہ کے دور میں خاص طور سے شیخین یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور میں دینی اور سیاسی اقتدار کے درمیان تکامل جاری رہا، کیونکہ خود سارے خلفاء راشدین فقیہ تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو حقیقی صورت حال کی زمین پر منطبق کرنے کی کوشش کی، خاص طور سے لوگوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کرنے کے میدان میں انہوں نے یہ کوشش کی، خواہ عدل قائم کرنے کی زد اپنی ذات یا اپنے گھر والوں پر پڑ رہی ہو۔ اس طرح سماج میں اسلام کے اقدار و روایات نے جڑ پکڑ لی۔ جبکہ فقہاء کی نسل کے سامنے حکمرانی کی نوعیت اور فطرت الگ تھی۔

مزید برآں فتوحات نے اسلامی حکومت کے رقبہ کو وسعت دینے میں اہم کردار ادا کیا، جس کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں مختلف قومیں اپنی ثقافت، عصبیت اور دینی تصورات کے ساتھ داخل ہوئیں، جس سے اسلامی معاشرہ کی معاشی، سماجی، مذہبی، اخلاقی اور فکری ساخت پر گہرا اثر پڑا اور تبدیلی کا عمل تیز رو ہوا، جس کی بنا پر علماء و فقہاء کو مختلف سطحوں پر چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے پوری کوششیں صرف کرنی پڑیں۔

بعض فقہاء صحابہ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے درمیان علم کی نشر و اشاعت پر قادر ہوئے، ہر ملک اور ہر خطہ میں ان کے شاگرد اور پیروکار پائے گئے۔ پھر علماء تابعین میں سے ہر عالم کا اپنا ایک مذہب ہو گیا، اس طرح ہر شہر اور خطہ میں ایک امام امامت کے منصب پر فائز نظر آیا، جیسے: مدینہ منورہ میں سعید بن المسیبؒ اور سالم بن عبداللہ بن عمرؒ، اور ان کے بعد امام زہریؒ، مکہ مکرمہ میں عطاء بن رباحؒ، یمن میں طاؤسؒ، کوفہ میں ابراہیم نخعیؒ اور شعبیؒ، بصرہ میں حسن بصریؒ اور محمد بن سیرینؒ اور خراسان میں عطاء خراسانیؒ، وغیرہم۔

ان علماء میں سے زیادہ تر اہل علم نے اپنے اساتذہ کے فتاوی کا التزام کیا اور محدود

دائرہ میں ہی ان سے تجاوز کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ شرعی احکام کے استنباط کے ان کے مناہج اور طریقہ کار اور صحابہ کے مناہج میں بڑی حد تک یکسانیت پائی جاتی ہے، اگرچہ ان کے دور میں استنباط واستخراج احکام کے طریقے زیادہ وضاحت کے ساتھ شروع ہوئے۔(۱۰۵)

اسی دور میں کلامی اور مذہبی فرقوں کا ظہور ہوا، جیسے: شیعہ، خوارج، نیز الحاد وزندقہ کا بھی ظہور ہوا۔ احادیث مبارکہ کی روایت بڑے پیمانہ پر ہوئی اور وضع احادیث (احادیث گھڑنے) کی تحریک بھی نمودار ہوئی۔(۱۰۶)

مسلمؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے: ''ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرتے تھے، کیونکہ آپ کے بارے میں جھوٹ نہیں بولا جاتا تھا، (لیکن) جب لوگ سخت اور ہموار ہر طرح کے راستہ پر چل پڑے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث نقل کرنا چھوڑ دیا''۔ایک دوسرے مقام پر ہے: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: ہم جب کبھی کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہماری نگاہ شوق اس کی طرف لپکتی تھی اور ہم اپنے کان اس کی روایت سننے کے لیے لگا دیتے تھے، (لیکن) جب لوگ سخت اور ہموار ہر طرح کے راستہ پر چل پڑے تو ہم لوگوں سے صرف اسی روایت کو لیتے ہیں جس سے ہم آشنا ہیں''۔ (۱۰۷)

اسی عہد میں متعدد مسائل میں مفتیوں کے درمیان اختلاف رائے ہوا۔(۱۰۸)

۱۰۵- ابوزہرہؒ، محمد، تاریخ المذاہب الاسلامیہ فی السیاسۃ والعقائد وتاریخ المذاہب الفقہیۃ، قاہرہ، دار الفکر العربی (د.ت.)، ص: ۲۶۰-۲۶۱

۱۰۶- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، مقدمۃ ابن خلدون، بیروت، دار الکتب العلمیۃ ۱۹۹۲ء، ص: ۲۰۲ اور بعد کے صفحات

۱۰۷- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، مقدمہ، ص: ۳۷

۱۰۸- ابوزہرہ، تاریخ المذاہب الإسلامیۃ فی السیاسۃ والعقائد وتاریخ المذاہب الفقہیۃ، مرجع سابق، ص: ۲۵۸-، نیز دیکھیے: علوانی، طہ، أصول الفقہ الإسلامی: منہج بحث ومعرفۃ، ہیرندن: المعہد العالمی للفکر الإسلامی ۱۹۹۱ء، ص: ۴۳

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سنن کی تدوین کا حکم دیتے وقت اپنے اندیشے کا اظہار فرمایا تھا۔ بخاریؒ نے اپنی صحیح کے باب: ''کیف یقبض العلم'' میں اس کو بیان کیا ہے: ''عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزمؒ کو لکھا: اچھی طرح غور کرلو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث دستیاب ہو، اسے لکھ لو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے۔ اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہی قبول کرو''۔(۱۰۹)

اس وقت علم تفسیر، علم حدیث اور دیگر اسلامی علوم کی تدوین شروع ہوئی، نیز تفسیر اور اس کی مدون کتابوں میں بعض اسرائیلی روایتیں بھی در آئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف مسائل میں تشویش ناک تصورات ونظریات کا ظہور ہوا، خاص طور سے ان مسائل میں جو خاندان، عورت اور اس کے ساتھ برتاؤ سے متعلق ہیں، جن کے بارے میں اسلام نے لطیف ونفیس اور پختہ تر منصوبہ پیش کیا تھا، جسے انسانیت کے لیے مذہب یا قانون لے کر آیا۔ اصولیین اور فقہاء کی خصوصی توجہ سے بہرہ ور اس عرصہ کے اہم ترین خدوخال ''اہل رائے'' اور ''اہل حدیث'' کے مدرسہ کی شکل میں نمایاں ہیں۔ کیونکہ اہل علم کے نزدیک ان کے فقہی مدارس کے اختلاف کے باوجود شرعی احکام کے استنباط واستخراج کے بعض مناہج اسی عہد میں نمایاں ہونے شروع ہوئے۔

احکام کے استنباط کے لیے استعمال کردہ مناہج کی وضاحت کی ضرورت کے ساتھ، ان مناہج پر ماحول کے مزاج اور سادگی اور پیچیدگی کے درمیان منقسم اس کے چیلنجز کا بھی اثر پڑا۔ اس کا اثر مجتہدین کے افکار اور ان کے مناہج کے فلسفہ پر بھی ہوا، خاص طور سے مذاہب کی تشکیل اور ارتقاء کے مرحلہ میں یہ اثر نمایاں ہوا۔ اس وقت بعض فقہاء کی شناخت ''فقہاء رائے'' اور بعض دیگر فقہاء کی شناخت ''فقہاء اثر وحدیث'' سے ہوئی۔

فریقین کے پیروکاروں کی درجہ بندی بھی خطوں کے اعتبار سے ہوئی، چنانچہ زیادہ تر اہل

۱۰۹- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب العلم، ص: ۵۰

حدیث حجاز میں تھے اور زیادہ تر اہل رائے عراق میں تھے، اس لیے کہ مجتہد عام طور سے آئینہ ہوتا ہے جو اپنے ماحول کی مشکلات، دشواریوں، مسائل اور چیلنجز پر روشنی ڈالتا ہے اور اسی ماحول میں اس کے اجتہادات اور منہج کی نشو ونما ہوتی ہے۔ اس کی نمایاں ترین مثال: اس وقت کے عراق کا ماحول ہے، جو نئی ثقافتوں، رسم ورواج اور روایات کے داخل ہونے کا میدان تھا۔ جس کے اثرات بالعموم سماج پر اور بالخصوص مسلم خاندان پر پڑے، جس کی بنا پر مجتہدین کی ذمہ داری تھی کہ سنجیدگی کے ساتھ ان سے نمٹیں اور ان کی چھان پھٹک کریں تا کہ صالح اور فاسد روایات اور رسم ورواج کو الگ الگ کیا جا سکے۔

اس طرح احکام کی علت بیان کرنے کے سلسلے میں رائے وقیاس کے استعمال کے دائرہ کو وسیع یا تنگ کرنے کے بارے میں ہر مدرسہ کی اپنی خصوصیات اور امتیازات ہیں۔ رائے کے استعمال کرنے اور اس کے دائرہ میں احکام کی تفریع (احکام نکالنے) کی مقدار کے اردگرد دونوں مدرسوں کے درمیان بنیادی اختلاف مرکوز ہے۔ حالانکہ دونوں فریقوں نے رائے کا استعمال کیا ہے، البتہ دو باتوں میں دونوں کے درمیان فرق ہے۔ جیسا کہ شیخ محمد ابوزہرہؒ نے بیان کیا ہے۔

(۱) پہلی بات یہ ہے کہ مدنی سماج کے مقابلہ میں عراقی سماج کے اندر چیلنجز اور نئے مسائل کی کثرت کے پیش نظر مدنی سماج کے مقابلہ میں عراقی سماج رائے کثرت سے استعمال کرنے کے ساتھ ممتاز ہے۔

(۲) دوسری بات ''اجتہاد بالرای'' کی نوعیت ہے، چنانچہ اہل عراق قیاس کے ساتھ مشہور ہیں، جبکہ اہل حجاز مصلحت کے منہج پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ممتاز ہیں۔ قیاس کے پیش نظر عراق کے اندر فقہی جزئیات وفروعات کی کثرت ہوئی اور ''فقہ تقدیری'' عام ہوئی۔ لیکن مصلحت چونکہ پیش آمدہ واقعات کے اندر ہی ملحوظ ہوتی ہے، اس لیے اہل مدینہ نے فرضی وتقدیری مسائل کا استعمال نہیں کیا۔ (۱۱۰)

۱۱۰- ابوزہرہ، تاریخ المذاہب الاسلامیہ فی السیاسۃ والعقائد وتاریخ المذاہب الفقہیۃ، مرجع سابق، ص: ۲۵۹-۲۶۰

اہل عراق، جن میں سرفہرست ابراہیم نخعیؒ اور ان کے اساتذہ ہیں، ان حضرات نے احکام کے مقاصد اور اسباب کو بیان کیا اور احکام کی توجیہ اس طرح کی کہ ان کی علت معقول ہے، لہٰذا انہوں نے عمومی قواعد وضع کیے اور احکام کی علتیں بیان کیں۔ جبکہ اہل حجاز جن میں سرفہرست سعید بن المسیب اور مدینہ منورہ کے باقی سات فقہاء ہیں، مدینہ منورہ میں ان کی موجودگی نے ان کے اجتہادات پر اثر ڈالا، کیونکہ مدینہ منورہ جمہور صحابہ اور خلفاء راشدین کی قیام گاہ تھا، اسی کے ساتھ سرزمین عراق وغیرہ کے مقابلہ میں اس خطہ میں سادگی پائی جاتی ہے اور اس کے چیلنجز اور پیش آمدہ واقعات کم ہیں۔ اس لیے انہوں نے نص کا التزام کیا۔(۱۱۱)

بعض پہلوؤں میں دونوں مدرسوں کی خصوصیات کے اختلاف کے باوجود دونوں مدرسوں کے نزدیک نص کے سمجھنے میں رائے کا بڑا رول ہے۔ بہت سے فتاوی اور مسائل کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ دونوں مدرسوں کے اندر سمجھ بوجھ کے درجہ میں فرق وتفاوت موجود ہے، نیز شارع کے مقاصد کو مؤثر بنانے اور انہیں روبہ عمل لانے کی سطح میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ چیز معاملات کے میدان اور شعبہ میں زیادہ واضح ہے، خاص طور سے خاندان سے متعلق معاملات میں اور بھی واضح ہے۔

فقہی مذاہب اور ائمہ مجتہدین کا دور خلافت راشدہ کے اختتام سے لے کر چوتھی صدی ہجری تک دراز ہے، یعنی عباسی دور اول (۱۳۲ھ - ۲۳۲ھ کے اختتام سے قبل اور مغل اور صلیبیوں کے حملہ سے پہلے تک دراز ہے۔ جو مغل اور صلیبی حملہ بعد میں تقلید کے ظہور اور امت میں فکری بحران پیدا ہونے کا سبب بنا۔

فقہاء اور مجتہدین کے دور میں خاندانی مقاصد پر عمل کا پریکٹیکل نمونہ:

فقہاء نے بھی مفقود (لاپتہ شخص) کی بیوی اور اس خاتون کے مسئلہ کو موضوع بنایا جس

۱۱۱- شلبی، تعلیل الأحکام: عرض وتحلیل لطریقۃ التعلیل وتطورا تہا فی عصور الاجتہاد والتقلید، مرجع سابق، ص: ۷۲-۷۳

کا شوہر غائب ہو اور اس مسئلہ کو ان مجتہدین اور فقہاء اپنے زمانہ وعہد کے حالات کے دائرہ میں، نیز خاندانی مقاصد کو مؤثر بنانے کے لیے اپنی سمجھ کے مطابق حل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں حکم کا استنباط و استخراج شارع کے تصرفات کے استقراء سے ماخوذ ہے، خاص طور سے ان ہنگامی حالات میں جن میں معاملات مبہم اور واضح نہیں ہوتے ہیں کہ اگر ہوشیاری کے ساتھ ان کا حل نہ نکالا جائے تو بڑی ابتری پیش آ سکتی ہے۔

اولوالامر کار کی طرف سے اس مدت کا تعین، خواہ وہ فقہاء ہوں، یا حکام یا قضاۃ (ججز) ہوں، اسے منضبط کرنے کی ایک کوشش ہے جس میں میاں بیوی میں سے ہر ایک اور اولاد کے حقوق کی رعایت ہے، نیز اس سے کسی بھی طرح کی من مانی، ظلم اور کینہ کپٹ کا راستہ بند ہو جاتا ہے، جو کینہ و کپٹ مدت ختم ہونے کے بعد بیوی کے دوسرے شوہر سے نکاح کے فیصلہ کی حالت اور پہلے شوہر کے لوٹنے کی صورت میں پیدا ہو سکتا تھا، کیونکہ اگر اس معاملہ کو لوگوں کے لیے چھوڑ دیا جاتا تو وہ بغیر کسی انضباط اور حد بندی کے تصرف کرتے، جس سے تعلقات میں بدنظمی پیدا ہوتی اور ظلم و جہالت عام ہوتی۔

اپنے فیصلوں میں تابعین صحابہ کے اجتہاد کے نقش قدم پر چلے ہیں، جس اجتہاد میں خاندان اور معاشرہ کے تحفظ اور حمایت کے مقاصد کی رعایت کی گئی ہے۔ تابعین نے انضباط اور حد بندی کی حکمت اور اہمیت سمجھ لی۔ لہٰذا انہوں نے مفقود ہونے کی قسموں اور اسباب کے انضباط کے ذریعہ حد بندی اور تعین میں اضافہ کیا۔ چنانچہ جنگ میں جو شوہر مفقود ہو گیا ہو اس کی بیوی کی مدت انتظار کم کر کے ایک سال کر دی، کیونکہ اس کی موت کے امکان کی شرح بلند ہے۔ جبکہ میدان جنگ کے علاوہ میں مفقود ہونے والے شوہر کی بیوی کی مدت انتظار چار سال ہی رکھی، اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس مدت میں مفقود ہونے کے اسباب ختم ہونے کے بعد شوہر لوٹ آئے، یا اس کی موت ثابت ہو جائے۔ سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں: ''لڑائی کے موقع سے جنگ کی صف

میں شوہر مفقود ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال انتظار کرے گی''۔(۱۱۲)

البتہ اس پہلو سے کہ شوہر کے مفقود ہونے کی وجہ سے بیوی کے لیے تفریق کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں، مفقود ہونے کی مدت کیا ہوگی اور مفقود ہونے کی صورت حال کیا ہوگی یعنی بہ ظاہر اس میں ہلاکت غالب ہوگی یا سلامتی غالب ہوگی، نیز حاکم یا قاضی کا تفریق کے سلسلہ میں کیا رول ہوگا، اس طرح کے مسائل میں بڑا اختلاف ہوا ہے، جن کے حل اور بحث کے لیے فقہاء نے بہت سارا وقت صرف کیا ہے۔ بحث کا مرکزی عنوان یہ مسئلہ نہیں تھا کہ غائب ہونے کی وجہ سے لاحق ہونے والے ضرر کی بنا پر تفریق کے مطالبہ کا مفقود (لاپتہ شخص) کی بیوی کو حق ہے۔ بلکہ تفریق کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بحث کے لیے گفتگو پر زور دیا گیا۔ حنفیہ نے مفقود ہونے کی وجہ سے تفریق کے عدم جواز پر زور دیا، جیسا کہ کاسانیؒ نے وضاحت کی ہے: ''مفقود (لاپتہ شخص) کی صورت حال معلوم نہیں ہے، امکان ہے کہ وہ زندہ ہو یا مردہ ہو۔ یہ صورت حال باہمی وراثت اور جدائی سے مانع ہے.....، کیونکہ اس کے ثبوت میں شک ہے.....اس لیے کہ یقین کے ساتھ ثابت شدہ چیز کے بارہ میں معلوم ضابطہ یہ ہے کہ وہ شک سے زائل نہیں ہوتی ہے اور جو چیز یقین کے ساتھ ثابت نہ ہو وہ شک سے ثابت نہیں ہوتی ہے.....حنفیہ کے نزدیک شوہر کی طلاق سے ہی فرقت واقع ہوگی، جبکہ وہ لوٹ آئے، یا اس کی وفات ثابت ہو جائے۔ لیکن اگر وہ برابر مفقود ہی رہے تو فرقت کب ثابت ہوگی؟ حنفیہ کہتے ہیں، جب مفقود اپنی عمر کے نوے (۹۰) سال کو پہنچ جائے تو اسے مردہ سمجھا جائے گا، یا اس وقت مردہ قرار دیا جائے گا، جبکہ اس کے ہم عمر افراد کا انتقال ہو جائے۔ حاکم جب اس کی موت کا فیصلہ کر دے تو اس تاریخ سے اس کی بیوی کی عدت شروع ہوگی، اگر شوہر عدت گزرنے کے بعد آ جائے تو وہ اس کا زیادہ حقدار ہے، لیکن اگر وہ عورت شادی کر لے تو اس تک رسائی کی اب اس کے لیے کوئی راہ نہیں رہی''۔(۱۱۳)

۱۱۲- اصبحی، موطأ، مرجع سابق، کتاب الطلاق، باب عدۃ من تفقد زوجہا، حدیث نمبر ۱۰۵۲

۱۱۳- گیارہویں صدی) کے علماء ہند کی ایک جماعت، ''فتاوی ہندیہ'' مصر: بولاق، (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شافعیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ فرقت کو ثابت کرنے والی طلاق یا وفات کے بغیر تفریق جائز نہیں ہے اور شوہر کا غائب ہونا یا مفقود ہونا، میاں بیوی کے درمیان فرقت کے اسباب میں سے نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''..... اس سلسلہ میں مجھے کسی مخالف کا علم نہیں کہ مرد یا عورت اگر دونوں غائب ہو جائیں یا ایک غائب ہو جائے، خواہ خشکی میں غائب ہو جائے یا سمندر میں، ان کے غائب ہونے کا علم ہو یا علم نہ ہو، دونوں مر جائیں، یا ایک مر جائے اور ان کے بارہ میں کوئی خبر نہ سنی جائے..... یقینی وفات کے بغیر ہم دونوں میں سے کسی کو دوسرے کا وارث نہیں قرار دیں گے (۱۱۴)۔

اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں: (۱) قول قدیم (۲) قول جدید۔ قول قدیم کے مطابق بیوی کو حق ہے کہ نکاح کو نفقہ دشوار ہونے یا عنہ (نامردی) کی وجہ سے وطی کے دشوار ہونے کی بنا پر فسخ کرالے تو شوہر کے مفقود ہونے کی حالت میں ان سب چیزوں کے دشوار ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کرالینا اولی ہوگا۔

بہر حال جدید قول کے مطابق بیوی کو نکاح فسخ کرانے کا کوئی حق نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے مال کی تقسیم کے سلسلہ میں جب اس کی موت کا فیصلہ جائز نہیں ہے تو اس کی بیوی کے نکاح کے بارے میں بھی اس کی موت کا فیصلہ جائز نہیں ہے۔ (۱۱۵)

جہاں تک مدت کا تعلق ہے تو قاضی کے اجتہاد کے مطابق جب اتنی مدت گزر جائے کہ یقین یا ظن غالب ہو جائے کہ وہ شخص اس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا، تو وہ اس کی موت کا فیصلہ کر دے گا۔ اس مدت کی تحدید نہیں کی جا سکتی ہے، کبھی ستر سال ہوگی، تو کبھی اسی سال ہوگی تو

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) مطبعہ امیریہ، ۱۳۱۰ھ، ج ۲، ص: ۳۰۰

۱۱۴- شافعی، محمد بن ادریس، ''الأم''، قاہرہ، شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، ۱۳۸۱ھ، ج ۵، ص: ۲۳۹

۱۱۵- شیرازی، ابو اسحاق، ''المہذب مع شرح المجموع''، قاہرہ، مطبعۃ العاصمہ (د.ت.)، ج ۱۶، ص ۶۱۱

کبھی نوے (۹۰) سال ہوگی، نیز موت کے لیے حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔(۱۱۶)

حنابلہ نے بہ ظاہر ہلاکت کی حالت یا بہ ظاہر سلامتی کی حالت میں مفقود ہونے کے درمیان فرق کیا ہے۔ اگر اس کے مفقود ہونے کی حالت میں ہلاکت کا ظن غالب ہو تو مفقود (لاپتہ شخص) کی بیوی چار سال انتظار کرے گی، پھر عدت وفات گزارے گی۔ اس سلسلہ میں دلیل و حجت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔(۱۱۷)

لیکن اگر مفقود ہونے کی حالت پر سلامتی کا غلبہ ہو تو مرد کی پیدائش سے مکمل نوے سال تک بیوی انتظار کرے گی۔(۱۱۸)

دسوقیؒ نے مالکیہ کے مذہب کی تلخیص یوں کی ہے:

''اسلامی ممالک میں مفقود کا حکم یہ ہے کہ اس کی چھان بین اور اس کی حالت جاننے سے عاجز ہونے کی حالت میں چار سال کی مہلت دی جائے، پھر اس کی بیوی عدت گزارے۔ شرک کی سرزمین میں مفقود قیدی کی طرح ہے، ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں کی بیوی مدت تعمیر ختم ہونے تک رکی رہے گی، پھر عدت گزارے گی۔ مسلمانوں کے درمیان فتنے و فساد کی حالت میں مفقود کا حکم یہ ہے کہ اس کی بیوی دونوں صف کے جدا ہونے کے بعد ہی عدت گزارے گی۔ مسلمان اور کفار کے درمیان فتنے و فساد (جنگ) کی حالت میں مفقود کا حکم یہ ہے کہ اس کے بارہ میں تفتیش کرنے اور معلومات حاصل کرنے کے بعد ایک سال کی مہلت دی جائے، پھر اس کی بیوی عدت گزارے گی۔ ساری قسموں میں اس کی موت کے فیصلہ کی ضرورت

۱۱۶- شربینی، محمد الخطیب، مغنی المحتاج شرح متن المنہاج للنووی، بیروت، دار الإحیاء العربی (د.ت.) ج ۳، ص: ۲۶-۲۷، ص ۳۹۷

۱۱۷- ابن قدامہ المغنی، مرجع سابق، ج ۷، ص: ۸۹ ۴- نیز دیکھیے: حنبلی، منصور بن ادریس، کشاف القناع عن متن الإقناع، مصر، المطبعہ الشرقیہ، ۱۳۱۹ھ، ج ۳، ص: ۵۶۲)

۱۱۸- حنبلی، کشاف القناع عن متن الإقناع، مرجع سابق، ج: ۳، ص: ۲۶۷

نہیں ہے اور نہ ہی عدت کے سلسلہ میں قاضی کی اجازت کی ضرورت ہے۔(۱۱۹)

ابن تیمیہؒ مفقود (لاپتہ شخص) کی بیوی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''مفقود کی بیوی کے سلسلہ میں درست موقف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ صحابہ کا مذہب ہے کہ وہ چار سال انتظار کرے گی، پھر عدت وفات گزارے گی اور اس کے بعد اس کے لیے دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز رہے گا اور وہ ظاہر و باطن کے اعتبار سے دوسرے کی بیوی ہوجائے گی۔ اور صحیح تر قول کے مطابق حاکم (کے فیصلہ) کا اعتبار نہیں ہوگا (بلکہ) اگر مدت اور عدت گزر جائے تو وہ دوسرے مرد سے شادی کرلے(۱۲۰)۔

خاندان کے کلی مقاصد کی روشنی میں ان آراء کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وقت کی تحدید کے بغیر بیوی کو انتظار کے لیے چھوڑے رکھنا ظلم کا باعث ہے، خاص طور پر اس صورت میں جبکہ اسے نکاح کی رغبت ہو اور یہ عدل و انصاف اور سکون و اطمینان کے مقصد کے برخلاف ہے۔ اگر عورت انتظار کو اختیار کرتی ہے تو وہ ایسا کرسکتی ہے، بغیر اس کے کہ اسے مجبور کیا جائے، اس لیے کہ شادی فریقین کی باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ نیز انتظار کی مدت چار سال متعین کرنا اور پھر عدت وفات گزارنا عدل و انصاف اور ازدواجی تعلق کے ساتھ وفاداری کے مقصد کو وجود میں لانے سے زیادہ قریب ہے، ایسے ہی اس صورت میں شوہر کے مفقود ہونے کے بارہ میں تیقین حاصل کرنے کے لیے پوری کوشش بھی ہوجائے گی۔

مبحث پنجم: معاصرین کے نزدیک خاندانی مقاصد پر عمل کا ارتقاء:

بیسویں صدی کے آغاز سے معاصر اہل علم مقاصد کے بارے میں گفتگو کرنے لگے

۱۱۹- دسوقی، احمد بن عرفہ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ مع الشرح الکبیر، قاہرہ، دار احیاء الکتب العربیۃ (د.ت)، ج۲، ص ۴۸۳

۱۲۰- دمشقی، علاء الدین، الاختیارات الفقہیۃ من فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، بیروت، دار المعرفہ للطباعۃ والنشر (د.ت)، ص:۲۸۱، نیز دیکھیے: زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق، ج۸، ص:۲۵۴

ہیں، جبکہ محمد عبداللہ دراز کی تحقیق کے ساتھ شاطبی کی ''الموافقات'' منصۂ شہود پر آئی اور شیخ محمد طاہر بن عاشور کے محاضرے سامنے آئے جو مستقل موضوع کے طور پر مقاصد شریعت کو پڑھاتے تھے، یہاں تک کہ ان محاضرات کو ایک گرانقدر کتاب ''مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ'' میں مرتب کیا۔ اس کے بعد علامہ مغربی علال فاسیؒ آئے جو مقاصد کے موضوع پر یونیورسٹی کی سطح پر محاضرے دیتے تھے، پھر اس کے بعد اپنی کتاب: ''مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ ومکارمہا'' شائع کی۔(۱۲۱)

یہ بات بالکل عیاں ہے کہ معاصر اہل علم کے نزدیک مقاصد کی اہمیت صرف شرعی مفہوم معلوم کرنے کے لیے اس کی اصطلاحی تعریف میں ہی مضمر نہیں ہے، بلکہ اس کی اصل اہمیت منہج کے طور پر اس کے استحضار کے طریقہ میں مضمر ہے، جس کے اندر نص کے ساتھ تعامل ممکن ہے، نیز انسانی حقیقی صورت حال پر فٹ آنے کی قدرت ہے۔ اس سے ایک مجتہد کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی میں مدد ملتی ہے کہ شرعی احکام کے استنباط واستخراج کے وقت وہ پوری کوشش صرف کرے، تطبیق کے عمل کا جائزہ لے اور نتائج کو پرکھے اور انجام کار کو پیش نظر رکھے، نیز علمی وفقہی مباحثے اور اختلافات کے وقت انجام کار کو فیصلہ کن بنائے، تاکہ مصلحت وجود میں آئے اور مفسدہ کا ازالہ ہو اور حقیقت کی سرزمین پر وحی الٰہی کی تطبیق کا عمل مکمل ہو۔ صرف نظریاتی سطح تک ہی شرعی مقاصد معلوم کرنے کی اہمیت محدود نہیں ہے بلکہ اس کی اہمیت ایسے منہج تک دراز ہے جو تطبیق کی سطح تک بلند ہو اور احکام شرع کو حقیقت وعمل کی زمین پر سمجھنے کی شکل میں تبدیل کردے، جس سے انسانی سلوک ہم آہنگ ہوکر انسانی تصرف میں تبدیل ہوجائے، خواہ فرد کا تصرف ہو یا خاندان کا تصرف ہو، یا سماج کا تصرف ہو، جو امر ونہی میں اللہ تعالیٰ کی مراد کے مطابق ہو کہ یہی مکلّف بنائے جانے کا مقصد اور ثمرہ ہے۔(۱۲۲)

۱۲۱- فاسی، ''مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ ومکارمہا، مرجع سابق

۱۲۲- علوانی، مقاصد الشریعۃ، مرجع سابق، ص:۱۵۸ اور بعد کے صفحات

اس طرح ابن عاشور، فاسی، نجار، عالم، ریسونی، خادمی، عطیہ، حسنی (ابن عاشور کے نظریہ کی تشریح کرتے ہوئے) اور کیلانی وغیرہم جو مقاصد کے بارے میں بحث کرنے والے ہیں، ان کی تحریریں نظریاتی اور تطبیقی دونوں دائروں میں اہم اضافے ہیں۔ خاص طور سے مقاصد کی قسموں اور مراتب کی تشکیل و تنظیم اور مراتب کو جدا جدا کرنے کے سلسلے میں اہم اضافے ہیں۔

معاملات سے متعلق منفرد اجتہادات پیش کرنے کے لیے مقاصد کی قسموں کے ضمن میں مختلف احکام کو لانے کے سلسلہ میں ابن عاشور کی ممتاز نمایاں کوششیں ہیں، انہوں نے مختلف احکام کو مخصوص مقاصد کے دائرہ میں رکھا ہے جس میں خاندان اور مالی معاملات وغیرہ کے مسائل شامل ہیں، انہوں نے مقاصد کو نظریات کے دائرہ سے نکال کر تطبیق و عمل کے دائرہ میں پہنچا دیا ہے، خاص طور سے خاندان کے شعبہ میں اس عمل کو انجام دیا ہے۔

مجموعی اعتبار سے ان تحریروں اور طریقوں نے اصول مقاصد کو ایسے کلیات کی شکل دی ہے جس سے فتاوی میں ایک فقیہ کو، مسائل کی تطبیق میں ایک قانون داں کو، اور حالات اور سماجی مسائل کے حل میں ماہر سماجیات کو اس طرح رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ جزئیات کلی اور کامل دائرہ میں سمٹ کر آ جاتی ہیں، جس سے ان پیچیدہ مسائل کے حل میں مدد ملتی ہے جن سے امت بلکہ انسانیت بھی دوچار ہے۔ (۱۲۳)

ابن عاشورؒ نے ابن خلدون کے حقائق کو استعمال کیا ہے اور ان کو نئی شکل میں ڈھالا ہے اور امام شاطبیؒ کے فوت شدہ مقاصد کی تکمیل کی ہے، اور بعد میں آنے والوں کے لیے راستہ ہموار کیا ہے۔ خاص طور سے انہوں نے کوشش کی ہے کہ معاملات اور سلوکیات کے دائرہ میں مقاصد کو نظریاتی دائرہ سے نکال کر تطبیقی دائرہ میں پہنچا دیں۔ بالخصوص انہوں نے خاندان اور اس کے احکام کے مقاصد پر زور دیا ہے۔ نیز انہوں نے سسرال، نسب اور نکاح کے تعلقات کے مقاصد

۱۲۳- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، مرجع سابق، ص:۱۹۶

کو منظّم کر کے ''فقہ العلاقات'' کی تشکیلی اینٹیں جوڑنے کی کوشش کی ہے اور ان کو خاندانی مقاصد قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے مقاصد شریعت کے ابواب کی سمجھ بوجھ سے استفادہ کیا ہے تا کہ اسلامی سماجی فکر کی بنیاد رکھ سکیں۔(۱۲۴)

ابن عاشورؒ نے خاندان کے مقاصد کو ''مقاصد خاصہ'' کے تحت داخل کیا ہے اور مکمل موضوع کی حیثیت سے ان کا مطالعہ کیا ہے اور ان کو تناسل کے مقصد پر زور دینے کے دائرہ سے نکال کر ایک اہم سماجی ادارہ کی حیثیت سے خاندان کی شکل میں پیش کیا ہے، جس میں مختلف رشتوں کے ساتھ انسانی تعلقات کا نظام مرتب کیا جا سکے اور حقوق وفرائض اور ذمہ داریوں کی حد بندی عمدہ نظام کے مطابق کی جا سکے، جس سے تشکیل یا انتشار کے مرحلہ میں تعلقات کا تحفظ ہو سکے۔

ابن عاشورؒ کی اسکیم کے مطابق خاندان ایک چھوٹی امت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اس طرح خاندان کے احکام کے بارے میں مقاصد شریعت تک رسائی ہو جاتی ہے جو خاندان کے ستون کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، ابن عاشورؒ نے ان مقاصد کو تعلقات کی تعمیر وتشکیل کے تین ستون قرار دیئے ہیں اور آخری ستون تعلقات ختم ہونے کی بحث کے لیے مخصوص کیا ہے، نیز اس میں تعلقات ختم ہونے کے اسباب، حل کے اسالیب اور اس طریقہ کو بھی بیان کیا ہے جسے اسلام نے مجموعی اعتبار سے خاندانی ادارہ کے تحفظ کے لیے پیش کیا ہے، خواہ بعض تعلقات ختم ہو جائیں۔ان کے نزدیک درج ذیل طریقہ پر مقاصد کی تشکیل ہوتی ہے:

۱- نکاح کے رشتہ کو مستحکم کرنا۔اس میں ابن عاشورؒ نے جاہلیت میں نکاح کی شکلوں کا جائزہ لیا ہے۔اور دو بنیادی مقصد پیش کیا ہے: (الف) چار امور: ولی، مہر، شہرت اور نکاح کے اعلان کے ذریعہ عقد نکاح کی شکل واضح ہو، تا کہ زنا سے قریب نہ ہو اور اس میں وقت اور مدت

۱۲۴- مرجع سابق، ص:۱۵۵اور بعد کے صفحات

متعین نہ کی جائے۔

۲-نسبی اور قرابت کے رشتہ کو مستحکم کرنا: اس میں بیٹے اور باپ ہونے کی نسبت، محرم مرد اور عورت اور دیگر اقارب ورشتہ دار شامل ہیں۔

اسلام میں قرابت داری سماجی تضامن وتکافل کو وجود میں لانے کا بنیادی محرک ہے۔ نیز اسلام نے قرابت داری کے تصور کا بڑا اہتمام کیا ہے اور اس کو مستحکم کرنے کے لیے مضبوط ستون قائم کیے ہیں، یہ اعزہ واقارب کی کفالت اور نگہداشت پر آمادہ کرکے کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جو انسانی وحدت کے تحفظ کی خاطر، محبت والفت اور احترام کی بنیادوں کے مطابق فرد کے دیگر افراد کے ساتھ سلوکیات کو منظّم کرنے کے سلسلہ میں اسلام کے قواعد وضوابط سے ہم آہنگ ہے۔

۳-سسرالی رشتہ کو مستحکم کرنا: یہ ایک اہم رشتہ ہے جس کے ستون باہمی عقد نکاح کے ذریعہ قائم ہوتے ہیں اور انسانی تعلقات کے دائرہ کو وسیع کرنے میں اس طرح مدد دیتے ہیں کہ کبھی یہ تعلق دراز ہوکر سماج کو بھی سمیٹ لیتا ہے۔

۴-تینوں تعلقات ختم ہونے کے طریقے: اس دائرہ میں سلامتی کے ساتھ تعلقات ختم ہوتے ہیں، نیز بھلائی فراموش نہیں کی جاتی ہے، تاکہ اس کے بعد ایسا کینہ جنم نہ لے جو بالکلیہ اس تعلق کو ختم کردے۔(۱۲۵)

ابن عاشورؒ کی تحریریں وہ اہم تحریریں ہیں جس نے اسلام میں خاندان کے نظام اور مسائل کے بارے میں بحث کے پہلو کو مناقب وفضائل سے نکال کر ایسے متکامل الارکان خاندانی ادارہ میں پہنچا دیا ہے جس کے اپنے رول، مقاصد اور دقیق ولطیف اور عمدہ نظام ہیں، جن سے لوگوں کے تعلقات کی حد بندی ہوتی ہے اور جس نظام کے اندر افراد اور جماعت کے حقوق اور

۱۲۵- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، مرجع سابق، ص: ۱۵۵-۱۶۴

ذمہ داریاں منظّم ہوتی ہیں، جن میں اقدار پر مبنی نظام کے ذریعہ استحکام آتا ہے، جس سے تباہ کن چیلنجز کے وقت اندرو باہر سے خاندانی ادارہ کے ڈھانچہ کا تحفظ ہوتا ہے۔ سو یہی وہ پہلی اور آخری اینٹ ہے جو اسلامی امت کے اقدار کی حامل ہے اور اس کے تحفظ اور اس وقت اس کی دوبارہ تعمیر وتشکیل پر قادر ہے جب دوسری امت کی مشنریاں اور ادارے کمزور پڑ جاتے ہیں۔

اپنی کتاب ''مقاصد الشریعۃ'' میں ابن عاشور نے جو افکار ونظریات پیش کیے ہیں، ان کی اہمیت اس میں مضمر ہے کہ انہوں نے خاندان کے نظام اور مقاصد کو اسلامی معاشرت کے نظام کے نمونہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اور خاندان کو تنگ قانونی دائرہ سے نکال کر وسیع عمرانی دائرہ میں پہنچا دیا ہے۔ نیز کنٹرول کرنے والے اقدار اور کلی تصورات کو مناقب کے دائرہ سے نکال کر اہم منہج رکھنے والے ضوابط کے دائرہ میں پہنچا دیا ہے، جن سے سماجی زندگی کی سرگرمیاں اور تحرکات وتصرفات منضبط ومنظّم ہوتے ہیں۔ چنانچہ رواداری، حریت وآزادی، مساوات وبرابری اور عدل سے مربوط حق منہج پر مبنی ضابطے بن جاتے ہیں، جن میں مختلف قسم کے مصالح اور مفاسد اور اقدار سے ملتی جلتی ان کی قسمیں متکامل کلیات واصول کی شکل میں مرتب ہوتی ہیں، جن سے سرگرمی کے مراحل میں سے ہر مرحلہ میں سماج کی صورت حال کے تقاضے کے مطابق احکام کو ہم آہنگ کرنے میں مدد ملتی ہے۔ شریعت کے مقاصد کی سہ درجاتی ترتیب جو ''ضروری''، ''حاجی'' اور ''تحسینی'' درجہ میں منقسم ہے، منہج پر مبنی تعین کرنے والی چیز بن جاتی ہے، جس کے ذریعہ تاریخ کے اندر انسانی آبادی کی سرگرمی اور اس کے باہمی تعامل کے عناصر اور انسانی سماج کی اولین ضروریات منظّم ہوتی ہیں۔(۱۲۶)

اس طرح ابن عاشورؒ نے اسلام میں خاندان کے مسائل کو متکامل خاندانی ادارہ کی حیثیت سے موضوع بنایا ہے جس میں مثلث کی شکل میں خاندان کے مقاصدی ڈھانچہ کی

۱۲۶- سابقہ حوالہ ص ۱۵۵، اور اس کے بعد۔

حد بندی ہوتی ہے، جس کے بنیادی سانچہ کے اندر انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والے انسانی تعلقات کی تشکیل کے ذریعہ اس کے اساسی خطوط طے پاتے ہیں۔ ابن عاشورؒ نے اس بنیادی ڈھانچہ کو تین دائرے میں محدود کیا ہے اور ان کو نکاح قرابت داری اور سسرالی رشتے سے موسوم کیا ہے۔ پھر سلامتی کے ساتھ، جیسے طلاق وغیرہ کے ذریعہ ان تعلقات کے ختم ہونے کے طریقہ کے بارے میں گفتگو کی ہے، تاکہ اس طرح خاندان کی تنظیم کے یہ اہم ترین مقاصد بن جائیں، جن کا مقصد خاندانی ادارہ کی طرف نسبت رکھنے والے ہر فرد کے درمیان قائم انسانی تعلقات کے دائرہ کا تحفظ ہو، تعلقات کے اندر انسانوں کے درمیان باہمی کردار، حقوق اور فرائض و ذمہ داریوں کی حد بندی کے ذریعہ تعلقات کے دائرہ میں وسعت پیدا ہو۔ کیونکہ یہ تعلقات قانونی تنظیم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ابن عاشورؒ کی تحریر بعد میں آنے والوں کے لیے اس قسم کے مطالعہ کو مزید بہتر بنانے کے لیے میدان ہموار کرتی ہے۔ اس کے بعد اس تصور کے مطابق تعمیر و تشکیل کے لیے جمال الدین عطیہ کی کوشش ہوئی جسے ابن عاشورؒ نے پیش کیا تھا کہ خاندان ایک اہم ادارہ اور انسانی سماج کی بنیاد ہے۔ انہوں نے چار میدانوں میں مقاصد کی دائرہ بندی کی اور ان کو فرد، خاندان، امت اور انسانیت کے ساتھ مخصوص قرار دیا۔ انہوں نے خاندان کے مقاصد کو سات محوروں میں موضوع بنایا، جن میں وہ سارے کلیات و اصول شامل ہیں، جن کو اصولیین نے پیش کیا ہے، البتہ وہ قرآنی اقدار سے مربوط ہیں، جن سے کلی شکل میں ان کی تنظیم و تشکیل میں مدد ملتی ہے اور ان پر جزئی احکام زیادتی نہیں کرتے ہیں۔ انہوں نے پہلا مقصد یہ قرار دیا ہے کہ دونوں صنفوں کے درمیان تعلق کو منظّم کیا جائے، پھر نسل یا نوع کا تحفظ کیا جائے، نیز سکون و اطمینان، محبت و الفت اور ہمدردی کو وجود میں لایا جائے، نسب کا تحفظ کیا جائے، دین کا تحفظ کیا جائے اور خاندان کے تشکیلی پہلو کو اور اخیر میں مالی پہلو کو منظّم کیا جائے۔

☆☆☆

تیسری فصل:

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مقاصد کو مؤثر بنانے کا منہج اور طریقۂ کار

پہلی بحث: مسلم خاندان کی صورت حال

ہمارے اس دور کی طرح ماضی میں مسلم اقلیات کی صورت حال معروف نہیں تھی۔ قدیم دور میں ''مسلمانوں کی حکومت'' دنیا کی پہلی (اور سپر یمو) حکومت تھی۔ مسلمان سفیر، ڈپلومیٹک، تاجر یا گشت کرنے والے صوفی کی حیثیت سے متعدد غیر اسلامی ملکوں کا سفر کرتے تھے۔ عام طور سے وہ مقیم ہونے کی بجائے متعینہ مدت کے لیے زائرین ہوا کرتے تھے۔ بہر حال جو لوگ سیاسی اسباب، یا اپنے زمانہ کے حکام کی مخالفت کی وجہ سے اسلامی پایۂ تخت اور راجدھانی چھوڑ دیتے تھے اور ان کو امید ہوتی تھی کہ ان کے مقیم ہونے کی مدت طویل ہوگی، وہ عام طور سے دارالاسلام کے دور دراز حصوں میں چلے جاتے تھے، جہاں مرکزی حکومت کا اقتدار محدود ہوتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ غیر مسلم ملک میں بعض مسلمان ٹھہر جاتے تھے، ایسے لوگوں پر لیڈری، پر زور شخصیت اور بلند حوصلگی کا وصف غالب رہتا تھا، بسا اوقات وہ اسلامی حکومت بھی قائم کر لیتے تھے جو اس سمندر میں جزیرہ، یا جنگل و بیابان میں سرسبز و شاداب جگہ کے مثل ہوتی تھی، وہاں وہ محدود مدت کے لیے ٹھہرتے تھے۔(۱)

بہر حال غیر مسلم علاقوں میں بسنے والے مسلمان بہت کم تھے، جن پر دوسروں کو اقتدار

۱- (ارسلان، شکیب، تاریخ غزوات العرب، بیروت: دار مکتبۃ الحیاۃ، ۱۹۶۶ء

حاصل ہو اور جن پر غیر شرعی احکام نافذ ہوں۔ عام طور سے یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے ان غیر اسلامی ملکوں اور جگہوں میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ لوگ بھی اس بات کی شدید رغبت رکھتے تھے کہ اسلامی زندگی کے مطابق سرگرمیوں کو انجام دیں، لیکن ان کو ثقافتی اور قانونی چیلنجز کا سامنا ہوتا تھا، جس کی وجہ سے وہ اپنے درمیان کے اہل علم سے فتوی پوچھتے تھے، یا دل میں آنے والے سوالات اور استفسارات کو فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے بیت اللہ الحرام کا قصد کرنے والے حاجیوں کے ساتھ بھیجتے تھے، اس طرح کے استفسارات پر انفرادیت کی چھاپ ہوتی تھی جو علماء ان لوگوں یا اس طرح کے گروپوں کے مسائل سے نمٹتے تھے وہ ان کے ماحول میں پیدا ہونے والے مسائل اور سوالات کے نیچر کے درمیان قانونی، ثقافتی، فکری اور نفسیاتی فرق کی اہمیت سمجھتے تھے۔ یہ صورت حال فقیہ مفتی پر خواہ مجتہد ہو یا مقلد لازم قرار دیتی ہے کہ وہ دلائل پر اچھی طرح غور وخوض کریں اور ان کا مطالعہ اس طرح کریں کہ ان کے لیے فتوی جاری کرنے کی راہیں آسان ہو جائیں۔(۲)

۲- فتوی کی حیثیت دینی مسئلہ یا دینی حکم سے متعلق سوال کا ایک عالم یا فقیہ کی طرف سے جواب کی ہے۔ یہ فقیہ خاص طور پر مجتہد کی طرف سے غیر الزامی خبر ہے، کیونکہ فتوی کی بنیاد فقیہ کے استقراء، دلائل کی چھان بین، مطالعہ اور ہر حکم کے بارے میں مصالح اور مضرتوں کے درجہ اور حقیقی صورت حال کے ساتھ دلائل کے تجزیہ، نیز سوال کی حقیقت اور ماحول کے ساتھ دلائل کو مربوط کرنے اور استقراء کے نتائج بیان کرنے پر ہے۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے فتوی ''قضاء'' سے مختلف ہے، اس لیے کہ ''قضاء'' قاضی کا الزامی فیصلہ ہے، جس میں قاضی ثبوتوں اور اثبات کے دلائل کا سہارا لیتا ہے، جو کہ اقرار، بینہ، گواہ اور قسم وغیرہ ہیں۔ جبکہ فتوی میں مشق کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بغیر فقیہ عام لوگوں کو فتوی دینے سے عاجزہ رہ جائے گا'' ونشریسی'' ''المعیار المعرب'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''علم فقیہ کے کلیات اور اصول کے استعمال میں نیز لوگوں کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی جزئیات پر اصول کے انطباق میں ندرت ہے، جو کہ بہت سے لوگوں کے لیے دشوار ہے، چنانچہ تم ایک شخص کو پاؤ گے کہ اسے فقہ کے بہت سے مسائل یاد ہیں، ان کو سمجھتا بھی ہے اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتا ہے، لیکن جب اس سے نماز کے مسائل میں سے یا کسی متعین مسئلہ کے بارہ میں جو عوام میں سے کسی کو پیش آتا ہے، دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اچھی طرح جواب نہیں دے پاتا ہے، بلکہ بڑی دشواری کے بعد ہی مسئلہ سے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فتوی بھی مناسب ہو، جو بغیر کسی حرج کے پیش آمدہ واقعہ پر فٹ کرنے اور انطباق کے قابل ہو۔ نیز فتوی میں کلی قواعد اور شریعت کے عمومی مقاصد سے تجاوز نہیں کیا گیا ہو، بلکہ ان پیش آمدہ واقعات کے لیے کلی قواعد اور شرعی مقاصد کی حیثیت دلائل کے ساتھ اساسی مصادر کی ہو۔ کبھی یہی کلی قواعد اور شریعت کے مقاصد نئے پیش آنے والے واقعات میں جن کی نظیریں نہیں ہوتی ہیں تنہا مصادر ہوتے ہیں۔

اس وقت ''فقہ الاقلیات'' کے اصول کی تشکیل کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ ہنگامی صورت حال موجود نہیں تھی، جس کے اصول وفروع نکالنے کی ضرورت کی طرف مجتہدین متوجہ ہوں، لہٰذا اس طرح کے مسائل انتہائی تنگ دائرہ میں تھے جو ''فقہ النوازل'' یا ''فقہ الضرورات'' سے موسوم تھے۔

بہرحال آج کل انسانی ہجرت (ترک وطن) کے واقعات بڑی کثرت سے پیش آتے ہیں، خاص طور سے آخری دور میں دنیا میں بالعموم اور عالم اسلامی میں بالخصوص کثرت جنگ، سیاسی اور معاشی دباؤ اور تبدیلیوں کے نتیجہ میں مغربی ممالک کی طرف ہجرت ہوئی ہے۔ یہ اس کوشش میں ہوئی ہے کہ افراد اور جماعت کے لیے حریت وآزادی کی تلاش کی جائے اور ان کے علمی اور معاشی حالات بہتر کیے جائیں، جس کی وجہ سے ''مسلم اقلیات'' کی تشکیل ہوگئی ہے۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا استعمال معاصر بین الاقوامی عرف میں عام ہے۔(۳)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) سائل کی مراد سمجھ پاتا ہے۔ دیکھیے: ونشریسی، احمد بن یحی، ''المعیار المعرب والجامع المغرب عن فتاوی إفریقیۃ والأندلس والمغرب، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۸۳ء، ج۱۰، ص: ۷۹-۸۰، نیز دیکھیے: قرافی، الفروق، مرجع سابق ج۱، ص: ۱۲۸-۱۲۹، قرافی: الاحکام فی تمییز الفتاوی عن الأحکام وتصرفات القاضی والامام، تحقیق: عبدالفتاح ابوغدہ، بیروت، دار البشائر، ۱۹۹۵

۳- علوانی، طہ، ''فی فقہ الأقلیات المسلمۃ'' قاہرہ، نہضۃ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۰۰۰، ص: ۴۔ شیخ یوسف قرضاوی اور شیخ طہ علوانی کا شمار فقہ الاقلیات کے اولین نظریہ سازوں میں ہوتا ہے۔ دیکھیے: قرضاوی، یوسف، ''فی فقہ الأقلیات المسلمۃ: حیاۃ المسلمین وسط المجتمعات الأخری، قاہرہ، دار الشروق، ۲۰۰۱ء

جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسلم اقلیات کے ساتھ معاملہ الگ ہو، اس کا فلسفہ اور نیچر بھی الگ ہو جس میں اس قسم کی فقہ کی ضرورت ہے جس میں حکم شرعی کو جماعت کے احوال سے مربوط کرنے کی رعایت رکھی گئی ہو۔ چونکہ اقلیتوں کی قسم اور تقاضے ایک جگہ اور دوسری جگہ مختلف ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے سوالات اور دینی وفقہی مسائل کا جواب مسلم اکثریت والے ماحول سے الگ ہونا چاہئے۔ اسی وجہ سے فلسفہ، فقہ اور سرگرمی کے اعتبار سے ''فقہ الاقلیات'' پیش کی گئی، جو کہ ایک متعین جماعت کی فقہ ہے جس کے مخصوص حالات ہیں، جن کے اندر وہ مسائل وامور درست ہو سکتے ہیں جو دوسری جماعت کے لیے درست نہیں ہو سکتے ہیں۔(۴)

۱-تاریخی اور سماجی سیاق کے درمیان امریکی صورت حال:

پیش آمدہ صورت حال کا مطالعہ مجتہد کے سوال کی تشکیل کا اہم ترین تقاضا ہے، جس سے بعد مختلف پہلوؤں کے اندر اہم ترین مقاصد واہداف کی حد بندی میں اسے مدد ملے گی۔ اس لیے عمومی طور پر امریکی سماج کی تبدیلیوں کے تیز رو تجزیاتی مطالعہ کی انجام دہی اہم ہے۔ اس لیے کہ یہ سماج تیز رو مختلف تبدیلیوں سے گزرا ہے، جس نے تمام سطحوں پر اس کی ساخت اور قالب پر اثر ڈالا ہے۔ قدیم امریکہ بحر اٹلانٹک سے بحر ساکن تک ایک متحدہ سیاسی وحدت نہیں تھا۔ ملک کے رقبہ میں ۱۷۸۳ء میں پیرس میں سلامتی کے معاہدہ کے بعد بتدریج وسعت آئی۔ اس کو لطیف انداز میں بیان کرنے والوں میں سے اہم ترین شخص فرانسیسی محقق الیکسیس ٹوکفیل ہیں جو ۱۸۳۱ء میں امریکہ آئے تھے، انہوں نے اسے امریکی استثناء (American Exceptionalism) کا نام دیا تھا۔ اس کی وجہ سے امریکہ کو آزادانہ نظام کا امتیاز حاصل ہے جس کی بنیاد یہ ہے کہ سنجیدہ عمل کے ذریعہ فرد کو ترقی دی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے قدرتی طور پر صلاحیتوں سے نوازا ہے، اس

۴- علوانی، فی فقہ الأ قلیات المسلمۃ، مرجع سابق، ص:۵

نظام کے مطابق انسان کا اپنے عمل کو بحسن وخوبی انجام دینا زمین پر اس کی ذمہ داری یعنی الٰہی صدا (God's Call) کا حصہ ہے، اس لیے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ موروثی عادات نیز استبداد اور ڈکٹیٹرشپ کو مسترد کرتے ہوئے ایجاد واختراع اور ترقی کے مواقع فراہم کرنے کے لیے سنجیدہ عمل کو انجام دے۔(۵)

اپنی عملی کامیابی پر مبنی (Pragmatism) پس منظر اور پابند بنانے والے سرمایہ سے نسبتاً آزاد ہوکر امریکی تجربہ واقعی عملی وسائل وضع کرنے میں کامیاب رہا، اس نے سیاسی، معاشی اور سماجی دائرہ میں بہت سے توازن کے تحفظ، معاملات کو آسان بنانے اور بہتر ہم آہنگی، ربط وضبط اور تعامل کی اپنی قدرت ثابت کردی۔ ان اہم وسائل میں سے ایک ۱۷۷۶ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے دستور کو وجود میں لانا ہے۔ جو امریکی سماج کے لیے اساسی سماجی بنیادوں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔ اس میں عمومی مصالح خصوصی مصالح کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اور بالخصوص سماجی تبدیلی کا اہم ذریعہ ہے، کیونکہ اس کے اندر پیچیدہ سماجی مسائل آتے ہیں جن کے لیے قانون سازی کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ بعد میں وہ سماجی روایت میں تبدیل ہوجائیں، یا سپریم کورٹ کے مباحثے اور فیصلے کے بعد مخفی ہوجائیں۔(۶)

تنفیذی سطح پر دستور کا اہم ترین امتیاز مرکزی حکومت کے رول کا کم ہونا ہے، نیز تینوں اقتدار کو الگ الگ کردینا ہے جن کے خدوخال دستور نے طے کیے ہیں اور وہ ہیں: (۱) تنفیذی اقتدار (جس میں صدر، وزارتیں اور مختلف حکومتی ڈیپارٹمنٹس شامل ہیں)۔(۲) قانون سازی کا اقتدار: یہ کانگریس کی کونسل (Council) کو حاصل ہے، اس کی ذمہ داری قوانین جاری کرنا،

5- Nash, Gary, Julie Roy Jeffrey, John R. Howe, Peter J. Frederick, Allen F. Davis, and Allan M. Winkler. The American People. New York: Harper and Row Publishers, 1986

۶- ہاشم، مازن موفق، امریکا بلد المتناقضات، دمشق: دار الفکر، ۲۰۰۷ء، ص ۲۶

قوانین کی تشریح کرنا اور اموال کے خرچ کی تصدیق کرنا ہے۔ اس مجلس میں: معززین کی مجلس (Council of notables) شامل ہے، جس میں ہر ریاست کی نمائندگی دو شخص کرتے ہیں۔ نیز اس مجلس میں پارلیامنٹ شامل ہے، جس میں ہر ریاست اپنے باشندگان کی تعداد کے تناسب سے نمائندگان کی ایک تعداد کے ساتھ شریک ہوتی ہے۔ دونوں مجلسوں کے ارکان کا انتخاب ہوتا ہے۔ اقتدار سوم: عدالتی اقتدار ہے۔ جس میں سپریم کورٹ شامل ہے جس کے ارکان کو کانگریس کی موافقت کے ساتھ صدر نصب کرتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری مختلف فیہ مسائل کے دستور کے موافق ہونے کے بارے میں بحث کرنا ہے اور ان کے سلسلہ میں فیصلہ صادر کرنا ہے۔ اگر چہ انسانی تاریخ اس تصور سے آشنا ہے کہ مختلف اقتداروں کو الگ الگ رکھا جائے اور ہر اقتدار کے مخصوص دائرہ کی حد بندی کر دی جائے، لیکن امریکی تجربہ قانونی اور تنفیذی انضباط کے ساتھ ممتاز ہے۔ دوسری طرف امریکہ میں شہری سماج کے ڈھانچہ کی قوت و مضبوطی سماجی تبدیلی اور سیاسی استبداد اور ڈکٹیٹرشپ کے مقابلہ کے لیے اہم ترین وسائل کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو متعدد مسائل کے حل میں نئی حکومت کے نمونہ کی ناکامی کا ردعمل ہے، کیونکہ بسا اوقات خود حکومت ہی ان مسائل کے پیدا ہونے کا براہ راست سبب ہے۔ (۷)

۷- شہری سماج کا تصور قدیم تصور ہے، قوموں نے مختلف صدیوں کے درمیان اس پر عمل کیا ہے۔ بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مدینہ منورہ میں آنے کے بعد اور ''میثاق مدینہ'' کی تحریر کے ذریعہ شہری سماج کے ڈھانچہ کی تشکیل کی، اسی کے ضمن میں باہمی سماجی کفالت کا نظام بھی شامل ہے، جیسے: زکوۃ، صدقہ اور وقف، نیز اس میں خاندان کی ساخت، قالب اور انسانی تعلقات بھی شامل ہیں، خاص طور سے وسیع خاندان بھی شامل ہے۔ نیز ہمسایہ کے تعلقات بھی شامل ہیں، جن سے محلے اور پھر شہر کی تعمیر و تشکیل ہوتی ہے، نیز شہری سماج کے دوسرے ادارے وجود میں آتے ہیں۔ شہری سماج کی اسلامی ساخت کا امتیاز یہ ہے کہ فطری تعلقات پر اس کی تشکیل ہوتی ہے، جیسے: خاندان اپنے تعلقات کے ساتھ دراز ہو کر سماج کو بھی سمیٹ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب لوگ سماجی مسائل کے حل میں شریک ہوتے ہیں۔ صدیوں کے دوران اس نظام نے اپنی صلاحیت ثابت کر دی ہے۔ پھر شہری سماج کے اداروں کے ڈھانچہ میں انتشار کی وجہ سے تیسری دنیا کے ممالک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

امریکہ میں شہری سماج کے نمونہ نے اپنی قوت اور فوقیت اس طرح حاصل کی کہ اس نے شہری اداروں کو دوبارہ مرتب کیا اور سیاسی ادارہ سے تکامل حاصل کیا۔ اسے قوت اس طرح حاصل نہیں ہوئی کہ وہ سیاسی ادارہ سے جدا رہا۔(۸)

اس سے تکاملی طریقہ پر سماج کی ضروریات پوری کرنے میں آسانی ہوئی۔ مثال کے طور پر محلوں کی خدمات، جیسے: عمومی لائبریاں، ورزش کے ہال اور تیرنے کی جگہیں وغیرہ۔ جنہیں نیم حکومتی عمومی خدمات کے ادارے انجام دیتے ہیں۔ جن سے افراد کو موقع ملتا ہے کہ وہ اس طرح کی خدمات کی نگرانی کریں اور ان کو آسان بنائیں۔ عام طور سے محلّہ کے بجٹ سے ان کو مال فراہم کیا جاتا ہے، کبھی ضلع سے بھی ان کا تعلق ہوتا ہے، البتہ فیڈرل حکومت سے ان کا تعلق نہیں ہوتا ہے۔ اس طرح ہر محلّہ کی ذمہ داری ہوگئی کہ اس طرح کی خدماتی سرگرمیوں کو انجام دے، حتی کہ ہر سماجی سرگرمی، معاشی سرگرمی، یہاں تک کہ سیاسی سرگرمی کے لیے بھی ایک انجمن یا غیر نفع بخش ادارہ وجود میں آ گیا یعنی رضا کارانہ ادارہ وجود میں آ گیا جو اس خدمت کو اس مسئلہ کو تسلیم کرنے والے نفع بخش اداروں کے تعاون سے انجام دیتا ہے۔

بنا بریں حکومت کے ساتھ متوازن تعلقات رکھنے کے سلسلہ میں اس طرح کے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) میں نئی حکومت کا نمونہ پیش ہوا جو شہری سماج کی قوت کا مرکز تھی، (لیکن وہ بھی) سماج کو تحفظ فراہم کرنے والے ایسے حکومتی اداروں کی تشکیل میں ناکام رہی جو اس کے پیچیدہ مسائل کا حل فراہم کرتے، لہٰذا اس کے حالات بھی دگرگوں ہوگئے اور اس کے حل بھی دشوار ہوگئے

۸- ممالیک وغیرہ کے دور میں اسلامی معاشرہ میں یہی صورت حال تھی، جب وقف کے ادارے ترقی پر تھے اور لوگوں اور حکومت کے درمیان تعاون اور ربط وضبط تھا، چنانچہ سماج کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے مختلف میدانوں میں سینکڑوں اوقاف کی تشکیل ہوئی، متعدد انجمنوں اور سماجی سرگرمیوں میں شرکت کی وجہ سے مسلم خاتون کا رول بھی نمایاں ہوا۔ بعض عمارتوں، اداروں اور تاریخی دستاویزات سے اس بات کی برابر تائید ہورہی ہے، خواہ یہ قاہرہ میں ہوں، یا دمشق میں یا استنبول وغیرہ دیگر مرکزی شہروں میں ہوں۔

ادارے یا انجمنیں مختلف سطحوں پر سماجی خدمات کو ترقی دینے کے تئیں متعدد قسموں میں منقسم ہیں۔ اس طرح کے رفاہی اور تفریحی انجمنوں کو ٹیکس سے سبکدوش رکھا گیا ہے، کیونکہ وہ ایسے کام و خدمات انجام دیتی ہیں جو حکومت کے کندھے سے ذمہ داری کا بار ہلکا کرتی ہیں۔ اس کے بالمقابل کچھ غیر نفع بخش ادارے ایسے بھی ہیں جو علمی اور اکیڈمک ہیں، حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات کے ذریعہ ممتاز ہیں، نیز ٹیکس سے بھی سبکدوش کر دیئے گئے ہیں۔ بسا اوقات خود حکومت ایسی تحقیقات کی انجام دہی کے لیے انہیں سرمایہ فراہم کرتی ہے جو سیاسی اور معاشی حکمت عملی کے ارتقاء یا تبدیلی کے لیے مؤثر طریقہ پر حصہ لیتی ہیں۔ لیکن بالعموم امریکی منصوبہ سازی کی بنیاد تنفیذی منصوبے پر ہوتی ہے نہ کہ اسٹراٹیجک (Strategic) منصوبے پر۔ جو باریک بینی کے ساتھ مستقبل کے نتائج شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ پیش آمدہ واقعات و امور کے سلسلہ میں منصوبہ سازی ہوتی ہے۔ آنے والے امور کے سلسلہ میں نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بات معلم ہے کہ چیلنجز کے فوری و تیز رو جواب سے متوقع غلطیوں کو محدود دائرے میں محدود کرنے کی امریکہ کو قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔(۹)

اس طرح حکومت اور غیر حکومتی اداروں کے درمیان باہمی تعاون اور ہم آہنگی کے ارتقاء کا فرد کی سطح، سوچ اور سرگرمیوں پر مثبت اثر پڑتا ہے اور فرد کو ایسی آزادی حاصل ہوتی ہے جس سے اسے اپنے افکار و خیالات اور اصول کی تعبیر کا موقع ملتا ہے۔ اور فرد، سماج اور حکومت کی سطح کے درمیان توازن کے ساتھ ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سماج کے مسائل کے مناسب حل کو بہتر شکل دینے کے لیے حکومت ان انجمنوں اور اداروں پر اعتماد کرتی ہے۔ مزید برآں یہ انجمنیں حکومت کی سرگرمیوں کے لیے رہنما اور نگراں کا رول بھی ادا کرتی ہیں۔

خاندان کے مسائل اور چیلنجز کے بارے میں امریکی سماج کے ادارہ جاتی عمل کا اگر ہم

۹- ہاشم، امریکا بلد المتناقضات، مرجع سابق، ص: ۳۰ اور بعد کے صفحات

جائزہ لیں اور مثال کے طور پر ''خاندانی تشدد'' (Domestic Violence) کو لیں تو ہم دیکھیں گے کہ باہم مربوط متعدد سطحوں پر ہم آہنگ طریقہ پر اس مسئلہ کو کس طرح پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب سماج میں کوئی مسئلہ رونما ہوتا ہے، جو کبھی ایک عرصہ سے بھی موجود ہوسکتا ہے تو ہم پاتے ہیں کہ اس کی طرف توجہ ہوتی ہے، خواہ اعداد وشمار جمع کر کے جس سے مسئلہ کی سنگینی معلوم ہو، یا کتاب لکھ کر ہو، یا قانونی شکل میں ہو، یا اس کی مانند دیگر طریقوں سے ہو۔ اس کے بعد اکیڈمک اداروں اور ذرائع ابلاغ کے اندر اس کا علمی اور عملی مناقشہ شروع ہوتا ہے، پھر اس کے ساتھ تعامل کرنے اور اس کا حل پیش کرنے کے لیے ادارے یا انجمنیں تشکیل پاتی ہیں۔ حقیقت میں عملی سرگرمی اور تطبیق کے نتائج کے مطالعہ کی بنا پر وہ ادارے ارتقاء کے مرحلہ میں پیش قدمی کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم موجودہ دور میں خاندانی تشدد کے مسئلہ کو دیکھیں تو ہم پائیں گے کہ کئی اکیڈمک میدانوں میں اس مسئلہ پر توجہ دی گئی ہے، مزید برآں تین دہوں یا اس سے کم کے اندر سینکڑوں ادارے اور انجمنیں اور پروگرام وجود میں آئے ہیں جنہوں نے قانونی، مذہبی، تعلیمی، اکیڈمک، ابلاغی، تربیتی، طبی اور نفسیاتی وغیرہ سطح پر اس مسئلہ کے ساتھ تعامل کیا ہے۔ اس طرح امریکی سماج پیچیدہ ترین مسائل کا سامنا کرنے کی قدرت اور لچک کے سلسلے میں رہنما نمونہ بن گیا ہے۔

جہاں تک تاریخی اعتبار سے اہم ترین تحریکوں کا تعلق ہے جن کا امریکہ میں سماجی تبدیلی، بالخصوص خاندان کے ڈھانچہ پر اثر پڑا، وہ تحریکیں یہ ہیں: پہلی تحریک ترقی کی تحریک ہے جو ۱۸۹۰-۱۹۲۰ء کے درمیان قائم رہی اور سماجی تبدیلی کے سلسلہ میں اس کے نمایاں اثرات مرتب ہوئے، کیونکہ اس نے سماج کے متوسط طبقہ میں اصلاحات کیں اور سماجی عدل و انصاف کو عام کیا، اس طرح کہ اس نے عمال، مہاجرین اور فقراء کے حالات کو بہتر بنایا۔ چنانچہ بچہ مزدوری کا خاتمہ ہوا اور مردوں اور عورتوں کے لیے کام کے اوقات کا تعین کیا گیا، کیونکہ امریکی سماجی اقدار کی بنیاد متعینہ طور پر ماں اور خاندان کے تقدس کے اصول پر ہے، اسی طرح اصلاح

پسندوں نے تعلیم کے مسئلہ پر توجہ دی، نیز اخلاقی بگاڑ اور نشہ آور اشیاء اور منشیات کی عادت کا حل نکالنے پر بھی توجہ دی۔ ان مراکز کا بھی نوٹس لیا جو بے مقصد افلام کی نمائش اور شراب خانوں کے ذریعہ عام ہونے لگے تھے۔ امریکہ کی تاریخ میں اس تحریک کا شمار اہم ترین اصلاحی تحریکات میں ہوتا ہے۔

تقریباً اسی عرصہ میں ۱۹۲۹ء میں بڑے پیمانہ پر معاشی مندی چھا گئی، جس کے اثرات خاندان پر بھی مرتب ہوئے، کیونکہ شوہر کی حیثیت متزلزل ہوئی اس لیے کہ وہ اپنے خاندان کے لیے مناسب آمدنی کو محفوظ کرنے سے عاجز ہو گیا، چنانچہ شادیوں اور پیدائش کا تناسب کم ہو گیا۔

دوسری عالمی جنگ کے خاندان پر اثرات اس طرح مرتب ہوئے کہ جنگ میں تعاون کے مقصد سے مختلف میدانوں میں عورت کام کے لیے داخل ہوئی، جس کا عمومی طور پر خاندان کے ڈھانچہ پر اثر پڑا۔

دوسری تحریک: شہری حقوق کی تحریک ہے جو چھٹے دہے میں اٹھی، لیکن اس کے اندر متعدد متعارض امور شامل تھے۔ بعد میں اس تحریک کا شادی کے مفہوم اور خاندان کے ڈھانچہ کی تبدیلی پر بڑا گہرا و عمیق اثر پڑا۔ اس تحریک میں فکری اعتبار سے متضاد تنظیموں کا ایک گروپ بھی شامل ہو گیا، جس نے افریقن امریکن پر ظلم اور ان کی توہین کے واقعی بحران کے حل میں حصہ لیا، اس تحریک کی قیادت ''مارٹن لوتھر کینگ جونیر'' کے ہاتھ میں تھی۔ یہ تحریک افریقیوں تک محدود نہیں تھی، (بلکہ) اس کی صفوں میں سفید فام اور یہود کی ایک تعداد بھی شامل تھی۔ یہ تحریک فرد، کے حقوق بالخصوص مڈل کلاس کے حقوق کی سطح بلند کرنے پر قادر ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۶۴ء میں شہری حقوق کا قانون پاس کیا گیا۔ جس کے بموجب عمومی فائدہ اٹھانے کی جگہوں (عمومی مقامات) پر نسلی امتیاز ممنوع قرار پایا۔ پھر اس میں ایک دوسرے قانون: Affirmative Action (مثبت کاروائی) شامل کیا گیا، جس کے مطابق تمام طرح کی اقلیات کو حق نمائندگی

حاصل ہوا (مثلاً: یہ حق مشترک اوصاف رکھنے والی نسل (Ethnicity) بالخصوص سیاہ فام کو بھی ملا، جو پہلے محروم تھے) ان کو یہ حق نمائندگی ملازمتوں اور یونیورسٹیوں میں بھی ملا۔ اس طرح قانونی اعتبار سے مذہب، قومیت یا نسل کی بنیاد پر مواقع کے مساوی نظام کی بنا پر ملازمت میں امتیاز ممنوع ٹھہرا۔ اس کے بموجب جنوب کے سیاہ فاموں کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت ملی۔ بہرحال سفید فام خواتین کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت ۱۹۲۵ء میں ملی۔ (۱۰)

نیز متعدد ایسے قوانین بنائے گئے، جن سے متوسط طبقہ کی خدمت ہوئی، جیسے عمر دراز افراد کے لیے صحت کی ضمانت، پرائمری اور مڈل اسکولوں کی امداد، فقراء کے لیے رہائش گاہ کی فراہمی، نیز دیگر قوانین جو ایسے قوانین کے مشابہ ہیں جن پر تیسرے دہے کے عرصہ میں عمل ہوا۔ اگرچہ ان اصلاحات کے خلاف سماجی سطح پر بغاوت بھی ہوئی اور ماضی کے رسم ورواج کو مسترد بھی کیا گیا، جن میں ''روایتی شادی'' بھی ہے۔ نیز کھلی ہوئی جنسی زندگی یعنی ''جنسی انقلاب'' اور جنسی سرگرمی اور نکاح کے درمیان ربط کو ختم کرنے کی تحریک کی تائید بھی عام ہوئی۔ چنانچہ اس عرصہ میں مانع حمل گولیوں، منشیات میں انہماک اور ایک خاتون کے ساتھ متعدد افراد کی لذت اندوزی کی صورتحال بھی عام ہوئی۔ یہ عرصہ خالص انفرادیت کی سرکشی کے ساتھ ممتاز ہے۔ حالانکہ پہلے جنسی بے راہ روی انفرادی سرگرمی تھی، لیکن اس عرصہ میں جنسی بے راہ روی اختیار کرنے والے مرد اور خواتین منظّم سماجی تحریکات میں شامل ہوگئے۔ اس کا دور وہی ہے جو پانچویں دہے کے آغاز سے عورت کی آزادی کی تحریک کا دور ہے۔ جو اس لیے اٹھی تاکہ مطالبہ کرے کہ (آزادانہ جنسی) سرگرمیوں کو جائز قرار دیا جائے اور عمومی سیاست کے دائرہ میں

10- Aguirre, Adalberto and vonthan Turner. American Ethnicity: The Dynamics and Consequencesor Discrimination, Boston: Mcgraw Hill, 2004, P. 27

اسے قانونی طور پر منظّم کیا جائے، نیز سپریم کورٹ کے ذریعہ بعض قانونی قواعد میں ترمیم کی جائے۔اس تحریک نے نسوانی تحریک کے سایہ میں فلسفیانہ تصورات حاصل کر لیے، کیونکہ جنسی بے راہ روی کا مطالعہ تطبیقی تحقیقات سے نکل کر نظریاتی تحقیقات کے دائرہ میں پہنچ گیا۔پھر ترقی کر کے یہ معاملہ اس حد کو پہنچ گیا کہ نسوانی جنسی بے راہ روی مختلف سیاسی اور سماجی پہلوؤں پر مبنی علمی تصور میں ڈھل گئی۔

اس طرح امریکہ میں انسانی خاندان کا ادارہ تقریباً کلی طور پر انتشار کی زد میں آ گیا، خواہ تکوینی سطح پر ہو یا فرائض کی سطح پر، کیونکہ اس کے نظاموں کی خلاف ورزی کی گئی۔جن میں اہم ترین ''نکاح'' ہے جسے انسانیت کے معلوم روایتی مفاہیم سے خالی کر دیا گیا۔یہ سب مادی سیکولرازم کے عام ہونے اور نسوانی تحریکات کے اٹھنے کے نتیجہ میں ہوا۔نسوانی تحریکات نے دونوں صنفوں کے تعلق کو حیوانی تعلق میں تبدیل کر دیا، جس کا مقصد صرف شہوت کی تسکین اور مادی آمدنی و منافع کا حصول ہے۔ان سب کے نتیجہ میں طلاق کی کثرت ہوئی اور فریقین کی طرف سے ازدواجی خیانت اور زنا کاری کے تناسب میں اضافہ ہوا۔لذت اندوزی پر زور دیا گیا اور اسے اساسی مقصد میں تبدیل کر دیا گیا۔زوجیت کے مفاہیم یعنی محبت والفت، ہمدردی اور قربانی وایثار کے مفاہیم جو گذشتہ صدیوں میں عام تھے ضائع ہو گئے۔حتی کہ شادی کا مفہوم ایک ایسا ظرف ہو گیا جس میں کسی بھی قسم کا تعلق آ سکتا ہے، خواہ یہ آشنائی کا تعلق ہو یا ہم جنس پرستی کا تعلق ہو (یعنی اغلام بازی ہو یا ''سحاق'' (عورت کا عورت سے رگڑ کر لذت اندوزی ہو) یا زنا کاری ہو یا بدکاری ہو یا کسی معزز فرد سے نطفہ طلب کرنا ہو، جب کہ اس سے لذت اندوزی، شہوت کی تسکین اور مادی کمائی حاصل ہوتی ہو۔پھر قانون نے مداخلت کرتے ہوئے ان مفاہیم پر زور دیا اور ان کو پختہ کیا اور آباء و اجداد کے اپنائے ہوئے اخلاقی اقدار اور اصول سے دستبرداری اختیار کی۔امریکی دستور کے اندر اس کی دفعات ریکارڈ کی گئیں اور انسانی تعلقات

کے لئے ایسا نیا نظام پیش کیا گیا جس سے انسانیت پہلے نا آشنا تھی۔

اس آخری امر نے خاندانی زندگی کے طرز کو ہی بدل دیا۔ چنانچہ ''روایتی نکاح'' سماجی طور پر قبول یافتہ تعلق کا واحد طرز نہ رہا، بلکہ اس کے مقابلہ میں متبادل طرز پائے گئے، جس کا اثر بالغ افراد کے تعلقات پر پڑا، نیز بچوں کی نشو ونما اور تربیت پر بھی پڑا۔

اس صورت حال نے دینداروں اور فیصلہ لینے والے افراد کو بے چین کر دیا۔ انہوں نے زنا کے کھلے تعلقات، ہم جنس پرستی کے تعلقات نیز جنسی بے راہ روی کے دیگر تعلقات جیسے متبادل کے سامنے نکاح کے ادارہ کو برباد ہونے سے بچانے کے لیے کوششیں کیں۔ آج مغربی صورت حال خود اس بات کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ بے راہ روی کے تعلقات انسانی سماج کی بربادی کا ذریعہ ہیں۔

اس سیاق میں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے جو یہ ہے کہ: روایتی خاندان کے تصور کے تحفظ کو بنیادی مقصد قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ یہ اہم مطلوب بن چکا ہے جس کی بعض جزئیات کو سماجیات کے ماہرین اور مذہبی لوگ دوبارہ بحال کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، خواہ صرف ظاہری شکل کو باقی رکھنے کے طور پر ہو؟

یقیناً اس کا جواب اثبات میں ہے، کیونکہ سیاست داں بھی اس مسئلہ میں دلچسپی لے رہے ہیں۔ ۲۰۰۵ء کے صدارتی انتخاب میں مقابلہ آرائی کرنے والی پارٹیوں کے ذریعہ یہ بات کھل کر سامنے آئی، حتی کہ یہ خاندانی مسئلہ ہی امریکی صدر کی کامیابی کے اسباب میں سے ایک تھا، جنہوں نے وعدہ کیا تھا کہ خواہ کمتر درجہ میں ہی سہی، امریکی دستور میں خاندان کے روایتی تصور کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے گی، کیونکہ روایتی خاندان کی تباہی کا مطلب ہے کہ درست محفوظ انسانی تعلقات کا خاتمہ ہو جائے۔

۲۔مسلم خاندان کو درپیش چیلنجز:

(الف) خاندان کا اصطلاحی اور تصوراتی اختلاف: نکاح اور خاندان کے تصوراتی ارتقاء میں دین کا کردار:

نمایاں ترین مفاہیم وتصورات میں سے جن کے بارہ میں بحث چھڑی ہے ''نکاح'' کی تعریف ہے اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کے چیلنجز ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں نکاح پر طاری ہونے والی تبدیلی بلاوجہ نہیں آئی ہے۔ بلکہ اس کے متعدد اسباب ہیں، ان میں سے ایک اس مذہبی تصور کا اثر ہے، جس پر امریکہ میں (متعین طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان) اعتماد ہے، جس کا قدیم وجدید دور میں تاریخی اور سماجی اعتبار سے نکاح کے مفہوم کی تبدیلیوں پر اثر پڑا۔

یہودی مذہب میں ''نکاح'' خاندان کے شعبہ میں متعین نظام کے فلسفہ کو معلوم کرنے کا اساسی محور ہے جو کہ اس نظام میں عورت کی صورتحال کی جانکاری ہے، کیونکہ خاندان کے اندر اس کا کردار اہم ہے، یہودیت اور نصرانیت میں بھی اس تصور کی تشکیل کا محور تخلیق کا واقعہ ہے، اس لیے کہ یہودیت کا خیال ہے کہ حواء کی بیٹیاں اس گناہ کی وارث ہیں۔ ''سفر تثنیہ'' میں وارد ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ عورت سے فرماتا ہے: ''تمہارے حمل کے وقت میں تیری تھکن میں اضافہ کروں گا۔ اور درد کے ساتھ تم فرزندوں کو جنو گی۔ شوہر کی طرف تیرا اشتیاق ہوگا اور وہ تمہارے اوپر سرداری کرے گا''۔(۱۱)

عورت کو اس حقیر نگاہ سے دیکھنے کا اثر ہوا کہ اس سے بہت سی سرگرمیاں اور قوانین کا ظہور ہوا جو اسی تصور کا عکس ہیں۔ اور یہی نسوانی آزادی کی تحریکات اٹھنے کا اساسی سبب ہے۔ اس کے باوجود یہودی مذہب میں نکاح کا درجہ بہت بلند ہے، خاندان ہی وہ واحد ادارہ ہے جو اولاد

۱۱- الکتاب المقدس، بیروت، دار الکنائس فی الشرق الأوسط، ط:۱، ۱۹۹۲، سفر التثنیہ، ۴، ۲-۳

کی پیدائش کا ذمہ دار ہے تا کہ بنو اسرائیل سے لیا گیا عہد الٰہی پورا ہو۔

چنانچہ یہودیت میں نکاح دینی فریضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہودیت میں عقد زواج کے حقوق مرد کے اردگرد مرکوز ہیں، تا کہ عورت کا کردار ثانوی درجہ میں رہے، جو اولاد کی پیدائش کی ذمہ داری، شوہر کی خدمت اور اس کی مطلق وکامل اطاعت سے تجاوز نہ کرے۔

اسی بنا پر ہم پاتے ہیں کہ بہت سے احکام واضح طور پر اس بات کو بتاتے ہیں کہ بیوی کے تئیں مرد کسی ذمہ داری کا پابند نہیں ہے، سوائے بعض مخصوص امور ومعاملات کے۔ عبرانی احکام کی دفعہ ۴۱۴ میں صراحت ہے: ''جب بیوی اپنے اہل خانہ کے گھر سے نکل آئے اور اپنے شوہر کے گھر میں داخل ہو جائے تو شوہر کو ان تمام باتوں میں جن کا بیوی کو حکم دے، مکمل اطاعت اور کلی تعمیل کا حق حاصل ہو جاتا ہے''۔(۱۲)

نیز دفعہ ۴۱۸ میں درج ذیل صراحت ہے: ''بیوی کے سارے مال پر شوہر کو ملکیت حاصل ہے، بیوی کو صرف اسی مال پر ملکیت حاصل ہوگی جو اس کے عقد نکاح میں اس کے مہر کے طور پر متعین کیا گیا''۔(۱۳)

مرد کی مرکزی حیثیت کی وجہ سے یہودی نظام میں مرد پر شادی کی صورت میں مالی بوجھ نہیں رکھا گیا ہے، اسی طرح طلاق کی صورت میں بھی مرد پر کوئی مالی بوجھ نہیں ہے۔ چنانچہ مرد کو مطلق

۱۲- خروفہ، علاء الدین، شرح قانون الأحوال الشخصیۃ: مقارنۃ القانون العراقی مع قوانین البلاد العربیۃ وبیان الأحکام المماثلۃ فی الشرائع الإسلامیۃ والیہودیۃ والمسیحیۃ، بغداد، ۱۹۶۲ء، ج:۱، ص: ۳۵۸، اور بعد کے صفحات۔ نیز دیکھیے: علوانی، رقیہ طہ، ''احکام الأسرۃ بین الإسلام والتقالید الغربیۃ: دراسۃ تحلیلیۃ مقارنۃ ضمن المسار التاریخی، مجلۃ الدراسات الإسلامیۃ، مج ۳۵، ع ۳، ۱۴۳۱ھ/ ۲۰۰۰ء، ص: ۱۷۱ اور بعد کے صفحات

۱۳- خروفہ، شرح قانون الأحوال الشخصیۃ، مقارنۃ القانون العراقی مع قوانین البلاد العربیۃ، و بیان الأحکام المماثلۃ فی الشرائع الإسلامیۃ والیہودیۃ والمسیحیۃ، مرجع سابق، ج۱، ص: ۳۵۸ اور اس کے بعد کے صفحات۔ نیز دیکھئے: علوانی، احکام الأسرۃ بین الإسلام والتقالید الغربیۃ، دراسۃ تحلیلیۃ مقارنۃ ضمن المسار التاریخی، مرجع سابق، ص: ۱۷۱

حق حاصل ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، اس لیے کہ اولاً و اخیراً وہی حق کا مالک ہے۔ یہودیوں کے مختلف مکاتب فکر مدارس طلاق کا تقاضا کرنے والے اسباب کے بارے میں مختلف ہیں۔ اور تشدد اور تساہل کے درمیان ان کی آراء الگ الگ ہیں۔ گیارہویں صدی تک یہ خیالات و تصورات باقی رہے۔ جبکہ اسی صدی میں طلاق پر بیوی کی موافقت کا مطالبہ شروع ہوا۔ چنانچہ یہودی مذہبی ذمہ دار جیروشوم نے فتوی صادر کیا کہ طلاق واقع ہونے کے لیے فریقین کی رضامندی شرط ہے۔(۱۴)

لیکن آج کل سماجی ڈھانچہ کی تبدیلی کے پیش نظر بڑی تبدیلیاں آئی ہیں۔ امریکہ میں موجودہ دور کے یہودی فقہاء ان چیلنجز کا جواب دینے کے لیے سنجیدگی سے کام کر رہے ہیں، جو معاصر تبدیلیوں کے نتیجہ میں سامنے آئے ہیں، وہ مذہبی عدالتوں کی تشکیل میں کامیاب رہے ہیں جو متعین طور پر یہودی تعلیمات کے مطابق خاندان کے مسائل کو حل کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مخصوص قوانین جاری کیے گئے ہیں۔ یہ ایک ایسا نمونہ ہے جس کے سنجیدہ مطالعہ کی ضرورت ہے، جس سے اس کے فلسفہ اور قوانین کا تجزیہ ہو سکے۔

مزید برآں اس کی عملی و انطباقی صورتوں کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے، نیز اس پر مرتب ہونے والے نتائج، یہودی خاندان اور اس کے افراد پر پڑنے والے اثرات کے دراسہ کی بھی ضرورت ہے۔(۱۵)

مسیحیت میں نکاح مخالف رویہ تھا، کیونکہ وہ عورتوں سے الگ تھلگ رہنے اور رہبانیت کا

۱۴- بدر، محمد، تاریخ قانون الزواج والأسرة، قاہرہ، مجلۃ المحاماۃ ۱۴۸۹ء، ص: ۱۹۵

۱۵- بہت سے مسلم وکلاء، بالخصوص عدالتوں اور قانونی اداروں میں کام کرنے والے (جیسے عبد عواد اور آصفہ قریشی وغیرہما)، خواہ نیویارک، یا نیوجرسی یا دوسرے شہر میں کام کرنے والے ہوں، ان کی یہ کوشش ہے کہ اسلامی نمونہ اور یہودی مذہبی عدالتوں کے نمونہ کے درمیان موازنہ کیا جائے یا قربت پیدا کی جائے۔ دونوں نمونوں میں چونکہ عمیق اختلاف ہے، اس لیے ضروری ہے کہ بعض ماہرین اس مسئلہ کا مطالعہ کریں اور باریک بینی سے اس کا تجزیہ کریں، تاکہ ایسے نتائج حاصل ہوں، جو اس میدان میں مسلم کمیونٹی کے ذمہ داروں کو درست فیصلے لینے میں مدد دیں۔

داعی مذہب ہے، جس کی وجہ سے انفرادیت کے تصور پر زور دیا گیا۔ ''انجیل متی'' میں وارد ہے: ''ان میں سے بعض افراد وہ ہیں جو آسمانی اقتدار کی وجہ سے شادی نہیں کرتے ہیں۔(۱۶)

پولس کے یہاں اس تصور میں اس درجہ ترقی ہوئی کہ ''اسپین'' کی ''فیرا'' اکیڈمی نے کلیسا کے بڑے پادری کے نکاح کی حرمت کا فیصلہ صادر کیا۔ اکیڈمی نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ غیر شادی شدہ رب کی عبادتوں میں زیادہ دلچسپی لے گا اور اس کا زیادہ اہتمام کرے گا کہ رب کو راضی کرے۔ جبکہ شادی شدہ دنیا کا اہتمام کرے گا کہ اپنی بیوی کو کیسے راضی رکھے۔(۱۷)

مسیحیت میں شادی کے اس نظریہ کا یہ اثر ہوا کہ خاندان سے متعلق احکام وقوانین اس میں بہت کم ہیں۔

عورت کے بارہ میں مسیحیت کا موقف یہودیت سے بہتر نہیں ہے، بلکہ اس دور میں روم میں رائج احکام میں سے بہت سے احکام داخل کر کے اس میں اضافہ ہوا ہے۔ چنانچہ پولس نے اعلان کیا: ''مرد عورت کا سر (سردار) ہے، اور عورت کا فرض ہے کہ مکمل طور پر اس کی تابعداری کرے۔ عورت کو اس حقیر نگاہ سے دیکھنا جاری رہا، چنانچہ عورت اور اس کی ساری چیز شوہر کی ملکیت تھی۔ اس طرح پادری خاندان عورت کی توہین کرتا رہا اور اس پر ظلم توڑتا رہا۔ اس نظریہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی حتی کہ اس اصلاحی تحریک کے بعد بھی جس کی قیادت ''مارٹن لوتھر'' نے کی۔(۱۸)

مسیحیت نے طلاق کو قطعی طور پر حرام قرار دیا، جیسا کہ حضرت مسیح علیہ وعلی نبینا السلام کی طرف سے ''انجیل مرقس'' میں وارد ہے: ''جو اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور دوسری خاتون سے

۱۶- انجیل متی: ۱۹/۲۱

۱۷- بدر، محمد، تاریخ قانون الزواج والأسرة، مجلة المحاماة، قاہرہ، ۱۹۱۴ھ، ص: ۵۰ اور اس کے بعد کے صفحات

۱۸- مرجع سابق، ص: ۸۰ اور اس کے بعد کے صفحات

نکاح کرلے وہ اس سے زنا کر رہا ہے۔ اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو طلاق دے دے اور دوسرے مرد سے شادی کرلے تو وہ زنا کر رہی ہے''۔(۱۹)

مسیحیت میں عقد نکاح کے مقدس ہونے کے تصور (۲۰) نے صرف طلاق کو ہی حرام نہیں ٹھہرایا، بلکہ تعدد ازدواج کو بھی حرام قرار دیا، جبکہ یہودیت میں تعدد ازدواج جائز تھا، لیکن مسیحیت رومن ماحول سے متأثر ہوئی، اس نے تعدد ازدواج اور باندی سے جنسی خواہش پوری کرنے کو اور زنا کو حرام قرار دیا۔ کلیسا کے بعض پادریوں نے روم کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ایسا کیا۔ جس کی وجہ سے مکمل و تفصیلی طور پر نکاح کے مفہوم کی حد بندی میں اضطراب پیدا ہوا۔ ایسا مکمل اور تفصیلی طریقہ نہ ہونے کی وجہ سے جو اس تعلق کے مفاہیم کی وضاحت کرے اور اس کے مقاصد کو بیان کرے۔ بہر حال موجودہ دور میں بہت سے گرجا گھر اور مسیحی انجمنیں روایتی نکاح کے تحفظ کی دعوت دے رہی ہیں اور کوشش کر رہی ہیں کہ اس سیاست اور قوانین پر اثر ڈالیں جو سماجی تبدیلیوں اور ان منفی اثرات کے نتیجہ میں خاندان کی فطرت کا تحفظ کرتے ہیں جن سے انسانی خاندان اور سماج دوچار ہے۔

ان کوششوں کے باوجود ان کو ایک مکمل ترین نمونہ کی ضرورت تھی، ویسا نمونہ جو اسلام میں پیش کیا گیا ہے جس میں بالغ ہونے سے پیغام دینے تک مرد اور عورت کے درمیان تعلق کی

۱۹- انجیل مرقس: ۱۰، نیز دیکھیے: بدر، تاریخ قانون الزواج والأسرة، مرجع سابق، ص: ۵۰، اور اس کے بعد کے صفحات

۲۰- چودھویں صدی میں آکر عقد نکاح یہودیوں کے یہاں مقدس ہوا، کیونکہ اس میں مذہبی شخص کے موجود رہنے کی شرط لگائی جانے لگی۔ جبکہ اسلامی نظام میں عقد نکاح مقدس نہیں ہے بلکہ شہری عقد ہے، کیونکہ اگر میاں بیوی کی زندگی محال ہو جائے تو طلاق ہی سب سے بہتر حل ہے، اس لیے کہ اسلام عقد نکاح کو تہذیب پر مبنی آبادی کو وجود میں لانے کے ایک ذریعہ کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ دیکھیے: Abd al Ati, Hummudah. The Family Structure in Islam. Maryland: American trust publication, 1977, P. 56-60

تفصیل شامل ہے، نیز عقد نکاح اور اس کے شرائط، میاں بیوی کے خاندان کے کردار، مہر، دلہن کی روانگی اور اس کے طریقے کی تفصیل بھی شامل ہے، مزید برآں اس میں میاں بیوی کے تعلق کی فطرت اور صحیح طریقہ پر اس تعلق کے تحفظ کو متعین کرنے والے امور کا بھی بیان ہے۔ نیز اسلامی نمونہ میں پیدا ہونے والے کسی قسم کے اختلاف کا حل بھی ہے، اختلاف سے نمٹنے کے طریقہ کی تفصیل بھی ہے، علیحدگی اور طلاق پر فریقین کے اتفاق کی کاروائیوں اور ان پر مرتب ہونے والے امور کا بھی بیان ہے، ہر قدم کے مقاصد اور انجام کی بھی مفصل وضاحت ہے، تاکہ قطعی طور سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ عقد نکاح ہی خاندان کی تعمیر وتشکیل کا افضل و بہتر طریقہ ہے، عقد نکاح دو فرد کے درمیان محض تعلق کا نام نہیں ہے (بلکہ جسمانی اور روحانی دونوں طرح سے مربوط ہونے کا نام ہے)۔ اس طرح اسلام کے لیے ممکن ہوا کہ امریکی سماج کے لیے اس اہم میدان میں اپنے عمدہ، نفیس اور تفصیلی نمونہ کو پیش کرے تاکہ بہت سے مسائل سے بچنے میں اسے مدد ملے، کیونکہ کتاب وسنت میں وارد نمونہ کو ہو بہو پیش کر دیا گیا ہے، اس کے گرد بنے جانے والی رسم وریت اور روایات پر زور نہیں دیا گیا ہے، جن میں لوگوں کے اجتہاد، ان کے ماحول کے اختلاف، نص کو سمجھنے کے متنوع طریقہ اور اپنی فطرت میں پیچیدہ اور متنوع انسانی صورت حال پر منطبق کرنے کے طریقے کے نتیجہ میں صحت اور غلطی دونوں کا امکان ہے۔ امریکہ میں مختلف میدانوں اور مہارتوں کے مختلف شعبوں میں موجود اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ بہتر طریقہ پر اس ممتاز نمونہ کو پیش کرنے کے لیے لازمی کوشش کریں تاکہ اس معاشرہ کی تعمیر و تشکیل میں ان کا حصہ ہو۔

چونکہ امریکی نمونہ سیکولر تجربہ پر مبنی ہے اور عمل کی کامیابی (Pragmatism) پر زور دیتا ہے، اس لیے اس میں بالعموم سماجی علوم حقیقی صورت حال اور تمام سطحوں پر تغیرات اور تبدیلیوں اور ان کے اثرات کے مطالعہ سے مربوط ہیں۔

عقد نکاح اور خاندان حقیقی صورت حال اور علمی بحث ومباحثہ کے درمیان:

مغرب میں خاندان متعدد مرحلوں سے گزرا ہے اور ماضی قریب کے عرصہ میں مغربی نقطۂ نظر سے خاندان کا مطالعہ اس طرح ہوا ہے کہ اس میں تغیر وتبدیلی واضح ہے اور حقیقی صورت حال سے مربوط ہے۔ حقیقی صورت حال کے تجزیہ اور مغربی مطالعے پر اس کے اثرات کے منفی اور مثبت دونوں پہلو ہو سکتے ہیں، کیونکہ مغربی سماج جن تبدیلیوں سے گزرا ہے ان کا جائزہ لیے بغیر مغربی علوم کو سمجھنا، ان کی درجہ بندی کرنا اور ان کے باہم قریب ہونے کے متعدد عوامل ومحرکات کی خصوصیات کو پانا دشوار ہے۔

علوم بالخصوص مغربی سماجی علوم کا ارتقاء حقیقی صورت حال سے مربوط ہے، نیز پیش آمدہ واقعات میں محصور ہے، ایسے واقعات میں محصور نہیں جن کا ہونا ضروری ہے۔(۲۱)

آٹھویں اور نویں دہے سے لے کر آج تک کے عرصہ میں متعدد اسپیشلائزیشن کے اندر اکیڈمک سطح پر خاندان اور اس کے مسائل سے بحث کی گئی۔ ارتقاء کے اعتبار سے اس کا شمار تیز ترین تحقیقات اور مطالعات میں ہوتا ہے، حتی کہ اس ادارہ کے رقبہ کی وسعت اس کی متنوع جزئیات، وسیع تعلقات اور حقیقی نتائج کے پیش نظر دوسرے علوم کے ساتھ اس کا خلط ملط ہو گیا ہے۔ اس میں خاندان سے متأثر ہونے والی اور اثر ڈالنے والی سماجی صورت حال اور خاندان کے تجزیہ کے مطالعہ کے سلسلہ میں بہت سی مداخلتیں اور یکسانیت پر مبنی حل بھی پیش کیا گیا ہے۔ چونکہ امریکی سماج کے ڈھانچہ کی مضبوطی اس کے سول اداروں میں مضمر ہے اور اس کا تکامل سیاسی

۲۱- عزت، المرأة والعمل السیاسی: رؤیة إسلامیة، مرجع سابق، ص:۱۷۶، نیز دیکھیے: Burguicre, Andre, Christane Klapisch-Zuber Martine Segalen and Francoise Zonabenied. A History of the Family, Cambridg, Massachusetts: Havard University Press, 1996, Vol.2

ادارہ سے ہوتا ہے، اس لیے کسی متعین مسئلہ پر زور دینے کے وقت یہ چیز نمایاں ہوجاتی ہے۔ اسی سیاق میں امریکی سماج کے اندر خاندان اور عقد نکاح کی تعریف کی جائے گی، نیز ان دونوں کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جائے گا۔ البتہ یہ مطالعہ سماجی تحقیقات کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، اس لیے بالخصوص اکیڈمک میدان میں متعین نمونہ پر جائزہ محدود رہے گا جو موضوع کے عمومی تصور کو پیش کر سکے۔ اس لیے کہ سینکڑوں مراکز، انجمنیں اور اکیڈمک ادارے ہیں جنہوں نے ایک تصور کے طور پر عقد نکاح کو موضوع بنایا ہے، نیز سنجیدہ تحقیقاتی مجلّات نے عقد نکاح کے موضوع پر بحث کے لیے مکمل شمارے خاص کیے ہیں، بہ طور مثال نہ کہ بہ طور حصران ہی میں سے ایک مجلّہ ''خاندان اور عقد نکاح کے مطالعہ کا مجلّہ (Vournal of Marriage and Family) ہے جس نے ایک مکمل شمارہ (اس مقصد کے لیے) خاص کیا، جس میں امریکی سماج کے اندر عقد نکاح کے مفہوم اور خاندان کے مستقبل پر بحث کی گئی۔ (۲۲)

چونکہ یہ ایک علمی میگزین ہے اس لیے اس میں موضوع سے متعلق متنوع نقطہائے نظر پیش کیے گئے۔ اس طرح شادی کے مفہوم اور اثرات پر بحث کرنے کے سلسلہ میں تفاوت کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ہم پاتے ہیں کہ روایت پسند افراد نکاح کے نظام میں گراوٹ اور نکاح کے دائرہ سے باہر متبادل جنسی تعلقات کے بارے میں امریکی سماج کے بحث کے لیے متوجہ ہونے سے بے قرار و بے چین ہیں۔ جبکہ دیگر افراد لیبرالزم کے مفہوم کو وسیع اور ہمہ گیر مفہوم میں وجود میں لانا چاہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایک تیسرا گروپ ہم جنسی کے تعلقات کو اپنانے اور قبول کرنے کی دعوت اس طرح دیتا ہے کہ یہی فطری تعلق ہے اور منحرفانہ اور بے راہ روی کا تعلق نہیں ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ ہم جنس پرستوں کو شہری اور قانونی حقوق دیئے جائیں جن سے ان کا تعلق جائز ٹھہرے، چھٹے دہے کہ عرصہ میں ''ایرنسٹ برگیس'' نے نکاح کے مفہوم پر اثر انداز ہونے والی تبدیلی کے

22- Journal of Marriage and Family, No. 66 November 2009

اہم ترین مراحل کو پیش کیا۔ اور درج ذیل طریقے پر ان کا خلاصہ درج کیا:

۱- شادی کو ادارہ کے بجائے صداقت و دوستی کے مفہوم میں تبدیل کر دیا جائے جو میاں بیوی کے درمیان صرف باہمی صحبت و معیت کی اساس پر قائم ہو اور ادارہ کے مفاہیم سے اسے خالی کرنے کی کوششیں کی جائیں اور محض اس پر اکتفا کیا جائے کہ شادی کو ایک مقبول سماجی دائرہ بنالیا جائے جو صحبت و رفاقت کے تعلق کے ضمن میں پایا جائے۔

۲- تعلق کے میدان میں انفرادیت پر زور دیا جائے، کیونکہ انفرادی انتخاب صرف ذاتی خواہش کی تسکین پر قائم ہوتا ہے، جس میں ازدواجی تعلق پر اس حیثیت سے نظر نہیں ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسا ادارہ ہے جس کے اصول و فروع ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ ادارہ کے طور پر خاندان کی اہمیت اس میں مضمر ہے کہ وہ ایک اصلی سماجی یونٹ (Unit) ہے، صرف دو شخصوں کا تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ تعلقات کا ایک دائرہ ہے، جو ایسے خاندانوں کے درمیان تشکیل پاتے ہیں جو سسرالی رشتہ کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں، جو سماجی، قانونی اور مذہبی عرف میں جائز رشتے سمجھے جاتے ہیں۔ (۲۳)

23- Burgess, Ernest W., and Leonard S. (ott Rell. Predicting Success or Failure in Marriage, New York: Prentice Hall, 1939, Burgess, E.W., H.J. Locke, and M: M. Thomas. The family: from institution to companionship, 3rd, ed. new york, American Book 1963, Cherlin, Andrew J. "Deinstitutionalization of American Marriage", Journal of Marriage and Family 66, 4 November 2004): (848-861)

''برگیس'' (Burgess) خاندان کے انتشار کا پہلا سبب صنعتی انقلاب کو قرار دیتا ہے، جس نے وسیع خاندان کے اصول پر قائم اس زراعتی سماج کی جگہ لی، جس کے افراد بالعموم خاندان کی خدمت کرنے والے مشترکہ اہداف و مقاصد کو وجود میں لانے کے سلسلے میں باہم تعاون کرتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس طرح امریکی سماج میں شادی تین مراحل سے گزری ہے، کیونکہ اس کا آغاز سماجی ادارہ کے طور پر ہوا ہے۔ پھر اس نے محض ذاتی احساسات پر مبنی جذباتی تعلق کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے بعد اخیر میں وہ مطلق انفرادی انتخاب بن کر رہ گئی۔ (۲۴)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) دوسرا سبب نسوانی تحریک اور عورت کا گھر سے باہر نکلنا ہے، جس کی وجہ سے پدرانہ (Patriarchal) نظام میں کمزوری آئی اور اس کی جگہ نیوکلیر خاندان (Nuclear Family) یعنی انفرادی خاندان نے لی۔ پھر ساتویں دہے تک مسلسل تبدیلی ہوتی رہی اور طلاق میں عورت کے حق کا قانون (No Faultdivorce) آیا اور طلاق کا فیصلہ جاری کرنے کے سلسلہ میں فرد کو زیادہ قوی اختیار دیا گیا۔

دوسری طرف بعض اختلاف کرنے والوں نے شادی کے تقدس کو دوبارہ بحال کرنے کے بارے میں خبردار کیا، اس لیے کہ ان کو خطرہ تھا کہ پدرانہ (Patriarchal) خاندان کا نمونہ دوبارہ لوٹ آئے گا۔ جبکہ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آج کل امریکہ کے زیادہ تر خاندان فیصلہ لینے کے سلسلہ میں مساوات اور باہمی مشورہ کے اصول کو منطبق کرتے ہیں۔

(Amato, P.R., D.R. Johnson, A. Booth, and S. 4. Rogers" Continuity and Change inmarital Quality between 1980 and 2000', Journal of Marriage and family 65, 2003: 1-22

نیز شادی کا مستقبل اسی مساویانہ رخ پر گامزم رہے گا۔ جبکہ بعض محققین کا خیال ہے کہ میاں بیوی کے لیے تعلیمی و تربیتی پروگرام کو بہتر شکل میں ڈھال کر بیوی اور شوہر کی صورت حال اور ان کے تعلقات کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ محققین کی ایک تعداد کی پیشین گوئی ہے کہ میاں بیوی کے احوال بہتر ہوں گے، چیلنجز کے سامنے ایک ادارہ کی حیثیت سے عقد نکاح مستحکم رہے گا۔ نیز امریکی خاندان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں دیگر سماجی ادارے، جیسے: کلیسا وغیرہ کے باہمی تعاون سے وسیع خاندان کے رول کو دوبارہ بحال کیا جائے، نیز فرد اور جماعت کے درمیان توازن پیدا کیا جائے۔ دیکھئے:

Amato, Paul R." Tension Between Institutional and Individual views of Marriage', Journal of Marriage and Family 66, (November, 2004): 959-965.)

۲۴- (''انجلز'' کا خیال ہے کہ ازدواجی تعلقات قرون وسطی میں اس وقت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(ب) اعداد وشمار اور حقیقت کے درمیان چیلنجز:

امریکی خاندان میں مسلسل تبدیلیاں جاری ہیں بالخصوص چھٹے اور ساتویں دہے کے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ظاہر ہوئے جب مشترکہ جنس پرستی (Sexual Communism) عام ہوئی۔ لیکن اس دعوی کی کوئی تاریخی بنیاد نہیں ہے، اور آدم علیہ السلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک مسلم سماج کے تجربہ سے متصادم ہے، بلکہ یہ یکساں طور پر یہودی ومسیحی تجربہ سے بھی متصادم ہے۔

بعض مغربی تحریروں میں خاندان اور اس کے اندر کے تعلقات کے تجزیہ کے سلسلہ میں ''اقتدار''، ''قوت''، ''بحران'' اور ''باہمی بات چیت'' کے مفاہیم استعمال کیے گئے ہیں۔ دیکھیے: Scanzoni, letha, and John Scanzoni. Men, Women and Change, New York: Megraw Hill Book Co. 1976.

بعض ایسی تحریریں بھی ہیں جن میں شادی کے مراحل کا جائزہ لیا گیا ہے، یعنی اس نے ایک ادارہ کی شکل سے نکل کر ایک ایسے تعلق کی شکل اختیار کرلی جس کی حیثیت انفرادی انتخاب کی ہے جو میاں بیوی کے درمیان باہمی محبت ومنفعت پر مبنی ہے۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دہوں میں شائع ہونے والی تحریروں میں یہ رجحان نمایاں ہوا ہے۔ پانچویں دہے میں جذبہ اور شخصی انتخاب پر قائم شادی کا نمونہ سماجی طور پر قبول کرلیا گیا۔

''پول اموٹو'' (Paul R. Amato) نے امریکہ میں شادی سے دست کش ہونے سے متعلق بات چیت میں اس بارے میں بحث کی ہے اور اس نتیجہ تک پہنچا ہے کہ بعض گفتگو کرنے والے شادی سے کنارہ کش ہونے کا سبب ایسے خاندانوں کی کثرت کو قرار دیتے ہیں جو والدین میں سے صرف ایک کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں۔ جبکہ دیگر افراد کی رائے ہے کہ اس کا سبب انفرادیت اور مادیت کے تصور پر زور ہے، جس کی بنا پر شادیاں ختم ہونے کے خطرہ سے دوچار ہیں، اگر ان سے خالص مادی اور انفرادی پیمانہ کے مطابق خوشنودی اور سعادت وجود میں نہ آئے۔ ایک دوسری بات چیت کے مطابق شادیوں کی عمروں کے تناسب میں کمی کا سبب دوسرے فریق یعنی ماں کے بغیر والد کی قیادت میں خاندانوں کا اضافہ ہے، نیز خاندانی تشدد کی صورتحال اور منشیات کے استعمال اور دیگر سماجی مسائل میں اضافہ ہے۔ اس طرح کی گفتگو کرنے والے افراد اپیل کرتے ہیں کہ قربانی، ذمہ داری اٹھانے، رواداری اور عفو ودرگزر پر مبنی ازدواجی اقدار کو اس طرح زندہ کیا جائے کہ ایسے سماجی ڈھانچہ کی تشکیل ہو جو فرد کو ذمہ داری اٹھانے اور قبول کرنے کے عہد پر آمادہ کرے، اس حیثیت سے کہ وہ اس کے لیے اعزاز ہے۔ چنانچہ بیوی اور بچے کی ذمہ داری اٹھانا پسندیدہ اور مقبول چیز ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

درمیان میں یہ تبدیلیاں جاری رہیں۔

''انڈرو چرلین'' (Andrew J. Cherlin) جو ''جان ہاپکنز'' یونیورسٹی میں کام کرتے ہیں، ایک تحقیق میں جس کا عنوان ہے ''امریکہ میں شادی کے ادارہ ہونے کی حیثیت کا خاتمہ'' (The Deinstitutionalizatin of American Mariage) اہل علم اور محققین کے درمیان مباحثہ کا محور شادی اور خاندان کی تعریف پر محدود تھا۔ متعدد اہم مسائل اور دشواریوں کو بھی موضوع بنایا گیا۔ وہ مسائل اور دشواریاں ایسی ہیں جن کی وجہ سے ادارہ کی حیثیت سے شادی کو الگ رکھنے کی دعوت دینے والے رجحان کے تصورات کو چیلنجز کا سامنا ہے۔(۲۵)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ''برگیس'' (Burgess) کے نکاح سے متعلق تجزیہ کا مطالعہ اہم ہے۔ ان کی رائے ہے کہ شادی تبدیل ہونے والے مرحلہ سے گزر رہی ہے، یعنی وہ سماجی ادارہ سے نکل کر انفرادی انتخاب کی شکل اختیار کر رہی ہے، یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی دینی، قانونی اور سماجی ضوابط میں منضبط ہو کر مستحکم سماجی اکائی کی نمائندگی سے نکل کر دو فرد کے درمیان جذباتی تعلق میں تبدیل ہو رہی ہے۔ دیکھیے:

Burgess and Cottrell. predicting success or failure in marriage.

Burgess, Locke, and Thomas. The family from institution to companionship.

جبکہ بعض مخالفین شادی کے تقدس کو دوبارہ بحال کرنے کے بارے میں خبردار کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کو اندیشہ ہے کہ پدرانہ خاندان (Patriarchal) کا نمونہ دوبارہ لوٹ آئے گا۔ جبکہ تحقیقات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ آج کل اکثر امریکی خاندان فیصلہ لینے میں مساوات اور باہمی مشورہ کے اصول کو منطبق کر رہے ہیں۔ دیکھیے:

Amato, Booth, and Rogers, "Continuity and Change in Marital quality between 1980 and 2000".

Amato, Paul R. "Tension Between institutional and individual views of Marriage' 959-965)

25- Cherlin, Deinstitutionalization of American Marriage: 848-861

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''انڈرو'' نے شادی پر طاری ہونے والی تبدیلیوں کا مسلسل مطالعہ اور تجزیہ کیا۔ جن تبدیلیوں کی وجہ سے شادی تشکیلی ادارہ سے نکل کر ذاتی انتخاب کے مرحلہ میں پہنچ گئی۔ جس کا آغاز صنعتی تحریک سے ہوا اور ساتویں دہے میں نمایاں طور پر اس کا ظہور ہوا، جس کا نمایاں ترین سبب کام کے لیے عورت کا نکلنا ہے اور خلل اندازی یا کوتاہی کے بغیر ہر فرد کی ذمہ داریوں کو وجود میں لانے کی ضمانت لینے والے ضوابط کی عدم موجودگی میں مرد اور عورت کے کردار کا خلط ملط ہونا ہے۔(۲۶)

اس کے بعد شادی کے ادارہ سے باہر ناجائز بچے کی پیدائش میں اضافہ ہوا۔ ساتویں دہے میں شادی کے ادارہ کے دائرہ سے باہر باہم زندگی گزارنے کی صورت حال عام ہونے لگی، اور اس طرح کے تعلق کے سایہ میں بچوں کی پیدائش کی صورت حال بھی عام ہونے لگی۔ ساتویں اور آٹھویں دہے کی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) ''انڈرو چرلین'' کا نقطۂ نظر ان افکار و خیالات کی تفصیل کرتا ہے جن کو ''ارنسٹ برگیس'' نے بیسویں صدی کے وسط میں پیش کیا تھا۔ دیکھیے: Burgess and Cottrell. Preticting Success or failure in Marriage.

Burgess, Locke and thomas. THe family: from institution to companionship.

''برگیس'' (Burgess) کی رائے ہے کہ شادی سماجی ادارہ سے بدل کر مخصوص اتفاق تک پہنچ گئی ہے جس کی بنیاد صحبت و رفاقت پر ہے۔ جبکہ ادارہ سے مقصود اساسی سماجی تنظیم کی ایک اکائی ہے جو کہ باضابطہ حیثیت رکھتی ہے جسے سماجی دستور، عمومی رائے قانون اور مذہب منظّم کرتے ہیں، جس کے بالمقابل شادی کا وہ نمونہ ظاہر ہوا جس کی بنیاد دو فرد کے جذباتی تعلقات پر ہے

۲۶- شادی کو اس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ اس کی حیثیت ایک سماجی ادارہ کی ہے جو مرد اور عورت کے درمیان تعلقات کو منظّم کرتا ہے۔ لیکن آج اسے ''امریکی شادی کی ادارہ کا بکھراؤ'' کہا جاتا ہے۔ ادارہ سے علیحدگی کا مقصود شادی جیسے سماجی ادارہ میں لوگوں کی سرگرمیوں اور تصرفات کی شناخت سے متعلق سماجی بنیاد کی کمزوری ہے۔ اب ایسے مشترکہ سماجی قواعد و ضوابط نہیں رہے جو فرد کے تصرفات پر کنٹرول کریں، بلکہ ایسی صورت حال ظاہر ہوئی جو عمومی سماجی قواعد کی مخالف ہے۔ جس کی وجہ سے ادارہ نئے طریقے کو شامل کرنے کے لیے مباحثہ پر مجبور ہوا، خواہ وہ معروف طریقہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ Cherlin, "Deinstitutionalization of American Marriage" 848-861)

طرح یہ چیز مقبول نہیں تھی۔ ''انڈرو'' کا بیان ہے کہ اس صورت حال کے عام ہونے میں ذمہ داری سے فرار کی سب سے اہم حصہ داری ہے، اس لیے کہ باہم زندگی گزارنا ایک لذت اندوزی کا تعلق ہے جس کی بنیاد ذمہ داری کے بغیر انفرادی چاہت کی تسکین پر ہے۔ چنانچہ مادی یا معنوی پابندیوں اور ذمہ داریوں کے بغیر فریقین میں سے کوئی جب بھی علیحدگی چاہے تعلق آسانی سے ختم ہوجاتا ہے۔ ۱۹۹۷ء میں ناجائز بچوں کی پیدائش کا تناسب 69% ہوگیا۔ ۱۹۹۴ء میں ''ہاوائی'' (Hawaii) صوبہ کی سپریم کورٹ نے اعلان کیا کہ اغلام بازوں اور ''سحاق'' (باہمی رگڑ کے ذریعہ لذت حاصل کرنے والی) خواتین کے تعلق کو قانونی اور مقبول تعلق مان لیا جائے۔ ۲۰۰۲ء میں صوبہ ''میسا چوسٹس'' (Massachusetts) نے ہم جنس پرستی کی شادی کو قبول کرنے کا اعلان کیا، اس حیثیت سے کہ صوبہ کے دستور میں اسے محفوظ حق حاصل ہے۔ دیندار محققین کی تحریریں مجلّہ: ''خاندان کی تاریخ'' (Journal of Family History) میں شائع شادی کی تعریف میں اضطراب کی سنگینی سے بحث کرتی ہیں، نیز بے راہ روی کے انسانی تعلقات کی تشکیل کے سلسلہ میں اس کے اثرات سے بھی بحث کرتی ہیں۔ ان تحریروں میں اس کا بیان ہے کہ سابق میں خاندان سے متعلق یوروپی قانون مسیحیت کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرتا تھا اور اس کی اخلاقیات کی پابندی کرتا تھا اور نتیجتاً اس قسم کے منحرفانہ تعلقات کو مسترد کردیتا تھا اور ان کی مخالفت کرتا تھا، اس لیے کہ وہ انسانی خاندان کے ڈھانچہ کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔ لیکن اب یوروپ نے مطلقاً روشن خیالی کو اپنے قوانین اور اقدار کا سرچشمہ بنالیا ہے۔ اس وجہ سے اس نے اس قسم کی شادی قبول کرلی ہے اور اسے ایسے قانونی حقوق دیئے ہیں جو روایتی شادی کو دیئے گئے حقوق سے ملتے جلتے ہیں۔ جس کی بنا پر خاندان کا انجام خطرہ کی زد میں ہے۔ (۲۷)

محققہ ''اسٹیفنی کونٹز'' (Stephanie Coontz) نے جب ''تاریخی اعتبار سے

27- Rigaux, Francois, "Same gender Marriage: A European View" Journal of Family History 28, (2003): 199-207

خاندان اور شادی کی صورت حال کا مطالعہ کیا تو اس بات پر زور دیا کہ قدیم سماج میں شادی کا مفہوم سماج کی فطرت کا عکاس تھا، اگر سماج مذہبی ہوتا تو عام طور سے زنا کو حرام قرار دیتا تھا، لیکن اگر سماج بت پرستانہ ہوتا، جیسے: یونانی سماج تو اس میں ناجائز جنسی تعلقات عام تھے۔ مگر وہ تلافی مافات کے طور پر کہتی ہیں کہ: آج کے سماج بالخصوص مغربی سماج کے مقابلہ میں اس وقت اس طرح کے اختیارات کم تھے۔ پھر وہ بیان کرتی ہیں کہ: اس مسئلہ کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ انسانی فطرت جن تعلقات کو مسترد کرتی ہے، جیسے: زنا اور ہم جنس پرستی کے تعلقات ان کو قانونی جواز دینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حالانکہ یہ سنگین ترین چیلنج ہے جس کا روایتی یا فطری شادی کو سامنا ہے، بلکہ عمومی طور پر یہ انسانی تعلقات کے لیے چیلنج ہے۔ (۲۸)

اس طرح شادی کے دائرہ سے باہر باہمی زندگی (Cohabitation) کی صورت حال میں اضافہ ہونے لگا، حتی کہ اس نے سماجی اعتبار سے مقبول ادارہ کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے افراد کو بعض وہ حقوق اور ذمہ داریاں فراہم کی جانے لگیں جو میاں بیوی کو فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس طرح کے تعلق یعنی باہم زندگی گزارنے کے سات سال گزرنے پر اسے شادی کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

بعض تحقیقات اس طرف مشیر ہیں کہ شادی کے تناسب میں کمی آنے کے اسباب میں سے ایک اس قسم کے ناجائز تعلق کا عام ہونا ہے، خاص طور سے افریقی امریکیوں میں سے فقراء کے درمیان۔ (۲۹)

28- Coontz, Stephanic. "The World Historical Transformation of Marriage", Journal of Marriage and Family, 66, No.9 (November, 2004): 974-979)

29- Huston, Ted L., and Heidi Melz. "The case for Promoting marriage: the Devilis in the details." Journal of Marriage and Family, 66, No.4, November (2004) P. 949.

یہ سب اس وجہ سے ہے کہ (شادی) کے مادی اخراجات زیادہ ہیں اور قانونی وشہری ذمہ داری گرانبار کرنے والی ہے۔(۳۰)

اسی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہاں آبادیاتی (Demographics) صورت حال ہے جس نے امریکہ میں خاندان کو تباہ کیا، اس صورت حال سے انسانیت پہلے کبھی آشنا نہیں ہوئی تھی۔ اس کا آغاز بیسویں صدی کے نصف دوم سے ہوا۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں سماجی مطالعے اس طرف مشیر ہیں کہ روایتی امریکی خاندان کے خاتمہ میں اضافہ ہوا ہے اور بعض سنگین صورت حال عام ہوئی ہے، جیسے: علاقائی رسمی دائرے کے ضمن میں شادی سے دستبرداری ہوئی ہے، بالخصوص یہ دستبرداری عورتوں کے درمیان ہوئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شادی کے بارے میں نقطۂ نظر بدل گیا ہے اور اسے معاشرت، سکون اور خاندان کی تشکیل کے لیے لازمی شرط نہیں سمجھا جارہا ہے۔ نیز یہ مطالعے اس طرف بھی مشیر ہیں کہ طلاق کی صورت حال اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اس کا تناسب 50% سے تجاوز کر گیا ہے۔ یہ سب شادی کے ضابطے اور ذمہ داریوں سے آزادی کی خاطر ہے۔ ذمہ داری کا ایک حصہ بچوں کی پیدائش اور ان کی تعلیم وتربیت بھی ہے۔ آزادی کی وجہ سے عورت کی پیدائش کی شرح میں کمی آئی ہے، جس کے نتیجے میں ملک کے باشندگان کی تعداد میں شادی کے ادارہ کے دائرہ سے

۳۰- ''پول، اماٹو'' کہتے ہیں: شادی میں انفرادیت کو کم کرنے اور ادارہ جاتی دائرہ کو ناقابل تقسیم حصہ قرار دینے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لازمی طور پر اس شدید نوعیت کی شادی کی طرف واپسی کی جائے جو ماضی میں تھی، جس کے رو سے شادی کے رابطہ کے استحکام کی خاطر میاں بیوی اور بالخصوص بیوی کی ذمہ داری تھی کہ ذاتی ضروریات کی قربانی دیں۔ (لیکن اب) مؤثر شکل میں شادی کی رفتار جاری رہنے کے لیے میاں بیوی کے اعتبار سے ضروری ہے کہ شادی سے متعلق ادارہ جاتی امور ومعاملات اور ذاتی امور ومعاملات کے درمیان درست توازن قائم کیا جائے۔'' اماٹو، پول، ''التوتر بین وجہات النظر المؤسسیۃ والفردیۃ للزواج'' دیکھیے: Amato Paul R. "Tension Between Institutional and Individual Views of Marriage", 959-965)

باہر ہونے والی پیدائش کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔

مجلّہ: یو، اس، نیوز (Us News) نے اگست ۱۹۹۴ء کی ابتدا میں اپنے شائع شدہ شمارہ میں اعداد و شمار کے دفتر کے بارہ میں ایک تحقیق شائع کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ۱۸ ملین امریکی بچے یعنی امریکہ کے 27% بچے والدین میں سے صرف ایک کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔

۲۰۰۰ء کے اعداد و شمار میں اس تناسب میں اضافہ ہو گیا ہے۔ علمی میگزین: ''شادی اور خاندان کے مجلّہ'': (Journal of Marriage and Family) میں شائع شدہ بعض تحقیقات نے اس بات پر زور دیا ہے کہ یہ تعداد ۱۹۷۰ء کے مقابلہ میں دو یا تین گنی ہے۔(۳۱)

(ج) حل سازی اور صورت حال کی تبدیلی:

امریکی قوم علمی ذہانت سے متصف ہے، چیلنج درپیش ہونے کے وقت وہ اپنے توازن نہیں کھوتی ہے، بلکہ اس چیلنج کی جانکاری کے لیے تحقیق کی طرف لپکتی ہے اور اس کے اسباب اور اس کو گھیرے ہوئے حالات سے واقف ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنے تصور سے ہم آہنگ علمی ڈھانچہ کے مطابق اس سے نمٹنے پر قادر ہو جاتی ہے۔ چونکہ امریکی قوم علم و معرفت پر فخر کرتی ہے جس کی بنا پر وہ اپنے تفسیری و تنقیدی تصور کو مؤثر بنا لیتی ہے اور علمی تحقیقات اور اس کے نتائج خواہ منفی ہی کیوں نہ ہوں، ان میں دلچسپی لیتی ہے، پھر مسائل کا تجزیہ کرنے لگتی ہے۔

حل پر متوجہ ہونے سے پہلے تمام فریقوں کی بات غور سے سنتی ہے۔ پھر حل کے نتائج کا باریک بینی سے جائزہ لینے کی کاروائی اور اس کے طریقے بہتر کرنے لگتی ہے، نیز بہتر و عمدہ شکل میں ڈھالنے کی غرض سے استحکام و قوت اور کمزوری کے محل کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔ جن مشکلات اور

31- (Seltzer, Judith A. "Cohabitation in the united states and britain: Demography, kinship, and the future' Journal of marriage and family 66 (November 2004): 921-928)

مسائل کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے ان کے حل کے پروگرام کو مدد دینے کے لیے سینکڑوں انجمنیں اور مراکز قائم کیے گئے۔ نیز حال و مستقبل میں شادی اور شادی کرنے والوں کے حالات کو بہتر بنانے کے لیے اربوں ڈالر مخصوص کیے گئے۔ بہت سی تحقیقات سے یہ بات واضح طور پر سامنے آئی ہے کہ تمام سطحوں پر محدود پیمانہ پر نسبتاً بہتری آئی ہے۔ نیز بہت سے امریکی خاندان آج کل فیصلہ لینے میں مساوات اور مشورہ کے اصول پر اعتماد کرتے ہیں۔ بعض تحقیقات نے قطعیت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں کے حالات بہتر بنانے اور ان کے لیے تعلیمی و تربیتی پروگراموں کو بہتر شکل دینے، نیز کامیاب شادی کی تشکیل کے وسائل و ذرائع کو جدید شکل میں ڈھالنے میں مدد دینے والی تحقیقات کے لیے بڑی مقدار میں رقم خاص کرنے میں حکومت کا بڑا رول ہے۔ ابھی حال ہی میں تیز رفتار ارتقاء جن میدانوں کو شامل رہا، ان میں سے ایک نفسیاتی اور سماجی تحقیق کا میدان ہے جس میں متعدد (دیگر) میدان بھی شامل ہیں جو خاندان، میاں بیوی کے تعلقات اور والدین کے ساتھ اولاد کے تعلق کو بھی شامل ہے، ان میں سے۔ ہر میدان مستقل ہے۔ نیز نوجوانوں کے مسائل اور انکو درپیش چیلنجز سے وابستہ معاملات بھی ہیں۔ اس مسئلہ میں جو بات قابل لحاظ ہے وہ یہ ہے کہ علوم کے ارتقاء سے مؤثر طریقہ پر مسائل کا حل نہ ہوسکا، نہ ہی مشکلات کی حدت میں کمی آسکی۔ بلکہ علوم کے ارتقاء سے بسا اوقات مسائل پیچیدہ ہی ہوگئے ہیں، گویا چیلنجز اور ان کے حل مسلسل ریس و مقابلہ میں لگے ہوئے ہیں۔ جب بھی کسی مسئلہ کا حل نکالا جاتا ہے تو دوسری قسم کا چیلنج سامنے آجاتا ہے۔

خاندان کے استحکام کی اہمیت اور سماجی، معاشی اور سیاسی حالات پر پڑنے والے اس کے اثرات کو حکومت نے سمجھ لیا ہے، چنانچہ اس نے مختلف سماجی اداروں: جیسے: گرجا گھر، عبادت گاہیں اور مساجد کے ساتھ تعاون کی واضح کوششیں کی ہیں۔ جن سے امید کی جاتی ہے کہ سماج میں وسیع خاندان کے کردار کے نہ ہونے سے پیدا ہونے والے منفی اثرات کی شدت میں کمی لائیں گے اور مسائل کا حل نکالیں گے۔ اور خاندان کے تمام مطالبات پورا کرنے میں مدد دیں گے، خواہ ان کا

تعلق بچوں کے پروگرام سے ہو جو اسکول کے اوقات کے بعد پیش کیے جاتے ہیں، یا اس گروپ کی تشکیل سے ہو جس کے سامنے مشترکہ بحران اور دشواریاں ہوں جن کی خاطر وہ باہم ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہوں، بحران سے آگے بڑھنے اور دشواریوں پر قابو پانے کے لیے کچھ سکون واطمینان کی فراہمی کے سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربات سے مستفید ہو رہے ہوں۔ انگریزی میں اس طرح کی جماعت کا نام (Support Group) ہے۔ اس قسم کے گروپ کا عمل صرف مذہبی جگہوں تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ وہ سماجی ڈھانچہ کا حصہ بن چکے ہیں اور ان کی سرگرمیاں اسکولس اور ہاسپٹلز سب کا احاطہ کئے ہوئی ہیں۔ وہ لاعلاج مرض میں مبتلا اشخاص کو بھی مدد دیتے ہیں، نیز عمر درازوں اور منشیات کی تباہیوں نیز دوسری نشہ آور اشیاء کی لت سے پیدا ہونے والے امراض سے دوچار جوانوں کو بھی مدد پہنچاتے ہیں۔

شادی سیاسی اور سماجی موضوع بھی بن گئی ہے، کیونکہ شادی صوبے کے اختصاصات سے ہے، یعنی ہر صوبہ کو اس کے قوانین بنانے کا حق ہے۔ حال میں شادی ان مرکزی موضوعات میں سے ایک بن گئی ہے جن پر انتخابی مہم میں امریکی سیاست داں بحث کرنے میں مقابلہ آرائی کرتے ہیں۔

اس لیے متعدد تحقیقات کی گئیں تاکہ ان خدمات کی مقدار معلوم ہو سکے جو حکومت آئندہ پیش کرے گی۔ جبکہ بعض تحقیقات میں اس طرف دعوت دی گئی ہے کہ شادی کے مفہوم، شادی کی اہمیت اور طویل عرصہ تک ازدواجی تعلق کے تحفظ کے وسائل سے متعلق نوجوانوں کے شعور کو بڑھانے اور صحیح رخ دینے کے مقصد سے تعلیمی پروگراموں کو بہتر شکل دی جائے۔ ان تحقیقات میں یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ صوبوں کے اندر اختلافات ونزاعات کے حل (Conflict Resolution) اور رہنمائی (Counseling) کے پروگرام بھی استعمال کیے جائیں۔

تین صوبوں نے اس منصوبہ کو اپنایا ہے جو عقد نکاح میں اس دفعہ کو شامل کرنے کی دعوت دیتا ہے جس میں میاں بیوی کی طرف سے عہد شامل ہو کہ وہ آپس میں اختلاف ہونے کی

صورت میں ازدواجی اختلافات کے حل کے پروگرام کو استعمال کریں گے۔ نیز دیگر صوبوں نے سکنڈری اسکولز کے نصاب تعلیم میں اختلافات کے حل کے پروگرام کو شامل کیا ہے۔ حکومت ایسے تعلیمی پروگرام پیش کرنے لگی ہے جو ازدواجی اقدار کی حوصلہ افزائی، تمام فریقوں کے درمیان مشترکہ تعاون کی اہمیت اور کسی فریق پر ظلم کیے بغیر اور اس کے حقوق سے تجاوز کیے بغیر سب کے درمیان باہمی سمجھوتہ اور ہم آہنگی اور ربط وضبط کے داعی ہیں۔ جن صوبوں میں سیاسی میدان میں خاندانی اقدار کا تحفظ کرنے والوں کی آواز کمزور ہے، وہاں گرجا گھر اور مذہبی مراکز اپنے ممبران کی ذہن سازی اور تربیت کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں۔ (۳۲)

متعدد مذہبی اور سماجی اداروں نے تربیتی پروگراموں کا استعمال شروع کیا ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ شادی کی رغبت رکھنے والے جوانوں کو کامیاب خاندان کی تعمیر وتشکیل کے طریقہ کی تعلیم دی جائے، نیز ان کو بتایا جائے کہ فریقین کھلے ذہن سے باہمی سمجھوتہ کے اسلوب کو اپنائیں، آپس میں صادر ہونے والے مختلف تصرفات اور سرگرمیوں کے سلسلہ میں مثبت ردعمل اختیار کریں۔ بلکہ بہت سے مذہبی مراکز شادی سے پہلے تربیتی اجلاس کی تکمیل پر شادی فارم جاری کرتے ہیں، جس میں عام طور سے میاں بیوی کے درمیان اہم امور ومعاملات پر بحث شامل ہوتی ہے، جیسے: جذباتی اور مالی مسائل اور ہر ایک کی دوسرے سے کیا توقع ہے، نیز دیگر امور جن پر شادی سے پہلے کوئی فریق مناقشہ کرنا چاہتا ہو۔

۳- ماحول اور سماجی رسم وریت میں اختلاف:

ہر سماج کی اپنی خصوصیات اور ثقافت ہوتی ہے جس سے انسانی سماج واقف ہوتا ہے اور اصول ومسلمات اور بدلنے والے امور کو طے کرنے کے سلسلہ میں اسے مدد ملتی ہے۔ چنانچہ

32- Amato, Paul R. 'Tension Between Institutional and Individual views of Marriage' 959-965)

مختلف گروپوں اور متعدد نسلوں کے ساتھ امریکی مسلم سماج کی بھی خصوصیات ہے۔ امریکہ کے زیادہ تر مسلمان چنندہ مفکرین، فنی ماہرین اور صنعت کاروں کا مجموعہ ہے، جیسے بیسویں صدی کے اخیر میں ہجرت کرنے والے اونچی ڈگریوں کے حامل تھے اور ایسے اختراعی ذہن رکھنے والے افراد تھے جن کی اپنے ملک میں عزت افزائی نہیں ہوئی، اس لیے انہوں نے بلاد مغرب کی طرف ہجرت کی، خاص کر امریکہ کی طرف۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ امریکن مسلم سماج کی کچھ خصوصیات وہ ہیں جن میں وہ دوسرے مسلم سماجوں کے ساتھ شریک ہیں اور کچھ خصوصیات وہ ہیں جو دوسرے مسلم سماجوں سے الگ اور ممتاز ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

۱-اس کی ساخت میں تنوع ہے۔

۲-اس کے ثقافتی نتائج میں بھی تنوع ہے۔

۳-اسے مشترکہ خصوصیات بھی حاصل ہے۔

۴-فکری امتیازات سے بھی مالا مال ہے۔

چنانچہ اسلام نے انتساب کے دائرہ میں وسعت رکھی ہے، یہ نسبت محض کسی قبیلہ، یا چھوٹے خاندان یا قوم میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ وسیع ہوکر اسلام کے دائرہ میں آ گئی ہے، جس کا آفتاب اس لیے طلوع ہوا ہے کہ تمام نبیوں کے پیغامات کی تکمیل کرے، یہی وہ دین ہے جسے انبیاء کے باپ ابراہیم علیہم السلام لے کر آئے اور ان کے بعد اسماعیل اور اسحاق کی ذریت میں سے آنے والے انبیاء کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوئی۔ یہاں تک کہ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اس کے ستونوں اور بنیادوں کی تکمیل ہوئی، تاکہ مسلمان اس طرح انسانیت کا فرزند ہوجائے۔

امریکہ کے مسلم گروپ کی درج ذیل طریقے سے تقسیم ہوسکتی ہے:

(الف) اصلی مسلمان جو کہیں سے ہجرت کر کے نہیں آئے۔

اس گروپ میں وہ مسلمان شامل ہیں جو یوروپین اور افریقی اصول سے تعلق رکھتے ہیں، وہ کہیں سے ہجرت کر کے نہیں آئے ہیں۔

یوروپین اصول کے مسلمانوں کی تعداد غیر دقیق اعداد وشمار کے مطابق 75,000 افراد سے زیادہ نہیں ہے۔ان میں زیادہ تر وہ خواتین ہیں جنہوں نے مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کو قبول کر کے اس کا حصہ بن گئیں۔بعض اسباب درج ذیل ہیں:

۱-اسلام کی تعلیمات خاص طور پر توحید کا مفہوم واضح ہونا، نیز حواء کے گناہ سے عورت کی آزادی سے متعلق تعلیمات کا واضح ہونا، جس سے مسیحیت عورت کو متہم کرتی ہے۔

۲- ان خواتین کا اسلام کا مطالعہ کرنا، خاص طور پر عورت کے موضوع سے متعلق چیزوں کا مطالعہ کرنا۔عورت کو اسلام کے عطا کردہ حقوق، آزادی اور عزت واحترام سے آگاہ ہونا اور لبرل مغربی نمونہ سے موازنہ کرنا۔ باوجودیکہ بعض مسلمانوں کے رویہ میں انحراف پایا جاتا ہے اور وہ دین کی تعلیمات کی پیروی نہیں کرتے ہیں، لیکن مغربی تہذیب میں مفقود امن وسلامتی کی تلاش میں انہوں نے اسلام کا انتخاب کیا۔

۳-ان میں سے بہت سی خواتین نے خاندان کے سلسلہ میں مسلم مرد کے رول میں دلچسپی لی، خاص طور سے اپنے خاندان کے تئیں مسلم مرد کی مادی ومعنوی ذمہ داری سے متعلق امور میں دلچسپی لی۔ نیز ان میں سے بہت سی خواتین کام وملازمت نہیں کرنا چاہتی تھیں اور اولاد کی تربیت کے لیے فارغ ہونا چاہتی تھیں، حالانکہ اپنے اسپیشلائزیشن کے میدان میں ان کو تفوق اور برتری حاصل تھی۔وہ مغربی زندگی کے نظام اور اس کی مطلق آزادی سے تھک چکی تھیں۔ کیونکہ مغربی خاتون پندرہ یا سولہ سال سے موت تک اپنی ذمہ داری اٹھاتی ہے۔ان مغربی خواتین کو مسلم مرد میں اس مثالی شوہر کی تصویر نظر آئی، جس کی معیت میں امن وآشتی اور سلامتی کا خواب وہ دیکھا کرتی تھیں۔

۴- روحانی خلا جو مغربی تہذیب کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے۔مغرب کی مادی تہذیب کے

سایہ میں مغربی انسان جس روحانی ابتری اور فساد سے دوچار ہے اور مادی زندگی میں مبتلا ہے، بعض خواتین نے اسے مسترد کر دیا۔ اسلام کے اندر ان خواتین کو ان کا گمشدہ روحانی سکون حاصل ہوا، جسے وہ چھٹے دہے سے تلاش کر رہی تھیں۔ چنانچہ بعض خواتین صوفیوں کے گروپ میں شامل ہو گئیں، بلکہ زیادہ تر سفید فام یا یوروپین اصول رکھنے والے مسلمان صوفیوں کے گروپ سے تعلق رکھتے ہیں، خواہ صوفیانہ طریقوں کے رجحانات یا اصول کچھ بھی ہوں۔ صحبت و معیت کے نام سے موسوم دسیوں مراکز ہیں جو امریکہ کے تمام صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ امریکی حکومت بھی آج کل مسلمانوں کے درمیان اس رجحان کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں اس کے مخصوص اغراض و مقاصد ہیں۔ (۳۳)

افریقی اصول کے مسلمان: یہ بات معلوم ہے کہ افریقی اصول سے تعلق رکھنے والے مسلمان، کئی صدیوں سے امریکہ میں مقیم ہیں، لیکن اس قسم کے مطالعہ میں ہم صرف بیسویں صدی پر زور دیں گے۔ یہ دور دو بنیادی مدت میں منقسم ہے: پہلی مدت: بیسویں صدی کے آغاز سے اس کے نصف تک دراز ہے (۱۹۰۰ء-۱۹۶۰ء)۔ دوسری مدت: بیسویں صدی کے نصف سے اب تک دراز ہے۔ ان دونوں مرحلوں میں لازم ہے کہ اس گروپ کی فکری ساخت کے مطالعہ کی کوشش کی جائے، یا تجزیاتی شکل میں اس کا مطالعہ کیا جائے، پھر مسلم خاندان کی صورت حال، اس کے احکام اور رسم وریت پر پڑنے والے اس کے اثر کو بیان کیا جائے، نیز اس کی تشکیل اور ارتقاء کے سلسلہ میں ماحول اور اسلام کے اثر کو بھی بیان کیا جائے۔

امریکی افریقیوں نے اس بات کو سمجھ لیا کہ مذہب اور تشخص کے اعتبار سے اسلام سے

۳۳- ''رانڈ'' (RAND) ادارہ کی رپورٹ دیکھیے، جس میں تصوف کی تحریکوں اور تصوف کی دعوت دینے والے افراد کو اپنانے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ Benard, Cneryl. Civil Democratic Islam: Partners Resources and strategies. Santa Monica, (A: RAND Corporation, 2004. http://www.rand.org/pubs/monograph_reposts/mr1716.)

ان کا ربط، ان کی انسانیت کی حفاظت کرے گا اور ان کو حق کے مشاہدہ اور بنیادی مسائل کے سلسلہ میں عدل وانصاف کو وجود میں لانے کی قدرت فراہم کرے گا۔

امریکہ میں افریقی اسلامی وجود جن مراحل سے گزرا ہے، ان کی تعداد کے سلسلہ میں محققین کے درمیان اختلاف ہے۔ اس مطالعہ میں ہمیں بعد کے مراحل کی حد بندی سے سروکار ہے، نیز اسلام کے احکام کے اردگرد ہر گروپ کی سمجھ بوجھ کے مطابق اور بالخصوص شادی اور طلاق کے مسائل سے متعلق بننے والی روایات، رسم وریت اور زندگی کی سرگرمیوں کی نوعیت اور اس کے انطباق کے دوران گروپس کو جن اہم چیلنجز کا سامنا رہا، ہمیں اس سے سروکار ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ افریقی امریکی مسلم گروپ کے اندر متنوع فکری مدارس و مذاہب نے اپنی جگہ بنالی ہے۔ بعض ''اخوان'' کے پیروکار ہیں، ان کا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے۔ بعض ''احمدی'' فرقہ کے تابع ہیں۔ بعض اپنے رہنما کی نبوت کے قائل ہیں، جیسے: جماعتِ امت اسلام۔(۳۴) (Nation of Islam) گروپ، معبد موریس علمی اور ''احمدیہ

۳۴- امت اسلام: وہ جماعت ہے جسے ''والس فرد محمد'' نے ۱۹۳۰ء میں قائم کیا، اس کی وفات کے بعد ''الیجا محمد'' نے اس کی قیادت سنبھالی، اس کے نمایاں ترین قائدین میں سے ''مالکولم اکس'' تھے، جنہوں نے بعد میں اپنے لیڈر سے اختلاف کیا۔ ''الیجا محمد'' کی ۱۹۷۵ء میں وفات کے بعد ان کے لڑکے وارث الدین محمد نے جماعت کی قیادت سنبھالی۔ وہ اپنے باپ کے گروپ کے انحرافات کو سمجھتے تھے، انہوں نے جماعت کے رخ میں تبدیلی کی کوشش کی، تاکہ وہ صحیح اسلام سے قریب ہوجائے، لیکن ''لویس فرخان'' جو جماعت کے نمایاں ترین قائدین میں سے ایک تھا اس نے امور کو جوں کا توں رکھا، لہٰذا وارث الدین الگ ہوگئے اور ایک گروپ کی تشکیل کی جس کے نام میں کئی مرتبہ تبدیلی ہوئی۔ اسی طرح ان کے بھائی جون محمد'' نے ''لویس فرخان'' کے اقتدار کے تحت رہنا قبول نہیں کیا۔ اس نے ''مشی گن'' (Michigan) میں ایک دوسرے گروپ کی تشکیل کی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: Mccloud, Aminah Beverly. African American Islam, New York: Routledge, 1995, P.9-95. Nyang, Sulayman, S. Islam in the united staes of America, Chicago: ABC International Group inc. 1999, P. 13-15.)

فرقہ''۔ نیز ان کے اندر صوفیانہ طریقے اور دیگر مذاہب بھی عام ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ بعض جماعتوں کے یہاں توحید کا مفہوم بگڑا ہوا اور غیر واضح ہے، اسی طرح نبوت کا مسئلہ بھی واضح نہیں ہے۔ ہر جماعت کے بانی کا زعم ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی ہے اور ہر جماعت نے اپنے بانی کی تعلیمات اور سرگرمیوں پر زور دیا ہے اور رسمی پہلو کے علاوہ نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو نظر انداز کیا ہے، کتاب اللہ کے ساتھ بھی جماعت کا تعامل رسمی ہے، ہم پاتے ہیں کہ وہ دوسری کتاب کی تعلیمات کے پیرو ہیں اور رسمی طور پر قرآن میں وارد تعلیمات پر عمل کا مظاہرہ کرتی ہے۔ جس کی وجہ سے عبادات اور سرگرمیوں میں خلل پیدا ہوا۔(۳۵)

اسی طرح ان جماعتوں کے درمیان بعض وہ سماجی صورت حال عام ہوئی جو باقی مسلم گروپ کی صورت حال سے مختلف ہے۔ البتہ مشترکہ تاریخی وثقافتی پس منظر میں افریقی امریکی گروپس میں یہ مشترک ہے۔(۳۶)

۳۵- ان گروپوں کے متعدد نمونے پائے جاتے ہیں۔ اس بحث میں ان کو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: Mc Cloud, Aminah Beverly. African American Islam. P. 9-95)

۳۶- جو تبدیلیاں بالعموم امریکی خاندان پر طاری ہوئیں، اس نے افریقی امریکی خاندان پر بھی اثر ڈالا۔ اہم ترین تبدیلی جو اس پر طاری ہوئی، جیسا کہ مجلّہ: ''شادی اور خاندان'' کی بعض تحقیقات میں وارد ہے: ''۱۹۶۰ء میں 21% سیاہ فام خاندان کی کفالت خواتین کرتی تھیں۔ 24% سیاہ فام بچے زوجیت کے دائرہ سے باہر پیدا ہوئے۔ آٹھویں دہے کے اختتام پر تقریباً نصف سیاہ فام بچے ایسے خاندان میں زندگی گزار رہے تھے جن کی کفالت خواتین کرتی ہیں۔ نیز آدھے سے زیادہ بچے زوجیت کے دائرہ سے باہر پیدا ہوئے۔ اور آدھے سے زیادہ بچے محتاج گھروں میں نشو ونما پا رہے ہیں)۔ اجرت میں کمی، غیر مستحکم ملازمتیں، بے روزگاری کی سطح کے بلند ہونے اور سماجی نگہداشت کی سیاست جس کے بموجب بہت سے صوبوں کو اجازت مل گئی کہ دو فرد جن خاندانوں کی کفالت کرتے ہوں ان کو وہی رعایتیں نہ دی جائیں (جو ایک فرد کی کفالت والے خاندان کو دی جاتی ہیں) ان سارے اسباب نے بہت سے محتاج خاندان کے انتشار میں حصہ لیا۔ دیکھئے: Cherlin Andrew j. "Deinstitutionalization of American Marriage". Journal of Marriage and Family 66, 4 November 2004),P. 852.)

مسلم گروپ نے اسلام کے بلند ترین اقدار کے تحفظ کی خاطر اس راہ کو اپنایا، تا کہ خاندان کے ڈھانچہ پر طاری ہونے والی ان سنگین تبدیلیوں کا مقابلہ کیا جا سکے جو آج کے انسان کے انتشار کا سبب ہے۔(۳۷)، نیز اس کے اسلام کے اقدار اور سہل تعلیمات سے دوری کا ذریعہ ہے۔

اسلام کی تعلیمات کے اخذ کرنے اور ان کے ساتھ تعامل برتنے کے دوران افریقی امریکی خاتون متعدد مراحل سے گزری ہے۔ اسلام کے ساتھ تعامل برتنے کے آغاز میں پوری جماعت ''عصبیت''، یعنی گروپ یا جماعت کی ذاتی تشکیل کے مرحلہ سے گزر رہی تھی۔

چنانچہ بیسویں صدی کے آغاز میں افریقی خاتون کی ابھی تک دنیا کی مسلم خواتین سے رابطہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن تعمیر و تشکیل کے اندر عورت کا رول مثبت تھا، مگر ایسی تحریریں موجود نہیں ہیں جو اس وقت اسلامی معاشرہ میں یا ''موریس سائنس ٹیمپل'' (Morris Science Temple) کے اندر خواتین کے کردار کو بیان کریں۔ البتہ ان کا لباس شرم وحیاء سے ہم آہنگ تھا اور دنیا کے بارے میں ان کے تصور سے میل کھاتا تھا۔

بیسویں صدی کے نصف اور ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے قافلے کے آنے کی وجہ سے ''مسلم خاتون'' کی اصطلاح ظاہر ہوئی کہ کن خصوصیات و امتیازات یا متعین اوصاف سے ایک خاتون کو آراستہ ہونا چاہئے کہ اسے ''مسلم خاتون'' کہا جا سکے۔ جن میں اہم ترین

۳۷- بعض بنیادی عقائد اور شعائر کے اختلاف کے باوجود تمام افریقین امریکی گروپ کا جنسی تعلقات کے دائرہ کی حد بندی پر اتفاق ہے۔ اور سب ان کو صرف علانیہ نکاح کے دائرہ میں رکھتے ہیں۔ سب کی رائے ہے کہ شادی کے بندھن سے باہر ہر تعلق نامقبول اور حرام ہے۔ اس طرح لڑکے اور لڑکیوں کی تربیت ان ہی اساسی اصول پر کی جاتی ہے۔ بعض گروپ میں تعدد ازدواج کی صورت بھی عام ہے تا کہ ان خواتین کو جو اپنے شوہر کھو چکی ہیں یا کفالت کرنے والے کو کھو چکی ہیں، پاکدامنی حاصل رہے اور نفسیاتی اور معاشی مدد حاصل ہو۔ اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: Mc Cloud, African American Islam. Nyang, Islam in the united states of America. P. 13-15)

خصوصیات یہ ہے کہ اس کے جسم پر شرم وحیاء سے میل کھانے والا لباس ہو جو لمبا اور کشادہ اور ڈھیلا ڈھالا ہو جس سے اس کا جسم اور سر ڈھک جائے۔ نیز خاتون اپنے شوہر، گھر اور اولاد میں دلچسپی لے، قناعت سے متصف رہے اور تھوڑی چیز پر راضی ہو جائے۔(۳۸)

دوسری طرف افریقی امریکی خاتون کے لیے نسوانی تحریک میں شامل ہونا آسان نہیں تھا، اس کے اس یقین کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ یہ تحریک سفید فام خاتون اور اس کے نسلی امتیاز اور دیگر خواتین بالخصوص سیاہ فام خاتون پر تسلط قائم کرنے سے مربوط ہے۔ سفید فام خاتون کے ذہن میں رہتا ہے کہ سیاہ فام خاتون باندی کا کردار ادا کرتی ہے، جبکہ سفید فام خاتون مالکن کا رول ادا کرتی ہے۔

افریقی خاتون چند اسباب سے اسلام قبول کر رہی تھی، جن میں اہم ترین واضح ترین اخلاقی اقدار ہیں، جن کی اسلام دعوت دیتا ہے اور جن کے اپنانے کا حکم دیتا ہے، نیز اخلاقی، نفسیاتی اور روحانی استحکام فراہم کرتا ہے۔ اس تصور پر امینہ مکلاوڈ روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتی ہیں: شہادت (قبول اسلام) دو سطح سے معاہدہ ہے۔ ایک سطح انسان کو اس کے خالق سے جوڑتی ہے، اسے ارتقاء اور بلندی سے نوازتی ہے تاکہ اس کے لیے ایسی روحانی فضا فراہم کر دے، جس کے ذریعہ وہ اپنی ذات کو ثابت کر سکے۔ دوسری سطح انسان کو جماعت سے جوڑتی ہے اور انسان کے لیے اس رقبہ کی حد بندی کر دیتی ہے جو اسے اپنے انسانی بھائی سے مربوط کر دے۔(۳۹)

یہ کہا جا سکتا ہے کہ افریقی اصول (نسل) کے مسلم گروپ دو اساسی مرحلے سے گزرے ہیں، جن میں مشترکہ پہلو اپنی ذات کا اثبات ہے۔ پہلا مرحلہ عصبیت کی روح پر زور دینے کے ساتھ ممتاز ہے، جبکہ دوسرا مرحلہ امت کے مفہوم کی طرف پیش قدمی کے ساتھ ممتاز ہے۔

بہر حال غلامی اور تذلیل کے دور میں اسلام کو بنیادی مذہب کے طور پر اپنانا اور اسے

38- Mc Cloud, African American Islam, P. 152

39 Ibid. P. 152

گروپ کے گمشدہ سرمایہ کا اہم حصہ قرار دینا مقاصد کے اختلاف کے باوجود یہ دونوں مرحلوں میں مشترک پہلو ہے۔

اسی طرح اس گروپ کے تشخص اور اس کے تحفظ کے طریقہ سے متعلق کشمکش کے اثرات بھی ظاہر ہوئے۔ یہ عصبیت اور امت کے مفہوم اور علاقائی ڈھانچہ کی تعمیر وتشکیل اور علاقائی ماحول میں صورت گری کے ان تحفظ کے طریقہ کے ذریعہ واضح ہے، نیز اس امکان سے بھی واضح ہے کہ آدمی مجموعی حیثیت میں امت کے جسم کا سرگرم حصہ بن جائے۔ پہلے مرحلہ میں تشخص کے بارہ میں کشمکش بالکل واضح ہے، تشخص کو ثابت کرنے کی کوشش افریقی اصول کی تلاش کے ذریعہ ہوتی تھی۔ لیکن دوسرے مرحلہ میں گروپ اپنے وجود اور امت میں اپنے ڈھانچہ کی اینٹیں جوڑنے لگا اور اپنے فکری، سماجی اور سیاسی ساخت سے متأثر ہونے لگا۔

(ب) ہجرت کرنے والے مسلمان:

اکثر امریکی صوبوں میں مسلمانوں کی بڑی تعداد پھیلی ہوئی ہے۔ کسی خطہ میں دوسرے خطہ کے مقابلہ میں کسی مسلم گروپ کی سماجی اور معاشی حالات کے لحاظ سے بڑی آبادی پائی جاتی ہے۔ اپنی باریکی اور اس میدان میں رکھی جانے والی مختلف نسبتوں کے اعتبار سے اعداد وشمار میں فرق ہے۔ بعض اعداد وشمار اس بات کی طرف مشیر ہیں کہ امریکہ کی مسلم سوسائٹی میں عربوں (۴۰) کا تناسب 26,2% ہے، جب کہ پاکستان، ہندوستان اور بنگلا دیش کے مسلمانوں کا

۴۰- ''ایوان حداد'' نے اپنی کتاب ''القیم الإسلامیہ فی امریکا'' میں امریکہ میں عرب گروپ سے متعلق بعض اعداد و شمار کی بنیاد پر ایک خاکہ پیش کیا ہے، جس میں ہجرت کے بعض اسباب کو بیان کیا ہے، نیز ان کے ثقافتی، فکری اور مذہبی پس منظر پر بھی کچھ روشنی ڈالی ہے۔ دیکھیے: Haddad Yvome, and Adair Lummis, Islam values in the united states. New york: oxford university press, 1987, P. 67-98

تناسب 30% ہے۔ 29.8% امریکی مسلمان ہیں جن میں زیادہ تر افریقی ہیں۔ 3% ایرانی ہیں اور 5% ترک قوم ہے۔ نیز ''انڈونیشیاء'' اور ''ملیشیاء'' وغیرہما کے رہنے والوں کی بھی ایک تعداد ہے۔(۴۱)

اپنے ہمہ گیر مفہوم میں ہجرت جاری رہنے والی تجدیدی تحریک کی نمائندگی کرتی ہے، نیز اگر اس کا بہتر استعمال کیا جائے تو یہ امت کی قوت کے فکری و مادی عوامل میں سے ایک ہے۔

امریکہ میں مسلمانوں کے وجود کے آغاز کے سلسلہ میں متعدد باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض تحقیقات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بعض مسلمان امریکی سرزمین پر ''کولمبس'' کے پہنچنے سے پہلے ہی پہنچ گئے تھے۔ ''کولمبس'' کے سر ۱۴۹۲ء میں امریکہ کی کھوج کا سہرا ہے۔ البتہ مسلمانوں کی یہ پہنچ کمزور تھی، وہ معمولی تعداد میں وہاں پہنچتے تھے، کیونکہ مسلمان تفتیشی عدالت کے دباؤ کا شکار ہوجاتے تھے(۴۲)۔ اور اپنے ایمان کو چھپانے پر مجبور تھے۔ سالانہ متعدد مہم بھی منظّم کی جاتی ہے

۴۱- www.census.gov، نیز دیکھیے: قحف عمار منذر، ''العادات الاجتماعیہ فی الغرب''، ایم اے کا رسالہ جو اردن یونیورسٹی میں پیش کیا گیا، اردن: عمان، غیر شائع شدہ، ص:۱۰

۴۲- امریکہ کے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کے وجود کے مراحل افریقی امریکی مسلمانوں کے مراحل سے مختلف ہیں۔ بعض نے ان کو چار یا زیادہ مراحل میں تقسیم کیا ہے۔ مثال کے طور پر ''ایوان حداد'' نے اپنی کتاب ''القیم الاسلامیہ فی الولایات المتحدہ (Islamic Values in the united states) میں ۱۸۶۲ سے ۱۹۸۷ء کے درمیانی عرصہ میں ان کے اعداد و شمار کو جمع کیا ہے۔ جبکہ وزارت خارجہ کی کوشش ہے کہ اس بات کو ثابت کرے کہ امریکہ میں اسلامی وجود کا آغاز ''کولمبس'' کے بعد ۱۵۳۰ اور ۱۸۵۱ کے عرصہ میں ہوا، اور یہ مغربی افریقہ سے غلاموں کی تجارت کے ذریعہ ہوا۔ صلاح سلطان نے اپنی کتاب ''مشارکة المسلمین فی الانتخابات الامریکیة: وجوبها وضوابطها الشرعیة میں اس سے الگ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کی ہجرت کے ادوار کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے، ہجرت کا آغاز ۱۱۵۰ء سے ہوا، پھر ۱۷۱۷ء میں ہجرت ہوئی اور یہ اب تک جاری ہے۔ (کولمبس سے پہلے اور اس کے بعد) اندلس، مغربی افریقہ اور ہندوستانی مسلمانوں کی طرف سے ابتدائی ہجرت ہوئی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جو ''کولمبس'' ڈے منانے کی مخالفت کرتی ہے، جسے بعض سیاسی اور تاریخی کھلواڑ سمجھتے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ وہاں رہنے والی قوموں پر توڑے جانے والے ظلم پر پردہ ڈال دیا جائے جو نسل کشی کا نشانہ بنے۔ ''کولمبس'' سے پہلے امریکہ میں اسلامی وجود سے متعلق مزید بحث وتحقیق کی ضرورت ہے۔ اگرچہ بعض محققین نے اس پہلو پر خصوصی توجہ دی ہے۔ لیکن یونیورسٹیوں اور تحقیقی شعبوں نے اس پہلو پر کما حقہ بحث وتمحیص نہیں کی ہے، لہٰذا مسلمانوں اور اس قسم کی تحقیقات میں دلچسپی لینے والے افراد پر ضروری ہے کہ موضوع کو لازمی اہمیت دیں اور اس بارے میں تحقیق کریں۔ (۴۳)

(اس کے بعد دوسرے مرحلہ کا آغاز ہوتا ہے جو ۱۷۱۸ء اور ۱۸۶۲ء کے درمیان دراز ہے۔ اور یہ اہم مرحلہ ہے، اس میں تین ملین (تیس لاکھ) افریقی غلام کی حیثیت سے امریکہ منتقل

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) لیکن اس میدان سے متعلق کافی، باریک بینی پر مبنی اور عمیق ودقیق تحقیقات موجود نہیں ہیں۔ استاذ سید عبدالمجید بکر نے ''هيئة الإغاثة الإسلاميه العالميه، ۱۴۱۲ھ'' کی طرف سے مخصوص شائع ہونے والی کتابوں کے سلسلہ کے تحت ''الأقليات المسلمة في الأمريكيتين'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اس میں انہوں نے دونوں امریکہ اور ''کناڈا'' کی مسلم اقلیت کے احوال پر روشنی ڈالی ہے اور دنیا کے اس حصہ میں بسنے والی مسلم اقلیتوں پر خصوصی توجہ دی ہے، اسلامی میدان میں کام کرنے والی نمایاں ترین بین الاقوامی اسلامی تنظیموں اور اداروں کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے، ان کی اہم سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے، پھر مختصر جغرافیائی بیان کے طور پر ان اقلیتوں کے اماکن پر بھی طبع آزمائی کی ہے، نیز یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کو اسلام کس طرح پہنچا ہے۔ پھر ملکوں میں ان کے منقسم ہونے کے علاقوں کا بھی بیان فرمایا ہے، ان کے اہم ترین مسائل کا بھی ذکر کیا ہے، نیز ان کے درمیان دعوت اسلامی کی راہ میں پیش آنے والے اہم ترین چیلنجز کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ علاقائی اسلامی اداروں اور تنظیموں پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا ہے۔ اسلامی اقلیتوں کے فرزندوں کے مطالبات اور تقاضوں سے بھی بحث کی ہے، یعنی ان کو اپنے درمیان اسلام کے کارواں کو فروغ دینے کے لیے درکار تعاون سے بھی بحث کی ہے۔

۴۳- امریکہ کے مسلمانوں کی تاریخ پر لکھنے والوں میں عمر عبداللہ فاروق ہیں جو ''شیکاگو'' کے ایٹمی اداروں میں کام کرتے ہیں۔

کیے گئے۔ یہ پہلا مرحلہ ہے کہ امریکہ میں اسلام کے بارہ میں وزارت خارجہ کی سائٹ کو بھی اعتراف ہے۔(۴۴)

پھر انیسویں صدی میں ۱۸۶۲ء اور ۱۹۴۵ء کے درمیان دراز مدت میں امریکہ کی طرف نئی اسلامی ہجرت ہوئی، جو خراب معاشی صورت حال اور سیاسی ابتری سے فرار کی خاطر عثمانی حکومت کے مختلف اطراف سے ہوئی۔

ہجرت کرنے والوں نے کاشتکار اور مزدور کی حیثیت سے کام کیا، البتہ ان میں سے بعض امریکی سماج میں مدغم ہوگئے اور ایسے سماج کی تشکیل پر قادر نہ ہوسکے جو انہیں ممتاز رکھے، ایسا اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے امریکی غیر مسلم خواتین کے ساتھ نکاح کیا۔ ہجرت کرنے والوں کے اس قافلہ نے اسلام کے اصول کی تعلیم بھی حاصل نہیں کی تھی، نیز وطن سے دوری بھی ان کے مدغم ہونے کا دوسرا سبب تھی۔ بالخصوص اس وجہ سے کہ ان میں سے بہت سے افراد نے اپنی مادی اور معاشی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے ہجرت کی تھی۔ پھر پہلی عالمی جنگ سے پہلے اور بعد میں بیسویں صدی کے آغاز میں ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ لیکن ہجرت کرنے والوں کے تناسب میں اس وقت اضافہ ہوا جبکہ امریکہ کے لیے ہجرت کے قانون میں ۱۹۶۵ء میں ترمیم کی گئی۔

اس کے بعد ۱۹۴۵ء میں دوسری عالمی جنگ کے بعد ہجرت کا مرحلہ آیا، جو اب تک برابر جاری ہے۔ ان ہجرتوں کے پیچھے مسلمانوں کو پیش آنے والے سیاسی ظلم واستبداد سے فرار اور معاشی حالات کی ابتری ہے۔ مسلمانوں کی ہجرت اور امریکہ میں وطن بنانے کا ایک سبب یہ

44- Haddad, and Lummis. Islamic values in the united states, Haddad Yvonne. A Cetury of Islam in America. Occasional Paper no. 4, Washington, D. C. Islamic Affairs program, 1987, Mc Cloud, African American Islam, Nyang, Islam in the united states of America

بھی ہے کہ وہ امریکی یونیورسٹیوں میں تعلیم کے لیے کوشاں تھے۔

یہ مرحلہ دماغوں کی ہجرت سے جانا جاتا ہے، بالخصوص دوسری عالمی جنگ کے بعد۔

چھٹے اور ساتویں دہے میں ہجرت کرنے والوں کی تعداد میں زبردست اضافہ ہوا، کیونکہ تعلیم یافتہ طبقہ (طلبہ اور مختلف میدانوں کے ماہرین) کی بڑی تعداد اسلامی اور عربی ممالک سے امریکہ پہنچی، آج ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مسلم گروپ تشخص کی حد بندی کے بحران سے دوچار ہے، کیونکہ اس گروپ کی قومیتوں اور ثقافتی اصول میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔ ہر گروپ عصبیت کے مفاہیم اور اپنی قومی روح پر زور دیتا ہے۔ امریکہ کے اصلی مسلمانوں بالخصوص سیاہ فام مسلمانوں سے مثبت رابطہ کی اسپرٹ بھی مفقود ہے (۴۵)، نیز امت کے مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک مقصد والی جماعت کی حیثیت سے گروپ کے اہداف و مقاصد اور اولویات میں اختلاف ہوا ہے اور گروپ مختلف خانوں میں بٹ گیا ہے۔

اپنے فکری، علمی اور ثقافتی شکست خوردگی کے ادوار میں قومیں سب سے پہلے جن چیزوں میں شکست سے دوچار ہوتی ہیں وہ ان کے نظریات ہیں۔ اور زیادہ تر یہ چیز غالب و مغلوب قوموں کی ثقافتوں کے درمیان موازنہ اور قربت پیدا کرنے کے عرصہ میں ہوتا ہے۔ (۴۶)

گذشتہ صدی کے دوران مسلمانوں کے یہاں جن اہم ترین تصورات کو مدغم کیا گیا، اور وہ غموض و ابہام سے دوچار ہوئے ان میں سے ایک امت کا قرآنی تصور ہے۔ اس کو اصل مفہوم سے خالی کرنے اور اصل سرزمین سے نامانوس تصورات سے بدلنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ اس کی وجہ سے امت کے مختلف گروہوں میں اختلافات پیدا ہوئے اور وہ مختلف خانوں میں بٹ

45- Khan, M.A. Muqtedar. American Muslims: Global Ortribal? http://www.ijtihad.org/tribal.htm.

۴۶- (دیکھیے: عارف، ''الحضارۃ-الثقافۃ-المدنیۃ: دراسۃ لسیرۃ المصطلح ودلالۃ المفہوم، مرجع سابق، ص: ۸-۹، پر طہ علوانی کا مقدمہ۔

گئے۔اس کا اثر دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والے مسلمانوں کے اتحاد پر پڑا۔تشخص کی حد بندی میں اختلاف امریکہ کے مسلم گروپ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ اس کی جڑیں دراز ہیں۔اس میں مسلم ممالک پر ہونے والا تجدد کا حملہ بھی شامل ہے، نیز اسلام کے اساسی تصورات میں انتشار پیدا کرنے کے حملے بھی شامل ہیں جن کا آغاز انیسویں صدی سے ہوا اور آج تک جاری ہیں۔ ساتھ ہی امت کے تصور میں کمی لانے اور امت کو جسمانی اعتبار سے عالم اسلامی اور عالم عربی میں تقسیم کرنے کے لیے قومیت اور وطنیت وغیرہ کے تصورات بھی پیش کیے جاتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کے تہذیبی تصورات کے بارے میں فکری اور ثقافتی زندگی میں شگاف پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔تشکیلی سطح پر بیسویں صدی میں عالم اسلام کے مفہوم میں انتشار پیدا کیا گیا۔نئے ممالک کے بارے میں عالم اسلام کا نقطۂ نظر بدل گیا ہے۔پانچویں دہے میں ان ممالک کو امت کے ڈھانچہ میں غیر مستحکم اور مصنوعی وجود سے موسوم کیا جاتا تھا، بیسویں صدی کے اخیر میں ان کو مضبوط ڈھانچے کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا ہے۔جیسے: قومی حکومت کی صورت حال نے عالم اسلامی کے جسم کو تقریباً ساٹھ ممالک میں تقسیم کر دیا ہے۔(۴۷)

جس طرح حصے بخرے کی وجہ سے امت کا جسم مختلف ملکوں میں تقسیم ہو گیا، اسی طرح شعوری طور پر امت پر اس کا اثر پڑا اور امت متعدد قوموں میں بٹ گئی جن کے لیے مشترکہ ذہنی یا معنوی ساخت جامع نہیں رہی۔اور امت کے تصور کا مفہوم مٹ گیا کہ وہ ایک جسم کی طرح ہے،

۴۷- عمر، سید، ''حول مفہوم الأمۃ فی قرن: نقد تراکمی مقارن''، محققین کا ایک گروپ، ''الأمۃ فی قرن: الماہیۃ۔ المکانۃ۔الإمکانیۃ''، قاہرہ: مکتبہ الشروق الدولیہ، ۲۰۰۱ء ص: ۸۲۔ڈاکٹر سید عمر نے بیسویں صدی میں امت کے مفہوم وتصور کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، بیشتر کا جائزہ لیا ہے۔اس قسم کی تحریروں کے مضمرات، نتائج اور امت کے مفہوم کے انتشار میں ان کے اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے۔انہوں نے اسلام پسندوں کی تحریروں کا بھی جائزہ لیا ہے۔اور ضعف وقوت کے پہلوؤں کا تجزیہ بھی کیا ہے۔نیز ان تحریروں میں سے متعدد تحریروں نے امت کے مفہوم کی دوبارہ تشکیل کی سعی مبارک کی ہے، اس کی اہمیت بھی بیان کی ہے۔

ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس طرح تعلیمی نظام، ذرائع ابلاغ، قوانین، عدالتی اور انتظامی نظام اور عقائدی و فکری ساخت دو اصل، دو نظام اور دو بنیادی دائرے میں تقسیم ہو گئے۔ ایک کی اصل اسلامی تصور ہے، جبکہ دوسرے کی اصل مغربی فلسفے اور مراجع ہیں۔ اسلامی معاشرے اپنی مرجعیت اور شرعی اصول کے بارہ میں ڈبل پیمانہ سے شاکی ہیں۔ خاص طور سے فکری میدان میں۔(۴۸)

امریکی مسلم گروپ کے ساتھ جو بات مخصوص ہے وہ یہ ہے کہ دین اور دوہری قومیت کے درمیان کشمکش کے دائرہ میں بحران نمایاں ہے۔ اس طرح امریکی مسلم گروپ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱- ایک حصہ وہ ہے جو اپنی قومیت کے ذریعہ اپنے تشخص کی حد بندی کرتا ہے، اس طرح وہ اپنے قومی لباس اور قومی افکار و خیالات کے تحفظ کا حریص ہے، جو کہ متعین دائرہ میں منحصر ہیں۔

۲- دوسری قسم وہ ہے جس کی رائے ہے کہ دین کے ذریعہ ہی تشخص کی حد بندی کی جا سکتی ہے، نیز مختلف جنسیت اور قومیت اسی کے جھنڈے تلے سمٹ سکتی ہے، کیونکہ اس کے اندر ایسے نظام ہیں جن کے ذریعہ لوگوں کی روزانہ کی زندگی قائم رہتی ہے اور ان کے تعلقات منظّم ہوتے ہیں۔

۳- تیسری قسم کی رائے ہے کہ مسلم امریکی دائرہ میں تشخص کی حد بندی اہم ہے، یعنی وہ اسلام کو ایسے دائرہ میں سمجھنے کی کوشش کرتی ہے کہ مغربی نمونہ سے وہ متعارض و متصادم نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے نئے انسانی نمونہ کی تشکیل کی جائے جو دونوں علمی نمونوں کو ہم آہنگ کرے۔ خاص طور پر مسلمانوں کی بھی خدمت کرے اور عمومی طور پر امریکی سماج کی بھی خدمت

۴۸- بشری، طارق، "مشکلتان و قراءة فیهما"، تقدیم و قراءة: طه علوانی، ہیرندن: المعهد العالمی للفکر الاسلامی، ط: ۲، ۱۹۹۲ء، ص: ۱۶-۱۷

کرے۔اس سے امریکی مسلم ہونے کی حیثیت میں وہ امریکی ادارے سے منسلک ہونے اور خدمت کرنے پر قادر ہوجائے گا۔

تینوں قسموں کے درمیان مشترکہ باتیں بھی پائی جاتی ہیں، جیسے:

(الف) انگریزی زبان کے پہلو میں قومی زبان اور قومیت کو مضبوطی سے تھامے رہنے کا شوق۔

(ب) بعض دینی وشرعی احکام کا تحفظ اور ان کو ضروری قرار دینا، مثلاً: حلال کھانا، خنزیر کا گوشت کھانے سے بچنا، شادی سے پہلے یا شادی کے دائرہ سے باہر جنسی تعلقات کو حرام قرار دینا۔البتہ اس گروپ کے پیروکار مذہبی شعائر کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان اصول اور احکام سے استفادہ اور ان کو عمل میں لانے کے امکان کی چھان بین کی جائے اور ان کو عمومی مسلمات قرار دیا جائے اور ان کی تشکیل کی جائے اور ان کے اہداف ومقاصد کی حد بندی کی جائے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مسلمانوں کے منقسم ہونے کی بنا پر بعض مسلمان اس بات کی اپیل کررہے ہیں کہ امریکہ کے مسلمان کے نئے تشخص کی تشکیل کی جائے جو کہ امریکی مسلم کی ہے اور اصلی ملک کے تشخص کو فراموش کردیا جائے۔(۴۹)

لیکن امت اسلامیہ سے تعلق منقطع نہ کیا جائے، اس لیے کہ اس سے مسلمانوں میں وحدت پیدا ہوگی اور اساسی ملک کے قومی تشخص کے تحفظ سے قبل پہلے درجہ میں اسلامی تشخص کو رکھ کر ''فقہ الاولویات'' کے مطابق عمل کی حکمت عملی طے کرنے کی قوت حاصل ہوگی۔ بالخصوص

49- Islam online, conference report: The Growth and Development of Islam in America, Harvard University, USA, www.islamonline.net,march 3-4, 2000, and Hoffiman, Murad, Muslims as Co-citizens of the west, www.islamonline.net. P, 1-2

اس وجہ سے بھی کہ مسلمانوں کی دوسری اور تیسری نسل امریکی ثقافت رکھنے والی شمار ہوتی ہے، نیز وہ گھر والوں کی بچی کھچی عادتوں سے بھی متاثر ہے، جو بالعموم بگڑی ہوئی اور اسلامی اقدار سے دور ہوتی ہیں۔ اس لیے ایسی پابندیوں کے درجہ میں آ جاتی ہیں جن سے چھٹکارے کی خواہش ہوتی ہے۔(۵۰)

جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخیر میں تشخص ہی ختم ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کی ثقافتی تشکیل میں دین کی بڑی اہمیت ہے، البتہ انحطاط و زوال وغیرہ عوامل ومحرکات جن سے مسلمان دوچار ہوئے، ان سے ایک طرف مسلمانوں کی صورت حال پر دین کا اقتدار کمزور ہوا، تو دوسری طرف دین اور انسانی رسم و رواج میں بڑا خلط ملط ہوا، جس کا اثر مسلمان کی دینداری اور زندگی کے واقعات پر وحی الٰہی کے مفاہیم کے انطباق کی قدرت پر پڑا۔

اس طرح ضرورت ہے کہ مسئلہ کا تمام پہلوؤں سے دقیق وعمیق مطالعہ کیا جائے، بلکہ اہم یہ ہے کہ امت کے مفہوم کی دوبارہ تشکیل کی کوشش کی جائے، کیونکہ اسے انتشار لاحق ہو چکا ہے اور اسے لفظ ''شعب'' استعمال کر کے حقیقی مفہوم سے خالی کر دیا گیا ہے۔ ''شعب'' اپنا مفہوم قومیت اور وطنیت وغیرہ ایسے اصول سے اخذ کرتا ہے جو امت کے اتحاد کے تحفظ میں ناکام ہیں۔ اس لیے قرآنی مفہوم میں ''امت'' کے مفہوم کی طرف لوٹنا ہی ضروری ہے، نیز ''امت''

۵۰- Hathout, Maher Interview, The Muslim observer, USA, Vol. 1, Issue 36, Sep. 10-16, 1999, P.3, Khan, M.A. Muqtedar, Islamic, Identity and the Two faces of the west, the washington Report on Middle East Affairs, Vol. XIX, No. 7, Washington D.C. Aug-Sept 2000, P. 71, نیز دیکھئے: قحف، عمار منذر، ''العادات الاجتماعیۃ فی الغرب''، ایم اے کا رسالہ، جوارد ن یونیورسٹی میں پیش کیا گیا، اردن، عمان، غیر شائع شدہ، مرجع سابق۔

کے ان اصول کی طرف واپسی لازم ہے جو توحید، استخلاف اور زمین کی آبادکاری جیسے تصوراتی نظام کے ڈھانچہ پر قائم ہیں۔ تاکہ جہاں بھی مسلمانوں کے قدم پڑیں وہاں کے لوگوں کے درمیان اعلیٰ اقدار، جیسے عدل وانصاف، مساوات وبرابری اور نیکی وبھلائی کو عام کیا جاسکے۔

۴- شادی اور مسلم خاندان: موروثی اقدار اور اثر انداز ہونے والی صورت حال کے درمیان:

یہاں کچھ ایسے رسم ورواج اور سلوک وبرتاؤ پر مبنی سرگرمیاں ہیں جن کا اس امریکی سماج کی فطرت سے تعلق ہے، جہاں مسلم گروپ زندگی گزار رہا ہے، جن کے اثرات گروپ کی ساخت اور تصورات اور بالخصوص جوان نسل اور نوخیزوں کے اندر عیاں ہیں۔

امریکہ میں مسلمانوں پر کئی دہے گزر چکے ہیں، جن میں مسلم گروپ نے مختلف شکلوں میں دینداری کی سرگرمی انجام دی ہے۔ نیز اس کے لیے ممکن ہوسکا کہ متنوع رسم ورواج اور روایات کی تشکیل کرسکے۔ ان میں سے بعض روایات منفی ہیں اور بعض مثبت ہیں۔ اس لیے اس طرح کے رسم ورواج کا جائزہ لینا ضروری ہے، تاکہ دیکھا جاسکے کہ شریعت کے مقاصد کو وجود میں لانے سے وہ کتنے قریب یا دور ہیں۔ نیز وحی الٰہی کے مفاہیم کی سمجھ اور صورت حال پر اس کے انطباق کی انہیں کتنی قدرت ہے۔ یہ چیز ان اندرونی اور بیرونی چیلنجز کے جائزہ سے انجام پائے گی جن کا گروپ کو سامنا ہے، نیز ان سے نمٹنے کے وسائل کے ذریعہ مکمل ہوگی تاکہ کمزوری وضعف اور قوت وطاقت کے پہلوؤں کی نشان دہی کی جاسکے۔ یقیناً مسلم خاندان خلا میں نہیں رہتا ہے بلکہ دیگر سماجی اکائیوں کے ساتھ رہتا ہے، اثر انداز بھی ہوتا ہے اور اثر قبول بھی کرتا ہے۔ دیگر سماجی اکائی ہیں: غیر مسلم خاندان، اسکول، یونیورسٹی، ذرائع ابلاغ، قانون، سماجی خدمت، صحت اور امریکی سلامتی کے مراکز۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ مغربی انسانی علوم آج کل سماجی

روایات اور رسم ورواج کے ساتھ انسانی ثقافت اور فنون عامہ کو کنٹرول کرتے ہیں۔

سماج کو درپیش بہت سے چیلنجز میں مسلم خاندان آج کل امریکی سماج کے ساتھ شریک ہے۔ جیسے: مردوں اور عورتوں کے درمیان دیر سے شادی کرنے کی صورت حال کا عام ہونا، کیونکہ ایک فرد کے لیے تیس سال کی عمر سے تجاوز کرنے کے وقت بھی مناسب رفیق حیات کو وجود میں لانا دشوار ہوتا ہے۔ اس تاخیر کے اسباب تعلیم کو جاری رکھنے کی رغبت، کام کو بہتر بنانے کی چاہت، مشترکہ خاندان کا نہ ہونا اور مشترکہ اوصاف میں اختلاف ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ بہت سے مسلم خاندان آج کل قومی تعلق کے اصول پر زور دیتے ہیں۔ اس طرح کہ اپنی قومیت اور اپنی نسل سے باہر شادی کو مسترد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی، عربی اور افغانی اپنی قومیت میں ہی اپنی اولاد کی شادی پر اصرار کرتے ہیں اور اہم امور کو فراموش کر جاتے ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(الف) سسرالی رشتہ کے ذریعہ انسانی تعلقات کو وسیع کرنا شادی کے اساسی مقاصد میں سے ہے۔

(ب) شادی کا مقصد حدود اللہ کی رعایت پر قائم خاندانی ادارہ کی تعمیر وتشکیل ہے، لہٰذا قومی پس منظر یا مشترکہ اوصاف پر زور دینے کی بجائے اس تعلق کے سلسلہ میں رفیق حیات کا انتخاب لازمی طور پر اس خواہش سے مربوط ہونا چاہئے کہ ہر فریق حدود اللہ کی رعایت کرے گا اور اسلامی اقدار کا التزام کرے گا۔

(ج) سماج کے کھلے ذہن ہونے سے مختلف قومیتوں اور پس منظر رکھنے والے افراد کے ساتھ تعامل رکھنے کی اولاد کو ترغیب حاصل ہوتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں جوانوں کے درمیان جذباتی تعلق پیدا ہو سکتا ہے۔

اسی وجہ سے ضروری ہے کہ بچپن سے اللہ کے تقوی، حسن اخلاق سے متصف ہونے،

متوازن دینداری کی رغبت، حکمت اور استقامت کے ساتھ برتاؤ اور ذمہ داری سنبھالنے جیسے اقدار پر اولاد کی تربیت کا اہتمام کیا جائے، جن سے اس جیسے کھلے ذہن کے سماج کے اندر انحراف وفساد سے انسان کو تحفظ حاصل ہوتا ہے اور شادی کی طرف متوجہ ہونے کے وقت ایک انسان کو اپنے رفیق حیات کے انتخاب میں مدد ملتی ہے۔

اس طرح گروپ کے بعض قائدین کو اس موضوع کی اہمیت کا احساس ہوا۔ اور حال ہی میں گروپ کے افراد کے درمیان جوانوں کے ساتھ ملاقات اور ان میں سے مناسب فرد کے انتخاب کے مقصد سے بعض سرگرمیاں عام ہونے لگیں۔ یہ ملاقاتیں بعض ائمہ اور دلچسپی لینے والے لوکل اشخاص کی نگرانی میں مسجد میں ہوتی ہیں، یا اجلاس اور کانفرنس وغیرہ کے موقع سے ہوتی ہیں، یہ طریقہ بغیر کسی نظام یا نگرانی کے جوانوں کے درمیان کھلی میٹنگوں کے مقابلہ میں زیادہ مؤثر ہے اور اس میں زیادہ التزام پایا جاتا ہے۔

ضروری ہے کہ ان سرگرمیوں کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا جائے اور دقیق اعداد وشمار اکٹھے کیے جائیں جن سے ان کے مثبت اور منفی پہلو اجاگر ہوں۔ امریکہ میں مسلم خاندانوں کے اندر ازدواجی تعلقات امریکی سماج کے اکثر مسائل اور چیلنجز کا شکار ہوتے ہیں۔ جس سماج میں مسلم گروپ زندگی گزار رہا ہے اس کی فطرت صرف کرنے والے سماج کی ہے۔ جس میں کام کی قدرت رکھنے والے خاندان کے تمام افراد سے کام سے منسلک ہونے کا تقاضا کیا جاتا ہے تاکہ مہینہ کے اخیر میں آنے والے بل کی ادائیگی ہو سکے۔ بہت سے ائمہ اور سماجی مشورہ کے ماہرین نے اس بات کو نوٹ کیا ہے کہ امریکی مسلم خاندانوں میں کثرت طلاق کا ایک سبب مال ہے، کیونکہ فضول خرچی اور حد سے تجاوز کرنے کی صورت حال عام ہے، نیز گھر کے بجٹ کے ساتھ تعامل کرنے کے سلسلہ میں درست تدبیر کے وسائل سے ناواقفیت بھی عام ہے اور آمدنی اور اخراجات کے درمیان توازن کا تحفظ بھی مفقود ہے، بالخصوص ان مہاجرین کے درمیان جو اپنے اصلی ملک میں رہنے والی

اپنی بہن بھائیوں اور والدین پر خرچ کرنے کی ذمہ داری بھی سنبھالتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض افراد کبھی کبھار حرام کمائی کا سہارا بھی لے بیٹھتے ہیں۔روزی کے متعدد وسائل کے باوجود ان لوگوں میں سے بعض افراد ازدواجی زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں۔ خاص طور سے اس صورت میں جبکہ وہ اپنے اوپر زندگی کی اس سطح کو لازم کرلیں جو ان کی مادی صلاحیتوں سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ میاں بیوی نفسیاتی دباؤ کے شکار ہوجاتے ہیں، جس کا نتیجہ ازدواجی تعلق کا خاتمہ ہوتا ہے تاکہ اس طرح کی ذمہ داریوں سے بچا جاسکے۔(۵۱)

اس کے مقابلہ میں بالخصوص مہاجرین کے درمیان دوسری صورت حال عام ہونے لگی ہے اور وہ یہ ہے کہ تنہا شوہر خاندان پر خرچ کرتا ہے، جبکہ بیوی اولاد کی تربیت اور گھر کے انتظام وتدبیر کے لیے فارغ ہوتی ہے۔ یہ دشوار گزار ذمہ داری ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے سلسلہ میں وہ تیز رو کوششیں کرے۔کبھی اسے گھر سے باہر زیادہ تر اوقات گزارنا پڑے گا، جس کی بنا پر وہ کبھی کبھار اس بات پر قادر نہیں رہ جائے گی کہ صاف صفائی اور اس روایتی انداز میں کھانا تیار کرسکے جس کا اپنے اصلی ملک میں اس کا شوہر عادی ہے، جس کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان مثبت گفتگو اور باہمی سمجھوتہ کی فضا نہیں رہ جاتی ہے۔اس کا نتیجہ بسا اوقات اختلاف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔اور اگر حکمت کے ساتھ معاملہ کو حل نہ کیا جائے تو طلاق کے ذریعہ تعلق ہی ختم ہوجاتا ہے۔امریکی مسلم خاندانوں کی زندگی کا تجربہ اپنے ظاہر اور مضمون کے لحاظ سے اسلامی ممالک کے

۵۱- یہ اس انٹرویو کا خلاصہ ہے جو صوبہ ''ورجینیا'' (Virginia) میں واقع ''مرکز آدمز'' کے امام محمد ماجد سے جولائی ۲۰۱۰ء میں لیا گیا۔ یہ مرکز پانچ ہزار مسلم خاندان سے زیادہ کی خدمت کرتا ہے۔امام ماجد ازدواجی نزاعات اور اختلافات کے حل کی ذمہ داری بھی سنبھالتے ہیں۔ساتھ ہی شرعی طور پر شادی کرانے اور طلاق دلوانے کی ذمہ داری بھی سنبھالتے ہیں۔امریکی سول کورٹ سے فریقین کو اس سلسلہ میں سرٹیفکٹ بھی مہیا کیا جاتا ہے۔خاندانی تشدد اور ازدواجی اختلافات کے حل کے بارے میں مسلم گروپ کی ذہن سازی کے میدان میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرگرم ائمہ میں امام محمد ماجد کا شمار ہوتا ہے۔

نظام حیات کے نمونہ سے مختلف ہے۔ باوجود یکہ ان ممالک میں بھی (کبھی) عورت کام کے لیے نکلتی ہے، لیکن اپنے خاندان کے تئیں مرد کی مادی ذمہ داری کا تصور ہی وہ اساس ہے جو غالب ہے، ساتھ ہی بیوی بھی تربیت کے میدان میں مشقت جھیلتی ہے حتی کہ اس حالت میں بھی جب کہ خدام اور معاونین کی طرف سے گھر کا انتظام کیا جارہا ہو، یا عورت اپنے گھر والوں یا سسرالی رشتہ داروں سے تشکیل یافتہ مشترکہ خاندان کے تحت ہو۔ یہ صورت امریکی سماج میں مسلم خاتون کی صورت حال سے بالکل الگ ہے۔ امریکی نظام عمل کا تقاضا ہے کہ میاں بیوی دن کے اکثر حصہ میں غائب رہیں۔ جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان ملاقات کا موقع کمترین حد میں آجاتا ہے، بسا اوقات یہ ہفتہ کے دنوں کے دوران عشاء کے وقت سے متجاوز نہیں ہوتا ہے، کبھی میاں بیوی کو اس وقت میں بھی ملاقات کا موقع حاصل نہیں ہوتا ہے اگر دونوں نے گھر سے باہر کھانا کھانے کا فیصلہ کرلیا ہو، یا دونوں یا ایک اولاد کی تعلیم اور ان کے پروگرام اور فرائض کا جائزہ لینے کے لیے لوٹ گیا ہو۔ ملاقات کا موقع سمٹ کر ہفتہ کے اخیر میں ہونے والی چھٹی میں منحصر ہوجاتا ہے، جس کے اوقات بھی عام طور سے تعلیمی و دیگر مسائل کے جائزہ میں بہ طور تلافی صرف کیے جاتے ہیں، جن کا پہلے جائزہ نہ لیا جاسکا، بالخصوص دین اور عربی زبان کے مسائل کے جائزہ میں صرف کیے جاتے ہیں۔ (۵۲)

میاں بیوی کے درمیان جس تناسب سے ملاقات کے اوقات کم ہوتے ہیں، اسی تناسب سے فریقین میں سے ہر ایک کا دوسرے سے بے نیاز رہنے کا احساس دوچند ہوجاتا ہے۔ (لیکن) نئے معاشرہ کے دوسرے عناصر کے ساتھ میاں، بیوی میں سے ہر ایک کی ملاقات کے مواقع موجود ہونے کا اثر ذہن سے اوجھل نہ ہونا چاہئے۔ الغرض محبت والفت اور سکون واطمینان

۵۲- یہ نقطۂ نظر محققہ (مصنفہ) کے طویل تجربہ کا نتیجہ ہے جو سترہ سال سے زیادہ امریکی سماج سے گھل مل کر رہ رہی ہے، نیز اس کی صورت حال کا مطالعہ کیا ہے اور اس کا تجزیہ بھی کیا ہے، بالخصوص خاندان کے میدان میں جس سے وہ مسلسل منسلک رہی ہے اور سماج میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا جائزہ بھی لیتی رہی ہے۔

کو وجود میں لانے کے لیے فریقین میں سے ہر ایک کو دوسرے سے جن احساسات کی ضرورت ہے ان کے متبادل احساسات پیش کیے جا سکتے ہیں۔

بہر حال ہم پاتے ہیں کہ انتشار کے عوامل قوت وارتباط کے عوامل ومحرکات سے تیز رو اور زیادہ نمو پذیر ہیں۔ اگر ان میں شہریت، مقیم رہنے اور مستحکم عمل کے مسائل نیز رہائش گاہ اور ذرائع حمل ونقل جیسی زندگی کی بنیادی ضروریات شامل کرلیں تو ہجرت کے ملک میں مسلم خاندانوں کو درپیش چیلنجز کے حجم ومقدار کا ہم اندازہ لگا سکتے ہیں۔(۵۳)

ان روایتی سماجوں کے مقابلہ میں جہاں سے مہاجرین آئے ہیں، معاصر سماج میں طلاق کا تناسب بڑھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے صحیح طریقہ پر ازدواجی تعلق کے تحفظ کے طریقہ کے بارے میں میاں بیوی کی رہنمائی اور ذہن سازی کے لیے متعدد مساجد کے ائمہ اور علماء نے مخصوص تعلیمی پروگرام پیش کرنا شروع کر دیا ہے۔ حال میں عام ہونے والے اسی تربیتی مہم کا ایک حصہ یہ ہے کہ کامیاب شادی کے اندر جنسی تعلق کی اہمیت کے بارے میں نوجوان جوڑوں کی ذہن سازی کی جائے اور اس مسئلہ کو مؤثر انداز میں پیش کیا جائے، کیونکہ پایا گیا ہے کہ طلاق کے حالات کے بڑھتے ہوئے تناسب کا تعلق اسی مسئلہ سے ہے، خاص طور پر امریکی سماج جیسے کھلے ذہن والے معاشرہ میں۔(۵۴)

افریقی امریکی مسلم خاندانوں کو مزید چیلنجز کا سامنا ہے، بسا اوقات ان کی نمایاں شکل یہ ہے کہ باپ موجود نہ ہو اور ماں فقر وافلاس سے دوچار ہو۔(۵۵)

53- Abugideiri and Alwani.what Islam Says about domestic Violence?

۵۴- دیکھیے: انٹرنیٹ کے ذریعہ تعلیمی پروگرام جسے یاسر قاضی وغیرہ میاں بیوی کے درمیان جنسی تعلقات کے مسئلہ کی اہمیت کے بارہ میں پیش کرتے ہیں۔

۵۵- 'تأنیث الفقر' (ماں کا فقر وافلاس سے دوچار ہونا) اس اصطلاح کو عبدالوہاب مسیری نے نسوانی تحریکات کی تنقید سے متعلق اپنی مخصوص تحریروں میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے: مسیری، عبدالوہاب، ''قضیۃ المرأۃ بین التحریر والتمرکز حول الأنثی، قاہرہ، نہضۃ مصر، ۱۹۹۹ء، ص: ۹۲۔

چنانچہ ہزاروں بچے باپ کے نمونہ کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں اور تنہا خواتین خاندان کا انتظام کرتی ہیں، جس سے ان کی نفسیاتی، سماجی اور معاشی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے مسلم گروپ میں موجود بعض افریقی امریکی گروہوں نے تعدد ازدواج کا سہارا لے کر اس صورت حال کو حل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ یہ سرگرمی امریکی قانون کے خلاف ہے اور کبھی کبھار شادی کرنے والا مرد خاندان پر خرچ کرنے کی ذمہ داری سے بھی پیچھے ہٹ جاتا ہے، اس لیے اس حل کے مثبت اور منفی دونوں طرح کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

بہرحال دوسرا چیلنج جو مسلم گروپ کے مختلف گروہوں میں مشترک ہوسکتا ہے (لیکن) افریقی امریکی مسلم گروپ کے یہاں کچھ زیادہ ہوسکتا ہے، وہ خاندانی تشدد ہے۔ اس کے متعدد اسباب ہیں۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں: معاشی حالت کی ابتری جس کا خاندان کے افراد کی نفسیاتی صورت حال پر اثر پڑتا ہے، جس کا نتیجہ تشدد کے استعمال کی صورت میں نکلتا ہے۔ یہاں ایک دوسرا اہم سبب بھی ہے جس کے افریقی امریکی گروپ کے دلوں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ وہ غلامی اور نسلی امتیاز ہے جس کا شکار یہ گروپ ہوا ہے اور (اب بھی) برابر ہوتا رہتا ہے۔ نیز ایک سبب بے روزگاری بھی ہے، ایک سبب الکحل اور منشیات کا استعمال بھی ہے، اس کے علاوہ تشدد کے دیگر اسباب بھی ہیں۔

آج کل مسلم خاندان کے لیے عظیم چیلنجز اولاد کی نشو ونما اور تربیت کے میدان میں روایات اور رسم ورواج کے اختلاف میں بھی مضمر ہیں۔ چنانچہ دونوں ماحول کے درمیان رسم و رواج کا اختلاف بسا اوقات مدرسہ کے نظام اور گھریلو رہنمائی کے درمیان تصادم کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ ہجرت کرنے والا سماج ایسے ماحول سے آیا ہے جو جماعت کا احترام کرتا ہے۔ اور فرد جماعت کا حصہ ہوتا ہے، دوسروں کی رعایت کے بغیر تنہا متحرک وسرگرم نہیں ہوتا ہے۔ رعایت کا آغاز والدین، پھر اقارب سے ہوتا ہے۔ نیز بہن اور بھائیوں کو بھی رعایت شامل ہوتی ہے جو

نیوکلیر خاندان کے ممبر ہیں۔ ایسے ہی دادا، دادی، چچا اور ماموں وغیرہ کو بھی رعایت شامل ہوتی ہے جو مشترکہ خاندان کے ممبران میں سے ہیں۔ مسلم فرد پر ان سب کے حقوق اور فرائض ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی تعلیمی وتربیتی نظام سے تصادم کا آغاز ہوتا ہے۔ امریکی نظام انفرادیت کے اصول اور شخصیت کے مستقل ہونے کے تصور پر زور دیتا ہے۔ مسلم بچے کی نظر میں مشرقی ماحول سے آنے والے دوسرے بچوں کی طرح مشترکہ خاندان اور جماعت کو تقدس حاصل ہے اور اسی اساس پر اس کے رسم ورواج کی تشکیل ہوئی ہے، وہ دونوں ماحول کے درمیان اضطراب وتردد کو محسوس کرتا ہے، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ بہت سے تعلیمی پروگرام اور دروس واسباق، خاص طور سے انسانی تاریخ کی تدریس سے متعلق اسباق مغربی نظام کی برتری، تفوق اور زندگی کے متعدد میدانوں میں کامیابی پر زور دیتے ہیں اور دوسرے نظام کی کمزوری کو نمایاں کرتے ہیں۔ باوجودیکہ غیر یوروپین اصول (نسل) رکھنے والے دیگر افراد کی روایات کے احترام کی اہمیت بتانے کی بھی سرکاری اسکولوں نے کوشش کی ہے۔ لیکن صورت حال کی سنگینی اب بھی قائم ہے، بالخصوص اس وقت جبکہ علاقائی اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ ایسے واقعات نقل کرتے ہیں جو مسلمانوں کی منفی تصویر کشی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ سرکاری اسکولز مسلم طلبہ کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، نیز ذہنی یا جسمانی اذیت رسانی اور کسی قسم کی توہین سے ان کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ البتہ دونوں فریقوں میں ایسی جماعت موجود ہے جو دوسرے فریق کے ساتھ تصرف وبرتاؤ کے طریقہ سے ناواقف ہے۔

جب تک والدین کو اس اختلاف کی اہمیت کا احساس نہیں ہوگا، دونوں ماحول کے درمیان سمجھوتہ کے پل تعمیر کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، مثبت پہلوؤں کی حد بندی اور ان کے مطابق تعمیر وتشکیل نہیں کریں گے، مثبت پہلوؤں کا احاطہ کرنے اور منفی پہلوؤں سے بچنے کے سلسلے میں اولاد کی تربیت نہیں کریں گے اور ان پر مرتب ہونے والے اسباب ونتائج کو واضح نہیں کریں

گے، نیز اس میدان میں جب تک وہ دونوں پوری کوشش صرف نہیں کریں گے تو اولاد کا ضائع ہونا آسان ہوجائے گا۔ امریکہ کے بہت سے مسلم خاندانوں کے تجربہ سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ خاندان بالخصوص ماں کو چاہئے کہ اس ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرے جس میں اولاد زندگی گزار رہی ہے اور اس کے ساتھ تعامل برتے، خواہ اپنی اولاد کے اسکولز میں رضا کارانہ کام کرکے یا اسکول کی سرگرمیوں میں شرکت کرکے، بالخصوص ابتدائی مرحلہ میں ایسا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح گھر کے اندر تربیت کے اسلوب وطرز کے بارے میں والدین کے درمیان سمجھوتہ اور کھلا ذہن ہونا مناسب ہے تاکہ توازن کے ساتھ اولاد کی نشو ونما ہو اور وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان اپنے مذہبی عقائد پر فخر کرسکیں اور اپنے سرمایہ پر ناز کرسکیں۔ یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ ان لڑکوں میں سے بہت سے اپنے اسکولز کے ممتاز طلبہ ہوتے ہیں اور آئندہ اپنے فرائض میں بھی امتیازی شان کے حامل ہوں گے۔ اس وقت ان میں سے متعدد افراد امریکی یونیورسٹیوں میں تعلیم دیتے ہیں اور ہاسپیٹلز، کارخانوں اور بڑی کمپنیوں اور دیگر جگہوں پر کام کرتے ہیں اور مختلف میدانوں میں بہترین خدمات پیش کررہے ہیں۔

جو خاندان الگ تھلگ رہتے ہیں اور جس ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں اس کی فطرت سے ہم آہنگی کی کوشش نہیں کرتے ہیں، ان کے اندر والدین اور اولاد میں بڑی رکاوٹ قائم رہتی ہے، جس کے سبب تعلقات خراب ہوجاتے ہیں، توازن مفقود رہتا ہے اور نفسیاتی امراض عام ہوجاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاندان ابتری اور انتشار کا شکار ہوجاتا ہے اور اولاد نشہ آور اشیاء اور منشیات کے دائرہ میں چلی جاتی ہیں، یا جرائم کا ارتکاب کرنے لگتی ہیں اور تشدد کا استعمال کرنے لگتی ہیں جس کا انجام کار جیل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے مساجد، معابد اور گرجا گھر کے مذہبی حلقوں کی طرف سے ذہن سازی کے لیے زبردست مہم شروع کی گئی۔ مزید برآں حکومتی اسکولز، مراکز اور انجمنوں نے بھی اس مہم میں حصہ لیا تاکہ باشندگان ملک کی اولاد کی

تربیت اورنشو ونما کے بارے میں ذہن سازی کی جاسکے، نیز دونوں ماحول کی خصوصیات سے استفادہ کیا جاسکے اور دونوں میں ربط وضبط پیدا کیا جاسکے تاکہ باشعور اور صالح نسل تیار ہو سکے۔ بہت سے مسلمانوں نے بالخصوص ۱۱ ستمبر کے بعد متوازن اسلوب میں اولاد کی تربیت پر زور دینا شروع کیا، جو ہر طرح کے تشدد اور انتہا پسندی سے دور ہو، کیونکہ انتہا پسندی کی وجہ سے آدمی توازن کھو دیتا ہے۔ خاص طور سے مسلمانوں نے اندرو باہر سے زائد دباؤ پڑنے کے بعد ایسا کیا۔ جبکہ مسلم بچہ روزانہ دسیوں اخبارات دیکھنے اور سننے لگا جو اس کے مذہب اور عقائد کے بارے میں غلط تصویر پیش کرتی ہیں، لہٰذا والدین اور اولاد پر ذمہ داری بڑھ گئی۔

امریکی سماج کو اسلام اور مسلمانوں کی حقیقت سے واقف کرانے کی بھرپور وسنجیدہ کوششیں کرنے کے باوجود چیلنج بڑا ہے۔ جب بھی کوئی فرد یا مسلمانوں کی کوئی جماعت کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھتی ہے تو الزام کی انگلیاں سارے گروپ کی طرف اٹھتی ہیں۔ اگرچہ بعض خاندانوں نے اپنے فرزندوں کے انتہا پسندی اور غلو کی طرف متوجہ ہونے کے احساس کے وقت حکومتی اتھارٹیز کے ساتھ تعاون کرنے میں پہل کی (۵۶)، لیکن اس کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جانا بند نہیں ہوا۔ آج کل امریکہ میں اسلامی وجود کو جن سنگین چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں سے یہ ایک ہے۔ بہرحال بیرونی چیلنجز جن کا تعلق اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں دونوں نمونوں کے اقدار کے درمیان اختلاف کی فطرت سے ہے تو اس کی واضح صورت شخصیت کے استقلال کا تصور ہے، جس کے مطابق فرد سماج کی اساسی اکائی ہے، نیز مطلق انفرادیت پر مبنی آزادی یا مازن ہاشم کی تعبیر میں ''فردانیت (مطلق درجہ کی انفرادیت) جس کے ساتھ تمام سطح پر

۵۶- اس پر دلالت کرنے والی متعدد مثالیں موجود ہیں، بالخصوص اخیر کے دو سالوں میں، کیونکہ وہ پانچ طلبہ جنہوں نے پاکستان کا سفر کیا تھا اور وہاں کی ایک انتہا پسند جماعت نے ان کو فریب میں مبتلا کیا تھا، ان میں سے ایک کے گھر والوں نے اندرونی سلامتی کے فورس سے رابطہ کیا اور اس مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں ان کے ساتھ تعاون کیا تھا۔

امریکی سماج مشہور ہے اور اپنی روایات اور رسم ورواج کو مسلم سماج کی فطرت سے الگ شکل میں ڈھالتا ہے، کیونکہ مسلم سماج کے نزدیک خاندان کا شمار سماج کی چھوٹی سی اکائی کے طور پر ہوتا ہے۔

مغربی بالخصوص امریکی تربیت کا زور اس پر ہے کہ صالح شہری کو تیار کیا جائے، اس لیے کہ وہی سماج کی تعمیر وتشکیل میں حصہ لے سکتا ہے اور بغیر سستی اور تاخیر کے ٹیکس ادا کرسکتا ہے۔ اس وجہ سے اس تربیت میں مہارتوں کی ترقی پر زور دیا جاتا ہے اور فرد کو مسلسل سیکھنے پر آمادہ کیا جاتا ہے، نیز معاشیات اور تخلیق کی دنیا میں شرکت کی ترغیب دی جاتی ہے اور ارتقاء کا ساتھ دینے اور پیداوار کو فروغ دینے والی مہارتوں کو بڑھانے کی رغبت دلائی جاتی ہے، جیسے عمدگی کے ساتھ کام کرے، نفس پر قابو رکھے، عمومی قوانین کا التزام کرے، ٹیکنالوجی کے انقلاب کے تقاضے کے ساتھ ہم آہنگ ہو، نفع پسندی اور عمل کی کامیابی (Pragmatism) کو اختیار کرے اور ہر طرح کے وسائل کے ساتھ کامیابی کی طرف لے جانے والے تمام امور ومعاملات کو اپنائے۔

امریکی نظام تعلیم کا ''آخری درجہ کی انفرادیت پر مبنی آزادی'' کے اصول پر زور دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امریکی شخص دوسرے کے ساتھ کام نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ وہ بالعموم دوسروں کے ساتھ ربط ضبط رکھنے، ہم آہنگ ہونے اور کام کرنے کی رغبت اور میلان ظاہر کرتا ہے، اس آزادی کے مطابق جو اس سماجی انضباط کے ساتھ باہم مکمل ہو، جس کی بنیاد سماج نے رکھی ہے تاکہ فرد اور جماعت کے حقوق کا تحفظ ہو، جس کی بنا پر بچپن سے معاشی خودمختاری پر فرد کی نشو ونما ہوتی ہے۔ نادر بات ہے کہ اولاد (لڑکے یا لڑکیاں) ہائر سکنڈری کے بعد یا سترہ سال کی عمر کے بعد اپنے والدین کے ساتھ رہیں۔ (۵۷)

اس طرح بچپن سے بچہ کی تربیت اس بات پر کی جاتی ہے کہ اس اصول کے مفاہیم کا وہ احاطہ کرے اور اس اصول کو منطبق کرے۔ نیز اس بات کو سمجھے کہ وہ ایسا فرد ہے جسکی اپنی

۵۷- ہاشم، امریکا بلد المتناقضات، مرجع سابق، ص: ۱۱۲-۱۱۶

خصوصیات ہے اور وہ جس طرح چاہے ان کی تعبیر کرسکتا ہے۔ اس آزادی کا اثر اولاد کی سلوکیات اور برتاؤ پر پڑتا ہے۔ لہٰذا ہر بچہ کی توقع ہوتی ہے کہ اس کا مستقل کمرہ ہو اور الیکٹرانک آلات (ٹیلی ویژن اور کمپیوٹر وغیرہ) ہوں جو اسی کے ساتھ مخصوص ہوں۔ اسی طرح والدین بھی اپنے فرزندوں کے یہاں ذاتی خصوصیت کے احساس کو بڑھانے کی خواہش رکھتے ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کے معاملات میں دخل انداز نہیں ہوتا ہے، حتی کہ گھر والے اور رشتہ دار بھی دخل انداز نہیں ہوتے ہیں، کیونکہ اس دخل اندازی کو ذاتی خصوصیت پر دست درازی سمجھا جاتا ہے۔

امریکی تربیت باپ کو فرزندوں کی رہنمائی اور ذہن سازی کے دوران لفظ ''أنا'' (میں) استعمال کرنے کی ترغیب دیتی ہے، بالخصوص اس وقت جب ان میں سے کوئی نامقبول تصرف یا سرگرمی انجام دے۔ والدین اس طرح کے الفاظ استعمال نہیں کرتے ہیں: ''ترتیب یا صفائی نہ ہونے کی وجہ سے میں پریشان ہوں'' یا ''سماجی لحاظ سے یہ نامناسب بات ہے'' جبکہ فرزند منحرفانہ تصرفات کو انجام دیتے ہیں، جیسے: موج ومستی کی پارٹیوں میں شرکت اور الکحل اور نشہ آور اشیاء کے استعمال کی صورت حال وغیرہ۔ والدین صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتے ہیں: ''میں اپنے گھر میں اسے قبول نہیں کرسکتا ہوں''، ''آپ میرے گھر کی چھت کے نیچے زندگی گزار رہے ہیں'' (۵۸)۔ والدین لفظ عیب کا استعمال نہیں کرتے ہیں۔

امریکی تربیت کا زور انفرادی امتیاز کی حقیقت پر ہے، بچوں میں اسی کو بڑھانے کا کام وہ کرتی ہے۔ بہت سی تحقیقات اور بحوث اس بات پر زور دیتے ہیں کہ بچہ کی تعریف ومدح وثنا اہم ہے، نیز اس کی مہارتوں پر پسندیدگی کا اظہار کیا جائے، جس کا خاندان کی عادات اور روایات کے سلسلہ میں مثبت حصہ ہے۔ جیسے گھر والے کھیل کے مقابلہ کا جائزہ لینے کے سلسلے میں اپنے

۵۸- مرجع سابق، ص: ۱۱۴، مزید برآں اس میں محققہ (مصنفہ) کا تجربہ اور وسیع واقفیت بھی شامل ہے، خواہ اس کا تعلق فرزندوں کی تربیت ونگہداشت سے ہو، یا عمومی امریکی اسکولز اور اسلامی اسکولز میں تعلیم کے پیشہ کی سرگرمی سے ہو۔

فرزندوں کے ساتھ شریک رہیں، یا موسیقی کی پارٹیوں کو دیکھنے میں شریک رہیں۔ بلکہ سب سے زیادہ جس سرگرمی سے اس اصول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عمر سے صرف نظر کرتے ہوئے برتھ ڈے منایا جائے۔ جنسی تربیت (Family Life Education) کے ساتھ مخصوص بات یہ ہے کہ وہ تعلیمی پروگرام کا حصہ ہے۔(۵۹)

اس کا آغاز پرائمری مرحلہ کے اخیر سے ہوتا ہے اور سکنڈری کے مرحلہ تک رہتا ہے۔ حال کے سالوں کے درمیان اس مادہ کی تدریس کے طریقہ میں معمولی تبدیلی آئی ہے۔ اب یہ ایک حد تک انفرادی پہلو پر زور دینے کے دائرہ سے باہر آ گیا ہے، یعنی اب اس کا زور بائیولوجیکل یعنی جسمانی تبدیلیوں، نیز حمل یا جنسی امراض منتقل ہونے کو کم کرنے والی احتیاطی تدابیر اپنانے کے ساتھ جنسی وشہوانی تعلقات کی حوصلہ افزائی پر نہیں رہا، بلکہ اب وہ جنسی تعلق کو بالخصوص مڈل اسکولز کے طلبہ کے درمیان مؤخر کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

سکنڈری مرحلہ میں بھی تعلیمی نظام جنسی تعلق قائم کرنے سے خبردار ہی کرتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں تضاد کا نمونہ بھی اس وقت سامنے آتا رہتا ہے جب انتظامیہ اسکول کے غسل خانے میں مانع حمل گولیاں اور دیگر وسائل چھوڑ دیتے ہیں، نیز اس صورت حال سے چشم پوشی کر لیتی ہے جس میں ایک طالب علم بغیر کسی شرم وحیا کے اپنے کلاس کی ساتھی لڑکی کو دیگر طلبہ کے سامنے اسکول کیمپس میں بوسہ لیتا ہے۔ اس منظر نامہ سے وہ ساری چیزیں غائب رہتی ہیں جو طلبہ کے دل میں اخلاقی جذبہ کو بڑھا سکتی ہیں اور شہوتوں کو مہذب رکھ سکتی ہیں، جیسے: کھلے عام اختلاط کو کم کرنا، یا شرم وحیا پر مبنی لباس کی دعوت دینا۔ چنانچہ امریکہ کے عمومی اسکولز کسی رسمی و باضابطہ

۵۹- ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مختلف عمومی اسکولز کے تعلیمی مراحل کے نصاب کا جائزہ لیجئے۔ جن کے درمیان اختلاف محدود اور معمولی ہوتا ہے۔ بہ طور مثال اسے ''ورجینیا'' (Virginia) صوبہ کے دو ضلع ''لاوڈن'' اور ''فیرفاکس'' (Fairfax) میں دیکھیے: www.loudoun.k12.va.us/schools.and www.fairfaxk12.v9.us/schools

یونیفارم کے پابند نہیں ہیں۔ لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ دوشیزاؤں کا لباس (خواہ وہ طالبہ ہوں یا ملازم اور استانیاں) بالخصوص گرمی کے موسم میں یا گرم علاقوں میں ستر پوشی سے زیادہ عریانیت و برہنگی سے قریب ہے۔ جس کا راز یہ ہے کہ سماج اسے قبول کرتا ہے اور اس طرح کے تصرفات اور سرگرمیوں سے راضی ہے، جو درحقیقت ایسی سرگرمیاں ہیں جو انفرادی آزادی یا انتہا درجہ کی انفرادیت کو بتاتی ہیں۔(۶۰)

اسی دوران سماجیات کے بعض فلاسفہ و ماہرین نے آواز بلند کی کہ انفرادی آزادی اور جماعتی فرائض کے درمیان دوبارہ توازن قائم کرنیکی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے ''انسان کے فرائض کا عالمی منشور'' تیار ہوا، جس پر متعدد اہل علم اور سربراہان ممالک نے دستخط کیے۔(۶۱)

امریکی سماج پر چھانے والی جن روایات واقدار کا ہم نے ذکر کیا ہے، وہ بیرونی سماجی چیلنجز کے ضمن میں داخل ہیں۔ یہ وہ چیلنجز ہیں جن کا روزانہ سامنا طلبہ، والدین، اساتذہ، تربیت کرنے والے افراد، سماجی رہنماؤں اور تعلیمی و تربیتی دائرہ میں کام کرنے والے دیگر اشخاص کو ہوتا ہے۔ بنابریں، بیرونی چیلنجز کی حد بندی اور ان پر گہری نظر ڈالنے سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ سیکولر علمی نمونہ کے ابتدائی اصول و امور کا مسلم گروپ کو کس قدر ادراک ہے۔ جس سے حقیقی صورت حال کی تشکیل ہوتی ہے اور بالخصوص مسلم گروپ اور بالعموم سماج کے اعتبار

۶۰- محققہ (مصنفہ) نے یہ نتیجہ تعلیمی اور تربیتی میدان میں اپنے ذاتی تجربہ طویل سالوں تک اسلامی اور عمومی اسکولز میں استانی کی حیثیت سے کام کرنے اور امریکہ کے مختلف سرکاری و پرائیوٹ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلی تعلیم سے مسلسل وابستہ رہنے کی وجہ سے نکالا ہے۔

61- Etzioni, Amitai. "Universal Declaration of Human Responsibilities. "The Responsive Community. Spring issue, 1998.

یہ بھی دیکھیں:

- ہاشم، امریکا بلد المتناقضات، سابقہ حوالہ، ص:۱۱۶

سے سیکولر علمی نمونہ کے مثبت ومنفی پہلوؤں کی حد بندی ہوتی ہے۔جس سے خلل کو درست کرنے والے اصلاحی متبادل کو وجود میں لانے میں مدد ملتی ہے، نیز معاملات کو فطری رخ پر بحال کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ''شہادت'' کے مفہوم کو قائم کرنے کے تئیں مسلم گروپ کے کردار کی حد بندی کی جائے اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔''شہادت حق'' قائم کرنے کی ذمہ داری کا حاصل یہ ہے کہ انسانی کارواں کے انحراف اور استقامت کے خطوط کی نگرانی کی جائے، امر بالمعروف (نیکی کا حکم) اور نہی عن المنکر (برائی کی ممانعت) کے فریضہ کو انجام دیا جائے، جو کہ فرمان الٰہی کا مصداق ہے:''**وکذلک جعلناکم أمة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیدا**'' (۲/بقرہ:۱۴۳)۔(ہم نے اسی طرح (اے مسلمانو!) تم کو درمیانی اور افضل امت بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں کے سامنے (حق کے) گواہ رہو اور پیغمبر تمہارے سامنے حق کے گواہ رہیں)۔ جہاں تک اندرونی چیلنجز کا تعلق ہے تو فرد، خاندان اور سماج کی سطح پر گروپ کی سرگرمیوں کے مطالعہ کے ذریعہ ان کی حد بندی ضروری ہے، جس سے ایک طرف وحی الٰہی کے مفاہیم وتصورات کو ایک مسلم کے سمجھنے کا درجہ معلوم ہوسکتا ہے تو دوسری طرف جس صورتحال میں زندگی گزاری جارہی ہے اس کے ساتھ اس کے تعامل کی قدرت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔اندرونی وبیرونی سطح پر چیلنجز کے چند پہلوؤں کے استقراء وچھان بین کے ذریعہ یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس فیصلہ کن تاریخی دور میں امریکی سرزمین پر مسلم گروپ اپنے وجود کے اعتبار سے اساسی مرحلہ سے گزر رہا ہے، کیونکہ موجودہ دور میں امریکی مسلم گروپ امت کی اہم ترین سرحدوں میں سے ایک سرحد پر ہے۔ اس سے ایک طرف الٰہی پیغام کی حامل امت کی حیثیت سے۔اس بات کا مطالبہ ہے کہ امریکی سماج میں وہ اپنی نیت اور کارکردگی کی صداقت کو ثابت کرے، نیز تمام سطحوں پر یعنی فرد، خاندان اور سماج کی سطح پر سیاسی، معاشی، تربیتی اور سماجی اعتبار سے نفع بخش امور کو پیش کرنے کی

اپنی قدرت بھی ثابت کردے۔تو دوسری طرف امریکہ کے ساتھ برپا معاصر کشمکش کے نتیجہ میں اسلامی معاشرے کو جن اضطرابات، ابتری اور بحران کی حالت کا سامنا ہے اس کے جائزہ لینے کا بھی وہی ذمہ دار ہے۔ نیز سب کے لیے افضل ترین متبادل پیش کرنے کے رول کو ادا کرنے کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے۔

بنابریں تمام سطحوں پر مسلم گروپ کو جس اہم ترین چیز کو پیش کرنا ہے، وہ خاندان کے اصول وضوابط کی دوبارہ تشکیل ہے، بالخصوص انسان کی تعریف، خلافت کے سلسلہ میں اس کی ذمہ داری اور زمین کی آبادکاری سے متعلق اصول وضوابط کی دوبارہ تشکیل ہے۔(۶۲)

نیز مرد اور عورت کے تعلقات اور زمین کی آبادکاری کے بارے میں ان کے تکاملی رول سے مربوط تصورات ومفاہیم کی تصحیح بھی ضروری ہے۔ ساتھ ہی ان اقدار کے مفاہیم کی تصحیح بھی ضروری ہے جن میں ابتری وانتشار پیدا ہوگیا ہے اور کئی صدیوں سے عام ہونے والی انسانی، عملی سرگرمیوں اور فکری تبدیلیوں کے نتیجہ میں ان کو الگ تھلگ کردیا گیا ہے۔

فکری تبدیلیوں نے مادی مفاد پرستی اور خودغرضی کو ایک ایسا معیار بنادیا ہے جس سے اقدار کے مفاہیم ومقاصد کی حدبندی کی جاتی ہے۔جس کا انسانی تعلقات کے ڈھانچہ پر اثر پڑا ہے۔

رہا سماجی علوم میں تبدیلی کا عمل تو بالعموم اس کا تعلق عمومی میدان سے ہے۔ خاندان کا مطالعہ اسی عمومی میدان میں اس حیثیت سے کیا جاتا ہے کہ اس کے ڈھانچہ پر بیرونی تبدیلیوں کا کتنا اثر پڑا تاکہ سماج میں ہونے والی عمومی تبدیلی پر روشنی پڑے۔ نیز خاندان کا مطالعہ اس حیثیت سے بھی کیا جاتا ہے کہ اس کے اندر رول میں کیا تبدیلی ہوئی اور نئے نظام کو جواز کا رنگ

۶۲- انسان کے بارے میں مغربی نقطۂ نظر کی تنقید اور نظریۂ ارتقاء کی تنقید کے سلسلہ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: عارف، ''نظریات التنمیۃ السیاسیۃ المعاصرۃ''، مرجع سابق، ص: ۱۹۳ اور بعد کے صفحات، خضر، عبدالعلیم عبدالرحمٰن، ''الإنسان والکون فی القرآن والعلم''، جدہ، عالم المعرفہ للنشر والتوزیع، ط:۱، ۱۹۸۳ء، ص: ۴۷-۸۵

دینے اور نشو ونما اور تربیت کے عمل کے ذریعہ فرد کے لیے نئے اقدار منتقل کرنے اور استحکام کو وجود میں لانے کے ذریعہ کے طور پر خاندان کا فرض کیا ہے۔(۶۳)

تبدیلی کو وجود میں لانے نیز سماج میں معاشی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی تبدیلی کو شکل دینے کے سلسلہ میں خود خاندان کے کردار کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔(۶۴)

جہاں تک اسلامی تصور کا تعلق ہے تو اس کے مطابق خاندان تہذیبی تصورات ومفاہیم کے تحفظ کا ظرف ہے، نیز چیلنجز کا سامنا کرنے کے سلسلہ میں دفاعی زرہ (یعنی ذریعہ) ہے، اس طرح کہ فرد کے لیے بلند ترین اقدار کے نظام کو واضح کیا جائے، جن سے امت مسلمہ کی تہذیبی خصوصیات کی ترجمانی ہوتی ہے، بشرطیکہ ان اقدار کو اس حیثیت سے نہیں دیکھا جائے کہ تربیت کے ذریعہ ذہن میں بیٹھنے والے یہ محض نظریاتی مفاہیم ہیں، بلکہ فرد کے عمومی رویہ اور برتاؤ پر ان کا انطباق بھی ہوتا ہے۔ خاندان کے اندر اقدار کا نظام تربیت اور سرگرمی کے لحاظ سے جس قدر مستحکم ہوگا، اسی قدر اس سے وہ اسلامی سلوک برآمد ہوگا جو منضبط ہوگا، نیز نظام کے باہر سے نامانوس اقدار کی کسی قسم کی گھس پیٹھ کا ازالہ اور احاطہ کرنے پر قادر ہوگا۔ وہ نامانوس اقدار جو مقاصد شریعت میں خلل انداز ہو کر (اسلامی) اقدار کو دوبارہ مرتب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا مطلب ہے کہ خاندان محض واقعہ اور صورت حال کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ صورت حال کو بدلنے اور درست کرنے کے سلسلہ میں سماج کی کارکردگی کی اساس و بنیاد ہے۔ تربیت وتزکیہ کی صفت سے آراستہ انسان کی تعمیر وتشکیل کے سلسلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج کی اقتداء کرتے ہوئے شرعی مقاصد کو مؤخر بنانے اور

63- Banks, Michael. "The Inter -Paradigm Debate. "in international Relation: A Handbook of Current theory Edited by Margot Light and A. J. R. Groom, Colorado: Lynne Reienner Pub. Inc. 1985.

۶۴- مجلۃ المستقبل العربی، بیروت، مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ 308، میں ۲۷، اکتوبر ۲۰۰۴ء: میں خاندان سے متعلق خصوصی شمارہ دیکھیے۔

''اولویات'' کی حد بندی کے ذریعہ اس کی تکمیل ہوگی، تاکہ مفاہیم وتصورات کے تضاد کے مسائل حل ہوں، بالخصوص عورت کے استخلافی (خلیفہ بنائے جانے کے) کردار کو مؤخر بنانے سے متعلق مسائل حل ہوں۔ نیز روایات اور رسم ورواج میں بڑے پیمانہ پر ہونے والے خلط ملط کا بھی حل نکلے، جن کے اندر حقیقت دین کے ساتھ حق و باطل کی آمیزش ہے۔ ساتھ ہی عورت کا وہ کردار نظر آئے جو عصر رسالت میں بالکل واضح طور پر عیاں ہے۔ اس کے بعد انسانی تعلقات کی دوبارہ تعمیر و تشکیل اس طرح کی جائے کہ تعاون، الفت، محبت ومودت اور سماجی تکافل کے اقدار کی سطح انسانوں کے درمیان بلند ہو اور تعلقات کا اولین معیار مادہ اور منفعت کی اساس کو نہ قرار دیا جائے۔

نسوانی تحریک:

مسلم خاندان اپنے گھر کے اندر ہی تجدد کے چیلنجز کی زد میں آ گئے، جن چیلنجز نے مسلم ممالک کو تہ و بالا کر دیا اور مسلم سماج میں عورت کو تبدیلی کا اہم دروازہ قرار دیا۔ اسی وجہ سے اسلام کے عمیق تصور کے اندر خاندان کے مفہوم اور ڈھانچہ کو بہت سے چیلنجز کا سامنا ہوا۔ حالانکہ مہاجر خاندان کی تشکیل کے لیے عمیق اسلامی تصور اساسی ماحول فراہم کرتا ہے۔

یہ خاندان تجدد، تجدید، لیبرلزم، آزادی نسواں کی دعوتوں اور ت حریکات کے نعرے کے اثرات کے حامل ہیں۔ اس میں حجاب، میراث، تعدد ازدواج کے مسائل شامل ہیں۔ نیز طلاق کے اندر عصمت کا مسئلہ اور قوامیت، اقتصادی استقلال، عورت کا کام پر جانا اور اس کے نتیجہ میں فیملی کے دو بنیادی ارکان کے درمیان ذمہ داریوں کی تقسیم کے مسائل شامل ہیں۔ (۶۵)

۶۵- گھر کے انتظام کی ذمہ داری)، معاشی خودمختاری اور عورت کے کام اور خاندان کے دونوں جز یعنی میاں بیوی کے درمیان ذمہ داریوں کی تقسیم میں اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ابتری کے مسائل بھی داخل ہیں (خاندان سے متعلق عربی تحریروں میں عربی سماجی صورت حال کو سمجھنے کے لیے برابر مغربی منہج کا استعمال ہو رہا ہے۔'' جان ووٹر پری'' نے بیان کیا ہے کہ مغربی علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک علم وہ ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب یہ خاندان امریکہ آتے ہیں تو وہ پاتے ہیں کہ اپنے اصلی وطن میں مسلم عورت سے جس چیز کا مطالبہ تھا وہ واقعی حقیقت میں تبدیل ہو چکی ہے، جس میں وہ زندگی گزار رہی ہے۔ اسی طرح اسے نسوانی تحریکات کی کارکردگی اور لیبرلزم والے خیال کے حقائق کا عمومی طور پر امریکی سماج میں مشاہدہ ہوتا ہے۔(٦٦)

صوبہ نیو یارک کی ''سینیکا فالس (Seneca Falls - New York) کی کانفرنس سے نسوانی تحریکات نے جنم لیا۔ جو ١٨٤٨ء میں ''الیزابیتھ کیڈی'' (Elizabeth Cady) کی موجودگی میں منعقد ہوئی تا کہ خواتین کے حقوق کا مطالبہ کیا جا سکے اور مسیحی مذہبی نقطۂ نظر کا مناقشہ کیا جا سکے، جو عورت کو کمتر نگاہ سے دیکھتا ہے، اور اس پر یہ الزام دھرتا ہے کہ عورت شیطانی فطرت کی حامل ہے۔

اس وقت خواتین کا سب سے اہم ہدف یہی تھا کہ عورت کی قانونی صورت حال میں تبدیلی کی جائے، اس طرح کہ اسے ووٹنگ کا حق دیا جائے، نیز اجرت کے لحاظ سے اسے مرد کے برابر قرار دیا جائے، نیز اسے تعلیم اور ملکیت حاصل کرنے کا حق دیا جائے۔(٦٧)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) جو اہل مغرب کے نزدیک ارتقا پذیر ہوتا ہے اور وہ خود کو درست کر لیتا ہے اور تجدید کی کوشش کر کے اپنے فلسفیانہ بحران سے تجاوز کر جاتا ہے۔(٢) علم کی دوسری قسم وہ ہے جس کی ترویج کی جاتی ہے، نیز ایک طرف بعض اسکالرز کے یہاں پائی جانے والی فکری ماتحتی پر اعتماد کرتے ہوئے، تو دوسری طرف دیگر اسکالرز کے یہاں مغربی نظریہ کے ارتقاء سے ناواقفیت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کی مارکیٹنگ کی جاتی ہے۔ ہڈسن، مائیکل و دیگر العقد العربی القادم: المستقبلات البدیلۃ، بیروت: مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، ط:١، ١٩٨٦ء۔ اس مفہوم کے اندر بھی اسے داخل کر سکتے ہیں جسے عبد الصمد دیالمی نے ''السوسیولوجیا الکولونیالیۃ'' (نو آبادیاتی سماجیات: Colonial Sociology) کا نام دیا ہے، دیکھیے: دیالمی، عبد الصمد، الضیۃ السوسیولوجیۃ، نموذج الوطن العربی، الدار البیضاء: دار إفریقیا الشرق، ١٩٨٩ء، ص: ٤٠-٤٣

٦٦- المسیری، قضیۃ المرأۃ بین التحریر والتمرکز حول الأنثی حوالۂ بالا

٦٧- Al Faruqi, Woman, Muslim Socity and Islam خواتین کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۱۹۲۰ء میں خواتین کو ان کے تمام حقوق حاصل ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں پوری دنیا میں خواتین کے معاشی، سماجی اور تعلیمی حقوق کا پختہ طور پر اعلان کیا گیا۔ ۱۹۶۰ء میں نسوانی تحریک کی بالخصوص امریکہ میں نئی پیدائش ہوئی۔ ۱۹۶۶ء میں تحریک کی ۴۰۰ سے زیادہ شاخ کی تشکیل ہوئی، جنہوں نے عورت کے مسائل کے حل اور خواتین کے دفاع کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس وقت تحریکی خواتین نے علمی شکل میں اپنے موقف و رویہ کو استعمال کر کے (۶۸) غلامی کے اصول کی مخالفت کا فائدہ اٹھایا، بالخصوص ''سیاہ فام کی غلامی'' کی تحریک نے یہ فائدہ اٹھایا اور خواتین کے حقوق کا مطالبہ کیا، ایک ایسے بیان کے ذریعہ جس میں وضاحت کے ساتھ خواتین نے اپنے مطالبات کی تحدید کی تھی۔ عورت کی آزادی کی تحریکات جو انیسویں صدی میں اٹھیں وہ انسانی دائرہ میں گھوم رہی تھیں، ان کا یقین تھا کہ انسان مرکزی کردار کا حامل ہے، نیز ان کا یقین ہمہ گیر مشترکہ انسانیت پر بھی تھا، اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ سیاہ فام افراد کے ساتھ ہمدردی رکھتی تھیں اور ان کی آزادی کا مطالبہ کرتی تھیں۔ ان تحریکات کے اندر انسان کی اہمیت کے مدنظر خواتین نے سماج کے حدود کے اندر اپنے حقوق کا دفاع مشترکہ انسانی مفاہیم کے دائرہ میں کیا، جیسے: خاندان کا مفہوم اہم ترین انسانی ادارے کی حیثیت میں جہاں انسان اپنا تہذیبی اور اخلاقی تشخص حاصل کرتا

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) پہلی دستاویز میں خواتین کے حقوق کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اسے ''میری وولسٹون کرافٹ (Mary Wollstone Craft) دستاویز سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں خواتین کے حقوق کا دفاع کیا گیا ہے، اس کی تدوین ۱۷۹۲ء میں ہوئی۔ فرانسیسی انقلاب کے دوران نسوانی عوامی انجمنوں نے مطالبہ کیا کہ آزادی، مساوات اور اخوت و بھائی چارگی کے اصول کا انطباق صنف سے صرف نظر کرتے ہوئے کیا جائے۔ لیکن اس تحریک کو نپولین کے قانون کے ذریعہ اس وقت دبا دیا گیا تھا۔ دیکھیے: The Columbia Electronic Encyclopedia, sixth Edition, Columbia University Press, 2003. (www.cc.columbia.edu/cup

68- The Columbia Electronic Encyclopedia, Sixth Edition, Columbia University Press, 2003. (www.columbia.edu/cu/cup).

ہے۔ ان تحریکات کا مقصد یہ تھا کہ سماج کے اندر کسی قدر عدل و انصاف حاصل ہوجائے۔ ان کا مقصد یہ نہ تھا کہ ایسی مساوات کا مطالبہ کیا جائے جس کو وجود میں لانا دشوار ہو، چہ جائیکہ ان کا مطالبہ یہ ہو کہ خاتون کو مکمل حقوق کی حصولیابی کی قدرت دی جائے، بالخصوص انتخاب اور اقتدار میں شرکت کا حق، طلاق، حضانت و پرورش اور اجرت میں برابری اور اس کی مانند دیگر حقوق۔ چھٹے دہے کے نصف تک عورت کی آزادی کی تحریکات کا بنیادی دائرہ یہی تھا۔

نسوانی تحریکات کے اہداف و مقاصد اور حقائق عورت کی آزادی کی ابتدائی تحریکات سے مختلف ہوگئیں۔ چنانچہ مادی منفعت کے معیار کی روشنی میں انسان کی دوبارہ تعریف و تشکیل کی گئی۔ ماں بننے اور اولاد کی پرورش کو دور کر دیا گیا، اس لیے کہ مادی اعتبار سے اس کی قیمت لگانا محال ہے، کیونکہ ماں اس کے بدلہ کوئی قابل لحاظ مادی اجرت وصول نہیں کرتی ہے (۶۹)، اور عورت کو سماج کے ایک خود مختار فرد کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا (۷۰)۔ لہٰذا خاندان کا شیرازہ بکھرنے لگا اور اس کی کڑیاں ٹوٹنے لگیں۔ یعنی فطری انسان نہ کہ سماجی انسان کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا۔ مؤنث ہونے کے مسئلہ پر زور دیا جانے لگا جو ذکورت یعنی مرد ہونے کے ساتھ کشمکش کے تصور کے تابع ہے۔ انسانی تہذیب کی تاریخ مرد اور عورت کے درمیان کشمکش، مرد کے عورت پر مسلط ہونے اور عورت کے اس تسلط سے آزادی کی کوشش کی تاریخ بن گئی۔

اس انقلابی پروگرام کو نافذ کرنے کے دوران عورت کو مرکز قرار دینے کی تحریک کے

69- Lord, Andre, "Poems are Not Luxuries", Chrysalis: A Magazine of Female Culture, no. 3 (1977): 7-9, Lorde, Andre, And adrienne Rich," An Interview with Andre lorde, "Journal of Women in Culture and Society 6, No. 4 (Summer 1981): 713-736)

70- Duran, Jane. Toward a Feminist Episte Mology. USA: Rowman and little field publishers, 1990

داعیوں نے اپیل کی کہ عورت کے نقطۂ نظر سے دوبارہ تاریخ لکھنے کی ضرورت ہے۔ تحریک کا اساسی ہدف یہ ہوگیا کہ خواتین اپنے بارہ میں شعور کو بلند کریں۔ اور مردوں کے ساتھ اپنے معرکہ کے سلسلہ میں اپنی کارکردگی کو بہتر بنائیں۔ (۷۱)

کشمکش پر قائم اس تصور کے دائرہ میں اور انسانیت کے مشترکہ تصورات کے موجود نہ ہونے کے سایہ میں خواتین، خواتین پر اکتفا کریں گی اور مرد مرد پر اکتفا کریں گے۔ لہٰذا ماں اور بیوی کے تصور کو ختم کر دیا گیا، نیز خاندان کو بھی ختم کر دیا گیا۔ اور مشترکہ انسانی جوہر شکست کھا گیا۔ تاکہ تمام انسان فطری اور مادہ پرست افراد بن جائیں۔ اس لیے کہ تحریک نے کردار کی تقسیم کو مسترد کر دیا اور برابری کی دعوت دی۔ لہٰذا مرد اور عورت بغیر کسی فرق کے باپ ماں بن گئے۔ آج کل سائنس بھی اخلاقی اور مذہبی حس سے بے نیاز سائنسی تجربات کے ذریعہ اسی کو وجود میں لانے کی سعی کر رہی ہے۔ یہ چیز ''کلوننگ'' اور ''ٹیسٹ ٹیوب بے بی'' وغیرہ میں عیاں ہے۔

انتشار پر مبنی اس دائرہ کے سایہ میں مرد اور عورت کے درمیان لازمی کشمکش کا اعلان کیا گیا۔ نیز باپ ہونے اور مرد ہونے کی تاریخ کے خاتمہ کی ضرورت اور تاریخی یادداشت پر اعتماد کے بغیر تجربہ کرنے کے آغاز کا اعلان کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ مرد کے ساتھ عورت کی کشمکش کے دوران عورت کی کارکردگی میں اضافہ ہو، پھر مرد کے مساوی اسے قرار دیا جائے جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی آزادی کی تحریک سے ہٹ کر عورت کو فوقیت دینے کے مرحلہ میں داخل ہو جایا جائے (۷۲)۔

71- Tong, Rose Marie. Feminist Thought:A Comprehansive Introduction. San Francisco: west View Press, 1989

۷۲- عورت کی آزادی کی تحریک (Women Liberation Movement) اور ''عورت کو فوقیت دینے'' (Feminism) کے مفہوم کی اصطلاح بہ طور مترادف مستعمل ہے۔ ''نسوانیت'' کے مفہوم کے عام ہونے کے مدنظر ابحاث میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ درحقیقت ''نسوانیت'' کا دقیق ترجمہ یہ ہے کہ ''خاتون کے اردگرد مرکوز ہونا''۔ جس وقت عورت کی آزادی کی تحریک عورت کو سماج کے ایک حصہ کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چھٹے دہے کے مرحلہ میں عورت کی آزادی کی تحریک سے جو ماحول تیار ہوا اس نے ساتویں دہے کے آغاز سے یہاں تک پہنچا دیا کہ اکیڈمک میدان میں عورت کھلی شرکت کرے۔ اس سے عورت کے مسائل زیادہ علمی انداز میں پیش ہونے لگے۔ اکیڈمک تحقیقات کے ذریعہ یعنی عورت اور سائنس کے مسئلہ کے ذریعہ اور مختلف میدانوں میں تحقیق کرنے والی خواتین کی تحریروں کے سبب آٹھویں دہے میں نسوانی افکار وخیالات میں سائنس کا مسئلہ واضح طور پر پیش ہوا۔ یعنی نسوانیت آئیڈیالوجی سے نظریہ علم (Epistemology) میں منتقل ہوگیا۔(۷۳)

''نسوانیت'' نے اسطرح اپنی ذات کے بارہ میں اعلان کیا کہ وہ دنیا کا ایک تصور ہے۔ نیز نسوانی افکار وخیالات کا تجزیہ اور تنقید سماجی اور سیاسی علوم میں کیا گیا۔ عالمی نسوانیت کا دعوی ہے کہ عورت ہی مقصد وغایت ہے، البتہ وہ مادی دائرہ میں ہی رہی۔ جس کی وجہ سے وہ توحیدی علمی نمونہ کے ساتھ تناقض میں رہی اور عالمی نسوانی فکر کا دعوی لفظی ہی رہا۔ نسوانی فکر کو دنیا کی طرف برآمد کرنے اور اس ذات کے اردگرد عورت کی مرکزیت کے مسئلہ کے لیے پوری کوششیں صرف ہورہی ہیں، جس ذات کی بنیاد کشمکش، اضافیت اور پوزیشن پر ہے۔

شروع میں مغربی نمونہ اور توحیدی نمونہ کے درمیان فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے امریکہ اور دیگر

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) حیثیت سے دیکھتی ہے اور اس کے حقوق کے دفاع کی کوشش کرتی ہے۔ اسی وقت میں ''نسوانیت'' عورت کو سماجی سیاق سے باہر رکھتی ہے۔ گویا وہ بذاتہ خود مختار وجود ہے جو مرد سے جدا ہے اور اس کے ساتھ اس کی دائمی کشمکش ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے تصورات کو انسانی زبان کی تبدیلی کے لیے نئے طرز میں ڈھالا ہے، تاکہ کردار باہم مخلوط ہوجائیں۔ ''نسوانیت'' اور ''عورت'' کی آزادی کی ابتدائی تحریک کے درمیان فرق جاننے کے لیے دیکھیے: عزت، المرأۃ والعمل السیاسی: رؤیۃ إسلامیۃ، مرجع سابق، ص:۵۱

73- Buikema, Rosemarie. "Windows in a Round House: Feminist Theory" in Women's Studies and Culture: A Feminist introduction. Edited by Rose Marie Buikema and Anneke smelik, 3-13. London: Zed Books, 1995

اسلامی ممالک میں بہت سی اسلامی تحریروں میں مغربی مفاہیم اور تصورات کا استعمال کیا گیا۔ ان ہی میں سے ایک ''نسوانیت'' ہے، تاکہ عالم اسلامی میں خاندان اور عورت کی صورت حال کا مطالعہ اور تجزیہ کیا جاسکے۔ ان تحریروں میں اسلامی علمی نمونہ کے استعمال کی بجائے سوالات پیش کرنے کے لیے باپ ہونے، نوع اور جنس (صنف) کے مفاہیم کو اساسی مفاہیم قرار دیا گیا۔(۷۴)

جبکہ اسلامی علمی نمونہ اسلامی تصور کے مطابق عورت اور خاندان کے مسائل کے مطالعہ کے وقت کلی مفاہیم اور علمی اصولوں پر زور دیتا ہے۔ چنانچہ اسلام ایسے تصوراتی دائرے پیش کرتا ہے جو ایک طرف عورت اور مرد کے درمیان تعلق کی نوعیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، تو دوسری طرف خاندان کی تشکیل میں مدد دیتے ہیں۔(۷۵)

آج کل نسوانی نقطۂ نظر کے بارے میں مسلم خاتون کا موقف مسلسل ارتقاء پذیر ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ مسلم خاتون نے اسلامی اور مغربی نمونے کی ساخت کے درمیان بڑے فرق کو سمجھ لیا ہے۔ اس نے اسلام کے اندر بالخصوص اس کے بنیادی مصادر: قرآن اور سنت صحیحہ میں ممتاز نمونہ پالیا ہے جو اس کی شخصیت اور انسانی ساخت کے خدوخال کو متعین کرتا ہے اور اس کے حقوق کا اس طرح ذمہ دار ہے جو مغربی نسوانی تحریکات کے مطالبات سے بڑھ کر ہے۔(۷۶)

۷۴- خاندان کے بارہ میں خصوصی شمارہ دیکھیے: مجلۃ المستقبل العربی، بیروت، مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ، ع ۳۰۸ س، ۲۷، اکتوبر ۲۰۰۴ء

75- Ahmed, Leila. women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate, New Havenyale university press, 1992, Marsot, Afaf Lutfi al Sayyid. Egypts Libesalex Periment, 1922-1936. Barkeley: university of California Press, 1977

۷۶- ایک مدت کے بعد مسلم خاتون نے معاصر زندگی میں اپنے کردار کو سمجھ لیا ہے۔ وہ اس بات پر راضی نہیں ہے کہ بے بس رہے اور صرف مغربی خاتون کی تقلید کرے، بلکہ اس نے اپنے مسائل کا مطالعہ اور تجزیہ کیا ہے اور اس نتیجہ تک پہنچی ہے کہ اسلام پہلے بھی اور اب بھی عورت کی آزادی کی سب سے بڑی تحریک (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آج کل اس میدان میں مؤثر سرگرمی دیکھی جاسکتی ہے جو متعدد ابحاث وتحقیقات کی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) کی نمائندگی کرتا ہے اور اکیڈمک علم رکھنے والی مسلم خواتین نے مغربی نسوانیت کو چیلنج کرنا شروع کر دیا ہے، نیز نسوانی تصورات کی جگہ علمی اور اکیڈمک لحاظ سے اسلامی نمونہ کو پیش کرنے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ ان خواتین میں: منی ابوالفضل، لمیاء فاروقی، وغیرہما ہیں۔ اور آج کل ہم اکیڈمک میدان میں ان کوششوں کے ثمرات محسوس کر رہے ہیں، بالخصوص ان مسلم خواتین کے درمیان جو اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنے لگی ہیں۔ باوجودیکہ ان کے مناہج اور نتائج میں اختلاف پایا جاتا ہے، البتہ اس سے مسلم خاتون کا دین پر اعتماد بحال ہوا ہے اور موجودہ دور میں عورت کی حالت کی تبدیلی کی سعی کرنے والے اصلاحی منصوبے کو پیش کرنے کے لیے اسے لازمی شجاعت و بہادری حاصل ہوئی ہے۔

دیکھیے: Abu Fadl, Mona, Muslim Women Scholarrs on Women in Islam. Chicago Theological Seminary, November, 7th 1990. www.muslimwomenstudies.com۔

ان اسکالرز میں ''سعاد جوزف'' بھی ہیں، جنہوں نے ۷ رمئی ۲۰۱۰ء کو اپنے حالیہ خطاب: ''عربی خاتون کے بارے میں دوبارہ غور وفکر'' میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ یہ اس سرگرمی کے تحت ہے جو کالفورنیا یونیورسٹی کے مرکز 4CLA کے زیر نگرانی مشرق قریب کے مطالعہ (CNES) کے لیے، نیز نسوانی مطالعے کے لیے مشرق وسطی کے مجلّہ کے تحت انجام پائی۔ ''سعاد جوزف'' اس نتیجہ تک پہنچی ہیں کہ مسلم اور عربی خاتون کی صورت حال مرد کے ساتھ اس کے تعلق کی فطرت پر مبنی ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ یہ اسکالرز صحتمندانہ اور مستحکم سماج اور خاندان کی تعمیر و تشکیل کے سلسلہ میں عورت اور مرد کے درمیان تعلق کی اہمیت کا اندازہ لگا رہی ہیں۔ بنابریں، عالم اسلام کے اندر سماجی نوع کے مطالعے مختلف جہت اختیار کرنے لگے ہیں، جس سے اسکالرز کو مختلف صورتحال میں حقیقت کی نقاب کشائی میں مدد دینے والے اصلی امور پر توجہ مرکوز کرنے کی قدرت حاصل ہوئی ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دیکھیے: wadud, Amina. Qur'an and woman kualalumpur: Penerbit Fajar Bakti, 1994.

- Wadud, Amina. "Rights and roles of women". in Islam in Transition: Muslim Prespectives. Edited by J.J. Donohue and J.L. Ersposito, 162166. Oxford: Oxford University Press, 2006.

Al- Hibri, Azizah, Muslim Women's Rights in the Global Village:

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شکل میں نمایاں ہے۔نظریہ سازی کے سلسلہ میں ان ابحاث کی بنیاد تجزیہ اور منہجیت کے اصول پر ہے، ساتھ ہی ان ابحاث میں بہت سی ان ظالمانہ رسم ورواج کو بدلنے کی سنجیدہ کوششیں کی گئی ہیں جن کا اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ایسا عملی سرگرمیوں کی سطح پر ہوا۔البتہ اس مطلوبہ اصلاحی تبدیلی کو وجود میں لانے کے لیے متحدہ کوششیں درکار ہیں جس کی دعوت اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے دی ہے۔(۷۷)

ان کوششوں کے باوجود ''ورلڈ آرڈر'' اور ''نسوانیت'' اور مغربی تہذیب کے دیگر خدوخال کے گہرے اثرات دنیا پر پڑے ہیں۔اور عالم عربی اور عالم اسلامی میں اس کے اثرات واضح طور پر نمایاں ہیں۔(۷۸)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

Challenges and Opportunities" The Journal of Law and Religion, 15 (121), (2000-2001) Saint Paul, MN: Hamline University School of Law

- Barlas, Asma, Believing Women in Islam: Unreading Patriarchal Interpretations of the Qur'an. Austin: University of Texas Press, 2002

۷۷- آج کل تمام زبانوں میں بہت سی تحریروں کے اندر عورت کی آزادی کی اولین تحریکات میں سے شمار ہونے والی سنت نبویہ اور قرآنی مفاہیم کے دائرہ میں عورت کے متعدد مسائل کا تجزیہ ہونے لگا ہے۔یہ بات عبدالحلیم ابوشقہ کی کتاب ''تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ'' اور دیگر سنجیدہ کتابوں میں عیاں ہے جن میں عورت کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔نیز دین اور سالہا سال میں بننے والی رسم وریت کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔اس طرح کی رسم وریت کو قابل اتباع دین بنالیا گیا، حالانکہ وہ دین کے خلاف ہے۔

78- Ahmed.women and geder in Islam: Historical Roots of a Modern Debate, P. 151, See also:

- Tignor, Robert Lo. Modernization and British Colonial Rule in Egypt. 1882-1914, Princeton: Princeton University Press, 1966.

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہی وجہ ہے کہ خاندان کو بڑے صدمہ کا احساس ہوا اور عمیق اسلامی تصور پر مبنی بہت سے خاندانوں پر تعلقات کے سلسلہ میں کمزوری کے آثار ظاہر ہوئے، بعض اوقات اس نے انتشار کی صورت اختیار کرلی جس میں مزید اضافہ اس مغربی نظام زندگی اور نظام عمل سے ہوا جو انفرادیت اور مطلق آزادی کی اساس پر مبنی ہے، جس کا اثر واضح طور پر انسانی تعلقات کی ساخت پر پڑا، جس میں قریب ترین رشتہ دار یعنی میاں بیوی اور اولاد بھی شامل ہیں، چہ جائیکہ دوسرے رشتہ دار۔

شاید مشترکہ خاندان کا نہ ہونا، نیز اس کی بدولت اولاد کے موجود ہونے کے سبب ذہنی ونفسیاتی مدد کا حاصل نہ رہنا، زندگی کے تقاضے میں والدین کا گھر سے باہر کام کرنا اور ان کی عدم موجودگی کی مدت میں اولاد میں دلچسپی لینے والے فرد کی ضرورت، ان ساری باتوں کا شمار منفی اثرات میں ہوتا ہے۔

امریکی فرد، پھر خاندان اور سماج کی معاصر روزانہ کی زندگی میں مادیت کے عام ہونے اور سرایت کرنے کے مدنظر نفسیاتی اور عصبیاتی امراض کے پھیلاؤ کا تناسب دوچند ہوگیا ہے۔

اور جیسا کہ سیکولر فلسفہ کا دستور ہے کہ اس نے خود سے جنم لینے والے مسائل کا حل اس طرح پیش کیا کہ مغربی سماج کے تقاضے کو پورا کرنے والے سماجی ادارے کو نئی شکل دی۔ البتہ اس فلسفہ سے مربوط روحانی اور اخلاقی خلا نے نفسیاتی امراض کے پیدا ہونے میں اضافہ ہی کیا، ان نفسیاتی امراض کو موجودہ دور کے امراض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے: ڈپریشن (بہت زیادہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

- Marsot, Afaf Lutfi al-Sayyid. "Women and Modernization: A Reevalution: in Women, The Family, and Divorce Laws in Islamic History. Edited by Amira El Azhary Sonbol, 39-51, Syra Cuse, New York, Syra Cuse University Press, 1996.

غمگینی)، الکحل اور منشیات کی لت اور ہم جنس پرستی وغیرہ۔

امریکی سماج میں اس مسئلہ کا حل اس طرح نکالا گیا کہ نفسیاتی علاج کے میدان میں مخصوص علوم کو ارتقا فراہم کیا گیا، جیسے: نفسیاتی مشورہ، نفسیاتی علاج و معالجہ، ذہنی اور عصبیاتی صحت، نیز ذہنی صحت سے متعلق مخصوص ادارے قائم کیے گئے، تاکہ مختلف قسم کی لت لگنے والی بیماریوں، ڈپریشن اور دیگر معاصر نفسیاتی امراض کے علاج کا اہتمام کیا جاسکے جو مادی انقلاب اور سیکولرازم کے ساتھ جنم لینے والے روحانی خلا سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس طرح کے بحران اور دشواریوں کو کم کرنے کی کوششوں کی اہمیت کے باوجود، مشترکہ خاندان کے اثرات اس سے بڑھ کر ہیں، کیونکہ مشترکہ خاندان، افراد خاندان کی خود بخود ہونے والی نشستوں کے ذریعہ منفی احساسات کو ختم کرنے کی راہ طے کرتا ہے، جس سے تمام افراد خاندان کو دل کی بات مثبت طریقہ پر باہر لانے میں مدد ملتی ہے۔

امریکہ کے مشترکہ خاندان کے مؤثر و مثبت کردار پر بعض تحقیقات میں زور دیا گیا ہے۔ یہ نتیجہ اس کے بعض مہاجر گروپ کی خاندانی تشکیل کی فطرت کو موضوع بنا کر نکالا ہے، جس میں مادی اور معنوی دونوں سطح پر مشترکہ خاندان کا رول برابر زندہ ہے۔

بعض تحقیقات کے نتائج اس طرف مشیر ہیں کہ بہت سے جوانوں کا مختلف جماعتوں میں شامل ہونا، اس خلا کا حصہ ہے جو نسلوں کے جدا ہونے، نسبت رکھنے اور ان نفسیاتی امراض کے حل میں مشترکہ خاندان اور اس کے مثبت رول کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، جو جدید نیوکلیر خاندان وغیرہ یا افراد پر مادی و معنوی دباؤ کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔ (۷۹)

۷۹- سماجیات اور سائیکلوجی کے ماہرین کا خیال ہے کہ خاندان کے افراد کے درمیان مستحکم تعلقات نہ ہونے اور بڑے سماج سے خاندان کے تعلق کے کمزور ہونے کی وجہ سے متعدد مسائل، جیسے: طلاق، ذہنی امراض اور نوعمروں کا جرائم کی طرف میلان پیدا ہونا۔ دیکھیے: Columbia University Press. The Columbia Electronic Encyclopedia, Sixth Edition, 2003. www.cc.columbia.edu/cu/cup

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مشترکہ خاندان کے ادارہ کے اندر اس کے افراد کے درمیان مسائل پیدا نہیں ہوتے ہیں۔لیکن اگر اس کے اندر اعلیٰ اقدار کی رعایت کی جائے جو بہتر طریقہ پر بقائے باہم میں مدد دیتے ہیں، جیسے دوسروں کے احساسات کا خیال رکھنا، عدل و انصاف قائم کرنا،فرد اور جماعت کی آزادی کی رعایت،فرد اور جماعت کے حقوق کے درمیان توازن،صداقت اور حسن معاملہ،تو اس وقت معاصر سماج کے بہت سے مسائل مشترکہ خاندان میں مثبت طریقہ پر حل ہو سکتے ہیں۔اس لیے مشترکہ خاندان کے کردار کی اہمیت کے سلسلہ میں شعور بیدار کرنے کی مہم اور پروگرام منظّم کرنا متعین ہے، نیز مشترکہ خاندان کے افراد کے درمیان بہتر طریقہ پر بقائے باہم کے تحفظ کے وسائل اختیار کرنے کی اہمیت کے بارے میں ذہن سازی اور پروگرام منظّم کرنا بھی ضروری ہے تاکہ ایسے فطری ادارہ کے نمونہ کی تشکیل ہو، جو اندر اور باہر سے کھوکھلے کرنے والے عوامل ومحرکات سے سماج کو تحفظ فراہم کرے۔

۶۔مسلم گروپ کے یہاں قانونی اقتدار کا نہ ہونا:

امریکہ کے مسلمان اقلیت ہونے کی حیثیت سے ان امریکی قوانین کے تابع ہیں،جن کا التزام وہاں اقامت اور شہریت کا حق حاصل کرنے کے بعد ان پر متعین طور پر لازم ہے۔ چونکہ ہر گروپ کا پرسنل لاء شادی اور طلاق کے مسائل کے اندر، دین اور اس کے احکام سے مربوط ہے،تو پھر میاں بیوی کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ہونے کی حالت میں مسلمان کیا کریں گے؟ کیا وہ امریکی عدالت کا سہارا لیں گے،یعنی ملکی قانون کا سہارا لیں گے جس کے فیصلے دین سے ہٹ کر جاری ہوتے ہیں؟ یا مثال کے طور پر سول طلاق حاصل کرنے کے لیے امریکی عدالت کا سہارا لیں گے،شرعی حیثیت سے مذہبی طلاق ہونے کے باوجود؟ یا بہتر یہ ہے کہ ان کے لئے مخصوص عدالت ہو؟ نیز مذہبی عقد کو ثابت رکھنے کے سلسلہ میں امریکی عدالت کا کیا

موقف ہے؟ اگر امریکی سول عدالت مسلم یا غیر مسلم کی طرف سے کیے ہوئے مذہبی عقد کو تسلیم کرتی ہو، بالخصوص اس صورت میں جبکہ عقد نکاح کو اس طرح ریکارڈ کیا گیا ہو، جس میں دونوں فریق کے حقوق اور شرائط واضح ہوں، تو کیا مسلمانوں کے لیے بہتر ہے کہ اس سے فائدہ اٹھائیں؟ نیز ان عدالتی نظاموں کی فطرت کیا ہے جن کے سایہ میں اقلیت زندگی بسر کر رہی ہے؟ مسلم گروپ کو کیا کرنا چاہئے کہ اس میدان میں کچھ چیز اس کی تہذیب وثقافت کے حصوں میں سے مشترک حصہ ہو جائے اور کس چیز کو اپنی خصوصیت کے حصہ کے طور پر باقی رکھے؟ نیز عدالتی میدان میں امریکی اداروں سے ماخوذ مشترک حصہ میں سے مسلم گروپ کس چیز کو اختیار کر سکتا ہے، بالخصوص پرسنل لاء سے متعلق میدان میں؟ ایسے ہی خدمت کے سماجی اداروں سے کس چیز کو اپنا سکتا ہے؟ نیز وہ کونسی چیز ہے جو اس کے اقدار کے خلاف ہے؟ مخصوص حصہ اور مشترک حصہ کے درمیان امتیاز کیسے ممکن ہے؟ امریکی سماج اور مسلم گروپ کے درمیان مشترکہ سرگرمیوں کو نئی شکل میں ڈھالنا کیسے ممکن ہوگا؟ نیز وہ کونسی سطحیں ہیں جن کو اس میدان میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟ مخصوص اور مشترکہ ثقافتی تشخص کے تحفظ کے تقاضے کے درمیان علیحدگی اور ربط کے خطے و دائرے کے درمیان حد بندی کیونکر ممکن ہوگی؟ مسئلہ ہے کہ آج مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ حقوق کے ساتھ انصاف برتنے، عدل وانصاف کو وجود میں لانے اور ازالۂ ظلم کے سلسلہ میں عمومی مصلحت کو وجود میں لانے کا کونسا بہتر طریقہ ہے۔ کیا تمام گروپ کے لیے صفوں میں اتحاد پیدا کر کے (حقوق وغیرہ) وصول کرنے کے لیے ایک متعین طریقہ پر اعتماد کرنا زیادہ بہتر ہے، یا یہ بہتر ہے کہ ہر گروپ کو چھوڑ دیا جائے کہ جو طریقہ چاہے اختیار کرے؟ گروپ کے اندر یہ فیصلہ لینے کا ذمہ دار کون ہوگا؟ کیا متحدہ اتھارٹی موجود ہے جسے گروپ اپنی ترجمانی کے لیے اختیار کرے گا، یا موجود نہیں ہے؟ کیا مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میدان کے ماہر اہل علم کے ایک گروپ کا انتخاب کریں، یا آج جو صورت حال ہے اسی کے مطابق معاملہ کو اپنی

حالت پر رہنے دیا جائے؟ نفع اور نقصان کے لحاظ سے گروپ پر دونوں حالتوں کا کونسا نتیجہ مرتب ہوگا؟ نیز ائمہ مساجد کے خصوصی اختیارات کیا ہیں؟ کیا یہ بہتر ہوگا کہ ان کے اختیارات کی حد بندی کردی جائے اور ان کو مقید کردیا جائے، یا اختیارات کو ذمہ داری کا اہل بنانے والے شرائط کے ساتھ وسیع کردیا جائے؟

کیا شرعی عدالت قائم کرنا مناسب ہوگا جو لوگوں کو انصاف دلائے اور امریکی مسلمانوں کے لیے عدل وانصاف کو وجود میں لائے، یا یہ مسلم گروپ کو سماج سے الگ تھلگ کردے گا؟ نیز کیا اس سے مسلم گروپ کا نفع ہوگا یا نقصان؟

جو فیصلہ بھی مسلم گروپ لے اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے مآل کار اور انجام کے بارہ میں سنجیدہ بحث وتحقیق اور تمحیص کرلی جائے، بالخصوص آج کل مغرب میں اسلامی وجود کو جن دباؤ کا سامنا ہے، ان کے مدنظر اس طرح کے فیصلے ضروریات کے تحفظ کی سطح میں آجاتے ہیں۔ قانون میں اصل یہ ہے کہ تعلقات کو منظّم کیا جائے، بالخصوص عورت اور مرد کے درمیان تعلقات کو منظّم کیا جائے اور عدل وانصاف کے ساتھ حقوق کی تقسیم کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور کے اہل علم کو ایسی کلی فقہ کی اصالت پر مبنی تدوین کی اہمیت کا احساس ہوگیا ہے جو حقیقت پر مبنی طریقہ کے مطابق ان چیلنجز کے ساتھ تعامل کرے جن سے مسلم گروپ کے وجود کا تحفظ ہو۔ ساتھ ہی اسلام کے عالمی ہونے کو پُرزور طریقہ پر بیان کرے، نیز زمان ومکان کی تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہونے کی اس کی قدرت کا پتہ چلے، اس ہم آہنگی کے دوران وہ اپنے اصول وکلیات میں کوئی کوتاہی نہ کرے۔ اس طرح اس بحث وتحقیق کا آغاز ہوا جو ''فقہ الاقلیات'' سے موسوم ہے۔

۷-''فقہ الاقلیات'' اصالت پر مبنی ہونے اور مؤثر ہونے کے درمیان:

دو یا زائد دہے سے ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مسلم اقلیات کے سوالات کے دقیق

جوابات کی تشکیل کی سخت ضرورت ہونے لگی۔ چنانچہ یورپ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اسلامی فقہ کی اکیڈمیوں کی تاسیس ہوئی۔ نیز رابطہ عالم اسلامی نے بھی ان مسائل کا اہتمام کیا، جن کا اقلیتوں کو سامنا ہے۔ اقلیتوں کے مسائل نے علماء اور فقہاء کی گفتگو اور مناقشات میں اہم جگہ حاصل کر لی۔(۸۰)

یونیورسٹی کے بعض ابحاث میں بھی موضوع کے فقہی پہلو پر بھی طبع آزمائی کی گئی۔ جیسے: خالد محمد عبدالقادر کی بحث: ''فقہ الاقلیات المسلمۃ''۔(۸۱)

اس بحث میں مسلم اقلیات کو جن مسائل کا سامنا ہے، فقہی اعتبار سے ان کے اہم ترین شرعی احکام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد شیخ قرضاویؒ نے بھی موضوع پر روشنی ڈالی، اس کو اصالت پر مبنی قرار دینے کی کوشش کی، نیز مسلم اقلیتوں کو جن مسائل کا سامنا ہے ان میں سے بعض کے جواب کے ذریعہ عملی تطبیقات کے ساتھ ''فقہ الاقلیات'' کو مستحکم کیا۔(۸۲)

اس طرح اقلیتوں کو جن چیلنجز کا سامنا ہے، ان کے بارے میں گفتگو کا دروازہ کھلا، جن کو ایسے جواب کی ضرورت تھی جو فقہی پہلوؤں تک محدود نہ ہوں، بلکہ جن کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے اصول وکلیات مستنبط کیے جائیں اور ایسی شکل میں ان کو ڈھالا جائے جو اس قسم کے پیچیدہ انسانی معاشرہ کے ساتھ تعامل کرنے پر قادر ہو جائیں۔

''فقہ الاقلیات'' کے اصول قرضاویؒ کے پیش کردہ عمومی اصولوں کے مطابق واضح شکل اختیار کرنے لگے، نیز مغرب کے مسلم گروپ کو جن چیلنجز اور مسائل کا سامنا ہے ان میں سے بعض کا جو منہجی جواب دیا اور اس میں جن اصولوں کو منطبق کیا، ان سے بھی ''فقہ الاقلیات'' کے

۸۰- بسام، عبداللہ عبدالرحمٰن، ''ہل الأ صلح تعیین مفتین، أو إنشاء مجمع فقہی فی أمریکا للأ قلیات الإ سلامیہ، مجلۃ المجمع الفقہی الإ سلامی، السنۃ ۸، ع ۱۰، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۶ء، ص: ۴۷

۸۱- عبدالقادر خالد، ''فقہ الأ قلیات المسلمۃ''، بیروت، دارالایمان، ۱۹۹۸ء

۸۲- قرضاوی، فی فقہ الأ قلیات المسلمۃ: حیاۃ المسلمین وسط المجتمعات الأ ثری، مرجع سابق

اصول نے نمایاں شکل اختیار کر لی۔ وہ بعض مسائل اس طرح ہیں: رہائش اور دیگر ضروری امور و معاملات کے سلسلہ میں سود کے ساتھ تعامل کے مسائل، نیز شادی و بیاہ وغیرہ کے مسائل۔

پھر اس فقہ کا ارتقاء ہوا اور اصولی عالم طہ علوانی کے ہاتھ سے اس کی دوبارہ تشکیل ہوئی۔(۸۳)

انہوں نے اسے ''فقہ الفروع'' کے دائرہ سے نکال کر امام ابو حنیفہؒ کے موسوم کردہ ''الفقہ الاکبر'' کے دائرہ میں پہنچا دیا۔ علوانیؒ نے اس کی تعریف کی، منہجی طریقہ پر تعین کرنے والے امور کے ذریعہ اس کو اصالت پر مبنی قرار دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے قرآن کریم کے کلیات، مقاصد اور بلند ترین اقدار سے مدد لی، نیز سیرت اور سنت صحیحہ کے اندر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تطبیقات سے روشنی حاصل کی۔ انہوں نے ''فقہ الاقلیات'' کے اصول وقواعد کی بنیاد قرآن مجید کے عالمی خطاب پر رکھی، جسے ہر زمان و مکان کے اندر انسانی مسائل کے حل کی قدرت ہے، اس لیے کہ آج دنیا کے سامنے کوئی بھی خطاب پیش کیا جائے تو ضروری ہے کہ وہ انسانی قواعد اور مشترکہ اقدار پر مبنی ہو۔ چنانچہ خطاب قرآنی نے ''انسانوں کی وحدت'' کا اعلان کیا، نیز اس بات کا اعلان کیا کہ ایک جان سے سارے انسانوں کی تخلیق ہوئی ہے اور اسی ایک

83- Al-Alwani, Taha. To Wards a Fiqh for Minorities: some basic reflection, Translation, Ashur A. Shamis. London, Washingtion: The International Institute of Islamic Thought, 2003.۔

دیکھیے: طالب علم ''شمای فیشمین'' کی بحث جو فقہ الاقلیات کے موضوع پر ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس قسم کی فقہ کے بارے میں اس میں سنجیدہ تجزیہ کیا گیا ہے، نیز آج کے دور میں اسے مسلم گروپ اور مسلم اقلیتوں کے لیے اہم قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے شیخ علوانی کو اس فقہ کا بانی قرار دیا ہے۔ جنہوں نے مسلم اقلیات بالخصوص امریکہ اور مغرب کی مسلم اقلیات کے مصالح کے تحفظ کی اپنے ابحاث میں کوشش کی ہے، اس رسالہ کا خلاصہ انٹرنیٹ کی سائٹ: www.e-prism.org پر دیکھیے

انسان سے اس کے جوڑے کی تخلیق ہوئی ہے۔قرآن نے ''زمین کی وحدت'' کا بھی اعلان کیا ہے اور اسے انسانیت کا گھر قرار دیا ہے۔ نیز قرآن نے پختہ طریقہ پر'' وحدت الٰہ''، ''وحدت حقیقت'' اور'' وحدت انجام اور مقصد'' کا بھی اعلان کیا ہے۔ نیز اس نے منہج پر مبنی تشفی بخش وضاحتی دائرہ بھی پیش کیا ہے، یعنی ایسا خطاب پیش کیا ہے جو موضوعی غور وفکر کو منضبط کرنے والے قواعد پر مبنی ہے۔(۸۴)

اس کی تکمیل قرآن کریم کی تشکیلی وحدت معلوم کرنے کے ذریعہ ہوتی ہے۔(۸۵)

نیز اس کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا مطالعہ اس طرح کیا جائے کہ وہ کائنات اور اس کی حرکت وسرگرمی کے مساوی ہے، یعنی دونوں مطالعہ کو جمع کرنے کے منہج کا استعمال کیا جائے، اس طرح کہ کائنات کے مطالعہ، فہم اور قوانین معلوم کرتے وقت وحی الٰہی بھی ساتھ ساتھ رہے۔ دونوں کا مطالعہ کرنے والا ہی خلیفہ بنایا ہوا انسان ہے۔ پھر انہوں نے بیان کیا کہ وحی الٰہی اور کائنات کے مطالعہ کے منہج کے ذریعہ ان بلندترین اقدار کی حد بندی ہوتی ہے جن کو کائنات کے ساتھ تکامل کے ذریعہ قرآن کریم کی آیتوں نے ڈھالا ہے۔ وہ اقدار ہیں: (۱) توحید الٰہی (۲) خلیفہ بنائے گئے انسان کا تزکیہ (۳) کائنات کی تعمیر تاکہ وہ خلافت کا میدان

۸۴- ابوالفضل، منی، وعلوانی، طہ جابر'' مفاہیم محوریۃ فی المنہج والمنہجیۃ، قاہرہ: دارالسلام للطباعۃ والنشر والتوزیع والترجمۃ'' ۲۰۰۹ء، ص:۱۷

۸۵- ابوعلی فارسیؒ فرماتے ہیں: یہ اس لیے درست ہے کہ پورا قرآن ایک سورت کی طرح ہے، اسی وجہ سے کوئی چیز کسی سورت میں بیان کی جاتی ہے اور اس کا جواب دوسری سورت میں ذکر کیا جاتا ہے، جیسے: ''وقالوا یا أیها الذی نزل علیه الذکر انک لمجنون'' (۱۵/حجرات:۶)۔(اور یہ (مجرم) کہتے ہیں اور (جھوٹے مدعی!) جس پر نصیحت نامہ اترا ہے، تجھ کو جنون لاحق ہے، اس کا جواب: ''ما أنت بنعمة ربک بمجنون'' (۶۸/قلم: ۲)۔(آپ پر اللہ کا انعام واکرام ہے (ظاہر ہے کہ) جنون آپ کو لاحق نہیں (یہ بدزبان کافر اپنے جنون کا ثبوت دے رہے ہیں۔

بنے۔ پھر انہوں نے بیان کیا کہ یہ ایسے مقاصد ہیں جو عبادت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ انہوں نے معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر سنت نبویہ کو قرآن کے اقدار کی تطبیق اور متعینہ صورت حال میں ان کا انطباق قرار دیا ہے، نیز سنت کو اس نگاہ سے دیکھا ہے کہ وہ بذات خود ایک وحدت ہے جو قرآن پاک کے ساتھ متحد ہے، اس کا بیان و وضاحت ہے اور متعینہ اضافی صورت حال میں اس کے اقدار کا انطباق ہے۔

پھر علوانی نے فقہاء اور ائمہ سرگرم عمل اور مؤثر بنانے کے منہج کے اصول کو پیش کیا ہے۔ اس کا آغاز ''فقہ الواقع'' کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔(۸۶)

جس میں مختلف عناصر شامل ہوتے ہیں۔ اس حیثیت سے کہ وہ سوال اور فقہی مسئلہ کی تشکیل کا سرچشمہ ہے، یا اس حیثیت سے کہ وہ ''تنقیح مناط'' ہے، متقدمین کی یہی تعبیر ہے، نیز ''تخریج مناط'' اور ''تحقیق مناط'' ہے۔ جب تک یہ صورت حال اپنے سارے ترکیبی عناصر کے ساتھ نہیں سمجھی جائے گی، اس وقت تک مناسب شکل میں فقہی مسئلہ کی تشکیل دشوار ہوگی کہ اسے قرآن کریم کے دائرہ میں لاکر اس کا مناسب جواب حاصل کیا جاسکے۔ چنانچہ دور نبوت میں صورت حال سوال کی تشکیل کرتی تھی اور وحی الٰہی جواب کے ساتھ نازل ہوتی تھی۔ ہمارے موجودہ دور میں وحی الٰہی ہمارے سامنے ہے، بس ہمیں صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے مسائل اور سوالات کو بہتر شکل میں ڈھالیں، تاکہ ہم ان کو قرآن کریم کے پاس لے جاکر اس سے جواب طلب کریں اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی سمجھ حاصل کریں، نیز مطلق نص اور نوعیت وکمیت کے لحاظ سے بدلنے والی اضافی صورت حال کے درمیان ربط کا منہج وطریقہ کار معلوم کریں۔

''فقہ الاقلیات'' کا زور اس بات پر ہے کہ ''اصولی قواعد'' بالخصوص ''مقاصد'' کا مطالعہ کیا جائے، ساتھ ہی شارع اور مکلّف کے مقاصد کے درمیان فرق کو ملحوظ رکھا جائے، گذشتہ اہل علم

۸۶- ابوالفضل، وعلوانی ''مفاہیم محوریۃ فی المنہج والمنہجیۃ'' مرجع سابق، ص:۱۱-۳۱

کے فتاوی اور فیصلے سے استفادہ کیا جائے، لیکن ان کو فتوی کا مطلق مرجع نہ قرار دیا جائے، نیز فتوی کو منضبط کرنے والے منہجی قواعد کی تطبیق کی اہمیت پر زور دیا جائے، جائزہ اور تصحیح کی خاطر ان پر مرتب ہونے والے اثرات پر نظر رکھی جائے۔ اس طرح فتوی فقہ اور حقیقی صورت حال کے درمیان مربوط کڑی ہوگا۔ یہ چیز صحابہ بالخصوص ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فقہ کے مطالعہ میں عیاں ہے۔ ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فقہ اور فتاوی کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے اندر جزئیات کو کلیات کی طرف لوٹایا جاتا ہے، اس طرح کہ ان کے اندر ان اقدار اور مقاصد کو ملحوظ رکھنا واضح طور پر ظاہر ہے(۸۷)۔ اسی طرح انسانی عمل اور انجام کار کے جائزہ پر زور دیا گیا ہے، تاکہ شریعت کے احکام کے تحت کوئی عمل اچھا یا برا ہو، اس سے یہ اصطلاحی فقہ کے محدود دائرہ سے نکل کر مقاصد کے وسیع دائرہ میں پہنچ گئی ہے۔ اس قسم کے فقہ میں سب سے اہم ترین منہجی مسئلہ نص کو حقیقی صورت حال پر منطبق کرنے کا عمل ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انضباط کے ساتھ اجتہاد کے وسائل کو عمل میں لایا جائے، جن میں عقل و نقل کے درمیان توازن واضح ہو، جو موجودہ دور اور جگہ سے ہم آہنگ ہو، نیز اقلیت کے پیچیدہ چیلنجز کا جواب دیتے وقت اجتہادی حل میں کسی طرح کی کوتاہی یا افراط نہ کیا جائے۔ اس لیے یہ ''فقہ عزیمت'' ہے نہ کہ ''رخصت اور تاویلات کی فقہ'' ہے(۸۸)۔

۸۷- علوانی، طہ جابر، ''مدخل إلی فقہ الأقلیات''، ندوۃ تطور العلوم الفقہیہ، عمان، وزارۃ الأوقاف والشؤون الدینیۃ، ۴/۸/۲۰۰۹، ص:۶

۸۸- علوانی، ''مدخل إلی فقہ الأقلیات''، مرجع سابق، ص:۶۔ شیخ علوانی نے اجتہاد کے اندر توازن کے التزام کے ضروری ہونے کو بیان کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں: ''ہمارے موجودہ دور میں سب کے سب اجتہاد کی صدا لگا رہے ہیں۔ سیکولر افراد اس لیے صدا لگا رہے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ شریعت کے ضوابط اور قیود سے آگے بڑھ جائیں۔ اصالت کے پابند اس لیے اجتہاد کی آواز لگا رہے ہیں کہ ماضی کو حال سے مربوط رکھا جاسکے۔ لیکن ہمیں جس اجتہاد کی سخت ضرورت ہے وہ ایسا اجتہاد ہے جو اسلام اور مسلمانوں کو اسلام کے عالمی ہونے کے شرائط سے مزین ہونے اور اسلام کو سارے ادیان پر غالب ہونے کے لیے تیار کرے۔ دیکھیے: علوانی، ''مدخل إلی فقہ الأقلیات''، مرجع سابق، ص: ۲۴، معمولی تصرف کے ساتھ۔

اس لیے کہ اجتہاد میں غلطی ان ممالک میں اسلامی وجود کو خطرہ کی زد میں لے آئے گا۔ لہٰذا مکلّف افراد سے تعلق رکھنے والے مقاصد: ''ضروریات''، ''حاجیات'' اور ''تحسینیات'' کی سطح پر نظر رکھنا مناسب ہے، تاکہ ان کو تین بلند مقاصد: (۱) توحید (۲) تزکیہ (۳) آبادکاری سے مربوط کیا جاسکے، ساتھ ہی عدل وانصاف، حریت وآزادی، نیکی وبھلائی اور رحمت ومہربانی وغیرہ اقدار سے بھی جوڑا جاسکے۔ اس طرح ہر نئے مسئلہ کو ان سطحوں کے اندر داخل کرنے پر قادر فقہاء کے سامنے کشادہ دروازہ کھل جائے گا۔ جیسا کہ شیخ ابن عاشورؒ نے کیا، جبکہ انہوں نے ''حریت وآزادی'' کو مقاصد کے ضمن میں داخل کیا۔ ایسے ہی شیخ غزالیؒ نے ''مساوات اور انسانی حقوق'' کو مقاصد میں داخل کیا۔ اسی طرح شیخ قرضاویؒ نے اسلامی اقدار کا مناقشہ کیا اور ان کو مقاصد میں داخل کیا۔(۸۹)

اس طرح ممکن ہے کہ ہم ایسے امور پائیں جن کی صورت حال کی تبدیلی امت کی ضروریات اور ''اولویات'' کے دائرہ میں ان کے عناصر کے علمی تجزیہ اور تحقیق کے بعد لازم ہو۔ سو اس کے مطابق اس کی پوزیشن میں تبدیلی کی جاسکے گی۔

اس قسم کی گفتگو نظریاتی منصوبہ سے نکل کر عملی وتطبیقی شکل میں بارآور ہوئی، یعنی ''المجلس الأوروبي للإفتاء والبحوث'' کی تاسیس کی گئی۔ نیز ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ''مجمع الفقہ الاسلامی'' قائم کی گئی۔(۹۰)

آج کل یورپ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ میں متعدد انجمنیں اور جمعیتیں پائی جاتی

۸۹- قرضاوی، ''فی فقہ الأقلیات المسلمۃ: حیاۃ المسلمین وسط المجتمعات الأخری، مرجع سابق، ص:۶۸-۷۰

۹۰- شمالی امریکہ: MSA میں ۱۹۷۰ء میں مسلم طلبہ کی تنظیم کی فقہی کمیٹی سے ''مجلس'' کی تاسیس کا آغاز ہوا۔ اس کی نمایاں ترین ذمہ داری یہ تھی کہ ماہ رمضان اور شوال کے آغاز کے وقت کا تعین کرے۔ تقریباً دس سال کے بعد یعنی ۱۹۸۰ء میں تنظیم: MSA کا ارتقا ہوا اور ایک نئی تنظیم ''شمالی امریکہ کی اسلامی اجتماعیت'': ISNA کی تشکیل ہوئی اور فقہی کمیٹی اس کا حصہ بن گئی۔ ۱۰/مارچ ۱۹۸۸ء کو کمیٹی نے اپنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہیں، بعض میں ائمہ مساجد شامل ہیں، بعض میں فقہاء اور خاندانی مسائل کے ماہرین یعنی سماجی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) نئے تشخص کا اعلان ''المجلس الفقہی لأمریکا الشمالیۃ'' کے نام سے کیا۔ جس کی حیثیت خود مختار تنظیم کی ہوگی، جس کی مخصوص ذمہ داریاں اور اہداف ومقاصد ہوں گے، جن میں اہم ترین ذمہ داری یہ ہوگی کہ ایسے مذہبی مرجع کی تشکیل کی جائے گی جو ان قانونی چیلنجز کے مقابلہ پر قادر ہو، جن کا امریکی مسلم گروپ کو سامنا ہے۔ نیز جس پر مختلف فقہی مدارس اور مذاہب کے ماننے والے مسلمانوں کو اعتماد ہو، ساتھ ہی امریکہ کے ہر صوبہ یا خطہ کی لوکل اتھارٹی کو بھی اس پر اعتماد ہو، جیسے: عدالت، وزارت عدل اور سماجی خدمات وغیرہ کے ادارے۔ مذاہب کے اردگرد ہونے والی فکری کشمکش اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے اختلافات جو کبھی ناپسندیدہ مسلکی کشمکش کا سبب بنتے ہیں جن کے نتائج مسلم گروپ اور اس کے وجود کے حق میں دوررس ہوتے ہیں، ان کی جگہ اس سے اس خطہ میں ''فتاوی'' میں یکسانیت لانے میں مدد ملے گی۔

اس طرح اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کو درپیش معاصر چیلنجز کا جواب دے کر فقہی کارکردگی کی سطح کو ترقی یافتہ بنانے کی صورت میں ''مجلس'' کے ممتاز رول کا آغاز ہوا۔ اس اجتماعی اجتہاد میں مختلف مہارت رکھنے والے لوگ شامل ہوتے ہیں بالخصوص جس واقعہ کے بارے میں نص نہیں ہوتی ہے، اس کا شرعی فتوی لکھتے وقت، نیز جس واقعہ کے بارے میں نص وارد ہوتی ہے، اس کی توضیح اور موجودہ حالات میں اس کی تطبیق کے وقت مہارت رکھنے والے علماء حکم کے موضوع اور علت کے سلسلہ میں مختلف منہجی وسائل استعمال کرتے ہیں، جن پر فقہ اور اصول فقہ میں اعتماد کیا گیا ہے۔ وہ ''فقہ الضرورۃ'' پر اعتماد نہیں کرتے ہیں، اس لیے کہ اس کا ایسے قواعد سے منضبط ہونا ممکن نہیں ہے، جن کو مختلف صورتوں، نیز برعکس صورتوں میں عموم پر محمول کرنا ممکن ہو۔ بلکہ وہ شرعی مقاصد پر اعتماد کرتے ہیں، مزید برآں حکم کے استنباط کے مرحلہ کو انجام دیتے وقت ''فقہ الواقع'' پر بھی اعتماد کرتے ہیں۔ اس سے شرعی طور پر استنباط حکم کا عمل منضبط رہتا ہے، اس لیے کوئی قانون یا ایسا فتوی صادر نہیں ہوتا ہے جو نص، یا کلی قاعدہ، یا اسلامی شریعت کے عام اصول سے متصادم ہو۔ لیکن مسلم گروپ کے چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے مجلس کے رول کو مؤثر بنانے کی سخت ضرورت ہے۔ ابھی اس میں بہت کمی ہے تاکہ وہ امریکہ کے مسلم گروپ کے توقعات کو پورا کر سکے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:

- Delorenzo, Yusuf Talal. "The Fiqh Councilor in North America". In Muslims on the Americanization Path?. Edited by Yvonne

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشیر کار، سائیکلوجی، سماج اور قانون کے ماہرین اور دیگر افراد شامل ہیں تا کہ خاندان کے مختلف چیلنجز پر بحث کی جاسکے، بالخصوص شادی طلاق، خلع اور اولاد کی تربیت وغیرہ سے متعلق مسائل پر بحث کی جاسکے۔(۹۱)

موجودہ صورت حال سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ''فقہ الاقلیات'' اپنے مؤثر پہلو کے ساتھ ابھی ابتدائی اقدامات کی حالت میں ہے، اس لیے کہ مسلم گروپ کو درپیش چیلنجز اور مسائل بڑھتے جارہے ہیں، جبکہ فقہاء اور ائمہ مناہج کے سلسلہ میں واضح اختلاف کی حالت میں ہیں۔ ''فقہ الاقلیات'' کے نظریہ کے پیش کردہ مسائل کا تقاضا ایسی قدرت ہے جو اجتہاد کے سلسلہ میں فائق ہو، دو سطحوں کو محیط ہو، جو یہ ہیں: (۱) صورت حال کی سمجھ اور سوال کی تشکیل کی قدرت۔ (۲) پھر جواب دینے کے لیے نص کے ساتھ تعامل۔ اس قسم کے اجتہاد میں اجتماعی کاوشیں درکار ہوتی ہیں، جن کے تقاضے میں مسلم گروپ کی ضروریات اور اولویات اور اس کے مطابق اس کے مواقف میں تبدیلی کے بارے میں مختلف میدان کے ماہرین کو چھان بین اور تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہوتی ہے۔ بالخصوص مغرب کے مسلم گروپ کے لحاظ سے اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے، نیز اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ ایسے منہجی طریقہ پر شرعی مقاصد کو استعمال کیا جائے، جو زندگی کے ہر طرح کے مسائل کے سلسلہ میں اس کی اساس اور ضوابط پر مبنی ہو۔

جو مسلم گروپ بھی اپنے تعلقات اور سرگرمیوں کی صورتوں میں شریعت کو فیصل قرار دینا چاہتا ہو، نیز اپنے اقدار کی بحالی کی امید رکھتا ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ان اقدار کی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

Haddad, and John Esposito, 65-86. New York: Oxford University Press, 1998, P. 65-86.

91- Delorenzo, "The Fiqh Councilor in North, America".

داخلی سرگرمی کے قواعد کی تشکیل کرے جن سے فساد اور انحراف سے بچا جا سکے، اس لیے کہ سماجی ساخت کا بگاڑ اقدار کو کمزور کرنے اور ان کی خلاف ورزی کا سبب ہے، بالخصوص خاندان سے متعلق اقدار کو کمزور کرنے کا سبب ہے، اس وجہ سے کہ خاندان ہی امت کا چھوٹا سا نمونہ ہے۔

چونکہ امریکی مسلم گروپ سیکولر سماج میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزار رہا ہے، اس لیے ایسے حالات میں خاندان اس بنیادی سماجی وحدت کی نمائندگی کرتا ہے جس کے ذمہ معطل تہذیبی فرائض کو انجام دینا ہے، تاکہ اس کے ذریعہ وہ دفاع کی آخری لائن کی نمائندگی کر سکے۔ چنانچہ خاندان اسلام میں ذاتی طور پر اس بات کی اہلیت رکھتا ہے کہ وسیع انسانی تعلقات کی تشکیل کرے، جس سے اسے سماجی ادارے کی تعمیر و تاسیس کی قدرت حاصل ہو، جو فرائض کی ادائیگی میں اسے مدد دیں، اس لیے کہ فطرت پر خاندان کی تاسیس اس بات کی ضامن ہے کہ سماج میں خاندان کا وجود جاری رہے گا، مزید برآں جو شرعی احکام خاندان کو منضبط رکھتے ہیں وہ اس ذمہ داری کا اہل بھی اسے بناتے ہیں۔

مسلم گروپ کو مذہبی اور عقائدی تحفظ فراہم کرنے میں مدد دینے والے اہم ترین ادارے ہیں: مسجد، (۹۲) علماء اور وقف کے ادارے۔

یہ بنیادی اکائیاں ہیں جو اندرونی طور پر امت میں سرگرمیاں انجام دیتی ہیں، اور فطری تربیت گاہ کی تشکیل کرتی ہیں جو امریکی سماج کے دباؤ کا امت اور افراد کے دفاع کے خطوط کی تطبیق کرتے ہوئے سامنا کرتی ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ دین، عقیدہ اور شریعت کے اصول وکلیات کے تحفظ کے سلسلہ میں شریعت کے مقاصد کو وجود میں لانے کے لیے ان کو ثمر آور بنایا جائے۔

۹۲- اس سلسلہ میں دیکھیے: میلاد، الجامع والجماعۃ والجماعۃ، مرجع سابق)، علماء اور وقف کے ادارے وغیرہ۔

۸-مغربی نظام میں خاندان کے قانون کا ارتقاء:

رومن گرجا گھر کے تسلط اور بگاڑ سے نجات حاصل کرنے کے لیے بارہویں صدی عیسوی سے یورپ کے مصلحین مسیحیت کے سلسلہ میں نعرے بلند کرنے لگے تھے، لیکن اپنی مکمل صورت میں اصلاحات ''مارٹن لوتھر'' (۱۴۸۳-۱۵۴۶ء) کے ذریعہ ہی ظاہر ہوئیں۔ اس نے کلیسا کے بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کی، اس نے شروع میں شادی کے مقام ومرتبہ کو بلند کیا، اس کی اہمیت اجاگر کی اور اس تبتل (دنیا بیزاری، شادی نہ کرنے) پر زوردار حملہ کیا جس کے پیچھے راہبوں اور پادریوں کی اخلاقی بے راہ روی چھپی ہوئی تھی، اس نے مذہبی رہنماؤں کے لیے نکاح کو مباح قرار دیا۔ اس نے ''پروٹسٹنٹ'' کو پادریوں کی پرستش اور ان کو مقدس سمجھنے سے کنارہ کشی کی دعوت دی۔ نیز اس نے بعض تبدیلیوں کی کوشش کی، البتہ اسے رومن گرجا گھروں کے پہلو میں صرف بعض نئے گرجا گھر کی تعمیر کی ہی قدرت حاصل ہوئی۔

''لوتھر'' اور ''کالون'' (Calvin) ''آگسٹین'' (Augastine) کی شادی اور عورت سے متعلق آراء سے متأثر تھے۔ ''آگسٹین'' کی رائے یہ تھی کہ عورت ایک ایسی برائی ہے جس سے مفر نہیں اور شادی انسان کی شدید شہوت کا حل ہے۔ (۹۳)

''آگسٹین'' حواء سے متعلق ساری باتوں کے ساتھ گناہ کے احساس کے عقیدہ کا وارث ہوا اور یہ کہ حواء ہی گناہ اور برائی کا سبب ہے۔ اس پر اس نے عورت کے خلاف قبیح سرگرمیوں کے ایک سلسلہ کی بنیاد رکھی، یہاں تک کہ اس نے اس کی فطرت کے سلسلہ میں بھی شک میں مبتلا کیا۔ اصلاحی تحریک عورت کی صورت حال میں بہتری نہیں لاسکی، مگر بہت کم، وہ بھی اصلاحی تحریک کی تقسیم کے بعد ہی۔ اس کے باوجود مسیحیت کے اندر خاندان کے قوانین

۹۳- بدر، تاریخ قانون الزواج والأسرة، مرجع سابق، ص: ۱۰۰، اور اس کے بعد کے صفحات

میں دور اصلاحات میں کوئی قابل لحاظ تبدیلی نہیں ہوئی، اس دور میں رومن اور یہودی قوانین کے مجموعہ پر مسیحیت کا اعتماد تھا۔ اگرچہ اصلاحی گرجا گھروں نے ''کیتھولک گرجا گھر'' کے قانون کو مسترد کر دیا تھا، البتہ انگریزی کلیسا نے اسے اپنایا اور اسے ترقی دی اور اسے مزید ترقی دینا جاری رکھا، بالخصوص شادی اور طلاق کے قوانین کو ۱۹۸۳ء تک جبکہ بعض قوانین کی تصدیق ہوئی۔ (۹۴)

عورت کی آزادی کی تحریک اٹھنے سے شادی تاریخ کے اندر ایک سول عقد بن گئی، اور اس میں ایک خاتون سے شادی کرنے پر اکتفاء کیا گیا، نیز شادی کی عمر کے سلسلے میں بارہ سال کی حد بندی کے بارے میں نظر ثانی کی گئی اور اسے پندرہ (۱۵) اور (۲۱) سال کے درمیان کی عمر قرار دیا گیا۔

زنا کے صدور، شوہر کی ذمہ داریوں کی انجام دہی سے عاجزی، یا نشہ کی لت کی حالت کے ماسوا صورتوں میں طلاق حرام تھی، لیکن اب طلاق کی اجازت دے دی گئی، سوائے ان بعض ملکوں کے جو کیتھولک مذہب کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، وہاں طلاق کی اجازت نہیں تھی۔ بہر حال شادی اور طلاق کے قوانین امریکہ میں چھٹے دہے سے بدل گئے ہیں۔

یہودیت نے خاندان کے قوانین میں بہت سی تبدیلیاں کی ہیں، بالخصوص اصلاحی اسکول نے جس نے یہودی قوانین کو مسترد کر دیا تھا اور بعض جماعتوں کی طرف سے مختلف ردعمل کا سامنا کیا تھا۔ جیسے: روایت پسند جنہوں نے توریت اور جس ملک میں وطن بنائے ہوئے ہیں، اس کے قوانین کو جمع کیا۔ ان ساری تبدیلیوں کا اثر خاندان کے قوانین پر پڑا اور اس کی فطرت بدل ڈالی، بالخصوص ۱۸۴۶ء میں جبکہ اصلاحی تحریک نے عورت کی آزادی کی دعوت دی اور یہ سب سے پہلی دعوت ہے جس میں کانفرنس کے شرکاء نے دونوں صنفوں کے درمیان تمام مذہبی اور سماجی معاملات میں مساوات و برابری کے حقوق دیے جانے کا اعلان کیا اور یہودی خاتون کو

۹۴- مرجع سابق، ص: ۱۰۰۔ اور اس کے بعد صفحات

آزادی کی دعوت دی۔(۹۵)

پھر لبرل ازم اپنے کامل مفہوم اور پوشیدہ ہدف کے ساتھ ظہور پذیر ہوا، جو یہ ہے کہ ہر پابندی، یا حرام، یا ممنوع سے مکمل آزادی حاصل کر لی جائے، اس لیے کہ کسی طرح کی پابندی مسترد ہے۔ شریعت ''لبرلزم'' کے لیے قید ہے، اس لیے کہ اس کے سایہ میں قانون صرف فطری قانون ہے، کوئی اخلاقی یا مذہبی یا قانونی ذمہ داری نہیں ہے۔

چونکہ مغرب نے رومن نظام سے دین اور حکومت کی علیحدگی کا تصور لیا ہے، اس لیے ''لبرل ازم'' نے قانونی قاعدہ کی جگہ انسانی عمل کو رکھا ہے جو انسان سے جاری ہوتا ہے اور معبود سے جاری نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ مغرب نے دین کو قانون سے الگ رکھا ہے جو بہت سے قدیم قانونی نظام کے مقابلہ میں رومن قانون کی امتیازی خصوصیت ہے۔

۹-مسلمان اور خاندان سے متعلق مغربی قانون:

قرآن کریم کے قوانین دیگر امتوں اور قوموں کے قوانین سے الگ ہیں۔ قرآنی قوانین علمی قالب اور عملی واقعات وحوادث کے اندر موجود صورت حال کے احاطہ پر قادر ہیں، اسی لیے قرآنی قوانین میں نفع بخش اور مستحکم امور کو پیش کیا گیا۔ کیا اس خصوصیت کا استعمال قوانین کو اس سطح پر پیش کرنے میں کیا جاسکتا ہے جس میں بالعموم عدل وانصاف کی خدمت کرنے کی وجہ سے یہ قوانین امریکی عدالتوں میں بھی تبدیلی پر قادر ہو جائیں؟ اس معاملہ میں دلچسپی لینے والے بعض مسلم فلاسفۂ قانون میں عزیزہ ہبری وغیرہا ہیں، انھوں نے یہ تجویز رکھی ہے کہ امریکی عدالتوں میں مسلمانوں کی بڑی موجودگی رہے۔ نیز ججز اور وکلاء وغیرہم کو اسلامی احکام اور اقدار کی تعلیم دینے کے لیے بالخصوص مسلمانوں اور دیگر افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے خاندان یا

۹۵- عبدالحمید، الیہودیۃ: عرض تاریخی للحرکات الحدیثۃ فی الیہودیۃ، مرجع سابق، ص: ۱۵۸۔ اور اس کے بعد کے صفحات

پرسنل لاء سے متعلق (اسلامی) قانون کی تعلیم دینے کے لیے قانونی ڈپارٹمنٹس میں مسلمانوں کی بڑی موجودگی رہنی چاہئے۔اس لیے کہ آخری الٰہی پیغام کے عالمی ہونے کا تقاضا ہے کہ اس عمومی قانونی دائرہ کو پیش کیا جائے، جس کے اندر آسانی، رحمت ومہربانی اور عفوودرگزر کے اقدار بھی پنہاں ہیں، مزید برآں اپنے عمومی دائرہ میں مقاصدی نظام بھی مضمر ہے جو انسانوں کے درمیان مشترکہ زمین کی تشکیل کرتا ہے۔

اسلامی شریعت کی حقیقت، اس کے فلسفہ اور اقدار سے ناواقفیت، نیز حقائق مسخ کرنے کی کاروائی، جس نے اس ناواقفیت پر مزید پردہ ڈال دیا، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب میں اسلامی شریعت کے عمومی اصول کو درست طریقہ پر نہیں سمجھا گیا۔مسلمانوں سے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سنجیدہ کوشش کریں تاکہ قانونی، اکیڈمک اور ابلاغی ودیگر سطحوں پر سنجیدہ علمی طریقہ پر شعور کو عام کیا جاسکے، جس کا باشعور امریکی انسان قدر کرے۔

چونکہ مذاہب کے لائے ہوئے امور میں سب سے اہم وہ قوانین ہیں جو انسانی تعلقات کو منظّم کرنے میں مدد دیتے ہیں، اس لیے حل کے سلسلہ میں ان قوانین کا اختلاف انسانی سماج کے اختلاف کے مطابق ہے۔لیکن (اس کے باوجود) مشترکہ زمین باقی رہتی ہے۔جو کہ عدل وانصاف، حریت وآزادی، مساوات وبرابری، عفوودرگزر اور نیکی وبھلائی کی صورت میں جلوہ گر ہونے والے اقدار ہیں، جن کے ذریعہ انسان کی خوش بختی اور خوشحالی وجود میں آتی ہے۔ آج مسلمانوں پر لازم ہے کہ اسی چیز کو قول وعمل کے ذریعہ پختہ کریں، جس طرح نبوت کے سایہ تلے تربیت پانے والی نسل نے اسے انسانیت کے سامنے پیش کیا۔

چونکہ امریکی لوائح اور قوانین وضعی قانون پر مبنی ہیں اور اسی کے ذریعہ عدل وانصاف کی خدمت کے لیے کوشاں ہیں۔اگر ان میں اقدار پر مبنی اسلامی پہلو کا اضافہ کرلیا جائے، بالخصوص دین اور اس کے قوانین کو بسا اوقات مسخ کرنے والی روایات اور رسم ورواج سے پاک

اور خالص شکل میں اگر اس کو پیش کیا جائے، تو یہ بڑا مفید کام ہوگا۔ اس معاملہ کو مؤثر بنانے کے امکان کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ امریکی عدالت اس حکم کو قبول کرتی ہے، جبکہ اسے اچھی طرح پیش کیا جائے اور اس سے عدل وانصاف کی خدمت ہوتی ہو اور انصاف وجود میں آتا ہو۔ مثال کے طور پر امریکی عدالت نے ایک متعین خاتون کی طلاق کے مسئلہ میں لبنانی عدالت کے پیش کردہ امور کو سنجیدگی کے ساتھ دیکھا، کیونکہ ان کے اندر عدل وانصاف کو وجود میں لانے کی سنجیدہ کوشش کے تحت انتہائی گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا گیا تھا اور تجزیہ کیا گیا تھا۔ (۹۶)

اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان علماء، فقہاء اور قانون کے ماہرین کے درمیان اسلامی اور امریکی دونوں سطحوں پر مسلسل تعاون ہو۔ قانونی ماہرین میں وکلاء نیز وہ افراد داخل ہیں جن کو امریکی عدالتوں اور نظام کا تجربہ ہو، تاکہ سول عدالتوں کو اسلام کے پیغام کے عناصر، اس کی عدل و انصاف، احسان، آسانی اور رحمت و مہربانی پر قائم شریعت کی خصوصیات سے واقف کرایا جاسکے۔ نیز مسلمانوں کے لئے مخصوص شرعی عدالت قائم کرنے کے تصور کو مستبعد قرار دیا جائے (یہ مصنفہ کی رائے ہے، جبکہ دیگر اہل علم کے نزدیک ''شرعی عدالت'' کا قیام ضروری ہے)۔

جیسا کہ یہود نے امریکہ میں کیا، ایسا اس لیے کہ دونوں نمونوں کے درمیان بڑا فرق پایا جاتا ہے، اسلامی نمونہ کی فطرت اور عالمیت کا تقاضا ہے کہ اسے کسی انسانی معاشرہ میں پیش کیا جائے، اس بات کے مدنظر کہ اس کے اندر انسانوں کے درمیان متفق علیہ بلند ترین اقدار مضمر ہیں۔

ماضی میں مسلمانوں کی حکومت ہی دنیا کی پہلی (اور سوپر) حکومت تھی، اس کے عدالتی اور قانونی ادارے تھے۔ اور عدالتی منصب حکومت کا اعلیٰ ترین منصب تھا۔ اس کا وہی مقام تھا جو

۹۶- ہبری، عزیزہ، انٹرنیٹ کی سائٹ پر شائع شدہ مقالہ، دراصل یہ وہ خطاب ہے جو اقوام متحدہ میں ۷ ستمبر ۱۹۹۵ء کو غیر حکومتی تنظیموں کی کانفرنس میں کیا گیا۔
دیکھیے: http://www.islam for today. com/familylaw.htm

آج امریکہ میں سپریم کورٹ کا مقام ومرتبہ ہے۔مزید برآں سماج کی روایات اور رسم ورواج کی تعمیر میں فقہ اور قانون کی بڑی اہمیت ہے۔اس لیے آج مسلمانوں پر لازم ہے کہ سول امریکی عدالتوں کے ساتھ تعاون کے وسائل کو ترقی دیں،خود کو شرعی عدالتوں یا دیگر اداروں میں الگ تھلگ نہ کریں۔

مثال کے طور پر: کناڈا کی حکومت نے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے دین کی پیروی میں شادی وطلاق کے بارے میں پرسنل لاء کے مسائل کے ساتھ تعامل کرنے کی اجازت دی، بشرطیکہ عدل کو قائم کیا جاسکے، یہ اجازت ۱۹۹۱ء سے حاصل ہے۔مسلمانوں نے اس قانون سے استفادہ کی خاطر ''شرعی عدالت'' کے قیام کی کوشش کی،مگر انہیں بعض نسوانی ادارے وغیرہ کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ایسا اکتوبر ۲۰۰۳ء میں ہوا، کیونکہ متعدد خواتین نے اس شرعی عدالت کو قائم کرنے کے مسئلہ کا مقابلہ کیا،اس اندیشہ کی خاطر کہ مسلم خاتون اپنے ان بہت سے حقوق کو کھودے گی جو کناڈائی سول عدالت اسے دیتی ہے۔

اس اندیشہ کا سبب ہندوستان وغیرہ ان خطوں کی بعض خواتین کا سابقہ تجربہ تھا، جہاں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں اور عورت شوہر کے نفقہ سے محروم ہوجاتی ہے یا اس کی مدت محض تین ماہ رہ جاتی ہے، جو خاتون اور اس کے خاندان کے لیے ضرر کا سبب ہے۔

یہ مسئلہ ماحول اور خاندانی احوال کے اختلاف میں مضمر ہے۔چنانچہ اسلام میں نفقہ کا نظام اس پر مبنی ہے کہ مرد عورت پر خرچ کرنے کی ذمہ داری اٹھائے اور تمام ادوار میں اس کی نگہداشت کرے۔لہٰذا شوہر کی حیثیت سے مرد کے کسی دور میں موجود نہ رہنے سے نفقہ کے دائرہ میں عورت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے، اس لیے کہ اس کی جگہ باپ، یا بھائی، یا بیٹا، یا ان کے علاوہ عورت کے دوسرے رشتہ دار لے لیتے ہیں۔

بہرحال ہجرت کے ممالک کے اندر عورت اس قسم کی کفالت اور تحفظ کھو دیتی ہے،

کیونکہ متعدد ایسی خواتین بالخصوص مہاجر خواتین ہیں جن میں علم اور مہارت کی کمی ہوتی ہے، جو شرعی عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد کفالت کرنے والے کے بغیر رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا فقہاء اور ائمہ پر لازم ہے کہ اس طرح کی صورت حال کے مطالعہ کے سلسلہ میں اجتہاد سے کام لیں اور مقاصد شرعیہ اور انجام کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا حل نکالیں۔ کوئی بھی فیصلہ خاندان کے افراد پر اس کے اثرات کے لحاظ سے لیا جائے تا کہ خاندان اور جماعت کی مصلحت کی حصولیابی ہو اور ان مضرتوں سے بچا جا سکے جن کی زد خاندان اور جماعت پر پڑ سکتی ہو۔

چونکہ سب سے اہم قانون جس کے ساتھ کسی ایسی جگہ تعامل کیا جا سکتا ہو، جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں، وہ پرسنل لاء ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ اس قانون کا دوبارہ جائزہ لیا جائے، اس لیے کہ اس میں سب کا نفع ہے، بالخصوص ادارہ کی حیثیت سے خاندان کی مصلحت ہے۔ یہ جائزہ شرعی مقاصد کے نظام کے فہم اور صورت حال اور اس کی خصوصیت کے احاطہ کے ذریعہ لیا جائے۔

قرآن پاک کے عام ہونے اور اس کی طرف رجوع کے آسان ہونے کی وجہ سے اسلام عمومی کلی اور مشترکہ قواعد کی تشکیل پر قادر ہے جو عام مسلمانوں کو۔ خواہ ان کی ثقافت اور مذہبی معلومات کتنی ہی کم ہوں۔ قانون کے عمومی رجحانات اور مقاصد کے سمجھنے اور ان کا شعور رکھنے کی ایک سطح عطا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہر مسلمان کا یقین ہے کہ اسلامی شریعت تخفیف و رحمت کی شریعت ہے، بوجھ اور بیڑیوں کی شریعت نہیں ہے۔ نیز ہر مسلمان کو اس بات کی سمجھ ہے کہ شرعی حکم کا تعلق انسانی استطاعت سے ہے (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فاتقوا اللہ ما استطعتم" (۶۴/تغابن: ۱۶)۔(۹۷)

۹۷- اس لیے اللہ کے احکام کا جہاں تک ممکن ہو سکے لحاظ رکھو)، نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: "لایکلف اللہ نفسا إلا وسعها" (۲/بقرہ:۲۸۶)۔(اللہ کسی شخص کو اس کی قدرت و وسعت سے زیادہ مکلّف نہیں کرتا

ایسے ہی ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت پاکیزہ چیزوں کو حلال ٹھہراتی ہے اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیتی ہے، معروف و بھلائی کا حکم دیتی ہے اور منکر و برائی سے روکتی ہے۔ (حتی کہ) عامی مسلمان کو بھی فرمان باری تعالیٰ "**هو الذی خلق لکم ما فی الأرض جمیعا**" (۲/بقرہ:۲۹)۔ (اسی نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لیے پیدا کیا) کے معنی کا ادراک واحساس ہے۔ نیز اس بات کا ادراک ہے کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی انعام کردہ ساری چیزیں مباح ہیں، مگر جس کا ظاہری شرعی دلیل سے استثناء کرلیا گیا ہو۔ چنانچہ اباحت ہی اصل ہے، لہٰذا زمین کے اندر یا زمین کے اوپر جو بھی پاکیزہ چیزیں ہیں وہ سب حلال ہیں، اور جتنی بھی گندی چیزیں ہیں وہ سب حرام ہیں، یہی وجہ ہے کہ حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جو کہ فقہی واجتہادی غور وفکر کے محل ہیں۔

قرآن کریم نے اپنے اصول وکلیات اور عمومات کے ذریعہ تمام اہل ایمان کے درمیان مشترکہ، آسان، عمومی اور شرعی ثقافت کی تاسیس کی ہے، آج کل کے بعض ماہرین بھی اس جیسی ثقافت کی رسائی حاصل نہیں کرسکتے ہیں۔ قرآن پاک نے ایسے معجزانہ طریقہ پر مشترک، آسان وسہل اور شرعی احساس کو عام کیا ہے، جسے اس سے پہلے کی کسی کتاب نے وجود نہیں بخشا ہے۔ نہ ہی قرآن کی شریعت سے پہلے کسی شریعت کو "بالبداہۃ دین سے معلوم شئ" کے تصور کی شناخت ہوئی ہے کہ جس میں کسی قسم کے غور وفکر کی ضرورت نہ ہو۔ جہاں تک کہ دیگر مذاہب کا تعلق ہے تو کوئی بھی شرعی یا مذہبی معلوم شئ خواہ چھوٹی ہو یا بڑی صرف ماہرین یا کاہنوں کے غور و فکر کا محل ہے، وہی تنہا اس کے بارے میں غور وفکر کرسکتے ہیں، اس پر حکم لگا سکتے ہیں اور اس کے بارہ میں جس نتیجہ تک پہنچے ہیں اس کی عام لوگوں کو خبر دے سکتے ہیں۔ (۹۸)

ریاستہائے متحدہ امریکہ اور مغرب کے مسلم اصولیین اور فقہاء کی ذمہ داری ہے کہ ججز

۹۸- علوانی، مدخل إلی فقہ الأقلیات، ندوۃ تطور العلوم الفقہیۃ، مرجع سابق

اور وکلاء کے ساتھ تعاون کے ذریعہ علمی منصوبہ کو ترقی دینے کی کوشش کریں، تاکہ عمومی قواعد کو قانونی شکل دی جاسکے، جن میں پرسنل لاء وغیرہ کے قوانین کی خدمت کے میدان میں مقاصد واضح ہوں، اس لیے کہ اس کے اندر ایک طرف امریکی عدالتوں کی خدمت ہے تو دوسری طرف مغرب میں بسنے والے مسلمانوں کی بھی خدمت ہے۔

مثال کے طور پر: اسلام کے اندر مصلحت شریعت کے مقصود کے تحفظ اور ایسے ضروری مصالح کو وجود میں لانے کے ساتھ مربوط ہے، جن سے ''اولویات'' کی حد بندی اور تمام امور و معاملات میں ان کے موازنہ میں مدد ملتی ہے۔ علماء شریعت صرف اسی قول تک محدود نہیں رہے، بلکہ انہوں نے ایسے احکام پیش کیے جن میں قاضی کو اس بات کی رہنمائی کی گئی ہے کہ مختلف مصالح کو ترجیح دینے کے سلسلہ میں ان اصولوں سے مدد لی جائے۔ چنانچہ ''دو برائیوں میں سے ہلکی برائی کو اختیار کرنے'' کا قاعدہ، نیز: ''مصالح کی تحصیل سے بہتر مفاسد کا ازالہ ہے''، دو ضرر میں سے ہلکے ضرر کا ارتکاب کیا جائے گا''، ''بڑے ضرر کا ازالہ کیا جائے گا''، ''ضرر عام کے ازالہ کے لیے ضرر خاص کو برداشت کیا جائے گا'' اور ''سنگین ترین ضرر کو ہلکے ضرر کے ذریعہ دور کیا جائے گا'' یہ سب ایسے قواعد ہیں جو مستحکم طور پر موازنہ کے حدود کو منضبط کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

اس چیز کو وجود میں لانے کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی مذہبی اور فقہی اکیڈمیوں کی تاسیس کی جائے جو تحقیقاتی اداروں کے ساتھ تعاون کریں، جو شرعی پہلو سے مسائل کے مناقشہ کی خاطر، نیز سنجیدہ علمی و جماعتی طریقہ سے بڑے چیلنجز کے حل کے لیے ائمہ، فقہاء، اصولیین اور وکلاء کو شامل کریں۔ جن پر اہل علم کی رائے متفق ہو، کیونکہ مسلمانوں کے درمیان ظلم روکنے اور عدل وانصاف کو وجود میں لانے کے سلسلہ میں اس میں مسلم گروپ کا نفع اور مصلحت ہے، بالخصوص اس حالت میں کہ بعض مسلمانوں کی طرف سے احکام الٰہی کے ساتھ کھلواڑ کی صورت حال کے عام ہونے سے مسلم گروپ مصیبت کو جھیل چکا ہے، جو انتخابی صورت میں جس کا فیصلہ وہ بذات خود کرتے

ہیں، کسی ایسے فتوی یا فیصلہ کو تلاش کرتے ہیں جو شرعی انضباط کے بغیر ان کی ذاتی رغبتوں اور خواہشات سے ہم آہنگ ہو، جس کی بنا پر بیویوں اور اولاد پر ظلم ہوتا ہے اور اسلام اور اس کے عدل وانصاف کی تصویر مسخ ہوتی ہے۔

مسلم گروپ سے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے ائمہ مساجد کا انتخاب کریں جو مہارت اور اہلیت رکھتے ہوں اور بہتر وعمیق شکل میں ان کی تربیت کریں کہ وہ مختلف چیلنجز اور شخصیات کے ساتھ بہتر تعامل کرسکیں اور ان کو نص اور صورت حال دونوں کو سمجھنے کی قدرت حاصل ہو، اس سلسلہ میں وہ مختلف انسانی علوم اور مہارتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ انہی میں سے میاں بیوی کی اصلاح، اختلاف کے حل اور ثالثی کے میدان سے متعلق ترقی یافتہ مغربی علوم ہیں، بالخصوص اس حالت میں کہ امریکی مسلم گروپ کے اندر شادی اور طلاق کے مسائل کے ساتھ تعامل برتنا ضروریات کے تحفظ کے حکم میں آ گیا ہے، حاجیات کے درجہ میں نہیں رہا ہے، کیونکہ یہاں اسلامی وجود کا تحفظ اسی طرح ہوسکتا ہے۔ لہٰذا سنجیدگی کے ساتھ مسئلہ کو حل کرنا ضروری ہے۔

نیز ایسے تحقیقی اداروں کے قیام کی ضرورت ہے جو خاندان کے مسائل کو مختلف سماجی، تربیتی، قانونی اور مذہبی زاویوں سے موضوع بحث بنائیں۔ موجودہ مرحلہ میں مسلم گروپ نے بعض اکیڈمیوں کی تاسیس کی ہے جنہیں متعدد ائمہ اور فقہاء چلاتے ہیں، لیکن ابھی بھی ضرورت باقی ہے کہ ایسی اکیڈمیوں اور انجمنوں کو ترقی یافتہ شکل دی جائے، جن میں مختلف مہارتوں کے حامل افراد ہوں، جن کے ذریعہ مطلوبہ طریقہ پر خاندان اور جماعت کے وجود کا تحفظ ہوسکے۔ (۹۹)

نیز معاملہ کا تقاضا یہ بھی ہے کہ تمام ائمہ اور مسلم وکلاء کو بھرپور طریقہ پر آمادہ کیا جائے

۹۹- دیگر اسلامی اکیڈمیوں اور مجالس کے مقابلہ میں بالخصوص ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ''المجمع الأوروبي للإفتاء والبحوث'' نے اس میدان میں کچھ ترقی یافتہ اقدامات کیے ہیں۔ لیکن ابھی بھی ضرورت ہے کہ علماء مسلمین مزید کوشش صرف کریں، اس لیے کہ چیلنجز بڑے ہیں

کہ وہ لوکل سول عدالتوں کے ساتھ تعاون کریں تا کہ شادی اور طلاق کے عقد کو وہ اپنے یہاں ریکارڈ کرسکیں اور واضح طور پر عقود و معاہدات کی تشکیل کرسکیں تا کہ میاں بیوی کے اہداف اور اولویات کی حد بندی ہوسکے اور اس کی بنیاد پر دونوں کے درمیان قائم خاندان کے ادارہ کے اہداف کی تشکیل کی جاسکے۔

مثال کے طور پر مہر کا مسئلہ ہے، شادی کے عقد کے اندر امریکی قانون ''اسلام میں شرعی مہر'' کو شادی سے قبل کے معاہدہ (Prenuptial agreement) کے درجہ میں قرار دیتا ہے جو امریکی عدالت میں معروف ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک متعینہ رقم پر میاں بیوی کے درمیان اتفاق ہوجائے، جسے فریقین متعین کرتے ہیں اور طلاق کے وقت یہ رقم بیوی کا حصہ ہوتی ہے۔ اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ خاتون مہر کو چھوڑ کر کوئی نفقہ وغیرہ حاصل نہیں کرے گی، اگر چہ ایک ڈالر ہی کیوں نہ ہو۔ یہی مسلمانوں کے درمیان بھی معروف ہے جو مہر کو ''مہر معجّل'' اور ''مہر مؤجل'' میں تقسیم کرتے ہیں اور بالعموم ''مہر معجّل'' سادہ اور رمزی رقم کی شکل میں ہوتا ہے۔(۱۰۰)

۱۰۰- سب سے پہلے مہر کو ''مہر معجّل'' اور ''مہر مؤجل'' میں تقسیم کرنے کا خیال جس نے ظاہر کیا وہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد محمد بن الحسن شیبانیؒ ہیں۔ انہوں نے یہ تصور اپنی کتاب ''الحیل والمخارج'' میں پیش کیا، تا کہ شوہروں کو ایک طرح کی تخفیف حاصل ہو۔ (لیکن) عقد نکاح میں مہر کی قیمت لکھنے اور عقد کے وقت دلہن کو مہر حوالہ کرنے کی بات مؤکد طور پر امام مالکؒ نے کہی ہے، جنہوں نے عقد کے وقت بیوی کو مہر حوالہ کرنے کے سلسلہ میں شوہر کی حوصلہ افزائی کی اور مہر کے ''معجّل'' اور ''مؤجل'' ہونے کے تصور کو ناپسند کیا۔ آج کل اس مسئلہ سے مربوط روایات اور رسم ورواج میں تبدیلی آ گئی ہے، بلکہ ''مہر مؤجل'' نے مہروں کی گرانی و کثرت کا دروازہ کھول دیا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس تصور نے بعض سماج کی خدمت کی ہو۔ اس لیے اس پر مرتب ہونے والے شرعی مقاصد کو ملحوظ رکھنے کی کاوش ضروری ہے، نیز اس بات کی رعایت بھی ضروری ہے کہ عورت بلا تاخیر بذات خود مہر وصول کرے۔ تا کہ اس کے حق میں ٹال مٹول نہ ہو، حتی کہ حق ہی ضائع ہوجائے۔ نیز عقد کے وقت عورت کو مہر دینے سے مہر کی بہت زیادہ گرانی میں کمی آئے گی، ساتھ ہی ظالمانہ رسم ورواج کے نتیجہ میں جوانوں کے حق میں شادی کی دشواری میں بھی کمی آئے گی۔

ایک مسلم وکیل ججز اور عدالتوں کے سامنے اس معاملہ کی وضاحت میں کامیاب رہے، کیونکہ انہوں نے کہا: اسلام میں مہر ایک ہدیہ ہے جو بیوی کو دیا جاتا ہے، طلاق کی حالت میں اس کے دیگر حقوق معطل نہیں ہوتے ہیں، یہ بیوی کا کامل حق ہے، شارع نے اس کی مقدار متعین نہیں کی ہے (یہ شافعیہ وغیرہم کا مسلک ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک کم از کم مہر دس درہم یعنی تقریباً اکتیس گرام چاندی متعین ہے)، اس کی تعیین کا حق لوگوں اور ان کے رسم ورواج کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔(۱۰۱)

اس طرح مسلم وکلاء عدل وانصاف پر زور دینے میں کامیاب رہے، جبکہ (اس سے پہلے) عورت طلاق کے وقت اپنے سارے حقوق یعنی نفقہ وغیرہ کھو دیتی تھی، بالخصوص جبکہ مہر کی مقدار علامتی ہو۔

مسلم گروپ کو چاہئے کہ قانونی اور شرعی اعتبار سے اہل انجمنوں کو وجود میں لانے کی بھرپور کوشش کرے، تاکہ یہ کھلواڑ کرنے والوں یا موقع پرستوں کا میدان نہ رہ جائے کہ وہ اللہ کی شریعت کے ساتھ کھلواڑ کریں اور امریکی عدالتوں میں اسلام اور مسلمانوں کی تصویر مسخ کریں، جیسا کہ ''میر لانڈ'' کے مسئلہ میں ہوا، جس میں لکھ پتی پاکستانی ڈپلومیٹ نے از راہ ظلم کوشش کی کہ طلاق کے متعہ کے سلسلہ میں اپنی بیوی کے حق پر مسلط ہو جائے اور اسکو اس مہر کے بدلہ چھوڑ دے جس کی مقدار صرف دو ہزار ڈالر تھی، حالانکہ اس خاتون نے اس کے ساتھ تیس سال گزارے تھے۔ پھر اس نے از راہ ظلم اپنی مطلقہ بیوی کے حق کو چھیننے کے لیے شریعت اور اپنی حیثیت کا استعمال کرنا چاہا۔ اس مسئلہ میں سنگین تر پہلو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے سلسلہ میں غلط فہمی ہے، اس کی

101- Awad, Abed, Family law: Court Enforces mahr Provision in Muslim Marriage Contract" New Jersey Law Journal (September 9, 2002) Vol. Ch,XIX- No 11- Index 1050

تطبیق سے فرار اور شخصی مصالح کے لیے اس کا استحصال ہے۔ اخبارات اور ذرائع ابلاغ نے اس مسئلہ کو اچک لیا اور اسلامی شریعت پر حملہ شروع کر دیا۔ جبکہ علماء مسلمین اس موضوع پر شریعت کے حقیقی و درست موقف کی تشریح و وضاحت کرنے لگے۔ اس مسئلہ کے سلسلہ میں ہونے والے تمام مباحثے سے صرف نظر کرتے ہوئے چونکہ امریکی جج منصف تھا اس لیے اس نے امریکہ کے بعض صوبوں میں رائج امریکی قانون کے مطابق بیوی کو اس کا حق دیا جو کہ نصف جائداد ہے جس سے شوہر نے بچنا چاہا۔

اس مسئلہ نے امریکہ کے علماء مسلمین اور فقہاء کو آمادہ کیا کہ مسلمانوں کے درمیان شعور کو عام کریں، نفقہ، مطلقہ کے متعہ اور مہر وغیرہ کے مسئلہ کو واضح کریں۔ اس میدان میں کوششیں اب بھی محدود ہیں، اس لیے کہ اس مسئلہ پر بحث طلاق واقع ہونے پر ہی ہوتی ہے، نیز یہ مسئلہ جمعہ کے خطبے یا مساجد کے وقفہ وقفہ سے ہونے والے پروگرام میں مسلمانوں کی عمومی ذہن سازی کے تحت داخل نہیں ہے۔ اس معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسئلہ کے سلسلہ میں علماء کے مواقف کا تعین کیا جائے اور ان کے اندر یکسانیت لائی جائے۔ اور اس کے بارہ میں احساس عام کرنے کی کاوش کی جائے، اس حیثیت سے کہ یہ بھی عدل، رحمت اور احسان پر قائم شریعت کے اصول کو سمجھنے کا ایک حصہ ہے۔ ایسے ہی امریکی عدالتوں کے وکلاء اور ججز کی ذہن سازی کی مہم انجام دی جائے، جس کا تعلق تمام میدانوں کے شرعی احکام سے ہو، بالخصوص شادی، طلاق، میراث اور پرورش وغیرہ سے وابستہ خاندان سے متعلق قوانین سے ہو۔

متعدد مسلم وکلاء کا عقد نکاح کی تشکیل میں ائمہ مساجد کے ساتھ تعاون کرنا فریقین کے لیے عدل و انصاف کی بڑی مقدار کو وجود میں لائے گا۔ جیسا کہ عدالتیں بھی اس سلسلہ میں مذہبی اداروں کے ساتھ بالعموم تعاون کرتی ہیں اور دونوں اداروں کی شرکت کے ساتھ عقد و معاہدہ کو انجام دیتی ہیں، البتہ اس سلسلہ میں الزامی اقتدار امریکی عدالت کو ہی حاصل ہے، امام کو

حاصل نہیں ہے۔ اختلاف پیش آنے یا طلاق ہونے کی صورت میں عدالت ہی حقوق کی حصولیابی اور اختلاف کے خاتمہ کی ذمہ داری سنبھالتی ہے۔ جبکہ امام کی ذمہ داری ذہن سازی، وعظ و نصیحت، تذکیر و یاددہانی اور مختلف فریقوں کے درمیان ثالثی کی ہوتی ہے۔

اس طرح شارع کے حکم کے مطابق لوگوں کے حقوق کے تحفظ ان سے ظلم کے ازالہ اور عدل وانصاف کو وجود میں لانے کے ذریعہ خاندان اور جماعت کے تحفظ کے سلسلہ میں شریعت کا مقصد وجود میں آتا ہے۔ لیکن امریکی نظام قانونی میں کام کرنے والے یا وکلاء اور ائمہ کے درمیان اس قسم کے تعاون کا تناسب مجموعی حالات کے 5% سے زیادہ نہیں ہے۔ مسلم گروپ کی ذمہ داری ہے کہ اس نمونہ کو وجود میں لانے کے لیے زیادہ سے زیادہ کوششیں صرف کرے۔

مبحث دوم: مسلم خاندان سے متعلق تطبیقی نمونے:

ہم اس جگہ چند صورتوں اور تطبیقی نمونوں سے بحث کر رہے ہیں، معاصر مسلم مجتہدین کے لیے ممکن ہے کہ امریکی ماحول میں ان کے خاندانی مقاصد کو مؤثر بنائیں۔ نیز ان نمونوں کی نمایاں شکلوں پر زور دیا جائے گا، آج کل جن کے مؤثر بنانے اور جن میں دلچسپی لینے کی مسلم گروپ کو ضرورت ہے یہ نمونے گہرائی اور موضوعیت کے ساتھ خاندانی مقاصد کے مؤثر بنانے اور ایک ہی وقت میں داخلی اور بیرونی چیلنجز کا سامنا کرنے کے سلسلہ میں مسلم گروپ کے خاندانی ڈھانچہ کے تحفظ کے بارے میں ان کی اہمیت کی کس قدر ضرورت ہے، اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔ مزید برآں اس پر مرتب ہونے والے مسلم گروپ سے مربوط کردار کو مؤثر بنانے پر بھی ان سے روشنی پڑتی ہے۔ یہ کردار اسلامی پیغام کے عالمی ہونے اور منضبط سلوک و برتاؤ کے ذریعہ دنیا کے سامنے پیش کرنے کی ذمہ داری سے مربوط ہے، جو مختلف گروپوں کے سامنے سچے اور برحق اسلام کی تصویر کی عکاسی کرے۔

۱- پہلا نمونہ: عقود و معاہدات کی توثیق:

(الف) مسلم گروپ کے یہاں عقد نکاح اور طلاق کا مسئلہ:

عقود و معاہدات اور اس کی شرائط کو پورا کرنے پر زور دینا ان ضرورتوں میں سے ایک ہے جن کی مسلم امریکی گروپ کو احتیاج ہے، کیونکہ اس کی سلوٹوں اور تہوں میں ایسے معانی مضمر ہیں جو خاندان کے تحفظ کا سبب ہیں۔

حال کے دنوں میں عقد نکاح سے کھلواڑ کرنے کی صورت عام ہوگئی ہے، ایسا قرآن کریم اور سنت نبویہ میں عقود و معاہدات اور ان کے شرائط کو پورا کرنے کی پختہ تعلیمات کو نظر انداز کر کے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عقد نکاح یا جسے قرآن کریم نے ''میثاق غلیظ'' (پختہ عہد و پیمان) سے موسوم کیا ہے، اس کی رو سے شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اپنے خاندان کے معاملات کو انجام دے، یعنی خاندان کی نگہداشت کرے، اس پر توجہ رکھے اور اسے نفقہ فراہم کرے اور ''قوامہ'' کی دوسری ذمہ داریوں اور تقاضوں کو پورا کرے۔ عقد کے شرائط میں کسی طرح کی خلل اندازی اس ظلم کا سبب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ آج کل بیویوں کو ضرر لاحق کرنا ایسی صورت بن گئی ہے جس کے سنجیدہ مطالعہ اور تجزیہ کی ضرورت ہے، کیونکہ اس کے سماج، خاندان اور افراد پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مسلم گروپ میں جو صورت حال عام ہوگئی ہے، وہ یہ ہے کہ مرد اور عورت نکاح کے لیے دو گواہوں کی موجودگی میں مسجد آتے ہیں، امام مسجد میں ان کا عقد کر دیتے ہیں۔ فطری بات ہے کہ امام مسجد کو کوئی قانونی یا سول اقتدار حاصل نہیں ہے جو حقوق کا تحفظ کرے، یا ظلم سے روکے، یا اختلاف کو ختم کرے، جبکہ وہ نکاح کردہ میاں بیوی کے درمیان پیش آئے۔ چنانچہ عقد نکاح یا نکاح نامہ جس میں امام ان دونوں کے نکاح کو شرعی اعتبار سے ثبت کرتا ہے وہ ایسے شرائط یا ضمانتوں پر مشتمل نہیں ہوتا جو فریقین کے حقوق کا تحفظ کریں،

بالخصوص طلاق واقع ہونے یا اختلاف ہونے کی حالت میں عورت کے حقوق کا تحفظ کریں۔

عقد نکاح میں جھگڑا یا اختلاف ختم کرنے کے وسائل پر کوئی اتفاق نہیں ہوتا ہے، یا ایسے شرائط نہیں ہوتے ہیں جن کے ذریعہ عدل وانصاف وجود میں آئے۔ طلاق کے ذریعہ شادی کے تعلق کو ختم ہونے کی حالت میں عدل وانصاف کو وجود میں لانا سلامتی کا سبب ہے، جو (سلامتی) ایک مقصد ہے جسے میاں بیوی کے درمیان اختلافات ہونے کے وقت وجود میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے، تاکہ میاں بیوی کے درمیان تعلقات کا تحفظ ہو، بالخصوص اولاد ہونے کی صورت میں اور والدین کے تعاون کے ساتھ ان کی پرورش کے مرحلہ کی تکمیل کی حاجت کی حالت میں۔

آج کل قانونی اقتدار نہ ہونا، ساتھ ہی دینی حس نہ ہونا اور لوگوں کے اندر تقوی کا کمزور ہونا، ان سب کا بیویوں کو ضرر لاحق کرنے اور ظلم کی صورت حال عام ہونے میں حصہ ہے، ظلم کا اثر صرف خواتین تک محدود نہیں ہوتا ہے، بلکہ بالعموم اس قسم کے ظلم کا شکار اولاد بھی ہوتی ہے جو (ظلم) بہت جلد خاندان کے ادارہ کے انتشار اور اس کی کڑیوں کے بکھرنے اور اولاد کے ضائع ہونے کا سبب بن جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ عقد نکاح کے شرائط کا اہتمام اور ان کو پورا کرنے پر زور دینا لازم ہے۔ اور یہ اس طرح ہوگا کہ مسلمانوں کے مذہبی شعور کو فروغ دیا جائے اور ان کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی کو ملحوظ رکھیں اور اس کی خشیت سے متصف رہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا تقوی ہی اہم اندرونی ضمانت اور تحفظ فراہم کرتا ہے جس پر قرآن کریم نے خاندان سے متعلق تمام احکام اور بالخصوص حالت طلاق میں زور دیا ہے۔ تقوی صرف ایک خوبی ہی نہیں ہے جس سے صرف انسان مزین ہو، بلکہ وہ ایک عقلی منہج اور شعوری قانون بھی ہے جو انسان کے فہم اور سلوک و برتاؤ کو درست رکھتا ہے۔ چنانچہ فرد جس قدر تقوی کی صفت سے متصف ہوگا اور جماعت جس قدر تقوی کی صفت سے متصف ہوگی، اسی قدر ظلم وزیادتی میں کمی آئے گی، عدل وانصاف اور

رحمت ومہربانی عام ہوگی، بالخصوص قانونی وتشریعی اقتدار نہ ہونے کی حالت میں، تاکہ شعوری و وجدانی قانون ہی انسان کے لیے بہترین حس، واعظ اور ورکنے والا بن جائے۔(۱۰۲)

عقود و معاہدات میں کوتاہی کی صورت حال کی مختلف شکلیں ہیں۔ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

۱-مرد بغیر کسی گواہ یا تحریر کے زبان سے بیوی کو تین طلاق دے دیتا ہے۔یہ بدترین صورت حال ہے، کیونکہ بیوی معلق رہتی ہے، اسے معلوم نہیں کہ وہ مطلقہ ہے یا شادی شدہ ہے۔ جب عدت ختم ہوجاتی ہے، جسے وہ عدت طلاق سمجھتی ہے اور اس کے پاس کوئی شادی کرنے والا مرد آتا ہے تو اس کا پہلا شوہر اس کے پاس فوراً پہنچ کر یہ خبر دیتا ہے کہ وہ اس کے عقد میں باقی ہے، نیز وہ اس کے عقد میں باقی رہے گی، اسی طرح معلق صورت میں، نہ شادی شدہ رہے گی اور نہ زندگی بھر طلاق یافتہ رہے گی، کبھی ان دونوں کے درمیان اولاد بھی ہوتی ہے، لیکن وہ اسے اولاد کے ساتھ بے نفقہ چھوڑ دیتا ہے اور باپ ہونے کی ذمہ داریوں کی ادائیگی کا التزام نہیں کرتا ہے۔ یہ چیز کبھی بیوی کو انحراف یا اسلام سے مرتد ہونے پر آمادہ کرتی ہے، جبکہ وہ نئی نئی اسلام لانے والی مسلم خواتین میں سے ہو۔

۲-امریکی سول عدالت میں اگر میاں بیوی نے عقد نکاح کی توثیق کی ہو، پھر دونوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہو اور بیوی اس عدالت کا سہارا لے، اس لیے کہ وہ اسی ذریعہ سے اپنے اور اپنی اولاد کے حقوق کو حاصل کرسکتی ہے۔اس کے طلاق حاصل کرنے کے بعد شوہر آتا ہے تاکہ اسے بتائے کہ غیر اسلامی عدالت کی طلاق غیر شرعی ہے۔نیز غیر مسلم قاضی طلاق کا فیصلہ کرے تو اس پر کوئی شرعی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے۔ساتھ ہی اس پر مادی اور نفسیاتی دباؤ ڈالنے لگتا ہے یعنی اس کو مال چھین لینے یا معلق چھوڑے رکھنے کی دھمکی دیتا ہے۔حتی کہ جب عدالت اولاد

۱۰۲- دراز، ''دستور الأخلاق فی القرآن: دراسة مقارنة للأخلاق النظریة فی القرآن، مرجع سابق، ص:۲۱-۱۳۴

کے لیے نفقہ خاص کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ اسے دھمکی دے کر واپس لے لے۔ یہ وہ ظلم وزیادتی ہے جس سے کتاب اللہ نے منع کیا ہے اور اپنی آیتوں میں اس سے خبردار کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں کے لئے اس کو بیان کیا ہے۔

شمالی امریکہ کی فقہی مجلس اور بہت سی فقہی مجالس اور ائمہ کی مجالس وغیرہ نے ائمہ مساجد کے لیے فتوی اور فیصلہ جاری کیا ہے کہ کوئی عقد نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک سول امریکی عدالت میں اس کی توثیق نہ کی گئی ہوتا کہ ظلم سے بچا جا سکے۔ اس مسئلہ کے عمیق مطالعہ کے بعد جو دسیوں مرتبہ مجلس کے سامنے آیا اور عورت اور بچہ دونوں کمزوروں کے حقوق ضائع ہوئے مجلس نے ایک بیان جاری کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام ائمہ مساجد پر لازم ہے کہ کوئی شرعی عقد اس وقت تک نہ کریں، جب تک امریکی سول عدالت میں اسے ریکارڈ نہ کیا جائے، تاکہ خاندان کے تمام افراد کے حقوق کو تحفظ حاصل ہو اور اس کے افراد میں سے کسی فرد پر ظلم ہونے سے بچا جا سکے۔ بہر حال عقد نکاح کے تمام شرائط کی تکمیل اس کی تفصیلات یعنی مہر وغیرہ کی وضاحت اور عقد کے وقت میاں بیوی کے اتفاق کے مطابق طلاق ہونے کے وقت مہر کی ادائیگی مطلوب ہے۔(۱۰۳)

آج کل ائمہ کی ایک بڑی تعداد اس فیصلہ کی پابند ہے، البتہ یہاں ائمہ کا ایک گروپ امریکی سول عدالتوں میں عقد کے ریکارڈ کی پابندی نہیں کرتا ہے، جس کی وجہ سے دسیوں خاندان ظلم اور انتشار کی زد میں ہیں۔ اس معاملہ کی اہمیت اور سارے مسلم گروپ پر اس کے خطرناک اثرات کی وجہ سے ہم نصوص سے عقود ومعاہدات کے تحفظ اور رعایت کے وجوب سے وابستہ، بالخصوص شادی اور طلاق کے مسئلہ سے متعلق شرعی مقاصد کا استنباط کریں گے، نیز اس موضوع پر تفصیلی بحث کریں گے، تاکہ ہمارے اس دور میں اس کے تطبیقی نمونہ ہونے کی حیثیت سے اس

103- Delorezzo, "The Fiqh Councilor in North America", P. 65-86

کے بارے میں مقاصد کو مؤثر بنانے کی ایک کوشش ہو، ساتھ ہی مسلم گروپ کو باہم تعاون پر بھی آمادہ کیا جاسکے گا تا کہ حقوق کے تحفظ کی خاطر امریکی سول عدالتوں میں شادی اور طلاق کے عقود ومعاہدات کو ریکارڈ کرنے کی اہمیت پر زور دیا جاسکے۔

(ب) عقود ومعاہدات اور ان کو پورا کرنے کی اہمیت قرآن کریم میں:

قرآن کریم نے مختلف عام وخاص الفاظ میں مختلف مواقع پر عقود ومعاہدات کو پورا کرنے پر زور دیا ہے، اس پر بہ طور اجمال اور بہ طور تفصیل بھی زور دیا گیا ہے۔ بہ طور عموم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود**" (۵/مائدہ:۱)۔ (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! طے شدہ معاملات اور معاہدوں کو پورا کرو)۔

یہ اس عہد کے لفظ کے ساتھ بھی وارد ہے جو وسیع مفہوم میں کسی چیز کے تحفظ اور ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں نگہداشت کے معانی کا بھی حامل ہے، نیز اس میثاق و پیمان کو بھی عہد سے موسوم کیا گیا ہے جس کی رعایت ونگہداشت لازم ہے۔ یہ ضمنی اور معنوی لحاظ سے عقد کے مفہوم سے مربوط ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "**ولاتقربوا مال اليتيم إلا بالتى هى أحسن حتى يبلغ أشده و أوفوا الكيل والميزان بالقسط لا نكلف نفساً إلا وسعها، و إذا قلتم فاعدلوا ولو كان ذا قربى و بعهد الله أوفوا ذلكم وصاكم به لعلكم تذكرون**" (۶/انعام:۱۵۲)۔

(اور یتیم کے مال کے قریب نہ جانا، مگر یہ کہ بہتر اور مناسب تر طریقہ پر اس کے مال کی ذمہ داری ادا کرو، یہاں تک کہ وہ یتیم بالغ ہوجائے اور اپنی پختگی کو پہنچ جائے۔ اور ناپ تول انصاف کے ساتھ کرو (ناپنے اور تولنے میں کسی کو دھوکہ مت دو) ہم ہر شخص کو اس کی قدرت اور گنجائش کے اعتبار سے حکم دیتے ہیں اور مکلّف بناتے ہیں، جب بات کہو تو عدل وانصاف کی کہو، چاہے معاملہ رشتہ دار کا ہو (رشتہ نہ دیکھو انصاف کو دیکھو) اور اللہ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو،

اس کی اللہ تم کو وصیت فرماتا ہے اور تاکید کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم نے نکاح اور طلاق کے عقد کو تمام عقود و معاہدات میں سرفہرست رکھا ہے، کیونکہ اللہ عزوجل نے خود کو اس کا نگراں قرار دیا ہے اور اسے حدود اللہ سے موسوم کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: **"الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان ولا یحل لکم أن تأخذوا ھا آتیتموھن شیئاً إلا أن یخافا ألا یقیما حدود اللہ، فإن خفتم ألا یقیما حدود اللہ فلاجناح علیھما فیما افتدت بہ، تلک حدود اللہ فلاتعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فأولئک ھم الظالمون"** (۲/بقرہ:۲۲۹)۔ (طلاق دو مرتبہ ہی ہونا چاہئے (زیادہ سے زیادہ) اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ پر بیوی کو روک رکھا جائے، یا حسن سلوک کے ساتھ آزادی دی جائے اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس طلب کرو، ہاں اگر دونوں کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ حدود الٰہی قائم نہ رکھ سکیں گے اور تم لوگوں کو یہ احساس ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے (ازدواجی زندگی صحیح طور پر نہیں گزار سکیں گے) تو دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں کہ عورت خلع کا بدل دے دے، یہ اللہ کی متعین کردہ حدیں ہیں، ان سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے آگے بڑھیں گے، وہ ظلم کرنے والے اور ناحق عمل کرنے والے ہوں گے)۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: **" و إن طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ، فإن طلقھا فلا جناح علیھما أن یتراجعا إن ظنا أن یقیما حدود اللہ، و تلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون"** (۲/بقرہ:۲۳۰)۔ (پھر اگر وہ (تیسری) طلاق بھی دے دے، تو جب تک وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں نہیں جائے گی، اس سابق شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی، وہ بھی اگر (کسی وجہ سے) اسے طلاق دے دے، تو دونوں کے لیے اس میں حرج نہیں ہوگا کہ وہ ایک دوسرے سے رجوع کرلیں، اگر یہ سمجھیں کہ وہ حدود الٰہی کا

پاس ولحاظ رکھیں گے، یہ اللہ کے ضابطے ہیں جو ان لوگوں کے فائدے کے لیے بیان کئے جارہے ہیں جو (اسلامی احکام) جانتے ہیں)۔ نیز اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ''**یا أیھا النبی إذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن و أحصوا العدۃ واتقوا اللہ ربکم لاتخرجوھن من بیوتھن و لایخرجن إلا أن یأتین بفاحشۃ مبینۃ، و تلک حدود اللہ، و من یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا**'' (۶۵/طلاق: ۱)۔ (اے نبی! جب آپ لوگ عورتوں کو طلاق دیں، تو ان کی عدت کا لحاظ رکھتے ہوئے طلاق دینا چاہیے اور عدت کے دنوں کا صحیح شمار کرنا چاہئے اور اللہ کے احکام کا۔ جو آپ کا رب ہے۔ پورا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (عدت کی مدت میں) ان (مطلقہ) عورتوں کو گھر سے باہر نہیں نکالنا چاہئے اور نہ انہیں ہی نکلنا چاہئے، الا یہ کہ کوئی عورت کھلی بے حیائی کی یا زیادتی (کی بات) کر بیٹھے (تو انہیں گھر سے دور کیا جاسکتا ہے) اور یہ اللہ کے طے کردہ ضابطے ہیں، ان ضابطوں کی جو خلاف ورزی کرے گا، وہ خود اپنے اوپر زیادتی کرے گا، آپ نہیں جانتے، شاید اللہ اس کے بعد کوئی نیا حکم فرمائے)۔

قرآن کریم میں عقد نکاح کی صفت ''میثاق غلیظ'' (مضبوط عہد و پیمان) آئی ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: ''**و أخذن منم میثاقا غلیظا**'' (۴/نساء: ۲۱)۔ (اور وہ تم سے مضبوط عہد و پیمان لے چکی ہے (عقد نکاح ایک مضبوط عہد و پیمان ہے)۔ راغب اصفہانیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''وثقت بہ'' کے معنی ہیں: میں نے اس پر اطمینان واعتماد کیا۔ ''أوثقتہ'' کے معنی ہیں: میں نے اسے باندھ دیا۔ ''میثاق''، قسم اور عہد کے ساتھ پختہ عقد کو کہتے ہیں۔ لفظ ''میثاق'' قرآن کریم میں تین مقامات پر عہد و پیمان کی عظمت اور اہمیت بیان کرنے کے محل میں وارد ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**و إذا أخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاء کم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ قال: ء أقررتم و أخذتم**

علی ذلکم إصری قالوا أقررنا، قال: فاشهدوا و أنا معکم من الشاهدین، فمن تولی بعد ذلک فأولئک هم الفاسقون'' (۳/آل عمران:۸۱-۸۲)۔(۱۰۴)

(یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد و پیمان لیا، کہ ہم تمہیں کتاب و حکمت سے نواز رہے ہیں، پھر جب کوئی رسول تمہارے پاس آئے، جو تمہارے پاس جو کچھ (اللہ کا عطا کردہ) ہے اس کی تصدیق و تصویب کرے، تو تم اسے لازماً مانو گے اور لازمی طور پر اس کی نصرت و مدد کرو گے اور یہ فرمایا کہ کیا تم اس کے اقراری ہو اور اس کا عہد کرتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا تھا کہ ہم اقراری ہیں، تو اللہ نے فرمایا تھا کہ گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ اس کے بعد اگر کسی نے اعراض کیا، تو ایسے لوگ فاسق، نافرمان اور باغی ہوں گے)۔

ایسے ہی بنو اسرائیل کے حق میں بھی لفظ میثاق وارد ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''**وإذ أخذنا میثاق بنی إسرائیل لاتعبدون إلا الله و بالوالدین إحسانا و ذی القربی والیتامی والمساکین، و قولوا للناس حسنا، و أقیموا الصلاة و اٰتوا الزکوة ثم تولیتم إلا قلیلاً منکم و أنتم معرضون**'' (۲/بقرہ:۸۳)۔(اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا کہ تم صرف اللہ کی بندگی کرنا، والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ (اچھا سلوک کرنا) اور لوگوں سے بھلی بات کہنا اور نماز اہتمام سے پڑھنا اور زکوۃ ادا کرنا، پھر سوائے ایک اقلیت کے تم سب پھر گئے اور اسی حال میں بے توجہی اور لاپرواہی کے شکار ہو)۔

دونوں حالتوں میں قرآن کریم نے عہد کو ''میثاق'' (پختہ پیمان) سے متصف کرنے پر اکتفا کیا ہے، اسے ''میثاق غلیظ'' (مضبوط و پختہ عہد و پیمان) سے عقد نکاح کی حالت میں ہی موسوم کیا ہے۔ قرآن نے عقد نکاح کو وہ وصف عطا کیا ہے جو اس کی مضبوطی اور عظمت کا پتہ دیتا

۱۰۴- اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مرجع سابق، ص:۵۱۱-۵۱۲

ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**وکیف تأخذونه وقد أفضی بعضکم إلی بعض و أخذن منکم میثاقا غلیظا**" (۴/نساء:۲۱)۔(تم کیسے اسے لے سکتے ہو جبکہ تمہارے درمیان زن وشوہر کے تعلقات قائم ہو چکے ہیں اور وہ تم سے مضبوط عہد و پیمان لے چکی ہے (عقد نکاح ایک مضبوط عہد و پیمان ہے)۔

زمخشریؒ نے ''کشاف'' میں ''میثاق غلیظ'' کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ: درحقیقت عہد لینے والا اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی خاطر عہد لیا ہے، لہٰذا یہ مجاز عقلی ہے یعنی سبب کی طرف نسبت کر دی گئی ہے۔(۱۰۵)۔اس سلسلہ میں مفسرین نے مزید اقوال ذکر کئے ہیں، ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں سے عورتوں کے حق میں بھلائی کے ساتھ رو کے رکھنے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینے کا عہد لیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:" **و إذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن فأمسکوهن بمعروف أو سرحوهن بمعروف، ولاتمسکوهن ضراراً لتعتدوا، و من یفعل ذلک فقد ظلم نفسه، ولا تتخذوا ایٰات الله هزوا، واذکروا نعمة الله علیکم وما أنزل علیکم من الکتاب والحکمة یعظکم به واتقوا الله واعلموا أن الله بکل شئ علیم**" (۲/بقرہ:۲۳۱)۔ (اور اگر تم بیویوں کو طلاق دے دو، اور وہ اپنی مدت (عدت کے اختتام) تک پہنچ رہی ہوں تو (عدت گزرنے سے پہلے) یا تو انہیں بھلے طریقہ پر روک لو (یعنی رجوع کر لو) یا اچھے طریقہ پر رخصت کر دو، انہیں نقصان پہنچانے کے لیے اور زیادتی کرنے کے لیے روکنا جائز نہیں ہے۔جو ایسا کرے گا خود اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیتوں اور حکموں کو مذاق مت سمجھو، یاد رکھو ان

۱۰۵- زمخشری، محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، قاہرہ، مطبعۃ الاستقامہ، ۱۹۴۶ء، ج۱، ص: ۵۱۴- نیز دیکھیے: رازی، مفاتیح الغیب، مرجع سابق، ج ۳، ص: ۱۷۶۔قرطبی، احمد بن احمد بن ابی بکر، الجامع لأحکام القرآن، طبعۃ: دار الکتب المصریۃ، ودار الکتاب العربی للطباعۃ والنشر، ۱۹۶۷ء، ج ۵، ص: ۱۰۳

انعامات کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کئے اور ان ہدایات کو جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل فرمائیں اور ان حکیمانہ باتوں کو جن کی نصیحت وہ تم کو فرماتا ہے، اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کو تمام باتوں کا علم ہے)۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**الطلاق مرتان**.....'' (۲/بقرہ:۲۲۹)۔ (طلاق دو مرتبہ ہی ہونا چاہئے (زیادہ سے زیادہ) اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ پر بیوی کو روک رکھا جائے یا حسن سلوک کے ساتھ آزادی دے دی جائے اور تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس طلب کرو، ہاں اگر دونوں کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ حدود الٰہی قائم نہ رکھ سکیں گے اور تم لوگوں کو یہ احساس ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے (ازدواجی زندگی صحیح طور پر نہیں گزار سکیں گے) تو دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں کہ عورت خلع کا بدل دے دے، یہ اللہ کی متعین کردہ حدیں ہیں، ان سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے آگے بڑھیں گے، وہ ظلم کرنے والے اور ناحق عمل کرنے والے ہوں گے)۔ ''تفسیر منار'' میں ہے کہ: یہ عہد و پیمان جسے عورتوں نے مردوں سے لیا ہے، ضروری ہے کہ زن و شو کے تعلقات قائم کرنے کے مفہوم سے ہم آہنگ ہو، کیونکہ دونوں فطرت سلیمہ کے معاملات میں سے ہیں، جیسا کہ آیت مشیر ہے: ''**ومن اٰیاتہ أن خلق لکم من أنفسکم أزواجاً لتسکنوا إلیھا**'' (۳۰/روم:۲۱)۔ (اس کی یہ نشانی ہے کہ اس نے تم ہی میں سے تمہارے لیے جوڑں (تمہاری بیویوں) کو وجود عطا کیا، تاکہ تمہیں ان سے راحت حاصل ہو)۔

یہ آیت فطرت الٰہی کی آیتوں میں سے ہے اور یہ قوی ترین عہد ہے جس کی بنا پر خاتون اپنے والدین اور باقی گھر والوں کو چھوڑ دیتی ہے اور ایسے اجنبی شخص سے رابطہ رکھنے پر راضی ہوجاتی ہے جس کی وہ بیوی بن جاتی ہے اور وہ اس کا شوہر بن جاتا ہے، جس سے عورت سکون حاصل کرتی ہے، نیز مرد بھی اس سے سکون و راحت حاصل کرتا ہے اور دونوں کے درمیان محبت و الفت اور ہمدردی رشتہ داروں کے درمیان ہونے والی محبت و ہمدردی سے بڑھ کر ہوتی

ہے۔(۱۰۶)

عقد نکاح کا عہد و پیمان فطری ہے اور یہ تمام عہد و پیمان سے زیادہ مضبوط، قوی اور مستحکم ہے۔(۱۰۷)

یہی وہ عہد و پیمان ہے جس نے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس بنا دیا، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ کا یہی مصداق ہے:"**هن لباس لكم و أنتم لباس لهن**" (۲/بقرہ:۱۸۷)۔ (وہ تمہاری پوشاک ہیں، تم ان کی پوشاک ہو)۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس تعلق کے مقاصد میں سے سکون و اطمینان و راحت، محبت و الفت اور ہمدردی قرار دیا ہے جو بھلے طریقہ پر باہمی معاشرت کا سبب ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**وعاشروهن بالمعروف، فإن كرهتموهن فعسى أن تكرهوا شيئا و يجعل الله فيه خيراً كثيرا**" (۴/نساء:۱۹)۔ (ان کے ساتھ (عام حالات میں) اچھا سلوک کرو (ان کے ساتھ اچھی معاشرت اختیار کرو) اور اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو، اس میں اللہ تعالیٰ بہت بھلائی رکھ دیتا ہے (تمہیں کبھی ان کی شکل وصورت پسند نہیں آتی، لیکن ان کے اخلاق اور گھر گرہستی بڑے خیر کی حامل ہوتی ہے)۔

لفظ"میثاق" (مضبوط عہد و پیمان) اس عہد کی عظمت اور اس تعلق کی رفعت و بلندی کو بتاتا ہے، کیونکہ اس کے لیے ایسے احکام وضوابط مقرر کیے گئے ہیں جو اسے کھلے طور پر"زنا" سے ممتاز رکھتے ہیں۔اس عقد نکاح کی اہم ترین خصوصیات میں سے ایک اس کا دائمی ہونا ہے (۲) دوم اس کا اعلان کیا جانا ہے (۳) سوم: مرد اور عورت کے درمیان کسی شرعی مانع کا نہ ہونا ہے۔

دائمی اور ابدی صفت کے ساتھ اس عقد کے کرنے سے پختہ طور پر یہ بات معلوم ہوتی

۱۰۶- رضا، تفسیر المنار، مرجع سابق، ج ۴، ص:۴۶۰-۴۶۱

۱۰۷- مرجع سابق، ج ۴، ص:۴۶۰-۴۶۱

ہے کہ اس سے مقصود غیر ذمہ دارانہ جنسی خواہشات اور شہوتوں کو پورا کرنا نہیں ہے، بلکہ مقصود خاندان کے ادارہ کی تشکیل ہے تا کہ وہ نوع انسانی کے چھوٹے بچوں کی تربیت گاہ بن جائے، جس سے نسل ونسب کے تحفظ کا مقصد پورا ہو۔ اس طرح ہم قرآنی آیات کے استقراء اور چھان بین سے اس بات کا استنباط کر سکتے ہیں کہ کلی مقصد یہ ہے کہ عقود ومعاہدات کا احترام کیا جائے، ان کی عمدہ تشکیل کی جائے اور ان کو پورا کرنے کو واجب سمجھا جائے۔

(ج) عقود ومعاہدات کے تحفظ اور ان کو سنجیدگی کے ساتھ پورا کرنے سے متعلق قرآنی اقدامات وکاروائیاں:

ا-عقود ومعاہدات کو تحریری شکل دینا اور ان کے بارے میں گواہ بنالینا:

قرآن کریم نے عقود ومعاملات کے تحفظ کے طریقہ اور عقد دین کے نمونہ کے ذریعہ ان کو پورا کرنے کی رعایت کے سلسلہ میں واضح خدوخال سے متصف تفصیلی تصور پیش کیا ہے۔ عقد دین وقرض کے نمونہ میں ایسے منہجی اقدامات اختیار کیے گئے ہیں جو موضوعیت اور عمدگی سے متصف ہیں، کیونکہ قرآن پاک نے عقد کو تحریری شکل دینے، پھر بغیر استثناء کے تمام حالات میں اس پر گواہ بنانے کو لازم قرار دیا ہے۔ عقد دین وقرض کے تحفظ کے بارے میں تفصیلی اقدامات کو ایک ایسا نمونہ قرار دیا ہے جس کی تمام عقود ومعاہدات میں پیروی کی جائے اور ان کے اندر ایسے اہداف ومقاصد رکھے ہیں جن کا وجود اور حصولیابی ہونی چاہئے، یعنی اس نمونہ کے اندر تجویز کردہ قرآنی منہج کے اقدامات کی تطبیق کی حالت میں عقود ومعاہدات کا احترام کیا جائے اور ان کو پورا کیا جائے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**يا أيها الذين آمنوا إذا تداينتم بدين إلى أجل مسمى فاكتبوه، و ليكتب بينكم كاتب بالعدل ولا يأب كاتب أن يكتب كما علمه الله فليكتب**'' (۲/بقرہ:۲۸۲)۔ (اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک متعینہ مدت تک قرض کا

معاملہ کرو، تو اسے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان عدل و انصاف کے لیے کوئی منشی تحریر تیار کر دے اور لکھنے والے کو جسے اللہ نے سکھایا ہے، لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے، اسے لکھ دینا چاہئے اور جس پر (قرض) عائد ہوتا ہے (یعنی قرض دار) وہ عبارت املاء کرائے اور اپنے رب اللہ کا خوف رکھے اور متعین رقم میں کچھ بھی کمی نہ کرے۔ اور اگر صاحب حق ناسمجھ یا (صلاحیت کے اعتبار سے) کمزور ہو، یا املا نہ کرا سکتا ہو، تو اس کا ولی عدل و انصاف کے ساتھ املا کرائے اور اپنے مردوں میں دو کو گواہ بنا لو اور اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ ہوں) ان گواہوں میں سے جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں (یعنی جن پر تمہیں اطمینان ہو، دو عورتیں اس لیے کہ) اگر کوئی ایک عورت بھٹکے تو اس کو دوسری یاد دلا دے۔ اور گواہوں کو جب طلب کیا جائے تو حاضری سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ اور لکھنے سے اکتانا نہیں چاہئے معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کی ٹھیک ادائیگی کا بہتر ذریعہ ہے اور آپس میں شک وشبہ نہ ہو اس کے لیے زیادہ مناسب ہے، ہاں اگر سامنے کا لین دین ہے جو (دست بدست) اپنے درمیان تم کرتے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اس کو نہ لکھو۔ اور جب معاملہ کرو تو گواہ بنا لیا کرو اور لکھنے والے اور گواہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہئے، اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری نافرمانی ہوگی اور اللہ کے احکام کا لحاظ رکھو اور اللہ تمہیں سکھا رہا ہے، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔

قرآن کریم نے ایسے منہجی اقدامات کے ذریعہ عقد کو تحریری شکل دینے کو واجب قرار دیا ہے، جنکے اندر پوری باریکی کے ساتھ عقد کی دفعات کی تشکیل کی جائے، جن کے ذریعہ تمام فریقوں کے اہداف و مقاصد واضح ہوں، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو بلایا جائے جسے فن کتابت میں مہارت حاصل ہو، قانون اور اس کے ابواب کی واقفیت ہو، اس لیے کہ عقد کی ہر دفعہ پر ایسے قانونی نتائج مرتب ہوتے ہیں جن کو سمجھنا تمام فریقوں پر لازم ہے۔ عقد کے ہر لفظ اور دفعہ کو باریکی اور پختگی کے ساتھ تشکیل دینے کی شدید خواہش۔ خواہ عاقدین کی نگاہ میں اس کی اہمیت کم

ہو یا زیادہ کا علم آیت کریمہ سے ہوتا ہے: ''ولا تسئموا أن تكتبوه صغيرا أو كبيراً إلى أجله ذلكم أقسط عند الله و أقوم للشهادة و أدنى ألا ترتابوا'' (۲/بقرہ:۲۸۲)۔ (اور لکھنے سے اکتانا نہیں چاہئے، معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کی ٹھیک ادائیگی کا بہتر ذریعہ ہے اور آپس میں شک وشبہ نہ ہو اس کے لیے زیادہ مناسب ہے)۔ بلکہ آیت نے واضح طور پر تحریر کے مقصد کو بیان کیا ہے، جو کہ یہ ہے کہ ہر طرح کے ظلم سے بچا جائے، حتی کہ ظلم کی اس شکل سے بھی بچا جائے جس میں عاقدین کے درمیان شک وشبہ بھی پیدا ہو۔

اس طرح قرآن کریم نے عقود ومعاہدات کے لکھنے کو واجب قرار دیا ہے، بلکہ ان کو پختہ طریقہ پر لکھنے اور عمدہ طریقہ پر نافذ کرنے کو بھی لازم قرار دیا ہے، اس لیے کہ تحریر اہم قانونی ذریعہ ہے، کیونکہ حقوق کے تحفظ نیز درست انسانی تعلقات کی تعمیر وتشکیل کا سبب ہے۔

بہر حال گواہ بنانا تو یہ تمام فریقوں کی طرف سے عقد میں وارد شرائط اور پابندیوں کے التزام کو پختہ کرنے کے لیے کاروائی سے متعلق دوسرا اقدام ہے۔ چنانچہ شہادت وگواہی ایک اضافی کاروائی ہے جس سے عقد کو تحریری شکل دینے ہی کی تائید ہوتی ہے اور عقد کو پورا کرنے کی اہمیت پختہ طور پر معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: '' واستشهدوا شهيدين من رجالكم فإن لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء أن تضل إحدهما فتذكر إحدهما الأخرى ولا يأب الشهداء إذا ما دعوا'' (۲/بقرہ: ۲۸۲)۔ (اور اپنے مردوں میں دو کو گواہ بنا لو اور اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں (گواہ ہوں) ان گواہوں میں سے جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں (یعنی جن پر تمہیں اطمینان ہو، دو عورتیں اس لیے کہ) اگر کوئی ایک عورت بھٹکے تو اس کو دوسری یاد دلا دے۔ اور گواہوں کو جب طلب کیا جائے تو حاضری سے انکار نہیں کرنا چاہئے)۔ آیت کے سیاق سے عقد کو لکھنے کے بعد

گواہ بنانے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔قرآن کریم نے صرف گواہ بنانے ہی کی دعوت نہیں دی ہے، بلکہ گواہوں کی فطرت اوران کی تعداد کی بھی تفصیل کی ہے، تاکہ عقود ومعاہدات کو پورا کرنے کے مقصد کو وجود میں لانے کی خاطر اس قانونی کاروائی کے ذمہ دار اداروں کے اہتمام کی ضرورت پر بھی زور دیا جاسکے۔جب اس سیاق میں آیت پڑھی جاتی ہے جس میں وارد ہوئی ہے تو اس کے اساسی مقاصد واضح ہوجاتے ہیں جن میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسانوں کے درمیان علمی صلاحیتوں اور اہلیتوں کی سطح میں پائے جانے والے اختلاف کا احترام کیا جائے۔ ارشادالٰہی سے یہ بات مؤکد ہوتی ہے:"**ممن ترضون من الشهداء**" (۲/بقرہ:۲۸۲)۔(ان گواہوں میں سے جوتمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں)۔یعنی مالی تعامل کے میدان میں جن کی علمی صلاحیت تمہارے نزدیک پسندیدہ ہو۔فرمان باری تعالیٰ میں اہلیت کا مسئلہ واضح طور سے سامنے آتا ہے:"**أن تضل إحدهما فتذكر إحدهما الأخرى**" (۲/بقرہ:۲۸۲)۔(دوعورتیں اس لئے کہ) اگرکوئی ایک عورت بھٹکے تو دوسری عورت اسے یاد دلادے)۔اس سلسلہ میں ابن القیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:''عادل خاتون صداقت، امانت اور دیانت داری میں مرد کی طرح ہے، البتہ اس کے حق میں جب بھول چوک کا اندیشہ ہوا، تو اس کو اسی جیسی دوسری عورت سے تقویت دی گئی۔اس سے عورت ایک مرد کے مقابلہ میں زیادہ قوی یا اسی کی مانند ہوجاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ام درداء اور ام عطیہ جیسی خواتین کی شہادت سے جوظن غالب حاصل ہوتا ہے، وہ ان دونوں سے کمتر اور ان جیسی خواتین سے کمتر ایک مرد کی شہادت سے حاصل ظن غالب کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے۔(۱۰۸)

۱۰۸- جوزیہ، ابن قیم''الطرق الحکمیۃ''تقدیم وتحقیق: محمد جمیل غازی، جدہ، طبعۃ دارالمدنی، ص:۱۷۱۔نیز استاذ عبدالحلیم ابوشقہ کے شاندار تجزیہ کے ساتھ بھی اس مسئلہ کو دیکھیے۔ابوشقہ، تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ مرجع سابق، ص: ۵۷۲-۵۹۲

اس طرح قرآن کریم عورت کے سامنے بھی معاملات کے میدان اور تجارتی بازار میں داخل ہونے کے لیے دروازہ کھول دیتا ہے، جس پر انسانیت کی تاریخ کے دوران صرف مرد کی اجارہ داری تھی۔

قرآن کریم صرف معاملات کے میدان میں داخل ہونے کی عورت کو دعوت دینے پر اکتفا نہیں کرتا ہے، بلکہ ایک اہم میدان اس دعوت سے متعلق قانون سازی کی بھی بنیاد رکھتا ہے، وہ اہم میدان تجارتی اور مالی تعامل کے بارہ میں گواہ بنانا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ گواہ اس میدان سے متعلق علم ومعرفت کے بلند مقام پر ہو، تاکہ گواہی دینے پر قادر ہوسکے۔ بلکہ بلند ترین مقاصد اور اس کلی قرآنی تصور کی روشنی میں آیت کا مطالعہ جس میں ہر معاملہ میں توازن مضمر ہے، اس طرف مشیر ہے کہ تجارتی میدان عورت کو کھلی شرکت کی دعوت دی گئی ہے، نیز اس میدان میں اہلیت رکھنے والی خواتین کی تعداد دو چند کرنے کی بھی دعوت دی گئی ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی شہادت کی عدالت اور صداقت کو مؤکد کرکے اس صلاحیت کا تحفظ کیا جائے، ساتھ ہی کسی قسم کے کھلواڑ یا اس کی مانند امور سے ان کو محفوظ بھی رکھا جائے۔

اس طرح آیت بالعموم عقود ومعاملات کے احترام پر زور دیتی ہے، نیز عقود میں وارد سارے شرائط اور دفعات کو پورا کرنے کی خواہش پر بھی زور دیتی ہے۔ ساتھ ہی اس بات پر زور دیتی ہے کہ عقود کا گواہ بھی بنالیا جائے تاکہ اس بات کا تیقن حاصل ہوجائے کہ تمام فریق عقود میں وارد شرائط اور دفعات کے پابند ہیں، تاکہ اس کے ذریعہ عقود کا تحفظ اور ان کو پورا کرنے کے قرآنی اہداف ومقاصد وجود میں آئیں۔ چنانچہ یہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قابل انصاف ہے، اور شہادت کی ادائیگی کا بہترین ذریعہ ہے اور شک وشبہ میں مبتلا نہ ہونے کا معقول طریقہ ہے۔ نیز یہ کہ لکھنے والے یا گواہ کو ضرر لاحق نہ کیا جائے۔ یہ مقاصد عدل وانصاف قائم کرنے کے ذریعہ، حقوق اور فرائض کی رعایت اور انسانی تعلقات کے تحفظ کی حیثیت سے مزید واضح شکل

اختیار کر لیتے ہیں جبکہ نکاح وطلاق کے عقود میں وجود پذیر ہوتے ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ اس طرف اشارہ کر دیا جائے کہ امریکی عدالتیں بھی عدل وانصاف کی خدمت اور اسے وجود میں لانے کی خاطر عقد کے مسئلہ، اس کی باریکی سے تشکیل اور اس کے شرائط اور دفعات کی تطبیق کے اہتمام پر زور دیتی ہیں۔ اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ بہتر طریقہ پر عقود ومعاہدات کو پورا کرنے اور امانت کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔

۲-تقوی:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عقود ومعاملات کے تحفظ اور ان کو پورا کرنے کے سلسلہ میں تقوی کو ضروری قرار دیا ہے اور اسے عقلی وقانونی اور وجدانی منہج کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:"**و إن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن و قد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم إلا أن يعفون أو يعفو الذى بيده عقدة النكاح، و أن تعفوا أقرب للتقوى ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير**" (۲/بقرہ: ۲۳۷)۔ (اور اگر ان کو خلوت وصحبت سے پہلے طلاق دے دی اور ان کے لیے مہر کا تعین کر دیا تھا، تو طے کردہ مہر میں سے نصف ادا کرنا ہوگا، الا یہ کہ وہ معاف کر دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی باگ ڈور ہے وہ اور بڑھا کر دے۔ اور تم بڑھا کر دو یہ بات تقوی سے زیادہ قریب ہے، اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اور خوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے)۔

نکاح اور طلاق کے نظام میں تقوی کی قرآنی تاکید شعوری اور وجدانی قانون کی حیثیت سے زیادہ واضح ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:"**فإذا بلغن أجلهن فأمسكوهن .....**" (۶۵/ طلاق:۲)۔ (پھر جب ان کی عدت پوری ہونے والی ہو، تو یا تو انہیں بہتر طریقہ پر روک رکھو (یعنی

ان سے رجوع کرلو، یا مناسب طریقہ پر ان کو علیحدہ کردو اور اپنے میں سے دو دیانتدار اور امانت دار افراد کو گواہ بنالو اور گواہی اللہ کے لیے صحیح ہونی چاہئے، اس کی نصیحت ہر اس شخص کو کی جارہی ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو بھی احکام الٰہی کا پاس ولحاظ کرے گا، اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کے راستے پیدا کردے گا)۔ نیز ارشاد الٰہی ہے:" **إذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن** ....." (۲/بقرہ:۲۳۱)۔(اور اگر تم بیویوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی مدت (عدت کے اختتام) تک پہنچ رہی ہوں تو (عدت گزرنے سے پہلے) یا تو انہیں بھلے طریقہ پر روک لو (یعنی رجوع کرلو) یا اچھے طریقہ پر رخصت کردو، انہیں نقصان پہنچانے کے لیے اور زیادتی کرنے کے لیے روکنا جائز نہیں ہے۔ جو ایسا کرے گا، خود اپنے اوپر ظلم کرے گا اور اللہ کی آیتوں اور حکموں کو مذاق مت سمجھو، یاد رکھو ان انعامات کو، جو اللہ نے تم پر کئے اور ان ہدایات کو جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل فرمائیں اور ان حکیمانہ باتوں کو جن کی نصیحت وہ تم کو فرماتا ہے، اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کو تمام باتوں کا علم ہے)۔ ابن عاشور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:" میں نے ان تمام نصوص کا استقراء کیا جن سے نکاح کے اساسی و جزئی احکام سے متعلق شریعت کے مقصد کو نکالا جاسکتا ہو، تو میں نے پایا کہ اس کا تعلق دو اصولوں سے ہے:

(۱) عورت کے ساتھ مرد کے رابطہ کی اتفاقی باقی ماندہ صورتوں کے مقابلہ میں عقد نکاح کی صورت کا واضح ہونا۔

(۲) عقد نکاح وقتی اور متعینہ مدت کے لیے نہ ہو۔

تین امور پر ان کا دارومدار ہے:

(الف) امر اول یہ ہے کہ عورت کے عقد نکاح کی ذمہ داری اس کا مخصوص ولی سنبھالے، اگر موجود ہو، یا ولی عام سنبھالے تاکہ یہ بات اجاگر ہوجائے کہ عورت کے گھر والوں کو چھوڑ کر تنہا عورت مرد کی طرف مائل نہیں ہوئی ہے۔ یہ نکاح اور زنا کے درمیان پہلا فرق ہے۔

(ب) امر دوم یہ ہے کہ عقد نکاح ایسے مہر کے بدلہ ہو جو شوہر بیوی کو دے۔ یہ نکاح کا مخصوص امتیاز، شعار اور علامت ہے۔ یہ عصمت (شرمگاہ) کا بدلہ نہیں ہے۔ جیسا کہ ذہن سے قریب کرنے کے لیے بعض فقہاء کی زبان سے جاری ہو جاتا ہے، ورنہ تو طلاق کے وقت اسے شوہر کو لوٹانا واجب ہوتا۔ بلکہ مہر محض عطیہ (ہدیہ) ہے، اسی وجہ سے ''نکاح شغار'' حرام ہے، اس لیے کہ وہ مہر سے خالی ہے۔

(ج) امر سوم یہ ہے کہ نکاح کو شہرت دی جاتی ہے، اس لیے کہ نکاح کو خفیہ رکھنا اسے زنا سے قریب کر دیتا ہے۔(۱۰۹)

اسی بنیاد پر بہت سے اہل علم نے مخصوص مدت کے لئے نکاح کو ممنوع ٹھہرایا ہے، اس لیے کہ وہ زنا اور بدکاری سے قریب ہو جاتا ہے۔ اہل علم نے اس بات کو ضروری قرار دیا ہے کہ نکاح کو شہرت دی جائے اور اس پر گواہ بنا لیے جائیں، تاکہ وہ زنا کے مفہوم کے ساتھ مشابہ یا قریب نہ ہو جائے۔ اس طرح عقد نکاح عورت کے لیے نفسیاتی اور سماجی تحفظ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ازدواجی تعلق سے عورت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اسے تحفظ فراہم ہو۔ قرآن کریم نے اس کی تعبیر "**محصنت غیر مسفحت**" (۴/نساء:۲۵)۔ (مقصود ان کی عفت وعصمت کی حفاظت ہو نہ کہ آزاد شہوت رانی) سے کی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ خاتون کی فطری، جذباتی، نفسیاتی، مادی اور سماجی ضرورتوں کو فراہم کیا جائے اور ان کو محفوظ کر دیا جائے، ان سب سے وہ پاکدامن اور عفیف رہ سکے گی، جس پر باہمی عقد کے اہم نتائج مرتب ہوں گے۔ عورت جب کوئی حق کھو دیتی ہے، جیسے شوہر ازدواجی فرائض ادا کرنے سے عاجز ہو جائے، یا اس کی عزت وآبرو پر حملہ وزیادتی کرے، تو اس سے عورت کی عفت وعصمت کی حفاظت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ شوہر کے تعلق سے بھی یہی بات ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "**محصنین غیر مسفحین ولا متخذی أخدان**" (۵/مائدہ:۵)۔ (اگر

۱۰۹- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، مرجع سابق، ص:۱۵۸-۱۶۰، نقل کے اندر تھوڑے تصرف کے ساتھ

عفت وعصمت کا تحفظ چاہتے ہو، آزاد شہوت رانی مقصد نہیں، نہ دوستی یاری گانٹھنا مقصود ہو)، کیونکہ نکاح میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے محفوظ قلعہ کی تعمیر کرتا ہے۔

یہاں اس سلسلہ میں ولی کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے کہ شوہر کے انتخاب کے عمل کو عورت اور اس کے گھر والوں، بالخصوص ان میں سے مردوں کے درمیان مشترکہ ذمہ داری میں بدل دے، اس لیے کہ سسرالی رشتہ کی بڑی اہمیت ہے اور پورے خاندان پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

چنانچہ نکاح کی ولایت ایک ایسی ذمہ داری ہے جس میں رعایت ونگہداشت، باہمی مشاورت، بھلائی کے سلسلہ میں خیر خواہی اور گہری چھان بین کے مفاہیم شامل ہیں۔ نکاح کی ولایت ڈکٹیٹرشپ یا عورت پر تسلط کا نام نہیں ہے، جیسا کہ غلط طور پر اسے سمجھا گیا ہے اور اس کی تطبیق کی گئی ہے۔ بلکہ ولایت ایک عظیم ذمہ داری ہے جو خاندان کے تمام افراد کے کندھے پر عائد ہوتی ہے، جس کے اندر ہر فرد کے کردار کی اہمیت اور ذمہ داری واضح ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''ولایت'' کی ذمہ داری ادا کرنے کی صورت میں ترتیب وتوازن کے ساتھ حقوق وفرائض کا نظام باہم مکمل ہوتا ہے۔

شادی کے ادارہ کی تعریف کے لیے فقہاء نے جس دروازہ کو اختیار کیا ہے وہ لفظ نکاح کا استعمال ہے تاکہ اس میں عقد کا مفہوم بھی شامل رہے جو کسی بھی شراکت وساجھیداری یا ادارہ کی تعمیر وتشکیل کا دروازہ ہے، اس کے ذریعہ ایسے امور پر اتفاق ہوتا ہے جو فریقین کے لئے مناسب ہوں۔ نکاح کے لفظ میں وطی کا مفہوم بھی شامل ہے۔ ''زواج'' کی جگہ فقہی اعتبار سے نکاح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ قرآن کریم میں یہی لفظ مختلف صیغوں میں مکرر استعمال ہوا ہے: ''**تنکحوھن، نکحتم**'' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نکاح کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کے ذریعہ اس کے دائرہ کے تعین کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ نکاح کے لغوی مفہوم میں ملانا اور باہم خلط ملط

ہونا شامل ہے۔کہا جاتا ہے،''تناکحت الأشجار'' یعنی درخت ایک دوسرے سے مل گئے۔ نیز بولا جاتا ہے:''نکح المطر الأرض'' یعنی بارش زمین کی مٹی سے مل گئی۔اہل علم نے اس پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ کلام عرب کے مطابق لفظ کے دو معنی ہیں: (۱) وطی (۲) عقد (دونوں میں ملنے اور ملانے کا مفہوم شامل ہے)۔لغوی مفہوم اصطلاحی مفہوم میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ حنفیہ کے نزدیک عقد نکاح کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ:''عقد نکاح ایک ایسا عقد ہے جو عصمت کے منافع کا مالک بنانے کے لیے وضع کیا گیا ہے''۔(۱۱۰)

نیز اس کی یہ بھی تعریف کی گئی ہے کہ وہ میاں بیوی کے درمیان ایسا عقد ہے جس کے ذریعہ سے وطی حلال ہو جاتی ہے۔(۱۱)

اس فہم کا یہ نتیجہ نکلا کہ نکاح کی شرعی دلالتوں کے بارے میں مناقشہ کا دروازہ کھل گیا، کیونکہ اس مفہوم میں عقد اور وطی دونوں شامل ہیں، لیکن دونوں میں سے کون حقیقت ہے اور کون مجاز ہے؟ بعض اہل علم کا قول ہے کہ نکاح عقد میں حقیقت ہے، جبکہ وطی میں مجاز ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن کریم نے لفظ نکاح کا وطی کے معنی میں استعمال صرف آیت:''حتی تنکح زوجاً غیرہ'' (۲/بقرہ:۲۳۰)۔(یہاں تک کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد کے نکاح میں جا کر وطی کی لذت حاصل نہ کر لے) میں کیا ہے۔ نیز رفاعہ کی بیوی والی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا:''گویا کہ تم رفاعہ کے پاس لوٹ جانا چاہتی ہو، تم ایسا نہیں کر سکتی ہو، یہاں تک کہ تم اس کا مزہ چکھ لو اور وہ تمہارا مزہ

۱۱۰- شوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، قاہرہ، مکتبہ مصطفی البابی الحلبی ۱۹۶۴ء، ج ۲، ص: ۳۴۰-۳۴۱

۱۱۱- شوکانی، محمد بن علی، ''نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار من أحادیث سید الأخیار، قاہرہ، مطبعہ عثمانیہ مصریہ، ۱۳۵۷ھ، ج ۶، ص: ۱۱۵۔ نیز دیکھیے: ناصیف، منصور علی، ''التاج الجامع للأصول فی احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، قاہرہ، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی وشرکاؤہ، ج ۲، ص: ۲۷۷

چکھ لے''۔(۱۱۲)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ نکاح عقد اور وطی دونوں میں مجاز ہے اس لیے کہ یہ دوسرے مفہوم سے ماخوذ ہے، اس لیے یہ بات درست نہیں ہوسکتی ہے کہ نکاح عقد اور وطی دونوں میں حقیقت ہے، یا ایک میں حقیقت ہے، اس وجہ سے کہ یہ مفہوم قرینہ سے ہی حاصل ہوتا ہے، جو مجاز کی علامت ہے۔(۱۱۳)

اس طرح مناقشہ کے نتائج مختلف سطحوں پر ظاہر ہوئے۔ان میں سے ایک سطح پر عقد کے ضوابط، ارکان اور شرائط پر زور دیا گیا۔دوسری سطح پر خواہش پوری کرنے کے مفہوم پر زور دیا گیا۔اور شرائط نکاح کے التزام میں کمی کی گئی، بالخصوص نکاح کو شہرت دینے کے مفہوم میں کمی کی گئی، جس کا شمار ان اہم شرائط میں ہوتا ہے جو نکاح اور زنا میں فرق کرتے ہیں۔لہٰذا اس میدان میں وارد مناقشہ کا تجزیاتی جائزہ لینا ضروری ہے۔

(د) طلاق اور نکاح کے عقود و معاہدات کی توثیق کے سلسلہ میں نبوی بیان اور تطبیقات:

قرآن کریم نے عقد نکاح کو''میثاق غلیظ''(پختہ عہد و پیمان) سے موسوم کیا، اس بحث میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔''میثاق غلیظ''(مضبوط عہد و پیمان) کو مستحکم کرنے کے ذرائع میں سے ایک یہ ہے کہ عقد نکاح کی تمام دفعات اور شرائط کو پورا کیا جائے، جن پر عقد میں داخل ہونے سے پہلے دونوں فریق رضامند اور متفق ہوں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم عقد سے متعلق شرائط کو پورا کرنے پر زور دیا ہے۔جبکہ عقد نکاح اور اس کے شرائط پورا کرنے پر زیادہ زور

۱۱۲- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، باب الطلاق، حدیث نمبر ۴۸۵۶

۱۱۳- عالم، مقاصد الشریعۃ، مرجع سابق، ص: ۴۰۰۰- نیز دیکھیے: رافعی، سلامہ احمد مغربی، ''المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر''المطبعۃ الامیریۃ، ۱۹۹۱ء، ص: ۵۶۹-۶۶۹

دیا ہے۔جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شرائط سب سے زیادہ پورا کیے جانے کے سزاوار ہیں یہ وہ شرائط ہیں جن کے ذریعہ تم عصمتوں کو حلال ٹھہراؤ''۔ (۱۱۴)

۱-شرائط کی نوعیت:

اسلام نے بالعموم شرائط پورا کرنے پر آمادہ کرنے پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ شرائط کی نوعیت کی حد بندی اور وضاحت بھی کی ہے۔قابل قبول شرائط اور قابل رد شرائط کو بھی واضح فرمادیا ہے، بالخصوص عقد نکاح سے متعلق شرائط کو واضح فرمایا ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شرط کو ممنوع ٹھہرایا ہے جو دوسرے کو ضرر پہنچانے کا سبب بنے۔اس کی مثال وہ حدیث ہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،''کسی خاتون کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے تا کہ اس کی پیالی کو خالی کردے، کیونکہ اسے وہ مل کر رہے گا جو اس کے مقدر میں ہے''۔(۱۱۵)

کوئی خاتون اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے،اس سے بڑے مفاسد پیدا ہوں گے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں: مسلم خاندان کا انتشار، مزید برآں ظلم میں مبتلا کرنا، لوگوں کے درمیان دشمنی اور نفرت کی فضا قائم کرنا، جو ان مقاصد سے تصادم کے سبب ہوگا، جن کی (اصلاح) کی خاطر اکثر شرعی احکام وارد ہوئے ہیں، جو اخوت و بھائی چارگی اور انسانی تعلقات کے مفاہیم کا تحفظ کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہر وہ شرط جو حرام کو حلال ٹھہرائے یا حلال کو حرام ٹھہرائے وہ باطل ہے۔ جیسا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

۱۱۴- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۲۵۴۲

۱۱۵- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب النکاح، حدیث نمبر ۴۷۵۵

سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:..... کچھ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ ایسے شرائط لگاتے ہیں جو کتاب اللہ کے مطابق نہیں ہیں، جو شرط کتاب اللہ کے مطابق نہ ہو وہ باطل ہے، اگرچہ سو شرط ہو، اللہ کا فیصلہ زیادہ سزاوار ہے (کہ اسے پورا کیا جائے) اور اللہ عزوجل کی شرط زیادہ مستحکم ہے۔ ''ولاء'' (معنوی رشتہ جو آزاد کرنے والے آقا اور آزاد کردہ غلام کے درمیان قائم ہوتا ہے) اس کو ملے گا جو آزاد کرے''۔(۱۶)

اس جگہ اس طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ جن شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے، وہ عقد نکاح کے تقاضے تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ ان شرائط کو بھی شامل ہیں جن کا مطلق عقد تقاضا نہیں کرتا ہے، اس لیے کہ جن شرائط کا عقد تقاضا کرتا ہے، یعنی حسن معاشرت اور محبت و الفت اور ہمدردی وغیرہ کے ساتھ برتاؤ ان کو پورا کرنا عقد کے تقاضے میں واجب ہے۔ ان کی شرط لگانے

۱۱۶- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں۔ میرے پاس بریرہ آئیں۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے آقا سے نو اوقیہ چاندی پر عقد کتابت کیا۔ ہر سال ایک اوقیہ ادا کروں گی۔ آپ میری مدد کیجیے۔ میں نے کہا: اگر تیرا آقا چاہے تو میں مطلوبہ مقدار ان کے لیے فراہم کردوں، اور تیرا ''ولاء'' میرے لیے ہو، تو میں ایسا کروں گی۔ بریرہؓ اپنے آقا کے پاس گئی۔ یہ بات ان سے عرض کی۔ انہوں نے اس سے انکار کیا، وہ ان کے پاس سے آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا: میں نے ان کے سامنے یہ پیشکش رکھی تو انہوں نے انکار کر دیا، مگر یہ کہ ولاء ان کو حاصل ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی۔ نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ بتایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے لے لو اور ان کے لیے ولاء کی شرط لگا لو، ''ولاء'' تو اسی کو ملے گا جس نے آزاد کیا۔ حضرت عائشہؓ نے ایسا کیا۔ پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان اٹھے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا: حمد اور درود کے بعد: کچھ لوگوں کو کیا ہوا ہے، جو ایسی شرط لگاتے ہیں جو کتاب اللہ کے مطابق نہیں، جو شرط بھی کتاب اللہ کے مطابق نہ ہو، وہ باطل ہے، اگرچہ سو شرط ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ زیادہ سزاوار ہے (کہ اسے پورا کیا جائے) اور اللہ عزوجل کی شرط زیادہ مستحکم ہے، ولاء اس کو ملے گا جس نے آزاد کیا ہے۔ دیکھیے: صحیح البخاری، مرجع سابق، کتاب البیوع، حدیث نمبر ۳۲۰۲

کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ضرورت تو ان شرائط کے لگانے کی ہے جن کو پورا کرنا شرط کی وجہ سے لازم ہے۔اس میں وہ سارے شرائط شامل ہیں جو عورت اپنے لیے لگاتی ہے یا مرد اپنے لیے عقد نکاح میں لگاتا ہے۔(۱۱۷)

اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد نکاح کے شرائط پورا کرنے کی اہمیت بیان فرمائی ہے،خواہ شرائط شوہر کی طرف سے ہوں یا بیوی کی طرف سے۔اس لیے کہ اس فریق کے اعتبار سے ان شرائط کی بڑی اہمیت ہے، نیز شرط لگانے والے فریق کے لیے اہم مصالح اور مقاصد وجود میں آتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ معلوم ہو کہ ان شرائط میں خلل ڈالنے کی وجہ سے میاں بیوی میں سے کسی کو ضرر لاحق ہوگا۔

اہم شرائط میں سے جن کو پورا کرنا واجب ہے، بیوی کی یہ شرط ہے کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسری خاتون سے نکاح نہیں کرے گا۔اس شرط کی اہمیت اس بات میں مضمر ہے کہ اس میں خلل ڈالنے کا نتیجہ سکون و اطمینان اور راحت میں خلل ڈالنا ہے، جس کے سبب خاندان کبھی انتشار کا شکار ہوسکتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہوسلم کی جگر گوشہ دختر نیک اختر کا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ وضاحت کے ساتھ اس مفہوم کی عکاسی کرتا ہے۔''امام زہریؒ سے مروی ہے کہ مجھے علی بن حسینؒ نے خبر دی کہ مسور بن مخرمہؓ نے انہیں خبر دی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی کو پیغام دیا، حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے نکاح میں تھیں۔ جب اس بات کا علم حضرت فاطمہ کو ہوا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ سے عرض کیا: آپ کی قوم آپس میں یہ بات چیت کر رہی ہے کہ آپ اپنی صاحبزادیوں کے لیے غصہ نہیں ہوتے ہیں۔ یہ علیؓ ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنے جا رہے ہیں۔مسورؓ کہتے ہیں:

۱۱۷- زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق، ج:۶، ص:۱۳۳

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، میں نے حمد وثنا کے بعد آپ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے ابو العاص بن ربیع کے نکاح میں اپنی صاحبزادی دی۔ انہوں نے مجھ سے گفتگو کی اور سچ بولا۔ میری بیٹی فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مجھے پسند نہیں کہ لوگ اسے آزمائش میں مبتلا کر دیں۔ یقیناً، اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ کی صاحبزادی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی کبھی بھی ایک شخص کے پاس جمع نہیں ہوسکتی ہے۔ مسورؓ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیغام کو ترک کر دیا۔(۱۱۸)

بخاری کی شرح فتح الباری میں ایک دوسری روایت یوں وارد ہے: ''.....رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ مجھ سے ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ وہ اپنے دین کے سلسلہ میں آزمائش میں مبتلا ہوجائے۔ اسکے بعد آپ نے بنوعبدشمس کے اپنے ایک داماد کا ذکر فرمایا، دامادی کے سلسلہ میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: انہوں نے مجھ سے بیان کیا اور سچ بیان کیا۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کیا اور اسے پورا کیا۔ میں حلال کو حرام نہیں ٹھہرا سکتا ہوں اور نہ ہی حرام کو حلال ٹھہرا سکتا ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی جمع نہیں ہوسکتی ہے۔(۱۱۹)

زہری کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے: '' مجھے اندیشہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ اپنے دین کے سلسلہ میں آزمائش میں مبتلا ہوجائیں، یعنی غیرت کی وجہ سے وہ صبر نہیں کرسکیں گی، ممکن ہے کہ غصہ کی حالت میں وہ بات پیش آجائے جو ان کی دینداری کی حالت کے مناسب نہ ہو۔ شعیب کی روایت میں ہے: '' مجھے ناپسند ہے کہ یہ چیز فاطمہؓ کو بری لگے۔'' یعنی ان کی موجودگی میں دوسری خاتون سے نکاح سے انہیں تکلیف ہوگی۔ اسی سند سے مسلم کی روایت میں ہے: '' لوگ حضرت فاطمہ کو آزمائش میں ڈال دیں گے'' اس کا مفہوم یہی ہے کہ '' حضرت فاطمہؓ

۱۱۸- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، باب فضائل الصحابہ، حدیث نمبر ۴۴۸۵

۱۱۹- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، باب فرض الخمس، حدیث نمبر ۲۸۷۹

آزمائش میں مبتلا ہوجائیں گی''۔(۱۲۰)

صحیح مسلم کی اپنی شرح میں امام نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دوسری روایت میں ہے:''میں کسی حلال کو حرام نہیں ٹھہرا سکتا ہوں اور نہ ہی کسی حرام کو حلال قرار دے سکتا ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی ہے''۔ایک دیگر روایت میں ہے:''یقیناً فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔اور مجھے ناپسند ہے کہ لوگ انہیں آزمائش میں مبتلا کردیں''۔اہل علم کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بتادیا کہ ابوجہل کی بیٹی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح مباح ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا:''میں کسی حلال کو حرام نہیں ٹھہرا سکتا ہوں''۔لیکن دو صراحت کردہ علتوں کی بنا پر دونوں کو جمع کرنے سے منع فرمایا۔ایک علت یہ ہے کہ اس سے حضرت فاطمہؓ کو تکلیف ہوگی، جس کی بنا پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی تکلیف ہوگی، جس کی وجہ سے اذیت پہنچانے والا ہلاک ہوجائے گا (یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانا دین و دنیا کی بربادی کا سبب ہے)، لہٰذا حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں کامل شفقت کی بنا پر اس سے منع فرمایا۔دوسری علت یہ ہے کہ غیرت کی وجہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حق میں آزمائش کا اندیشہ تھا''۔(۱۲۱)

اس واقعہ سے بالعموم شرائط کو پورا کرنے کی اہمیت واضح ہے، اس لیے کہ ان سے عقد کی ان دفعات کی تشکیل ہوتی ہے، جن کی اساس پر فریقین کے درمیان موافقت ہوتی ہے۔تاکہ شراکت و ساجھیداری یا ادارہ کی تاسیس کے سلسلہ میں باہم تعاون کیا جاسکے، بالخصوص عقد نکاح کی دفعات کا التزام زیادہ قوی و مستحکم ہے، اس لیے کہ کسی بھی فریق کے شرائط کی خاندان کے ادارہ کے سلسلہ میں اپنی

۱۲۰- عسقلانی، فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، مرجع سابق، حدیث نمبر ۴۸۲۹

۱۲۱- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، حدیث نمبر ۴۴۸۲

اہمیت اوراثر ہے۔لہٰذا جب عورت جانتی ہو کہ اپنے شوہر کے بارے میں کسی دوسری خاتون کی شرکت کو جھیلنے کی اسے قدرت نہیں ہے اور یہ ساجھیداری اسے اپنے دین کے سلسلہ میں آزمائش میں ڈال دے گی (لہٰذا) اس نے شوہر پر اس کی شرط لگائی اور شوہر نے اسے قبول بھی کر لیا، تو اس پر شرط کو پورا کرنا لازم ہے، ورنہ عقد کے نفاذ سے پہلے اسے مسترد کرنے کا اختیار و آزادی حاصل ہے۔

۲-مختلف ادوار میں عقود و معاہدات کو پورا کرنے کی صورت حال:

عقود و معاہدات کو پورا کرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی زور دیا۔

امام ترمذیؒ تحریر فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، ان ہی میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، جو فرماتے ہیں: اگر کوئی مرد کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اسے اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، تو وہ اسے باہر نہیں لے جا سکتا ہے۔(۱۲۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں: ''حقوق کی ادائیگی شرائط کے مطابق ہوگی''، نیز تجھے حق حاصل ہے کہ تیرے شرائط پورے کیے جائیں۔

مسور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا، آپ نے اپنے ایک داماد کا تذکرہ فرمایا، نیز دامادی کے رشتہ کے سلسلہ میں ان کی بہترین تعریف کی، فرمایا: انہوں نے مجھ سے بیان کیا اور سچ بیان کیا، اور مجھ سے وعدہ کیا اور میرے لیے وعدہ کو پورا کیا''۔(۱۲۳)

نتائج سے صرف نظر کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شرائط کو پورا کرنے

۱۲۲- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، ج۹، ص:۲۰۱-۲۰۲، نیز دیکھیے: زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق، ج۶، ص:۱۳۱

۱۲۳- مبارکپوری، محمد بن عبد الرحمٰن، تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی قاہرہ، مطبعۃ المدنی (د. ت)، ج۴، ص ۲۷۵-۲۷۶

پر زور دیا۔ عبدالرحمٰن بن غنمؒ کہتے ہیں: میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا، میرا گھٹنا ان کے گھٹنے سے لگ رہا تھا۔ اسی دوران ایک شخص آیا، اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے اس سے شادی کی اور اس کے لیے اس کے میکہ کی شرط رکھی۔ (لیکن) میں اپنے ایک معاملہ کی وجہ سے پختہ ارادہ کر رہا ہوں کہ فلاں جگہ منتقل ہو جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: عورت کو حق ہے کہ اس کی شرط پوری کی جائے۔ اس شخص نے کہا: مرد ہلاک ہو جائیں گے، کیونکہ کوئی عورت اپنے شوہر کو طلاق دینا نہیں چاہے گی مگر (اس طرح شرط کے ذریعہ) طلاق دے دے گی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اہل ایمان حقوق کی ادائیگی کے وقت اپنے شرائط کے پابند ہیں۔ ابن ابی المہاجر سے اسی کے مانند مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دوسرے شخص کے بارے میں فرمایا: یقیناً شرائط کے مطابق حقوق کی ادائیگی کی جائے گی، اور عورت کو حق حاصل ہے کہ اس کے شرائط پورے کیے جائیں''۔ (۱۲۴)

اس طرح صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عقود و معاہدات اور اس کی دفعات کے تحفظ کی اہمیت پر زور دیا، جب عقد کو تحریری شکل دیا جا رہا ہو، اس وقت میاں بیوی کو حق حاصل ہے کہ جو شرائط چاہیں لگائیں، جبکہ وہ حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں ٹھہراتے ہوں اور فریقین کا ان پر اتفاق ہو۔

جہاں تک کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق ہے تو انہوں نے اسے ایک دوسرے زاویہ سے دیکھا ہے۔ اس طرح کی شرط کے بارے میں وہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کی شرط عورت کی شرط پر مقدم ہے''۔ گویا ان کی رائے ہے کہ شوہر بیوی کو باہر لے جا سکتا ہے، اگرچہ بیوی نے شوہر پر یہ شرط لگائی ہو کہ شوہر اسے باہر نہیں لے جائے گا۔ بعض اہل علم اسی طرف گئے ہیں۔ یہی سفیان ثوریؒ اور بعض اہل کوفہ کا قول ہے''۔ (۱۲۵)

۱۲۴- عسقلانی، فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، مرجع سابق، باب الشروط فی النکاح، ج۹، ص۲۱۷-۲۱۸

۱۲۵- مبارکپوری، تحفۃ الأحوذی بشرح جامع الترمذی، مرجع سابق، ج۴، ص: ۲۷۵- نیز دیکھیے: زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق، ج۶، ص: ۱۳۱، اور اس کے بعد صفحات

گویا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دوسری بات کی طرف مشیر ہیں۔ وہ عورت کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی شرط کو مضبوطی سے نہ تھامے رہے اور شوہر کے ساتھ اس کے سفر میں نکل جائے، جبکہ شوہر کے عمل کی فطرت میں تبدیلی آ گئی ہو اور وہ سفر پر مجبور ہو، بالخصوص اس صورت میں جبکہ عورت کا اپنی شرط کو مضبوطی سے تھامنے کا نتیجہ بڑی مضرت کی شکل میں ظاہر ہو، جو طلاق اور خاندان کا انتشار ہے۔

لیکن قرآن وسنت کی نصوص شرائط پورا کرنے کو ضروری قرار دیتی ہیں، بالخصوص جبکہ فریقین کا اس پر اتفاق ہوا اور شوہر نے ان کو پورا کرنے کا وعدہ کیا ہو، اس لیے اس پر لازم ہے کہ ان کو پورا کرے۔

بہرحال اگر مخصوص اور استثنائی حالات درپیش ہوں اور خاندانی ادارہ کی بہتری کے لیے فریقین میں سے کوئی اپنے شرائط سے دستبرداری پر اتفاق کرلے، تو یہ اس حالت میں بہتر ہے۔ لیکن اس کو عام نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ عام شرعی حکم یہی ہے کہ ان شرائط کا التزام واجب ہے جن پر شرکاء نے اتفاق کیا ہو، خواہ وہ شرائط نکاح کے بارے میں ہوں یا دوسری چیز کے بارے میں۔ نیز ضروری ہے کہ فریقین کے اتفاق سے ہی ان میں تبدیلی کی جائے، اس سے اہم مقاصد وجود میں آتے ہیں، جو بہت سے احکام میں شریعت کے تصرفات میں واضح ہیں۔ اہم ترین مقاصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان تعامل اقدار کی اساس پر مبنی ہو، وہ اقدار صداقت اور وعدہ کو پورا کرنا ہے۔ تاکہ لوگوں کے درمیان اعتماد بحال ہو۔ اسی طرح امانت کی ادائیگی بھی ایک قدر ہے۔ یہ سب بنیادی اقدار ہیں جو عدل قائم کرنے اور لوگوں کے درمیان انصاف کو عام کرنے کا ذریعہ ہیں، خواہ ان کے تعلقات کی سطح الگ الگ ہو۔

میاں بیوی کے درمیان طے کردہ شرائط کو پورا کرنے کے التزام پر تابعین کا بھی مسلسل عمل رہا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں وارد ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا موقف بالکل واضح ہے، وہ اس بات کے انتہائی خواہشمند تھے کہ نکاح کے عقود کے شرائط کی پابندی کی جائے، بالخصوص اپنی حکومت کے زمانہ میں اسی کے خواہاں تھے جس سے یہ بات پختہ طور سے معلوم ہوتی ہے کہ عقد نکاح کے مقاصد کو وجود میں لانے کے سلسلہ میں اس مسئلہ کی کتنی اہمیت ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اپنے بعض گورنروں کو لکھا کہ نکاح کرانے والا جو بھی شرط لگائے، خواہ وہ باپ ہو یا دوسرا ولی، خواہ وہ عطیہ کی شرط ہو یا کسی اعزازی ہدیہ کی، وہ عورت کو ملے گا، اگر وہ چاہے۔ امام مالکؒ اس عورت کے بارے میں کہتے ہیں، جس کا نکاح اس کا باپ کرے اور اس کے مہر میں ایسے ہدیہ کی بھی شرط لگائے جو شوہر بیوی کو مہر کے علاوہ دے گا، جس شرط کے ساتھ بھی نکاح ہو وہ اس کی بیٹی کا ہوگا، اگر وہ چاہے۔ اگر شوہر اس کے ساتھ ہمبستری سے پہلے ہی جدائی اختیار کرلے، تو جس مہر و ہدیہ کے ساتھ نکاح ہوا ہے شوہر کو آدھا واپس ملے گا۔ (۱۲۶)

اس سے پختہ طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مہر اور شوہر کے پیش کردہ ہر ہدیہ میں بیوی کا حق ہے، اس کے باپ کو اس میں سے کچھ نہ ملے گا۔ نیز اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت یا اس کے ولی کی طرف سے عورت کی جو بھی مصلحت ہو عقد نکاح میں اس کی شرط لگانا جائز ہے۔ ابن مواز نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ وہ شوہر پر نکاح کے اندر التزام کردہ شرائط کو لازم قرار دیتے تھے، خواہ قسم کے ذریعہ مشروط نہ ہوں۔ عبدالرزاقؒ نے قاضی شریحؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے یہی فیصلہ دیا۔ اس سلسلہ میں بنیادی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**يأيها الذين أمنوا أوفوا بالعقود**'' (۵/مائدہ:۱)۔ (اے ایمان والو! عقود و معاہدات کو پورا کرو)۔ نیز بخاری نے یزید بن ابی حبیب سے وہ ابو الخیر سے وہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

۱۲۶- اصبحی، موطأ مالک، مرجع سابق، کتاب النکاح، باب ماجاء فی الصداق والحباء، حدیث نمبر ۱۰۸۱

جوحدیث نقل کی ہے، وہ بھی اسی کی دلیل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جو شرائط پورے کیے جانے کے سب سے زیادہ سزاوار ہیں، یہ وہ شرائط ہیں جن کے ذریعہ تم عصمتوں کو حلال ٹھہراتے ہو''۔ (۱۲۷)

اس مرحلہ میں عقد نکاح کے شرائط کے بارے میں فقہاء کے مواقف مختلف ہیں، بالخصوص اس موضوع پر فقہاء کے اظہار خیال کے انداز میں اختلاف ہے، جس میں ماحول کے اثرات، چیلنجز اور اندرو باہر سے اسلامی معاشرہ پر طاری ہونے والی تبدیلیاں نمایاں ہیں۔ یہ ایسے امور ہیں جو دیگر تہذیبوں اور قوموں کی روایات اور رسم وریت کے بھی حامل ہیں، ان میں کچھ اچھی چیزیں بھی ہیں اور کچھ بری چیزیں بھی ہیں، جن کا عورت کے ساتھ تعامل سے متعلق امور پر بھی اثر پڑا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی بات چیت، مناقشے اور فتاوی بسا اوقات سماج کی تصویر کشی کرتے ہیں، اس کے رنج والم، فکرمندیوں اور مسائل ومشکلات کو بھی بتاتے ہیں، نیز ان تبدیلیوں کی بھی عکاسی کرتے ہیں جو اس کے ڈھانچہ پر طاری ہوتے ہیں۔

نکاح کے شرائط کے مسئلہ کا شمار اسی تبدیلی کے نمونہ کے طور پر ہوتا ہے، بالخصوص اس مسئلہ کو فقہاء مجتہدین کے موضوع بنانے کے اسلوب پر بھی اس تبدیلی کا اثر پڑتا ہے۔

۳-فقہاء اور شرائط کی تقسیم:

اس مسئلہ سے متعلق فقہاء کی گفتگو شرائط کی تقسیم کے طریقہ پر مرکوز ہے کہ کن شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے، اور کن شرطوں کو پورا کرنا واجب نہیں ہے۔ نیز عقد پر ان کا کیا اثر مرتب ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لازم ہونے والے شرائط کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہوا، یعنی انہوں نے شرط کے تجزیہ وتقسیم کا عمل انجام دیا۔ شرائط کو پورا کرنے کے وجوب پر عمومی طور سے

۱۲۷- بخاری، صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی المہر عند عقدۃ النکاح، حدیث نمبر ۲۵۷۲

زور نہیں دیا۔ بعض فقہاء نے تنگی سے کام لیا، جبکہ بعض فقہاء نے وسعت اختیار کی۔ ظاہریہ نے ہر شرط کو ممنوع قرار دیا، مگر جس شرط کو نص نے ثابت کیا ہو۔ حنابلہ نے شرائط کی راہ وسیع کر دی اور ہر شرط کو جائز ٹھہرایا، سوائے اس شرط کے جس کے ممنوع ہونے پر دلیل قائم ہو۔ اسی چیز نے امام احمدؒ کو دعوت دی کہ شرائط کو پورا کرنے کے وجوب پر زور دیں، نیز یہ کہ سارے شرائط قبول کر لیے جائیں، سوائے اس شرط کے جس کی حرمت قرآن یا حدیث سے ثابت ہو۔ ورنہ اس شرط کو پورا کرنا لازم ہے۔ اس مسئلہ میں ان کا جمہور سے اختلاف ہے۔ جمہور اس کی صحت اور جواز کی رائے رکھتے ہیں، وجوب کی رائے نہیں رکھتے ہیں۔ حنفیہ، شافعیہ اور اکثر مالکیہ کی رائے ہے کہ نکاح میں معتبر شرائط وہ ہیں جو تقاضائے عقد کے ساتھ متفق ہوں، جیسے: مہر کی ضمانت پیش کرنا، ایسی شرطوں کو پورا کرنا جائز یا مستحب ہے، لیکن واجب نہیں ہے۔

اس طرح فقہاء کی گفتگو نے دوسرا رخ اختیار کر لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے عقد اور صحت عقد کے تقاضے کے ساتھ وابستہ ہونے کی حیثیت سے عقد کے ساتھ مربوط شرائط کی تین قسمیں کیں: (۱) وہ شرائط جو عقد کی صحت میں مؤثر ہوں۔ اس کی مثال: عقد کو کسی وقت کے ساتھ موقت کرنا ہے۔ (۲) نکاح کے صحیح ہونے کے ساتھ شرط کو الغو اور لغو قرار دینا ہے۔ یہ جمہور کے نزدیک ہر وہ شرط ہے جس کو پورا کرنے کے وجوب پر شارع کی طرف سے کوئی دلیل قائم نہ ہو، یعنی نہ نص ہو، نہ حدیث ہو، نہ کوئی مشہور عرف ہو، لہٰذا شرط لغو ہوگی، لیکن عقد کی صحت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، جیسے: عورت یہ شرط لگائے کہ اس کی سوکن کو طلاق دے دی جائے۔ (۳) صحیح شرائط: یہ جمہور کے نزدیک (مناسب شرائط ہیں)، جیسے: ایسی رہائش گاہ کی شرط جو عورت کے شایان شان ہو، یا جیسے: مہر وغیرہ کے ایک حصہ کی پیشگی ادائیگی کی شرط۔

بہر حال امام احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے کہ شرط صحیح جس کو پورا کرنا واجب ہے، یہ وہ شرط ہے جس کے بطلان پر نصوص سے کوئی دلیل قائم نہ ہو اور نصوص سے ثابت شدہ عقد کے تقاضے

کے خلاف نہ ہو۔(۱۲۸)

اس مسئلہ میں جمہور اور امام احمدؒ کے درمیان اختلاف کا ماحصل یہ ہے کہ امام احمدؒ اصل یہ قرار دیتے ہیں کہ شرط صحیح ہے حتی کہ نص قرآنی (یا حدیث سے) کوئی دلیل قائم ہو جو شرط کے باطل ہونے کو ثابت کرے۔ نیز امام احمدؒ شرائط کو پورا کرنے کو لازم قرار دیتے ہیں۔ یہ قرآنی مقاصد اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ ہے۔ جبکہ جمہور اہل علم کی رائے ہے کہ اصل یہ ہے کہ شرط کو لازم نہ قرار دیا جائے، یہاں تک کہ کوئی دلیل پائی جائے، خواہ وہ نص ہو یا قیاس ہو، یا عرف ہو جو لزوم کو ثابت کرے۔ محل خلاف وہ شرائط ہیں جن کی کوئی مخصوص دلیل نہ ہو جو صحت یا عدم صحت کو ثابت کرے، اس صورت میں امام احمدؒ ان شرائط کو صحیح قرار دیتے ہیں، جبکہ جمہور ان کو لغو قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے امام مالکؒ سے اس کے بارے میں ان کی یہ رائے نقل کی گئی ہے: ابن جیبؒ کہتے ہیں: امام مالک وغیرہ اہل علم نے مستحب قرار دیا ہے کہ جو شرط لگائی گئی ہے اسے بیوی کے لیے پورا کرے، لیکن اسے پورا کرنا شوہر پر لازم نہیں ہے۔ یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔(۱۲۹)

اس اختلاف کی اہمیت اس طرح ظاہر ہے جو اشہب نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے جو محمدؒ اور عتبیؒ کی کتاب میں ہے: ''میں مکروہ قرار دیتا ہوں کہ اس طرح کی شرط کے ساتھ کوئی نکاح کرے، (مثلاً:) اسے اس کے شہر سے نہیں نکالے گا، اسے اس بات سے نہیں روکے گا کہ اسکے پاس کوئی آنے والا آئے۔ اسے حج اور عمرہ سے نہیں روکے گا، اگر اس طرح کی شرط لگائی گئی تب تو وہ اس کا مکمل طور سے مالک نہیں ہوگا، جبکہ ملکیت تام کی بدولت ہی عصمت مباح ٹھہرتی ہے۔

۱۲۸- ابو زہرہ، الأحوال الشخصیۃ، مرجع سابق، ص: ۱۵۶-۱۶۲۔ نیز دیکھیے: زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق، ج:۶، ص:۳۳۱

۱۲۹- زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق، ج۶، ص: ۱۳۲-۱۳۳

(لہٰذا) اپنی ملکیت میں اس طرح کے شرائط لگائے جو اس کی کامل ملکیت کے لیے مانع ہوں، تو یہ مکروہ ہے، جیسے غلام باندی کی ملکیت میں اس طرح کی شرطیں لگائی جائیں تو مکروہ ہے''۔(۱۳۰)

یقیناً ''تب تو وہ اس کا مکمل مالک نہیں ہوگا.....'' یہ ایک سنگین عبارت ہے، اس لیے کہ عقد نکاح کی بنیاد محبت والفت، ہمدردی وشفقت، مساوات و برابری اور معروف و بھلائی کا حکم دینے اور منکر و برائی سے باز رکھنے کے سلسلہ میں میاں بیوی کے باہمی تعاون پر ہے۔ اس کی بنیاد تسلط و اقتدار، یا ایک کے دوسرے کے مالک ہونے پر نہیں ہے۔ یہیں سے فقہی سرمایہ کے جائزہ، تجزیہ اور قرآن وسنت کے اقدار اور اصول پر ان کو پیش کرنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، تاکہ اسے ان ساری باتوں سے پاک وصاف کیا جاسکے جو اصول سے متصادم ہوں، تاکہ قرآنی اقدار اور نبوی اخلاق پر روایات اور رسم ورواج کی دوبارہ تعمیر وتشکیل کی جاسکے۔ ہم یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ فقہاء نے بہ طور مثال: سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے واقعہ کو شرائط کی تقسیم میں استعمال نہیں کیا، حالانکہ وہ بعض ان حالات کی تصویر کشی کرتا ہے، جس میں عقد نکاح کے اندر نکاح کے شرائط ظنی مقصد سے ہوسکتے ہیں تاکہ خاتون کو اس کے دین کے بارہ میں آزمائش سے تحفظ فراہم کیا جاسکے، بلکہ اس کے خاندان کو بھی تحفظ فراہم کیا جاسکے۔ جب عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ اسے قبول نہیں کہ اس کا شوہر دوسری خاتون سے نکاح کرلے تو اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ سکون واطمینان، راحت، ہمدردی اور میاں بیوی کے درمیان محبت والفت کا مقصد اس معاملہ کے پائے جانے کی صورت میں خلل پذیر ہوجائے گا۔ اس لیے اس شرط کو اہمیت دی جانی چاہئے، کیونکہ اس شرط کو پورا نہ کرنے کی صورت میں خاندان کے ادارہ کے حق میں ایسے مفاسد و اضرار پیدا ہوں گے جو خاندان کے استحکام کے لیے خطرہ ثابت ہوں گے۔

کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ اس حالت کا تمام خواتین کے حق میں انطباق نہ ہو۔ ایسے ہی

۱۳۰- اصبحی، موطأ مالک، مرجع سابق، باب مالا یجوز من الشروط فی النکاح

مرد کو بھی پورا اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو قبول کرے اور چاہے تو مسترد کر دے۔ لیکن اگر وہ اس شرط کو قبول کر لیتا ہے تو پھر اس پر لازم ہے کہ اس کی پابندی کرے اور شرط کو پورا کرے۔ اگر شوہر اس کو پورا نہیں کرتا ہے تو پھر بیوی کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا۔ جیسا کہ ابن تیمیہؒ نے عورت کے حق کی توجیہ کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے کہ عقد نکاح میں اس کے لیے لگائی گئی شرط پورا نہ کرنے کی صورت میں وہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے، اس لیے کہ جس طرح بیع میں باہمی رضامندی کا اعتبار ہے، اسی طرح بدرجہ اولیٰ نکاح میں بھی اعتبار ہوگا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے جس کے رو سے ان شرائط کو پورا کرنا دوسری شرطوں کے مقابلہ میں زیادہ سزاوار ہے جن کے ذریعہ عصمتوں کو حلال ٹھہرایا جاتا ہے۔ (۱۳۱)

اس طرح بڑی حد تک عقد نکاح کی حفاظت سے متعلق کاروائی کی حیثیت سے شرائط کی اہمیت کو ثانوی حیثیت دی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی کاروائی ہے جو ازدواجی تعلق کے سلسلہ میں اساسی خطوط متعین کرتی ہے، گویا یہ میاں بیوی کے درمیان صریح معاہدہ ہے، جس کے ذریعہ دونوں کی زندگی کا رخ متعین ہوتا ہے اور اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اپنی پسند یا ناپسندیدگی کے لحاظ سے ہر فریق کی دوسرے فریق سے اہم توقعات کیا ہیں۔ نیز شروع سے دونوں میں سے ہر ایک کی اولویات جاننے کے بارے میں یہ ایک اہم اقدام ہے۔ قبول یا رد کی حیثیت سے فریقین کی موافقت کی بنا پر تعلق جاری رہنے، یا سلامتی کے ساتھ موقوف ہو جانے کا اسی سے تعین ہوگا۔ چنانچہ امریکی مسلمان جو کتابیہ خاتون سے نکاح کی رغبت رکھتا ہے اسے عقد نکاح کی اہمیت معلوم ہو جائے اور اپنے پسندیدہ شرائط بالخصوص اولاد کی تربیت اور نشو ونما سے متعلق شرائط کا تعین کر لے اور بیوی بھی ایسا ہی کرے تو طلاق سے بچا جا سکتا ہے۔

عقد نکاح کے اندر شرائط کو پورا کرنے میں دلچسپی لینے کا مثبت رخ ان صورتوں میں واضح

۱۳۱- ابن تیمیہ، نظریۃ العقد، قاہرہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ، ۱۳۶۸ھ، ص: ۱۵۵

ہے جن میں عثمانی عدالتوں کے ریکارڈ کا جائزہ لیا گیا، بالخصوص حال کے بعض مغربی مؤرخین کی طرف سے جائزہ لیا گیا ہے، جنہوں نے اولین مستشرقین پر گرفت کی کہ انہوں نے اسلامی شریعت بالخصوص پرسنل لاء پر نقد کیا، اس لیے کہ انہوں نے اس کے مدون نظریاتی پہلو پر توجہ مرکوز کی اور اس عملی وتطبیقی پہلو کو نظر انداز کر دیا جو واضح طور پر علماء کے فتاوی، قاضیوں کے فیصلہ اور عدالتوں کے ریکارڈ میں عیاں ہے جن سے سماج کی فطرت کی اس حقیقی تصویر کی عکاسی ہوتی ہے جس کے ساتھ متعینہ زمانہ میں لوگ زندگی گزارتے ہیں۔ اسی وجہ سے حال کے بعض مغربی ابحاث میں عثمانی عدالتوں کے ریکارڈ میں عقد نکاح اور اس کے شرائط کے مسئلہ کو موضوع بنایا گیا ہے۔

ان ابحاث میں اس بات کو مؤکد طور پر بیان کیا گیا ہے کہ عقد نکاح میں خواتین کے شرائط کے نفاذ کی حجز پابندی کرتے تھے، بلکہ کبھی کبھار حنفی قاضی خاتون کو حنبلی قاضی کے پاس بھیج دیتا تھا، تاکہ خاتون کو شرائط کے نفاذ کا حق حاصل ہو جائے، ورنہ اس کے لیے فسخ کو نافذ کر دیتا تھا۔ ان ابحاث میں اس بات سے نقاب کشائی کی گئی ہے کہ اس مدت میں جو اہم ترین شرائط عام تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بیوی کو شوہر اپنے شہر نہیں لے جائے گا اور بیوی اپنے میکہ سے دور نہیں ہوگی۔ نیز یہ شرط بھی عام تھی کہ شوہر دوسری خاتون سے نکاح نہیں کرے گا، اگر وہ ایسا کرتا ہے اور بیوی کے ساتھ اتفاق کردہ شرائط کی خلاف ورزی کرتا ہے تو بیوی کو عقد نکاح فسخ کرانے اور کامل حقوق وصول کرنے کا حق ہوگا۔ (۱۳۲)

۱۳۲- اس میدان سے متعلق اہم تحریریں درج ذیل ہیں:

Jennings, R.C. "Women in Early Seventeenth Century Ottoman Judicial Records: the Sharia Court of Anatolian Kayseri", Journal of the Economic and Social History of the Orient, 18 (1975): 87-89

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گذشتہ تفصیل سے واضح ہے کہ فقہاء کی آراء کا اختلاف ایک طرف سماجی حالات کے اختلاف کی عکاسی کرتا ہے، تو دوسری طرف نص کے ساتھ فقہاء کے تعامل کے طریقے کے اختلاف کی عکاسی بھی کرتا ہے، نیز اس بات کی بھی تصویر کشی کرتا ہے کہ وہ استقراء اور چھان بین کے منہج کو نصوص کے مقاصد واہداف تک رسائی کے لیے کس حد تک استعمال کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ اور دیگر مسائل میں ائمہ کی آراء اور دلائل کو عمیق استقراء اور چھان بین کے بعد نص پر پیش کرنا ضروری ہے، پھر لازم ہے کہ قرآنی مقصد کے تقاضے کے مطابق آراء کو منقح کیا جائے۔ چنانچہ یہی اقوال کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کے سلسلہ میں یہی قابل اعتبار منہج ہوگا، نیز اسی بنا پر آراء اور اس کے دلائل کا محاکمہ کیا جاسکے گا، نہ کہ اشخاص اور ان کے مذاہب کی بنا پر، تاکہ اس کے ذریعہ ترجیح دقیق منہج کے مطابق ہو، جو کسی فرد کی خواہشات، ماحول کے اتار چڑھاؤ اور تبدیلیوں نیز زمانہ اور سماج کے تابع نہ ہو۔ یہ بات واضح ہے کہ امام احمدؒ نے عقد نکاح کے شرائط کو پورا کرنے کے وجوب پر جو زور دیا ہے، نیز اس سلسلہ میں لاپرواہی نہ برتنے اور ان شرائط کو جواز یا استحباب کی سطح تک نہ لانے کی جو بات کہی ہے یہی قرآنی مقاصد اور عقود کی رعایت اور ان کے شرائط کو پورا کرنے کے وجوب کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تطبیقات سے ہم آہنگ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

- Shaham, Ron. "State, Feminists and Islamists: The Debate over Stipulations in Marriage Contracts in Egypt". Bulletin of the School of Oriental and African Studies. 62:3 (1999): 462=483.

  Abdal- Rehim, Abdl- Rahman Abdal-Rahim. "The Family and Gender Laws in Egypt During the Ottoman Period". In Women, the Family, and DIvorce Laws in Islamic History. Edited by Amira El Azhary Sonbol, Syracuse, New York: Syracuse University Press, 1996, 98-110

ہے۔ یہ مسئلہ اہم علامت اور اشارہ کی تشکیل کرتا ہے جس سے اس تبدیلی کی عکاسی ہوتی ہے جس کے بارے میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ موجودہ مسلم معاشرہ کے ماحول میں یہ ایک نئی صورت حال ہے، بالخصوص عورت اور خاندان کے اندر اس کے رول کے سلسلہ میں جو صحابہ سے اخذ کرنے والی نسل یا تابعین کے پیش نظر نہیں تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ماحول کی پیچیدگی اور سماج پر طاری ہونے والی تبدیلیوں کا خاندان سے متعلق بہت سے مسائل کو موضوع بنانے کے اسلوب پر اثر پڑا ہو، خواہ سوال اور مسائل پیش کرنے کے مرحلہ میں، یا ان کے حل کے مرحلہ میں۔ جس کی بنا پر اس گفتگو اور بحث ومباحثہ کے اثرات آج تک دراز ہیں۔

۳-عقود ومعاہدات کے احترام کے مقصد کا خلاصہ:

مقاصد کے استحضار اور چھان بین سے مصالح کو مفاسد سے الگ کرنے میں مدد ملتی ہے، نیز مضرتوں کے تناسب اور درجات سے واقفیت حاصل ہوتی ہے، جس سے مجتہد کے افق علمی میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور ایک ہی ساتھ نص اور حقیقی صورت حال کی گہری چھان بین کی آمادگی حاصل ہوتی ہے۔ اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ اجتہاد صحیح ہے یا غلط، آراء کے جائزہ لینے کا معیار اور اصول صرف قرآن اور سنت صحیحہ ہے۔ چنانچہ ہر وہ چیز جس کے فہم میں عقل کا اختلاف ہو، یا جن وسائل سے اس فہم تک رسائی ہوتی ہو، یہ سب اس انسانی اجتہاد کے دائرہ میں داخل ہیں، جو اضافی ہے اور ہر زمان ومکان میں ارتقاء اور تبدیلی کے قابل ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ اس ازدواجی تعلق کے مسئلہ میں مقاصد کی چھان بین کی جائے جو ایسے شرعی عقد کے نتیجہ میں حاصل ہوا، جس کا ریکارڈ امریکی سول عدالتوں میں نہیں ہوا۔ تحقیق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عقد جس میں حقوق کے تحفظ کے مقصد کی رعایت نہیں کی گئی باطل یا فاسد شمار ہو۔ (لیکن) جن عقود پر خاندان کی تشکیل ہوگئی ہو اور اس کے گہوارہ میں اولاد بھی شامل ہوں، ایسے

عقود ناقص سمجھے جائیں گے۔ البتہ خاندان کے ادارہ کے تحفظ سے متعلق کلی مقاصد اور اس سے وابستہ دیگر مقاصد کے تحفظ کی خاطر ضروری ہے کہ وہ تعلقات باقی رہیں، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت میں کیے ہوئے نکاح کے بارے میں کیا۔ آپ نے اسلام کے بعد نئے عقود کا مطالبہ نہیں کیا، تاکہ خاندانوں کے ڈھانچے اور ان کے تعلقات کا تحفظ ہو۔ بہرحال اختلاف کی حالت میں مسلم گروپ پر لازم ہے کہ کسی فریق بالخصوص عورت اور اولاد پر ہونے والے ظلم کو روکنے کے لیے ہر قسم کا تعاون پیش کرے، تاکہ عدل و انصاف وجود میں آئے، اس کے بعد مسلم گروپ کی ذمہ داری ہے کہ اس قسم کے عقد کو روکنے کے لیے سنجیدہ کاوش کرے، جس کا نتیجہ حقوق کا ضیاع اور خواتین اور اولاد پر ظلم وضرر کا وقوع ہے۔

نکاح اور طلاق کے عقود کے مسئلہ کا شمار ان مسائل میں ہوتا ہے جن کے بارے میں امریکہ کے مسلمان ایک وقت سے دلچسپی لے رہے ہیں، لیکن (تحریری اور تطبیقی) شکل میں ان کاوشوں اور کوششوں کے اثرات آٹھویں دہے میں نمایاں ہوئے، نویں دہے سے لے کر آج تک ان سے متعلق کتابوں اور تحریروں میں اضافہ ہوا۔ بعض مسلم خواتین کی تحریروں میں یہ اہتمام نمایاں ہوا، جیسے وکیل جنابہ عزیزہ ہبری، جنہوں نے اس موضوع سے متعلق کئی ابحاث لکھے، جن میں صورت حال کی سنگینی پر بحث کی۔ اس کے بعد بڑی کوشش صرف کی کہ امریکی سول عدالتوں کو مطمئن کیا جائے کہ نکاح وطلاق سے متعلق اسلامی عقود صحیح ہیں اور قانونی اعتبار سے درست ہیں۔ اس میدان میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہیں۔ (جبکہ) جنابہ شریفہ الخطیب نے عقد زواج اور اس کے شرائط کا عمدہ نمونہ پیش کیا (۱۳۳) علماء، ائمہ مساجد، مسلم وکلاء، سماجی خدمت

۱۳۳- جنابہ شریفہ الخطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا جو اسلامی سماجی کارکن، داعیہ اور امریکہ میں مسلم خاندان اور عورت کے معاملات میں دلچسپی لینے والی تھیں، انہوں نے عقد نکاح کا ایک نمونہ پیش کیا، جس میں ایسے شرائط تجویز کیے جو میاں بیوی میں سے ہر ایک کے لیے سکون واطمینان، راحت اور عدل وانصاف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے میدان میں کام کرنے والے، جیسے: سماجی مستشار (جن سے مشورہ لیا جائے) نیز ثالثی اور نزاعات ختم کرنے کے میدان میں کام کرنے والے۔ جس میدان کی حالیہ دنوں میں اکیڈمک، عملی اور سماجی لحاظ سے بڑی اہمیت ہے۔ ان سب لوگوں پر لازم ہے کہ مسلم گروپ کی ذہن سازی کرنے کے لیے تعاون کریں، خواہ وہ کم عمر افراد ہوں، یا بالغ افراد ہوں، خواتین ہوں یا مرد ہوں ان سب کی ذہن سازی کی جائے کہ عقد نکاح اور اس کے شرائط کو مؤثر بنانے کا اہتمام کریں، نیز اس بات کا اہتمام کریں کہ عقد نکاح کے شرائط کو دقیق انداز میں مدون کیا جائے، بالخصوص خواتین اور ان کے گھر والوں سے متعلق شرائط کو تاکہ حقوق اور تعلقات کا تحفظ کیا جا سکے اور طلاق اور عقد نکاح کو تحریری شکل دینے کے سلسلہ میں باریک بینی کی اہمیت پر زور دیا جا سکے اور ذمہ دار امام کی نگرانی میں شرعی لحاظ سے عقد کو تحریری شکل دینے کے بعد امریکی سول عدالتوں میں اس کے ریکارڈ کے لزوم کی اہمیت معلوم ہو سکے تاکہ حقوق وتعلقات کا تحفظ ہو۔

یہ کاروائی اسلامی قوانین کی طرف مقدمات نہ لے جانے والے ممالک میں زندگی گزارنے والی مسلم اقلیتوں کے درمیان نکاح کے ادارہ کے تحفظ کے اہم ترین وسائل میں سے ہے۔ ائمہ اور فقہاء پر لازم ہے کہ عقد نکاح کو تحریری شکل دینے کے وقت میاں بیوی کی بالخصوص اور مسلم گروپ کی بالعموم بعض شرائط کے جواز کے بارے میں ذہن سازی کریں، اس لیے کہ

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) وجود میں لانے کے ضامن ہیں۔ انہوں نے اپنی اس تجویز کو اپنے ایک مضمون میں پیش کیا جو ماہ ستمبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ دیکھیے: - Al Khateeb, Sharifa, The Marriage Contract: The Magazine of Dialogue Among Muslim Women. (August/September, 1996).

- Al Hibri, Azizah, Muslim Marriage Cotract in American Courts, May 2000, http://www.minaret.org/azizah.htm)۔ آج کل عقد نکاح کے دسیوں نمونے انٹرنیٹ کی مختلف سائٹس پر موجود ہیں، تاکہ ائمہ مساجد جسے چاہیں اختیار کر لیں۔

بہت سے مسلمان ان شرائط کے جواز کو نہیں جانتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ یہ باطل ہیں۔ ان شرائط میں سے بعض بہ طور مثال یہ ہیں: بیوی کی موجودگی میں دوسری خاتون سے شادی نہ کرنا، اختلاف کی حالت میں اس کو ضرر لاحق نہ کرنا، یا یہ شرط لگانا کہ طلاق کا اختیار عورت کو بھی حاصل رہے گا۔(۱۳۴)

یا یہ شرط لگانا کہ خاتون تعلیم مکمل کرے گی، یا شوہر بیوی پر یہ شرط لگائے کہ وہ اس کے کام کے مزاج کی وجہ سے دوسرے علاقہ میں اس کے ساتھ سفر کر کے جائے گی، یا اس کے کثرت اسفار کے باوجود اس کے ساتھ رہے گی، یا اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں بالخصوص میاں بیوی کے مذہب کے اختلاف کی حالت میں متعین ذرائع یا اہداف تجویز کیے جائیں، یا کوئی بھی ایسی شرط لگائی جائے جس سے محبت والفت، ہمدردی اور میاں بیوی کے درمیان سکون واطمینان اور راحت کے تحفظ میں مدد ملے، جس سے خاندان کے ادارہ کے ستون مستحکم ہوتے ہیں۔

بہر حال عقد طلاق پر پوری توجہ دینے کی ضرورت ہے، نیز اسے ریکارڈ کرنا اور اس پر گواہ بنانا بھی ضروری ہے تا کہ اس کے ذریعہ حسن سلوک کے ساتھ رہائی دینے کا مقصد وجود میں آئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "فإذا بلغن أجلهن ....." (۶۵/طلاق:۲)۔ (پھر جب ان کی عدت پوری ہونے والی ہو، تو یا تو انہیں بہتر طریقہ پر روک رکھو (یعنی ان سے رجوع کرلو) یا مناسب طریقہ پر ان کو علیحدہ کردو اور اپنے میں سے دو دیانتدار اور امانتدار افراد کو گواہ بنالو اور

۱۳۴- اس شرط کو قبول کرنے کے تجزیہ کے طور پر حنفیہ سے منقول ہے: "..... لیکن اس جیسی شرط کو قبول کرنے کی صورت میں زوجیت کی مصلحت مرتب ہوگی، حسن معاشرت حاصل ہوگا اور کبھی کبھار تعلق دائمی بن جائے گا۔ قانون ساز نے اسے صحیح اور مقبول قرار دیا ہے، بالخصوص جب اسے ملحوظ رکھا جائے کہ بسا اوقات اس طرح کی ضمانت نہ ہونے کے وقت عورت مرد کے ساتھ مربوط ہونے سے ڈرتی ہے، اس لیے اس طرح کی شرط ایک ساتھ میاں بیوی کی مصلحت میں سے ہوگی، لہٰذا صحیح ہوگی۔ دیکھیے: جزیری، عبدالرحمن، مختصر الفقہ علی المذاہب الأربعۃ" اس کا اختصار ابراہیم محمد رمضان نے کیا ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے، شائع شدہ: بیروت، دار القلم ج ۲، ص: ۳۱۲-۳۱۳

گواہی اللہ کے لیے صحیح ہونی چاہئے، اس کی نصیحت ہر اس شخص کو کی جارہی ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو بھی احکام الٰہی کا پاس ولحاظ کرے گا، اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کے راستے پیدا کردے گا)۔ اس طرح ازدواجی تعلق سلامتی کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے، اور قبیح کشمکش کی حد تک نہیں پہنچتا ہے، جس سے نکاح کے نتیجہ میں تشکیل پانے والے سسرالی رشتہ کا ہی خاتمہ ہوجاتا ہے، حالانکہ قرآنی مقاصد اس کے تحفظ اور نگہداشت کی دعوت دیتا ہے۔ (طلاق کے مرحلہ سے پہلے) قرآن کریم اصلاحی منصوبہ پیش کرتا ہے، جس کا آغاز میاں بیوی کے درمیان اختلاف اور سخت جھگڑے کی حالت میں ثالثی کی دعوت سے ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**و إن خفتم شقاق**.....'' (۴/نساء:۳۵)۔ (اور اگر میاں بیوی کے درمیان تعلقات ٹوٹنے کا اندیشہ ہو، تو مرد کے گھر والوں میں سے کسی کو حکم مقرر کرو اور عورت کے گھر والوں میں سے کسی کو حکم مقرر کردو (ایک ایک ہوں یا زیادہ) اگر میاں بیوی صلح صفائی چاہیں گے (اور وہ دونوں حکم بھی اصلاح ذات البین چاہیں گے) تو اللہ تعالیٰ دونوں میں جوڑ پیدا کرے گا، بے شک اللہ تعالیٰ خوب علم رکھتا اور خوب باخبر ہے) اگر دونوں کے درمیان اتفاق پیدا نہ ہوسکے اور دونوں نے طلاق کا فیصلہ کرلیا (تو ایسی حالت میں) قرآن کریم نے اچھے اوقات اور اچھے اعمال کی یاد دہانی پر فریقین کے توجہ مبذول کرنے اور عفو واحسان کے اصول قائم کرنے کے ذریعہ قرآنی اقدار کو مؤثر بنانے کی دعوت دی ہے، تاکہ کینہ وکپٹ کے بغیر پُرامن طریقہ پر تعلق کا خاتمہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**و إن طلقتموهن من قبل أن تمسوهن** .....'' (۲/بقرہ:۲۳۷)۔ (اور اگر ان کو خلوت وصحبت سے پہلے طلاق دے دی اور ان کے لیے مہر کا تعین کردیا تھا تو طے کردہ مہر میں سے نصف ادا کرنا ہوگا، الا یہ کہ وہ معاف کردیں یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی باگ ڈور ہے وہ اور بڑھا کردے اور تم بڑھا کردو یہ بات تقوی سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اور خوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا چاہئے، اللہ

تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے)۔طلاق کے مسئلہ اور اس کی مشکلات اور دشواریوں کو ختم کرنے سے نمٹنے میں امریکی عدالتیں اس طرح کامیاب ہیں کہ ہر فریق اپنے حقوق وصول کرنے پر قادر ہوجاتا ہے۔ امریکی عدالتوں نے متعین طور پر بچوں کے حقوق کے تحفظ اور رعایت کے لیے دقیق نظام وضع کیا ہے، پھر والدین کے حقوق کے تحفظ کے لیے بھی عمدہ نظام مقرر کیا ہے۔ جبکہ مسلم گروپ طلاق کے منفی اثرات کو جھیل رہا ہے، بالخصوص کینہ، کپٹ اور جھگڑے جو تمام فریق کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اس لیے ائمہ اور علماء پر لازم ہے کہ امریکی قانون کے تقاضوں کو پورا کرنے پر طلاق دینے والوں کو آمادہ کریں، بالخصوص عقود و معاہدات کے شدید اہتمام سے متعلق امور اور تمام فریقوں کے حقوق کے تحفظ کی رعایت کے بارے میں امریکی قانون کے تقاضوں پر عمل کرنے کی حوصلہ افزائی کریں۔امریکی قانون کے اہتمام میں یہ بھی داخل ہے کہ طلاق کے معاہدہ کو ماہر وکلاء تحریری شکل دیتے ہیں، یا اس مقصد سے ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جس میں میاں بیوی کی طرف سے وکلاء شریک ہوتے ہیں۔اسی طرح امام یا ماہر فقیہ سے معاہدہ کی دفعات کو تحریری شکل دیتے وقت مشورہ لیا جاتا ہے، پھر اس پر عادل گواہ شاہد بنائے جاتے ہیں، جن کو عقود و معاہدات کی واقفیت و جانکاری ہوتی ہے، بالخصوص عقد نکاح اور طلاق کی جانکاری ہوتی ہے۔ چنانچہ باریک بینی کے ساتھ حضانت و پرورش کی تفصیلات طے کی جاتی ہیں اور اولاد کی عمر اور ضروریات کے لحاظ سے والدین کی مادی و معنوی ذمہ داریاں متعین کی جاتی ہیں، اس فریق کو متعین کیا جاتا ہے جس کے ساتھ بیٹے ہفتے کے دن گزاریں گے، نیز والدین کے درمیان رخصتوں کی تقسیم کے طریقہ کو واضح کیا جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ زیارتوں کے اوقات، چھٹیوں، ورزشی سرگرمیوں اور اسکولی نشاطات وغیرہ کا دقیق اور تفصیلی تعین ہوجائے اور والدین کی ذمہ داری ہے کہ اس میں حصہ لیں۔

عقد نکاح اور طلاق کا دقیق نمونہ تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جس پر مخصوص کمیٹی اتفاق کرے، جس میں خاندان کے مسائل کے ماہرین یعنی وکلاء، سماجی مشیر کار، ائمہ اور فقہاء کی ایک تعداد شامل ہو۔ پھر اسے مساجد، اسلامی مراکز، امریکی عدالتوں اور سماجی خدمت کے اداروں اور دیگر ان اداروں میں تقسیم کر دیا جائے جو ان مسائل میں دلچسپی لیتے ہیں، تاکہ ان کی طرف سے مغرب کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ذہن سازی کی مہم میں حصہ داری ہو۔

۲- دوسرا نمونہ: کتابیہ خاتون سے نکاح:

اسلام نے اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے اور سسرالی رشتہ قائم کرنے کو مباح ٹھہرایا ہے اور کتابیہ خواتین سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے تاکہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ بہتر سلوک اور حسن معاشرت کی رغبت کا اظہار ہو، نیز تعمیری، پُرامن گفتگو کا دروازہ کھل جائے تاکہ تصورات کو درست کیا جا سکے اور ان کو توحید خالص کی شاہراہ پر لوٹایا جا سکے، جسے ابراہیم اور ان کے بعد کے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام لے کر آئے۔ ارشاد الٰہی ہے: ''**الیوم أحل لکم الطیبات** .....'' (۵/مائدہ:۵)۔ (آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی ہیں، اہل کتاب کا کھانا (جو حلال چیزوں پر مبنی ہے) تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے (اس معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، اصل تفریق حلال وحرام کی ہے، لہٰذا ان کے یہاں کا جھٹکے سے مارا ہوا جانور اور سور وغیرہ حلال نہیں ہے)۔ اور مومن پاکیزہ عورتوں اور اہل کتاب کی پاکباز عورتوں سے نکاح تمہارے لیے جائز ہے، اگر عفت وعصمت کا تحفظ چاہتے ہوئے تم ان کے مہر ادا کرو، آزاد شہوت رانی نہ کرتے پھرو، نہ دوستی یاری (یعنی صحیح بنیادوں پر نکاح ہو، جس کا مقصد آبرو وعصمت کی حفاظت ہے، نہ کہ شہوت پرستی اور گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کا شیطانی کلچر) اور جو بھی ایمان کا منکر ہو، اس کا سارا عمل اکارت ہے اور آخرت میں

اس کو گھاٹا ہی گھاٹا ہوگا)۔

آسمانی مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان مشترکہ انسانی تعلقات کے ڈھانچے کی تاسیس وتشکیل کے سلسلہ میں اس حکم کے مثبت ہونے کے باوجود انسانی صورت حال کی پیچیدگی اوراس کے عناصر کے اختلاط کی وجہ سے کبھی کبھار یہ مسئلہ جس کے بارے میں یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسا حل ثابت ہو جو انسانی تعلقات کی تعمیر وتشکیل میں حصہ لے، ایک سماجی چیلنج میں تبدیل ہوجاتا ہے، جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ افراد یا جماعتوں کے تحفظ کی خاطر متعین حفاظتی کاروائیاں اس طرح کی جائیں کہ حکم یا نص پر اثر بھی نہ پڑے۔

یہ مسئلہ سب سے پہلے سماجی چیلنج کی حیثیت سے صحابہ کی نسل میں ظاہر ہوا، اس کا حل اس طرح نکالا گیا کہ اس وقت سماج اور افراد کی مصلحت وجود میں آئے اور نکاح اور خاندان کی تعمیر وتشکیل سے متعلق قانونی مقاصد سے ہم آہنگ ہو۔ فتوحات کے بعد غیر مسلم اقوام کے بارے میں مدینہ کے معاشرہ کی رواداری اور کتابیہ خواتین سے بعض صحابہ کے نکاح کے آغاز کی ایک چیلنج کی حیثیت سے اس مسئلہ کے ظاہر ہونے میں اپنی اہمیت ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں اسلامی معاشرہ پر اس کے مختلف اثرات مرتب ہوئے۔ حضرت عمرؓ کا دور فتوحات کے دور سے معروف ہے۔

اہل علم وفقہ صحابہ نے نص قرآنی کے مفردات کا دوبارہ مطالعہ کیا اور باریک بینی سے اس کا تجزیہ کیا تاکہ ان کو موجودہ صورت حال کے چیلنجز کا جواب معلوم ہو۔

انہوں نے فرمان باری تعالیٰ میں غور وفکر کیا: "**اليوم أحل لكم الطيبات** ....." (۵/مائدہ:۵)۔ (آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کردی گئی ہیں، اہل کتاب کا کھانا (جو حلال چیزوں پر مبنی ہے) تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے (اس معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، اصل تفریق حلال وحرام کی ہے، لہٰذا ان کے یہاں کا

جھٹکے سے مارا ہوا جانور اور سور وغیرہ حلال نہیں ہے)۔ اور مومن پاکیزہ عورتیں اور اہل کتاب کی پاکباز عورتوں سے نکاح تمہارے لیے جائز ہے، اگر عفت وعصمت کا تحفظ چاہتے ہوئے تم ان کے مہر ادا کرو، آزاد شہوت رانی نہ کرتے پھرو، نہ دوستی یاری (یعنی صحیح بنیادوں پر نکاح ہو، جس کا مقصد آبرو وعصمت کی حفاظت ہے، نہ کہ شہوت پرستی اور گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کا شیطانی کلچر) اور جو بھی ایمان کا منکر ہو، اس کا سارا عمل اکارت ہے اور آخرت میں اس کو گھاٹا ہی گھاٹا ہوگا)۔

ان کی رائے یہ تھی کہ آیت نے بالعموم اہل کتاب کے ساتھ اختلاط اور تعامل کو مباح قرار دیا ہے۔ محبت، رواداری اور سلامتی سے لبریز انسانی تعلقات کی تعمیر وتشکیل کے سلسلہ میں مثبت تعارف کے اہم ترین وسائل میں سے دو وسیلے کو پیش کیا ہے، جو یہ ہیں: (۱) باہم کھانا (۲) سسرالی رشتہ قائم کرنا۔

درست انسانی تعلقات کے ڈھانچے سے متعلق قرآن کریم کے احکام اور تصورات کی چھان بین کے بعد ہم پاتے ہیں کہ شادی اور باہم کھانا مستحکم عملی اور سماجی قوانین میں سے ہیں جن کو نسلیں باہم منتقل کرتی ہیں اور وہ ہر زمان ومکان کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں، وہ زوال کی زد میں نہیں آتے ہیں، بلکہ بسا اوقات معاشی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی اعتبار سے انسانی تہذیب کے خدوخال کی عکاسی کرتے ہیں۔ ہر تہذیب کے اپنے آداب ہوتے ہیں جو اسے دوسری تہذیبوں اور دیگر انسانی سماج سے ممتاز کرتے ہیں۔ ان آداب کی نگہداشت اور حفاظت ضروری ہے۔ ان دونوں وسائل کی نمایاں ترین خصوصیات یہ ہیں کہ: وہ دونوں مثبت گفتگو اور بات چیت کے اہم ترین دروازے ہیں۔ کھانے کے دسترخوان پر عقل و دل میں خوشگواری پیدا ہوتی ہے اور شیریں بات چیت ہوتی ہے۔ اکثر عمیق افکار وخیالات سکون کے ساتھ ایسی فضا میں پیش کیے جاتے ہیں جس میں رواداری ہو، نیز شرکاء کے سامنے نفسیاتی یا فکری دباؤ کے بغیر سنجیدہ غور وفکر کے میدان کھل جاتے ہیں۔

تقریباً اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ کھانے اور سسرالی رشتے قائم کرنے کے اہم ترین مقاصد میں سے ایک ''تعارف'' ہے، اس لیے کہ اس سے سابقہ رسالت کے پیروؤں اور آخری رسالت کے پیروکاروں کے درمیان خوشگوار ماحول میں دونوں فریقوں کے اقدار کی شناخت ہوتی ہے اور دونوں کو ایک دوسرے کے اصول کا علم ہوتا ہے، اس سے تصورات درست کیے جاتے ہیں اور زمانہ کے دوران پڑنے والے گرد وغبار سے ان کو پاک و صاف کیا جاتا ہے۔ وقتاً فوقتاً رسولوں کو بھیجنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اصولوں کا جائزہ لیا جائے، حقیقت پر پردہ ڈالنے والے گرد وغبار کے نتیجہ میں لاحق ہونے والے کسی قسم کے انحرافات سے عقائد اور افکار کو پاک وصاف کیا جائے، جن انحرافات کے نتیجہ میں حق کو باطل قرار دیا جاتا ہے اور باطل کو حق قرار دیا جاتا ہے۔ مقدس ترین تعلق یعنی شادی کی بنا پر قرآن کریم باہمی نشست اور معاشرت کو مباح ٹھہراتا ہے تو وہ تعمیری بات چیت کے دراز کھولنے کی دعوت دیتا ہے اور تمام فریقوں کو اجازت دیتا ہے کہ وہ سنجیدہ جائزہ لیں، ان شرائع کے اصول اور مشترکہ امور کی طرف واپسی میں تعاون کریں، بالخصوص توحید میں جلوہ گر عقیدہ کے میدان میں تعاون کریں، جو اس بات کی طرف مشیر ہے کہ مقصد مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان قربت پیدا کرنے کے میدان کو کھولنا ہے، نیز ان کے درمیان رواداری اور الفت ومحبت کے دائرہ کو وسیع کرنا ہے، ان وسائل میں کمی لانا ہے بلکہ ان ذرائع کو بند کر دینا ہے جو مذہبی اختلاف کی وجہ سے فریقین کے درمیان جنگ یا کشمکش کا سبب بنیں۔(۱۳۵)

یہی وجہ ہے کہ جب یہ مسئلہ فتوحات کے دور میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پیش ہوا، تو انہوں نے اس کا مطالعہ کیا اور اس وقت کے حالات اور زمینی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے پہلوؤں اور حالات کا تجزیہ کیا، نیز حکم کا مطالعہ کیا، اس کے معانی اور مقاصد کا

۱۳۵- قرضاوی، فی فقہ الأقلیات المسلمۃ: حیاۃ المسلمین وسط المجتمعات الأخری، مرجع سابق، ص: ۹۷

تجزیہ کیا، بالخصوص اسے اپنے سماج اور حقیقی صورت حال کی سرزمین پر اتارا، آنے والی نسلوں پر اپنے اجتہاد کے عموم کو جاری نہیں کیا، اس لیے کہ اباحت کا حکم اپنے شرائط کے ساتھ مطلق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ ممالک سے آنے والی کتابیہ خواتین سے نکاح کے بارہ میں رواداری اختیار کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی نسل یا ثقافتی پس منظر کو جان لیا جائے، نیز اس بات کو بھی جان لیا جائے کہ مسلمانوں کے ساتھ ان کی ملاقات کن حالات کے نتیجہ میں ہوئی جن کا مسلمانوں کے ان کے ملک میں داخل ہونے کے بارے میں ان کے موقف پر اثر پڑتا ہے، یعنی ان کا رویہ معاندانہ رہا یا صلح جویانہ۔ اسی طرح انہوں نے مسلم مرد کے کردار کو بھی اہمیت دی، یعنی اس کا تعلق قیادت سے ہے، یا وہ عام لوگوں میں سے ہے، کیونکہ اس کی بڑی اہمیت ہے جس کا تعلق حکومت کی سلامتی سے ہے، بالخصوص جبکہ شوہر قیادت کی پوزیشن میں ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کے ساتھ پختہ و قطعی موقف اختیار کیا، جیسا کہ ''جصاصؒ'' نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے: ''حضرت حذیفہؓ نے ایک یہودی خاتون سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لکھا: اسے آزاد کر دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لکھا: کیا یہ حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جواب دیا۔ نہیں (یہ حرام نہیں ہے) لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تم لوگ اس سے بدکار خواتین سے ہمبستری کر بیٹھو۔ دوسری روایت میں ہے: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ''انہوں نے مدائن میں ایک یہودی خاتون سے نکاح کر لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو لکھا: اسے رخصت کر دو۔ حضرت حذیفہؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا اے امیر المؤمنین کیا یہ حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا: میں تم پر لازم قرار دیتا ہوں کہ میری اس تحریر کو رکھنے سے پہلے اسے رخصت کر دو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ دیگر مسلمان بھی تمہاری پیروی کرنے لگیں، تو حسن و جمال کی وجہ سے اہل ذمہ کی خواتین کو اختیار کر بیٹھیں۔ اس میں مسلم خواتین کے لیے

بہت زیادہ فتنہ ہے۔(۱۳۶)

حکم کی حکمت، نص کے حکم کے مقاصدی فہم، حکم کے شرائط اور حکم کی تطبیق یا عدم تطبیق جس سماجی سیاق کا متقاضی ہے اسے واضح کیا۔ نص میں وارد حکم کی شرط (یہ ہے کہ کتابیہ خواتین پاکباز ہوں، جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: "والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب من قبلكم" (۵/مائدہ: ۵)۔ (اور اہل کتاب کی پاکباز عورتوں سے نکاح تمہارے لیے جائز ہے)۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھ لیا کہ ان خواتین کے اصول و نسل سے ناواقفیت ان میں سے بدکار خواتین سے نکاح کا سبب ہوسکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہی شرط نہیں پائی گئی جو حکم کو مباح قرار دیتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایسے مفاسد پیدا ہوسکتے ہیں جو خاندان اور سماج کے ڈھانچہ کو نقصان پہنچائیں، جیسے: انساب کا اختلاط، اولاد کے اخلاق کے بگاڑ کی وجہ سے ان کا ضیاع، وغیرہ۔ یہ نتائج اسلامی معاشرہ میں بعد میں اس وقت ظاہر ہوئے جبکہ لوگوں نے اس معاملہ میں لاپروائی کی۔

بہرحال دوسری شرط جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ کتابیہ سے نکاح کرنے پر یقینی یا راجح ضرر یا فساد مرتب نہ ہو، اس لیے کہ سارے مباحات عدم ضرر کے ساتھ مقید ہیں۔ اگر یہ واضح ہوجائے کہ مباحات کے استعمال کے نتیجہ میں ضرر عام لاحق ہوگا تو ان کو عمومی طور پر ممنوع قرار دیا جائے گا اور اگر ان کے استعمال کے نتیجہ میں ضرر خاص لاحق ہوگا تو ان کو خاص دائرے میں ممنوع ٹھہرایا جائے گا۔ جب جب ضرر عظیم ہوگا، ممانعت اور حرمت مؤکد ہوگی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "نہ خود کو ضرر پہنچانا جائز ہے اور نہ ہی دوسروں کو ضرر پہنچانا جائز ہے"۔ یہ حدیث شریعت کے قواعد میں سے ایک قطعی شرعی قاعدہ ہے، جو معنوی اعتبار سے قرآن و سنت کے کثیر جزئی احکام اور نصوص سے ماخوذ ہے۔(۱۳۷)

۱۳۶- جصاص، ابوبکر رازی، احکام القرآن، قاہرہ، المطبعۃ البہیۃ المصریۃ، ط:۱، ۱۳۴۷ھ، ج ۲، ص: ۳۹۷

۱۳۷- قرضاوی، فی فقہ الأقلیات المسلمۃ، مرجع سابق، ص: ۱۰۰

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح سے ضرر متوقع تھا (کیونکہ) وہ مسلمانوں کے قائدین اور رہنماؤں میں سے ایک تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ ان کے کتابیہ سے نکاح کرنے سے مسلمانوں کو ترغیب ہوگی کہ وہ ان کی اقتدا کریں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ غیر مسلم خواتین سے نکاح مانوس سماجی صورت حال میں تبدیل ہوجائے گا، جس پر سنگین ضرر مرتب ہوگا کہ مسلم خواتین بے نکاح رہ جائیں گی۔ جو ان کے بگاڑ کا سبب بنے گا، جس سے سماج کے توازن میں خلل واقع ہوگا۔

اس طرح حضرت حذیفہؓ کو منع کرنے کی صورت میں دونوں علتوں میں سے ہر ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیش نظر تھی۔ حضرت عمرؓ کے موقف کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حکم منسوخ ہوگیا ہے یا عمومی طور پر اس پر عمل کو موقوف کردیا گیا ہے، کیونکہ نص یا حکم پر عمل روز قیامت تک باقی ہے۔ یہ محض ایک خود حفاظتی کارروائی تھی، اس حکم کے دوررس پہلوؤں، اطلاق اور مقاصد کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے سماج کی صورت حال کا ایسی حکمت سے مطالعہ کیا کہ وہ مستقبل میں رونما ہونے والے نتائج اور مسلم خاندان پر اس عمل کے اثرات کو سمجھنے پر قادر ہوگئے، تاکہ مخصوص صورت حال کا حل نکالیں جو اسلامی معاشرہ کے تحفظ کی خاطر کسی زمان یا مکان میں اس طرح کی کارروائی کا متقاضی ہو۔

بہرحال آج کل یہ مسئلہ زیادہ پیچیدگی اور چیلنج کے طور پر نمایاں ہوا ہے، بالخصوص ان مسلم گروپوں میں جو مغرب میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اس مسئلہ پر مختلف فقہی اکیڈمیوں میں نقاش ہوا۔ اس کے بارے میں علماء مختلف رہے، کوئی سختی برتنے والا تھا تو کوئی نرمی برتنے والا، کوئی تنگی کرنے والا تھا تو کوئی وسعت اختیار کرنے والا تھا۔ اس موضوع کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کے جائزہ سے ہم پاتے ہیں کہ شیخ قرضاوی ''فقہاء معاصرین میں سے ایک ہیں، جنہوں نے آج کی صورت حال اور چیلنجز کے لحاظ سے اپنی کتاب: ''فی فقہ الأ قلیات المسلمۃ'' میں علمی انداز میں سوال کی تقسیم اور اس کے مفردات وعناصر کا تجزیہ پیش کرنے کی کوشش کی۔ ہم ان کے نظریہ

کو پیش کریں گے، پھر بالخصوص ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مسلمانوں کو جس چیلنج کا سامنا ہے، اس کے دائرہ میں اس کا مناقشہ کریں گے، کیونکہ اس مسئلہ کا ایسی پیچیدگیاں احاطہ کئے ہوئی ہیں جن کی آج کی صورت حال کے دائرہ میں اپنی مخصوص اہمیت ہے۔ قرضاویؒ نے ان الفاظ میں تجزیہ کا آغاز کیا ہے کہ اس حکم میں اصل اباحت ہے، البتہ وہ ایسے ضوابط کے ساتھ مقید ہے، جن کی رعایت کتابیہ خاتون سے نکاح کے وقت ضروری ہے۔ ان ضوابط میں اہم ترین یہ ہیں:

۱- اس بات کا تیقن حاصل کرلیا جائے کہ وہ کتابیہ ہے جو آسمانی الاصل مذہب پر ایمان رکھتی ہے، جیسے: یہودیت اور نصرانیت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسولوں اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہو۔ مغرب میں اب پیمانوں کے اندر خلل واقع ہوگیا ہے۔ بہت سی دوشیزائیں بالکل کسی مذہب پر ایمان نہیں رکھتی ہیں، خواہ ان کی نشو ونما عیسائی ماحول میں ہوئی ہو۔

۲- وہ پاکدامن و پاکباز ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے عفت و پاکدامنی کے ساتھ اباحت کو مقید کیا ہے "**والمحصنات من الذين أوتوا الكتاب**" (۵/مائدہ:۵)۔ (اور اہل کتاب کی پاکباز عورتوں سے نکاح تمہارے لیے جائز ہے)۔ مغربی معاشروں میں اس قسم کی دوشیزائیں نادر ہیں، کیونکہ کمسنی سے ہی غیر مشروع تعلقات عام ہیں۔

۳- وہ اسلام دشمن نہ ہو، یا ایسی قوم سے اس کا تعلق نہ ہو جو اسلام دشمن ہو، اس لیے کہ فقہاء نے "ذمیہ" اور "حربیہ" کے درمیان فرق کیا ہے۔ انہوں نے ذمیہ سے نکاح مباح ٹھہرایا ہے، جبکہ حربیہ سے ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے کبھی کبھار مسلمانوں کی سلامتی خطرہ میں پڑ جاتی ہے، بالخصوص جبکہ فریقین کے درمیان جنگ قائم ہو۔ ارشاد الٰہی ہے: "**لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد الله و رسوله**" (۵۸/مجادلۃ:۲۲)۔ (تم اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو ان لوگوں سے دوستی رچاتے ہوئے نہیں پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں)۔

جبکہ نکاح الفت ومحبت کا سبب ہے، لہٰذا حربیہ خواتین سے نکاح ممنوع ہونا چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**إنما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم** .....'' (۶۰/ممتحنہ:۹)۔(در اصل اللہ تم کو ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کی وجہ سے جنگ کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہاری جلاوطنی کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کی کہ تم ان سے دوستی رکھو (کیونکہ ان سے دوستی کی اجازت نہیں) جو بھی ان سے دوستی رچائے گا، وہ ظالم، غلط کار اور ناحق عمل کرنے والا شمار ہوگا)۔

بنابریں امام قرضاویؒ اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ یہودیہ خاتون سے نکاح جائز نہیں ہے، جب تک مسلمانوں اور اسرائیل کے درمیان جنگ قائم ہے۔ انہوں نے یہودیہ اور صہیونیہ کے درمیان فرق نہیں کیا، نیز عام مسلمانوں اور رہنماؤں کے درمیان بھی فرق نہیں کیا، اس لیے کہ شیخ قرضاویؒ اس بات سے مطمئن ہیں کہ آج کل ہر یہودی خاتون اپنی روح کے ساتھ اسرائیلی فوج کی ایک لشکری ہے۔

۴- کتابیہ خاتون سے نکاح فتنہ یا یقینی یا راجح ضرر کا سبب نہ ہو، اس لیے کہ مباح عدم ضرر کے ساتھ مقید ہے۔ غیر مسلم خواتین کے ساتھ نکاح عام ہونے سے متوقع ضرر کا اثر قطعی طور پر مسلم خواتین پر پڑے گا۔ اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے نکاح کے لائق مسلم خواتین کی موجودگی میں کتابیہ خواتین سے نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔(۱۳۸)

شافعیہ کی فقہ میں یہ مسئلہ وارد ہے: ''کتابیہ خاتون سے نکاح حلال ہے، لیکن حربیہ سے نکاح مکروہ ہے، ایسے ہی صحیح قول کے مطابق ذمیہ سے بھی نکاح مکروہ ہے..... یہ اس صورت میں ہے جبکہ مسلم خاتون موجود ہو، ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے۔ جیسا کہ زرکشیؒ نے کہا ہے۔(۱۳۹)

۱۳۸- مرجع سابق، ص:۹۵-۱۰۴

۱۳۹- شربینی، محمد الخطیب، مغنی المحتاج فی فقہ الشافعیۃ، قاہرہ، التجاریۃ المصری (د.ت)، ج ۳، ص:۱۸۷

چونکہ آج کے دور میں بالعموم نکاح کے لائق خواتین کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی ہے، بالخصوص جبکہ تعدد ازدواج ہمارے اس دور میں نادر ہے، نیز مسلم خاتون کے لیے حلال نہیں ہے کہ غیر مسلم مرد سے نکاح کرے، لہٰذا اس مسئلہ کا حل یہی ہے کہ اگر مسلم خواتین کے حق میں اندیشہ ہو تو غیر مسلم (کتابیہ) خواتین سے نکاح کا دروازہ بند کر دیا جائے، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا۔ بہر حال مغربی ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں، لہٰذا وہاں معاملہ زیادہ سنگین ہے۔

شریعت کی روح اور منطق کا تقاضا یہ ہے کہ غیر مسلم خواتین سے مسلم مرد کا نکاح ممنوع ہو، ورنہ مسلم خاتون کوئی مسلم مرد نہیں پائے گی جو اس سے نکاح کے لیے آگے بڑھے، اس طرح مسلم خاتون سنگین ضرر سے دوچار ہو جائے گی۔ بعض ضرر مغرب میں مسلمانوں کے درمیان عام ہونے لگا ہے، جو یہ ہے کہ مسلم خاتون غیر مسلم مرد سے شادی کرنے لگی ہے، جبکہ اسلام میں یہ باطل ہے۔ کبھی یہ انحراف کا سبب ہو سکتا ہے، یا اس کا سبب ہو سکتا ہے کہ وہ ازدواجی اور ماں بننے کی زندگی سے محروم رہ کر اپنی زندگی گزارے۔ اس لیے یہ متعین ہے کہ مسلم مردوں کے بالخصوص مغرب میں غیر مسلم (کتابیہ) خواتین سے نکاح کرنے کو ممنوع قرار دیا جائے۔ شیخ قرضاویؒ کی رائے ہے کہ اسلام نے کتابیہ خواتین سے نکاح مباح قرار دینے کے وقت اس سلسلہ میں دو اہم امور کی رعایت کی ہے:

(۱) پہلا امر یہ ہے کہ کتابیہ خاتون آسمانی مذہب پر ایمان رکھتی ہو، اس طرح وہ پیدا کرنے والے خالق پر ایمان رکھنے میں مسلم مرد کے ساتھ شریک ہوگی، نیز ان اخلاقی اقدار پر ایمان رکھنے میں مسلم مرد کے ساتھ شریک ہوگی، جو انسانیت کو نبوت سے مجموعی حیثیت میں نہ کہ تفصیلی حیثیت میں نسل در نسل ملی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو دونوں کے درمیان مسافت کم کر دیتی ہے۔

(۲) امر دوم یہ ہے کہ جب کتابیہ دین کے پابند مسلم شوہر کے سایہ میں، نیز ایسے مسلم

معاشرہ میں زندگی گزارتی ہے جو اسلام کے اقدار اور شرائع کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہو تو عورت متأثر ہونے کے کردار میں آجاتی ہے، مؤثر ہونے کے کردار میں نہیں رہتی ہے، اس لیے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اسلام کو دین کی حیثیت سے اختیار کرلے، یا مسلم معاشرہ کے اقدار اور سلوک وطرز سے متأثر ہوجائے، لہٰذا یہ اندیشہ باقی نہیں رہے گا کہ خاتون شوہر اور اولاد پر منفی اثر ڈالے گی۔ لیکن اگر خاتون اپنے ملک میں ہی رہے اور ان ساری تبدیلیوں کے ساتھ رہے جو مرد اور عورت کی شخصیت اور معاشرہ میں ان کے کردار پر طاری ہوئی ہیں، مزید برآں اس میں بعض مسلم مردوں کے اپنے دین اور اقدار پر عمل کی کمزوری کو بھی شامل کرلیا جائے، نیز عورت بالخصوص مغربی عورت کی پوزیشن میں تبدیلی کو بھی شامل کرلیا جائے جو اپنی انفرادیت اور مطلق خودمختاری پر یقین رکھنے لگی ہے، نیز اس کی ثقافت کے مطابق خاندان اور نکاح کے مفہوم میں بھی تبدیلی آگئی ہے، تو یہ سارے امور ایسے اسباب میں تبدیل ہوجاتے ہیں جو بالعموم بعد میں متعدد مشکلات پیدا کرتے ہیں، جن کا شوہر اور اولاد پر اثر پڑتا ہے، بلکہ خاندان کے ڈھانچہ اور اقدار پر بھی اثر پڑتا ہے۔

چونکہ حقیقی اسلامی معاشرہ موجود نہیں ہے جو اسلام کے عقیدہ، شریعت اور اخلاق کو اختیار کرے، اس لیے مسلم خاندان ہی ہے جو مسلم معاشرہ کے نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے نقص کی تلافی کرسکے۔ اگر ہم اس میں بھی کوتاہی کریں گے کہ اس خاندان کی بنیاد ہی غیر مسلم ماں ہوجائے، نیز ایسا باپ ہو جسے کوئی پرواہ نہ ہو کہ اس کی اولاد یا بیوی کیا کر رہی ہے، تو ایسی صورت میں ہم اسلامی معاشرہ کے ڈھانچہ کی آخری اینٹ بھی کھودیں گے۔ (۱۴۰)

۱۴۰- چونکہ دقیق اعداد وشمار موجود نہیں ہیں جن سے کتابیہ ماں اور مسلم باپ سے پیدا ہونے والی اولاد کی حالت پر روشنی پڑے۔ البتہ میں معلّمہ اور یونیورسٹی کی پروفیسر کی حیثیت سے جسے مختلف قسم کے طلبہ اور ان کے خاندان سے تعلق ہے، مزید برآں میں نے مساجد اور سماجی خدمت کے بعض ادارے میں رہنمائی کا کردار بھی ادا کیا ہے۔ میں اپنے اس ذاتی تجربہ کی روشنی میں کہہ سکتی ہوں کہ ایسی اولاد کی بڑی تعداد کی نشو ونما اس طرح ہوئی ہے کہ ان کو دین اور اقدار کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ کبھی کبھار اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شیخ قرضاویؒ اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ ہمارے اس دور میں غیر مسلم کتابیہ خاتون سے نکاح کو ممنوع قرار دینا چاہئے، تاکہ اس ذریعہ کو بند کیا جاسکے جو مختلف قسم کے ضرر و فساد کا سبب ہے۔ ازالۂ مفسدہ تحصیل منفعت پر مقدم ہے۔ اسے جائز اسی وقت قرار دیا جائے جبکہ انتہائی شدید ضرورت ہو جو بقدر ضرورت طے کی جائے گی۔(۱۴۱)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) وہ بالعموم مذہب اور بالخصوص اسلام کو اصول اور سرگرمی و عمل کے درمیان تضاد اور کثرت ابہام کے مدنظر مسترد کر دیتے ہیں۔ جو اس حقیقت کے مشاہدہ سے مانع بن جاتی ہے جسے امریکی ماں باپ سے پیدا شخص دیکھ لیتا ہے۔ یہ اس سبب کے برعکس ہے جس کی بنا پر ابراہیمی شرائع کے درمیان مشترکہ زمین کے پائے جانے کی وجہ سے بہتر برتاؤ اور تعارف کی خاطر کتابیہ خواتین سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ یہاں ہمیں سمجھنا چاہئے کہ ملامت صرف خواتین کے سر نہیں ہے، بلکہ یہ میاں بیوی کے درمیان ذمہ داری مشترک ہے۔ بالعموم شوہر کو ملامت کی جائے گی، جس نے شروع میں اپنے دین کے اصول اور اقدار پر اولاد کی تربیت کی پرواہ نہیں کی، جس کا نتیجہ شخصیت کے انتشار اور سنگین پیچیدگیوں کی شکل میں نکلا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت حال کے تجزیہ کے لیے سماجیات اور نفسیات کے اصول کے مطابق سنجیدہ اور ماہرانہ تحقیقات کی جائیں، پھر علمی تجاویز پیش کی جائیں جن سے اس مسئلہ کے حل میں مدد ملے۔

۱۴۱- قرضاوی، ''فی فقہ الأقلیات المسلمۃ''، مرجع سابق، ص: ۱۰۴۔ن ''المجلس الأوروبی للإفتاء والبحوث'' نے درج ذیل سوال کا جو جواب دیا ہے اس سے شدید ترین ضرورت کی وضاحت ہوتی ہے:

کیا تعلیم کی مدت کے دوران کتابیہ خاتون سے نکاح کرنا جائز ہے؟ جبکہ مرد نے مسلم خاتون کو پیغام دیا ہو، لیکن اپنی مادی صورت حال کی وجہ سے اس سے نکاح نہ کر سکا ہو۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آج کل کتابیہ خواتین پندرہ سال کی عمر کے بعد اپنی بکارت محفوظ نہیں رکھ پاتی ہے۔ جواب یوں دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے زانیہ سے نکاح ممنوع قرار دیا ہے، خواہ مسلمان ہو۔ جمہور اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمہ زانیہ اگر توبہ کر لے تو اس سے نکاح جائز ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس حکم میں کتابیہ زانیہ مسلم زانیہ کی طرح ہے۔ لہٰذا اگر وہ زنا سے باز آجائے تو اس سے نکاح جائز ہے۔ البتہ اگر اسے زنا پر اصرار ہو تو اس سے نکاح جائز نہیں۔ اگر اس ملک میں مقیم ہونے اور شادی کے دشوار ہونے کی وجہ سے مرد کتابیہ سے نکاح کرنے کے درپے ہو، تو اس کے زنا سے باز آنے اور ایک حیض کے ذریعہ اس کے رحم کی صفائی معلوم کر لینے کے بعد کتابیہ خاتون کو نکاح کے لیے اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دیکھیے: المجلہ العلمیۃ، ایرلنڈا، المجلس الاوروبی للإفتاء والبحوث، جون ۲۰۰۶، ع ۸-۹، ص: ۶۳۳

اس طرح امام قرضاویؒ نے اس مسئلہ کے مفردات وعناصر کے تجزیہ میں مقاصد کے اس منہج کی رعایت کی ہے، جسے اس اہم مسئلہ کی تنقیح کے لیے ذہن میں رکھا جانا چاہئے، تاکہ ان کی رائے کے مطابق خاندان اور سماج کا انتشار اور بربادی سے تحفظ ہو۔

شیخ قرضاویؒ کے تجزیاتی پہلوؤں کے ساتھ موافقت کے باوجود، آج کل ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اندر اہل کتاب کے ساتھ بالخصوص خاندان کے دائرہ اور بالعموم سماج کے دائرہ میں مسلمانوں کے تعلق کا مسئلہ بہت زیادہ پیچیدہ ہے، اسے صرف مسلم مرد کے کتابیہ کے ساتھ نکاح کے دائرہ میں محدود نہیں کیا جاسکتا ہے، لہٰذا نکاح کو ممنوع قرار دینے پر مشتمل حل، یا نص پر عمل کو بلا تخصیص وتمیز عمومی طور پر موقوف قرار دینا محل نظر ہے، خاندان کے دائرہ میں دوسرے تعلقات سے صرف نظر کرتے ہوئے جس میں خون، نسب اور سسرالی رشتے بھی شامل ہیں، جس کی اہمیت مسلم مرد کے کتابیہ خاتون سے نکاح کے تعلق سے کم نہیں ہے۔ یہ تو اس موضوع سے وابستہ دسیوں مسائل میں سے ایک ہے۔ اگر اس مسئلہ کا کامل طریقہ پر مطالعہ نہ کیا جائے تو بعد میں یہ عمومی چیلنجز میں تبدیل ہوجائے گا جو عمومی طور پر وہاں کے مسلم گروپ کو خطرہ کی زد میں لے آئے گا۔

یہاں مثال کے طور پر نئے مسلمان خواہ مرد ہوں یا عورت ان کے اپنے خاندان کے غیر مسلم افراد سے تعلق کا مسئلہ بھی ہے، چاہے وہ والدین ہوں، بھائی ہوں یا دوسرے رشتہ دار ہوں، بالخصوص جبکہ ان تعلقات کی فطرت میں ہمیشہ تفاوت واختلاف بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ بعض کا تعلق کھلے ذہن والے خاندان سے ہوتا ہے، جو ان کو قبول کرتے ہیں، ان کے اسلام کے انتخاب کا احترام کرتے ہیں۔ بعض کا تعلق دیگر ایسے خاندان سے ہوتا ہے جو انتخاب کو مسترد کرتے ہیں۔ پھر مقاصد کے استحضار کی روشنی میں ہم اس موضوع پر کس طرح بحث کریں۔

اس جگہ ان خواتین کا بھی مسئلہ ہے جو اسلام قبول کرلیتی ہیں جبکہ ان کے شوہر اپنے مذہب پر ہی رہتے ہیں، حالانکہ انہیں اپنے شوہر سے محبت والفت کا تعلق ہوتا ہے، بلکہ (کبھی)

اولاد بھی ہوتی ہے۔ کیا ہم بیوی سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ اپنے شوہر اور اس خاندان کو چھوڑ دے جس کی اس کے ساتھ اس نے تشکیل کی ہے، بالخصوص جبکہ شوہر اس کی مخالفت نہیں کر رہا ہو، یا اسے اس کے مذہبی شعائر واحکام کے بجالانے سے یا اپنے فرزندوں کی تعلیم سے نہیں روک رہا ہو؟ کیا خاندان اور اس کے ڈھانچہ کے تحفظ کی خاطر کتابی شوہر کے ساتھ رہنا اولی وارجح ہے، یا ساری چیزوں کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے؟ دین اسلام کے مقاصد کس سے وجود میں آتے ہیں؟

یقیناً یہ سارے مسائل اور دیگر مسائل جو خاندان کے دائرہ میں اہل کتاب سے تعلق سے مربوط ہیں، ایسے چیلنجز کی تشکیل کرتے ہیں جن کا آج کل امریکی مسلم خاندانوں کو سامنا ہے۔ تو ان سوالات کے جوابات کی تشکیل میں منہج کے طور پر مقاصد کا استعمال کس طرح کیا جائے گا؟

توازن کے ساتھ ان مسائل سے نمٹنا بلند ترین اقدار اور عظیم اصولوں کو پیش کرنے کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

ذیل میں ان کا بیان ہے:

اسلامی علمی نقطۂ نظر نے انسانوں کے درمیان ایسے مشترک اصول پیش کیے ہیں، جو پُر امن اور مثبت طریقہ پر تعارف کی ثقافت کی تعمیر وتشکیل کی دعوت اس شعار کے تحت دیتے ہیں: ''**یـأیهـا الـنـاس إنا خلقناکم من ذکر**.....'' (۴۹/حجرات:۱۳)۔ (اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تعارف کے لیے تقسیم کیا ہے، تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے، خوب باخبر ہے)۔

سب سے اہم ترین اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ اصل انسانی وحدت پر ایمان رکھا جائے۔ ''**یـا أیها الناس اتقوا ربکم** .....'' (۴/نساء:۱)۔ (اے لوگو! اپنے اس مالک وخالق کا لحاظ رکھو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت

سے مرد وعورت (دنیا بھر میں) پھیلا دیئے)۔ نیز مقصد کی وحدت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کے مطابق انسانیت کی وحدت پر بھی یقین رکھا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:" **و إذ أخذ ربک** ....." (۷/اعراف: ۱۷۲)۔ (اور اس لمحہ کو یاد کرو جب تمہارے رب نے آدم کی اولاد کی پیٹھوں سے ان کی ذریت کو نکال کر، ان کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا تھا، فرمایا تھا کیا میں تمہارا رب، تمہارا خالق و مالک نہیں ہوں؟ تو انہوں نے اعتراف کیا تھا، کیوں نہیں!)

ساتھ ہی زمین میں خلیفہ بنائے جانے کی ذمہ داری، امانت کی ادائیگی اور آبادکاری کی وحدت پر بھی یقین رکھا جائے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:" **و إذ قال ربک للملائکة إنی جاعل فی الأرض خلیفة**" (۲/بقرہ: ۳۰)۔ (اس وقت کے بارے میں سوچو، جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین میں "خلیفہ" کا تقرر کرنے والا ہوں)۔

اسی طرح بہتر طریقہ پر عمل کی انجام دہی کے لیے تمام انسانوں کے درمیان مشترکہ اصولوں میں سے ایک آزمائش کا اصول ہے:" **الذی خلق الموت والحیوة لیبلوکم أیکم أحسن عملا وهو العزیز الغفور**" (۶۷/ملک: ۲)۔ (جس نے موت اور زندگی کو اس لیے پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان لے کہ کون تم میں سے سب سے اچھے عمل والا ہے اور وہی با اقتدار ہے اور مغفرت سے نوازنے والا ہے)۔

لوگوں کے درمیان اختلاف کے عناصر انسانوں کے درمیان تکامل (ایک دوسرے کے ساتھ مل کر مکمل ہونے) کے عناصر میں سے ایک ہے۔ جو کہ تنوع پھر تعارف کے اصول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مصداق کے طور پر غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعامل کا اصول نیکی اور عدل وانصاف کے اصول پر قائم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:" **لاینهاکم الله عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین** ....." (۶۰/ممتحنہ: ۸)۔ (اللہ تم کو ان سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کی وجہ سے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو

اوران کے ساتھ انصاف کرو، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔

قرآن کریم نے معروف نیکی کے مفہوم کو بھی پختہ کیا ہے یعنی وہ خیر وصلاح جو انسانیت کے درمیان معروف ہے، جس کی تکمیل قرآن کریم نے اہل کتاب کی خواتین سے نکاح کی اباحت کے ذریعہ کی ہے، نیز ان کے کھانا کھانے کو مباح قرار دیا ہے اور ہمسائیگی اور رفاقت کی بنا پر ان کے ساتھ بہتر برتاؤ کی تاکید کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً** ....." (۴/نساء:۳۶)۔ (اور اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور پہلو میں بیٹھنے والے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے انسان کو پسند نہیں فرماتا جو اکڑنے والا اور گھمنڈی ہوتا ہے)۔

-ضروری ہے کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور رشتہ داروں اور دیگر افراد کے ساتھ بہتر برتاؤ کو اساسی اور متحرک اقدار میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمیں تعارف اور بقائے باہم کی اس فقہ کی تشکیل کی ضرورت ہے جس میں بلند ترین اسلامی اقدار کی رعایت کی جائے۔ (۱۴۲)

موجودہ پیچیدہ ظروف واحوال کے اندر ہمیں ایسے اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے جس میں فقیہ کے ساتھ ماہرین کی ایک تعداد بھی شریک ہو۔ جس سے معاصر چیلنجز کا جواب دینے، بالخصوص جس واقعہ کے بارے میں کوئی نص نہ ہو اس کا شرعی فتوی لکھتے وقت، نیز جس واقعہ کے بارے میں نص وارد ہو، موجودہ حالات میں اس کی تفسیر وتطبیق کے وقت فقہی کارکردگی کی سطح کو ترقی دینے میں مدد ملے گی۔

۱۴۲- بقائے باہم اور تعارف کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: علوانی، طہ، "مقاصد الشریعۃ" مجلۃ قضایا إسلامیۃ معاصرۃ" ع۲۸، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، ص:۱۲۲

اسی وجہ سے حکم کے استنباط کی انجام دہی کے وقت ''فقہ الواقع'' (موجودہ صورت حال کی سمجھ بوجھ) کے ساتھ شرعی مقاصد پر اعتماد کرنا بھی ضروری ہے(۱۴۳)۔(لیکن) ''فقہ الضرورۃ'' پر اعتماد نہ کیا جائے، اس لیے کہ اس کا انضباط دشوار ہے۔اس کی وجہ سے کوئی ایسا قانون یا فتوی صادر نہ کیا جائے جو کسی نص، یا کلی قاعدہ یا اسلامی شریعت کے عام اصول سے متصادم ہو۔

جو شادی شدہ خواتین اسلام قبول کرلیں اور ان کے شوہر اپنے دین پر قائم رہیں، (لیکن) بیویوں کو ضرر لاحق نہ کرنے کا التزام کریں اور ان کو اپنے مذہب کے شعائر کی انجام دہی کی آزادی دیں۔اس صورت حال میں مسئلہ کا تمام پہلوؤں سے مطالعہ ضروری ہے بالخصوص جبکہ بعض علماء مسلمین نے فتوی دیا کہ ان کا محض اسلام میں داخل ہونے سے ہی اپنے شوہروں سے جدا ہوجانا واجب ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے بعض مرتد ہوگئیں، نیز دیگر بعض اپنی اولاد اور خاندانوں سے تعلق کھودینے کی زد میں آ گئیں۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ علماء پر لازم ہے کہ اس معاملہ پر نظر ثانی کریں اور باریک بینی سے اس کا مطالعہ کریں، ان کا نقطۂ نظر یہ ہو کہ ضرورت پر مبنی فقہ مستحکم فقہ نہیں ہے، نیز اس کا عام فقہ ہونا بھی دشوار ہے۔شخص اور احوال وظروف کے اختلاف کے ساتھ ضرورت مختلف ہوتی رہتی ہے۔اس پر ایسی عام فقہ کی بنیاد ممکن نہیں ہے جو عکس یا عموم کے اعتبار سے عام کیے جانے اور دائر کیے جانے کے قابل ہو۔لہٰذا ایسے دوسرے اصول کی چھان بین ضروری ہے جو عموم اور عکس کے لحاظ سے عام و دائر کیے جانے کے لائق ہو اور مطلوبہ امر کے لحاظ سے مستحکم فقہ کے ایک حصہ کی تشکیل کرے۔یہیں سے مقاصدِ شریعت کو ایک منہج اجتہاد کے طور پر بروئے کار لانے کی اہمیت جو موضوع کے ہمہ گیر تصور کی تشکیل میں مدد دے۔

۱۴۳- خلیل، فوزی، ''دور أہل الحل والعقد فی النموذج الإسلامی لنظام الحکم'' قاہرہ، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۶ء، ص:۹۱

علوانی کی صدارت میں شمالی امریکہ کی فقہی مجلس میں جب یہ مسئلہ زیر بحث آیا تو مقاصد شریعت والا پہلو نمایاں ہوا۔ علوانی نے مسئلہ کا تجزیہ کیا اور بہت سے ان فقہاء کی مخالفت کے بوجھ کو انگیز کیا جو مفارقت کے وجوب کی رائے رکھتے تھے۔ انہوں نے درج ذیل طریقہ پر مسئلہ کا تجزیہ کیا:

اس مسئلہ سے متعلق ''سورۂ ممتحنہ'' کی آیتوں میں غور کرتے وقت ہم پاتے ہیں کہ ان کے بارے میں سمجھ بوجھ ایسی ہے جیسے غنیمت کی آیتوں اور اہل بیت کے لیے ''خمس'' (پانچویں حصہ) کی سمجھ بوجھ ہے۔ نیز اس سے ملتی جلتی احکام کی آیتوں کی سمجھ بوجھ ہے۔ یہاں دو طرح کی فقہ ہے: (۱) فقہ النزول (۲) فقہ التنزیل۔

''فقہ النزول'' کا مطلب یہ ہے کہ لغت کے قواعد، سیاق اور دلالت کے مراتب وغیرہ کے تقاضے کے مطابق نازل ہونے والی نص کو سمجھا جائے۔ جبکہ ''فقہ التنزیل'' کا مطلب یہ ہے کہ ''فقہ النزول'' کے ساتھ بنیادی طور پر ''فقہ الواقع'' پر اعتماد کیا جائے، ان سارے معانی و مفاہیم اور دلالتوں کے ساتھ جو موجودہ صورت حال کو سمجھنے کے دائرہ میں آسکتے ہوں، لہٰذا مستحکم فقہ کی تاسیس کے سلسلہ میں غنیمت اور حدود وغیرہ سے متعلق آیات کو سمجھنے کے بارے میں فقہ عمری کے استحضار سے استفادہ ممکن ہے، اس لیے کہ نزول قرآن کے دور میں ''فقہ تنزیل'' اس بات پر مبنی تھی کہ عورت کو اپنے دین سے مرتد ہونے پر مجبور کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اتنی سزا دی جاتی تھی کہ موت ہوجائے، جیسا کہ ام عمار سمیہ اور ان جیسی مسلم خواتین کے ساتھ پیش آیا۔ شوہر حضرات بھی شرک پر مجبور کرنے کے سلسلہ میں اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کو وجود میں لانے کے لیے اپنے حقوق کا من مانا اور ظالمانہ استعمال کرتے تھے۔ اس طرح کی حالت میں مجبور کیے جانے کے عمل کی اجازت نہیں ہوسکتی ہے، خواہ اس کی خاطر جنگ کی نوبت ہی کیوں نہ آجائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**وما لكم لا تقاتلون في سبيل الله** .....'' (۴/نساء:۷۵)۔ (اور تمہیں کیا ہوگیا

ہے کہ اللہ کے راستہ میں اور ان دبے کچلے مردوں، عورتوں اور بچوں (کی آزادی) کے لیے تم نہیں لڑتے، جو اپنے رب سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! اس علاقہ سے ہمیں نکالدے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنی طرف سے حمایت کرنے والا عطا فرما اور ہمیں اپنے پاس سے مددگار نصیب فرما)۔

لیکن اگر اس بات کا تیقن ہوجائے کہ خاتون جو اپنے غیر مسلم شوہر سے نکاح کرنے کے بعد اسلام میں داخل ہوگئی، اسے اپنے دین بدلنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، نیز اسے اپنے شوہر کی طرف سے ضرر لاحق نہیں کیا جائے گا اور اس سبب کی وجہ سے وہ تکلیف کی زد میں نہیں آئے گی۔ لہٰذا اس واقعہ پر نص کی تطبیق کے شرائط اور ظروف واحوال موجود نہیں ہیں۔ جیسے: ان لوگوں کے بارے میں ہوا جن کی تالیف قلب مقصود تھی، نیز اہل بیت کے خمس (پانچویں حصہ) کے بارے میں ہوا۔ اس لیے بیوی اور اس کے مذہب کا احترام کرنے والے صلح جو شوہر کے ساتھ بیوی کے رہنے کے قول کو اختیار کرنے کی صورت میں کوئی ایسا ضرر نہیں پایا جائے گا جو تفریق کا تقاضا کرے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صاحبزادی زینب اور ان مسلم خواتین کے واقعہ میں ہوا جو ضرر کی (کسی قسم) اور ضرر لاحق کیے جانے (کی کسی صورت) کی زد میں نہیں آئیں۔ (۱۴۴)

دو دہے کے بعد اس فتوی کے نتائج کا جائزہ لینے، بالخصوص بعض ائمہ مساجد کے اس رائے کے اپنانے کے بعد، پایا گیا کہ ان حالات کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک مدت کے بعد شوہر مسلمان ہوگیا، یا بیوی نے مثبت طریقہ پر اپنی زندگی کے معاملات منظّم کرنے کے بعد بلا اجبار اپنے اختیار سے شوہر کو چھوڑ دیا۔ ان خواتین نے جب مشاہدہ کیا کہ شوہر ہم آہنگ نہیں ہو رہا ہے تو انہوں نے

۱۴۴- تجزیہ کی عبارت شمالی امریکہ کی مجلس فقہ کی سائٹ پر مجلس کے فتاوی کے ضمن میں انگریزی زبان میں دیکھیے:
htpp://www.fiqhcouncil.org/

اچھے طریقہ پر فراق کا مطالبہ کیا اور پُر امن طریقہ پر تعلق ختم ہو گیا۔(۱۴۵)

گذشتہ دونوں حالتوں کے حقائق کے بارے میں فرد خاندان اور جماعت کی سطح پر مصالح اور مضرتوں کے موازنہ کے پہلو سے مقاصد کی رعایت ہوئی ہے، ساتھ ہی اعمال کے انجام کا لحاظ کیا گیا ہے اور دو ضرر میں سے سب سے ہلکے ضرر کو اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن اگر نئی مسلم خواتین کو شوہروں اور اولاد کو چھوڑنے پر مجبور کیا گیا تو ان کو ارتداد کی زد میں لانے کی حالت ظاہر ہوئی۔

بہر حال اسلام لانے والے مرد اور خواتین کے اہل کتاب میں سے اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات عمومی طور پر نیکی، عدل وانصاف اور ان حقوق وفرائض کی رعایت پر مبنی ہونا چاہئے جن کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے متعین فرمایا ہے۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے تعاون، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، ہمسایہ کی رعایت، صداقت ودوستی، بیمار کی زیارت، سلام، چھینکنے والے کے الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنے، بھائی کے سامنے مسکرانے، مصائب والم کو دور کرنے، لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے، محتاج کو قرض دینے اور حاجتمند پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی ہے، تاکہ ان اقدار کو تحفظ کی گارنٹی میں تبدیل کر دیا جائے۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے غیبت، چغلخوری، بدگمانی اور برے القاب سے پکارنے کو حرام قرار دیا ہے۔ اس طرح یہ اقدار ایسے ضوابط بن جاتے ہیں جو عام وخاص طریقہ پر انسانی تعلقات کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور تعلقات کے تحفظ کی گارنٹی شمار ہوتے ہیں، نیز لوگوں کے درمیان کشمکش، کشت وخون اور جھگڑے کو کم کرتے ہیں۔ حتی کہ جدید مسلمان کے گھر والے اس کے ساتھ برا سلوک بھی کریں تو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے اخلاق کو اقدار کو مضبوطی سے تھامے رہے، مگر یہ کہ اس کے دین بدلنے کی خاطر اسے گھر

۱۴۵- ان حالات کے دقیق اعداد وشمار موجود نہیں ہیں، البتہ بعض ائمہ مساجد کے پاس جو مسائل آتے ہیں، یا امریکہ کے مختلف صوبوں میں منعقد ہونے والی عمومی کانفرنسوں میں جو اعداد پیش کیے جاتے ہیں۔ ان سے پوری وضاحت کے ساتھ اس فتوی کا مثبت رخ براہ راست مسلم بیوی کو مجبور کرنے کے مقابلہ میں ظاہر ہونے لگا ہے۔

والوں کی طرف سے نفسیاتی اور فکری دباؤ کا سامنا ہوتو اس وقت دیگر ایسی کاروائیاں کرنا چاہئے جو اسلام کے اقدار اور اخلاقیات سے متصادم نہ ہوں۔

۳-تیسرا نمونہ: حضانت و پرورش:

حضانت و پرورش کا شمار ان اہم ترین خاندانی مسائل میں سے ایک کی حیثیت میں ہوتا ہے جن کا مسلم گروپ کو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں سامنا ہے، ایک نمونہ کی حیثیت سے اس کا مطالعہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، تا کہ اس کے بارے میں خاندانی مقاصد کو مؤثر بنانے کے اثرات کو نمایاں کیا جاسکے، جس سے مسلم گروپ کے افراد کے درمیان شرعی احکام کی تطبیق وجود میں آسکے اور اس امریکی معاشرہ کے اندر ان کو تحفظ فراہم ہوسکے، جہاں وہ زندگی گزار رہے ہیں۔

چنانچہ آج کل ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایسے خاندانوں کی کثرت ہے جہاں میاں بیوی دونوں کی اولاد زندگی گزارتی ہے، حالانکہ انکو رشتہ یا خون کا تعلق مربوط نہیں کرتا ہے، بس ان کے درمیان باپ یا ماں کے ذریعہ مصاہرت کے رشتہ کا تعلق ہوتا ہے۔ یہ صورت حال عام ہوگئی ہے حتی کہ ملک میں مقبول رواج بن گئی ہے۔ آج کل یہ تعلقات میاں بیوی، دونوں میں سے ہر ایک کی نفسیات اور اولاد کی نفسیات اور طبیعت کے اختلاف کے لحاظ سے مثبت اور منفی کے درمیان متفاوت ہیں۔ نیز میاں بیوی کے زیر پرورش بچے کے ان نفسیاتی، بدنی اور عقلی حقوق کی رعایت کے اعتبار سے بھی ان میں تفاوت ہے، جو خاندان میں رائج تربیت وسلوک کے طرز سے بہت متأثر ہوتے ہیں۔ اگر تربیت، رہنمائی اور ذہن سازی کا کام اچھی طرح نہیں کیا جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں میں انحراف پیدا ہوجاتا ہے، وہ منشیات کے عادی بن جاتے ہیں اور کبھی کبھار قتل انجام دینے والے گروہ وغیرہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ طلاق کا عام ہونا اور اس میں تساہل برتنا، ایسی مضرتوں کا سبب بن جاتے ہیں جن

کا انجام معاشرہ میں قابل تعریف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی سول قانون اس طرح کے حالات سے وضاحت اور قطعیت کے ساتھ نمٹتا ہے تا کہ مختلف قسم کی اذیت اور ظلم سے کمسنوں کی حفاظت کی خاطر مادی ومعنوی لحاظ سے بعض حفاظتی گارنٹی فراہم کی جاسکے۔(۱۴۶)

باپ حضرات بچوں کو ماں کو ضرر پہنچانے کے ذریعہ کے طور پر بھی استعمال کرنے لگے ہیں۔(۱۴۷)

ایسا طلاق کی حالت میں ہوتا ہے، یہ صورت حال امریکی مسلم گروپ میں عام ہونے لگی ہے، جبکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: "**لاتضار والدة بولدها، ولا مولود له بولده**" (۲/ بقرہ:۲۳۳)۔(نہ کسی ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے تکلیف پہنچانی چاہئے، نہ کسی باپ کو اس کی اولاد

۱۴۶- اس کی وضاحت "التغییر من الداخل: رؤی متعددحول العنف الأسری" نامی کتاب کے مندرجات سے ہوتی ہے۔اس کتاب میں مؤلفین نے اپنی مہارتوں کے لحاظ سے یعنی وکیل یا سماجی مشیر کار کی حیثیت سے، یا اس قسم کے تجربات کی زد میں آنے والی خواتین کے واقعات کے پس منظر میں اس مسئلہ کا متعدد پہلوؤں سے تجزیہ کیا ہے۔یہ کتاب انگریزی میں ہے۔دیکھیے:

Alkhateeb, Maha B. and Salma Elkadi Abugideiri, Eds. Change from within:Diverse Perspectives on Domestic Videne in Muslim Communities. Va: Peacful families, 2007.،خود مؤلفہ کو امریکی سماج کا سترہ سال سے زائد کا تجربہ ہے، نیز اسکولوں، یونیورسٹیوں، سماجی خدمت کے مراکز اور اداروں میں متنوع سرگرمیاں انجام دی ہیں، انفرادی اور اجتماعی انٹرویو لیا ہے، مزید برآں اسے امریکی عوام کے مذہب، عقائد اور ملل کے اختلاف کے باوجود مختلف طبقات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا ہے، جس سے مؤلفہ کو اس قدر امتیازی تجربات حاصل ہو گئے ہیں جن کی بدولت وہ متعدد سماجی صورت حال کی حد بندی، مطالعہ اور تجزیہ کر سکتی ہے۔

147- Abugideiri and Alwani. What Islam Says about Domestic Vlolence?, Zeini, Marwa. A legal Guide to Marriage and Divorce for the American Muslim Woman. Va: Peaceful Families Project, 2007, P. 211-221,

کی وجہ سے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیوی کو ضرر لاحق کرنے کی ممانعت کے بارے میں فرماتا ہے: ''**ولاتمسکوھن ضراراً لتعتدوا، و من یفعل ذلک فقد ظلم نفسه**'' (۲/بقرہ:۲۳۱)۔ (انہیں نقصان پہنچانے کے لیے اور زیادتی کرنے کے لیے روکنا جائز نہیں ہے۔ جو ایسا کرے گا، خود اپنے اوپر ظلم کرے گا)۔ اسی وجہ سے ہماری رغبت ہوئی کہ قرآن اور فقہ کے لحاظ سے حضانت کے مسئلہ پر بحث کی جائے تاکہ مسئلہ سے متعلق مقاصد کا استخراج کیا جاسکے، پھر امریکی سول قانون کے ساتھ اتفاق اور اختلاف کے خطے کی حد بندی کے ذریعہ ان کو مؤثر بنانے کی کاوش کی جائے۔ (یہ واضح ہے کہ) امریکی سول قانون کو ہی آج کل اس امریکی سماج کے اندر خاندان سے متعلق احکام وقوانین کے نفاذ کا اقتدار حاصل ہے، مسلم گروپ جس کا ایک حصہ ہے۔

(الف) اسلامی تصور میں حضانت و پرورش:

حضانت و پرورش کے مفہوم کی لغوی اور اصطلاحی دلالت:

لغت کے اعتبار سے ''حضانت'' مادہ ''حضن'' سے مشتق و ماخوذ ہے۔ اسی سے بولا جاتا ہے: ''**حضن الطائر بیضه إلی نفسه تحت جناحیه**'' (پرندہ نے اپنے پہلو کے نیچے انڈا سیا)۔ ''**حضنت المرأة صبیها**'' (عورت نے بچہ کو گود میں لیا، یا اس کی پرورش کی) حاضن (پرورش کرنے والا) اور ''حاضنۃ'' (پرورش کرنے والی عورت) وہ ہے جو بچہ کی پرورش پر مامور ہوتے ہیں، ان کی حفاظت اور پرورش کرتے ہیں۔ نیز بولا جاتا ہے: ''**حضن الصبی یحضنه حضنا**'' (بچہ کی پرورش کی)،(۱۴۸)۔

''حضن'' جاء کے فتحہ کے ساتھ ''حضن'' حاء کے کسرہ کے ساتھ سے زیادہ مشہور رہے۔ یہ ''حضن'' سے ماخوذ ہے، یعنی بغل کے نیچے کے پہلو کو کہتے ہیں، اس کا مطلب حفاظت اور تحفظ ہے۔

۱۴۸- ابن منظور لسان العرب، مرجع سابق، مادہ: حضن، ج۱۶، ص:۲۷۸-۲۷۹

بہرحال اصطلاح میں فقہاء کے نزدیک تمام مذاہب اور اسکولوں کے مطابق ''حضانت'' کی مختار تعریفیں ہیں۔تمام فقہی مذاہب: نگہداشت، تحفظ، تربیت، بچہ پر ولایت اور دفاع کے مفاہیم پر زور دیتے ہیں۔بعض مذاہب، جیسے: شافعیہ اور حنابلہ نے ''حضانت'' کے مفہوم میں وسعت پیدا کی ہے اور ''حضانت'' میں بڑے شخص پاگل اور ''معتوہ'' (ناقص العقل) کی نگہداشت کو بھی شامل کیا ہے۔

چونکہ ہماری بحث کا مرکز کمسن کی حضانت و پرورش ہے خواہ مذکر ہو یا مؤنث، لہٰذا مالکیہ اور حنفیہ کی تعریف مراد کے فہم سے زیادہ قریب ہے۔جو کہ یوں کی گئی ہے: ''گھر میں اور آنے جانے میں بچہ کا تحفظ کرنے اور اس کے مصالح کو انجام دینے کا نام ''حضانت'' ہے یعنی بچہ کے کھانے، پوشاک اور جسم وجگہ کی صفائی کا نام ''حضانت'' ہے۔(۱۴۹) حنفیہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ''جسے حق حضانت حاصل ہے اس کی طرف سے بچہ کی پرورش کا نام حضانت ہے''۔(۱۵۰)

شافعیہ نے حضانت کی تعریف میں توسع اختیار کیا ہے، ان کی رائے ہے کہ ''حضانت: اس شخص کے تحفظ کا نام ہے جو اپنے کام خود انجام نہ دے سکتا ہو۔کمسن بچہ کی تربیت سن تمیز وشعور کو پہنچنے سے ختم ہوجائے گی۔سن شعور وتمیز کے بعد بلوغ تک دیکھ ریکھ کو ''کفالت'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔(۱۵۱)

حضانت کے مسئلہ میں قرآن کریم کے اندر تشریعی مقاصد:

اسلام میں حضانت و پرورش کے احکام میں اصل یہ ہے کہ والدین کی طلاق کی حالت میں زیر حضانت و پرورش بچہ کے حق میں زیادہ بہتر کی رعایت کی جائے۔ چونکہ طلاق کے

۱۴۹- الدردیر، أبوالبرکات، الشرح الکبیر علی مختصر سیدی خلیل، قاہرۃ: دار إحیاء الکتب العربیۃ، (د.ت)، ج۲، ص: ۵۱۲

۱۵۰- ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، قاہرہ، مطبعۃ بولاق، ۱۲۸۲ھ، ج۳، ص: ۵۵۵

۱۵۱- شربینی، محمد، مغنی المحتاج إلی معرفۃ الفاظ المنہاج، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء، ج۵، ص: ۱۹۱

اثرات اولاد کے حق میں سنگین، قبیح اور برے ہوتے ہیں، لہٰذا حضانت کے سارے احکام اس کے اردگرد گھومتے ہیں کہ زیر حضانت و پرورش بچہ کی مصلحت وجود میں لائی جائے اور اس سے فساد کو دور کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**والوالدات یرضعن** .....'' (۲/بقرہ:۲۳۳)۔ (ماؤں کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو مکمل دو سال دودھ پلائیں، یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ جو دودھ پلانے کی مدت کو مکمل کرنا چاہتا ہے اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان کی ماؤں کا خرچہ اور ان کے لباس کا انتظام ہے، کسی بھی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ہے، نہ کسی ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے تکلیف پہنچانی چاہئے، نہ کسی باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے اور جو ان کا وارث ہو اس کی بھی ذمہ داری اسی طرح ہے۔

پھر اگر دونوں آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان کے لیے حرج نہیں ہے اور اگر تم کسی دودھ پلانے والی کی خدمات لینا چاہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم مناسب طریقہ پر ان کی اجرت ان کو دے دو، اللہ کے احکام کا خیال رکھو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہے)۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**أسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم** .....'' (۶۵/طلاق:۶-۷)۔ (ان (مطلقہ) عورتوں کے قیام کا اپنی حیثیت کے مطابق وہاں انتظام کردو، جہاں تم رہتے ہو اور انہیں دق نہ کرو، ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر بے جا تنگی کرنے لگو اور اگر وہ حاملہ ہوں، تو جب تک وضع حمل کے مرحلہ سے نہ گزر جائیں ان پر خرچ کرتے رہو اور وہ تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو اور اچھے طریقہ پر آپس میں مشورہ کرتے رہو اور اگر تم تنگی کا رویہ اختیار کرتے ہو، تو کوئی دوسری عورت بچوں کو دودھ پلائے۔ وسعت رکھنے والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور جس پر رزق کی تنگی ہو، تو وہ اللہ نے اسے جو کچھ بھی دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ ہر شخص کو اسی کا مکلّف کرتا ہے جو اس کو دے رکھا ہے اور آئندہ

اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کردے گا)۔

اس طرح اسلام نے باریک بینی کے ساتھ انسان کے اساسی حقوق متعین کئے ہیں اور ان کو ضروریات میں سے قرار دیا ہے، جن سے یا جن میں سے بعض سے کوئی دستبرداری کا حق نہیں رکھتا ہے۔ تمام فریقوں کی منفعت کی خاطر شریعت نے ان کے تحفظ کو واجب قرار دیا ہے۔ ان حقوق میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) کھانا فراہم کرنا (۲) لباس فراہم کرنا (۳) رہائش گاہ فراہم کرنا (۴) امن وامان فراہم کرنا (۵) آزادئ رائے کی فراہمی (۶) تعلیم کی فراہمی، وغیرہ۔ اسی کے ساتھ شریعت بچوں کے مخصوص حقوق پر بھی زور دیتی ہے جو یہ ہیں: (۱) نسب کے ثبوت کا حق (۲) تربیت وتعلیم کا حق (۳) بچہ پر خرچ کیے جانے کا حق (۴) بچہ کے اموال کے تحفظ کا حق۔ حضانت اور رضاعت کے مادی ومعنوی احکام اس لیے وارد ہوئے ہیں کہ بچہ اور اس کی ماں کے لیے نفقہ اور رہائش گاہ کو محفوظ کیا جاسکے تاکہ بچہ کی ذہنی ونفسیاتی، جسمانی اور عقلی سلامتی وجود میں آئے، جس کی وجہ سے درست طریقہ پر اس کی نشو ونما ہوسکے۔ لہٰذا بچہ کے مادی اور معنوی تقاضوں کو اپنی طاقت کے بقدر فراہم کرنے کی باپ کی ذمہ داریوں سے زیر پرورش بچہ کی سلامتی اور اس کی درست تربیت و پرداخت میں مدد ملے گی۔ اسی طرح ماں جو نگہداشت، حسن تربیت، ذہن سازی اور رہنمائی اپنی طاقت کے بقدر انجام دیتی ہے، اس سے درست طریقہ پر والدین کے درمیان تربیت کے عمل کے تکامل میں مدد ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جو زیر حضانت و پرورش بچہ کے دین، نفس، عقل اور عزت وآبرو وغیرہ میں بگاڑ وفساد کا سبب بنے، وہ ممنوع ومحظور ہے، اس لیے کہ یہ چیز بالعموم شریعت کے مقاصد اور بالخصوص حضانت و پرورش کے احکام کے مقاصد کے خلاف ہے۔

قرآن کریم نے والدین کی ذمہ داری کی حد بندی بڑے اہتمام سے کی ہے اور اولاد کی تربیت کو عظیم ذمہ داری قرار دیا ہے جو والدین کے کندھے پر عائد ہوتی ہے۔ نیز اس کے بارے

میں کوتاہی کرنے سے خبردار کیا ہے۔ارشادالٰہی ہے:"**یا أیھا الذین ء اٰمنوا قوا أنفسکم و أھلیکم نارا**....." (۶۶/تحریم:۶)۔(اے ایمان والو!اپنے کواوراپنے گھر والوں کوآگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن لوگ بھی ہوں گے اور پتھر بھی (مشرک وکافر بھی اور پتھروں اور دیگر چیزوں کی مورتیاں بھی) سخت مزاج اورسخت سزا دینے والے فرشتے اس کے نگراں ہوں گے، جواللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اورجس کاانہیں حکم دیا جاتا ہے اسے عمل میں لاتے ہیں)۔

اپنی اولاد کے ساتھ انبیاء کے رویے میں بھی اولاد کی بہتر تربیت کا اہتمام عیاں ہے۔ قرآن کریم نے ان کی پیروی کرنے کے لیے ان بعض رویوں کوتفصیل سے بیان کیا ہے۔چنانچہ حضرت ابراہیم-علی نبینا وعلیہ السلام-کی دعا کے ذریعہ ان کی تربیت کا منہج اوراہداف پوری طرح واضح ہیں۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**رب اجعلنی مقیم الصلوۃ و من ذریتی ربنا و تقبل دعـــــــاء**" (۱۴/ابراہیم:۴۰)،(میرے رب کریم مجھے اورمیری اولاد کونماز کا اہتمام کرنے والا بنادے،اے میرے رب (کریم) میری دعا قبول فرما)۔

پھرقرآن کریم نے ممتاز نمونہ پیش کیا ہے جس میں اولاد کی تعلیم اورخیر وبھلائی اور نیک عمل کی طرف ان کی رہنمائی کرنے کی ذمہ داری کے سلسلہ میں بالخصوص باپ کے کردار اور بالعموم والدین کے رول کی اہمیت پرزور دیا گیا ہے اورتوجہ مرکوز کی گئی ہے، بلکہ قرآن کریم نے اس نمونہ کے ذریعہ ایسا تربیتی منصوبہ پیش کیا ہے جس میں تعلیم وتربیت کے اہم مقاصد، اس کے قواعد اور اسالیب باہم مکمل ہوتے ہیں۔اس کے بعد منصوبہ کا قالب ایک ایسی پیشکش کے ذریعہ مکمل ہوتا ہے جس میں مضمون اور مادہ کے اعتبار سے تمام مثبت تربیتی اسالیب اورطریقے توازن کے ساتھ موجود ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:"**ولقد ء اٰتینا لقمن الحکمۃ أن اشکر اللہ** ....." (۲۳/لقمان:۱۲-۱۹)۔(ہم نے لقمان کوحکمت ودانشمندی سے نوازا تھا، کہ اللہ کا شکر ادا کریں اور جو بھی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اپنی ذات کے لیے کرتا ہے۔اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز ہے اور

تعریف کے قابل ہے۔ اور اس موقع کو یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ: اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا، شرک سب سے بڑا و سنگین ظلم ہے۔

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اس کی ماں کمزوری پر کمزوری کے باوجود اسے لئے پھرتی رہی اور اس کے دودھ کی مدت دو سالوں میں پوری ہوتی ہے، اللہ فرماتا ہے کہ اے انسان! میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، تجھے میرے پاس ہی آنا ہے۔ اور اگر ماں باپ تجھے میرے ساتھ کسی کو شریک کرنے پر جس کا تجھے کوئی حقیقی علم بھی نہیں۔ مجبور کریں تو ان کی بات مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کر اور ان کے راستہ کی پیروی کر جو مجھ سے لو لگاتے ہیں، پھر میری طرف ہی تم سب کو پلٹ کر آنا ہے اور میں تم کو تمہارے اعمال کے بارے میں بتاؤں گا۔

اے میرے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں اور زمین میں کہیں ہو، اللہ اس کو حاضر کر دے گا، اللہ بہت باریک بیں اور بڑا باخبر ہے۔ اے میرے بیٹے! نماز ٹھیک سے پڑھا کر اور بھلائی کی دعوت دیا کر، اور برائیوں سے روکا کر اور کوئی تکلیف پیش آئے تو صبر کیا کر، یہ باتیں عزیمت کی ہیں۔ اور لوگوں سے منہ چڑھا کر تکبر سے بات مت کر اور نہ زمین میں اترا کر چل، اللہ کسی اکڑنے والے، اپنی بڑائی ہانکنے والے اور گھمنڈی کو پسند نہیں کرتا۔ رفتار و گفتار میں اعتدال پیدا کر، آواز کو پست رکھ، سب سے بری آواز گدھوں کی آواز ہوتی ہے)۔

قرآن کریم نے میاں بیوی کے درمیان پُرامن طریقہ پر تعلق ختم کرنے کے مقصد سے تفصیلی طریقہ پر طلاق کے احکام بیان کئے ہیں، کیونکہ طلاق کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں جو کبھی نفسیاتی اور جذباتی پیچیدگیوں کا سبب بن سکتے ہیں جن کے المناک نقوش طویل عرصہ تک اولاد اور میاں بیوی کے دل پر باقی رہتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے اللہ عزوجل کے تقوی پر

زور دیا، کیونکہ تقوی ہی اس اندرونی نگرانی کی تشکیل کرتا ہے جو انسان کے فہم اور سلوک و برتاؤ کو درست رکھتی ہے، اسے ظلم سے باز رکھتی ہے اور آزمائش کے حالات جیسے طلاق کی صورت میں انسان کے توازن کو محفوظ رکھتی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: " فإذا بلغن أجلهن ....." (۶۵/طلاق: ۲-۳)۔ (پھر جب ان کی عدت پوری ہونے والی ہو تو یا تو انہیں بہتر طریقہ پر روک رکھو (یعنی ان سے رجوع کرلو) یا مناسب طریقہ پر ان کو علحدہ کردو اور اپنے میں سے دو دیانتدار اور امانتدار افراد کو گواہ بنالو اور گواہی اللہ کے لیے صحیح ہونی چاہئے، اس کی نصیحت ہر اس شخص کو کی جارہی ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو بھی احکام الٰہی کا پاس ولحاظ کرے گا، اللہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کے راستے پیدا کردے گا۔ اور اس کو بے سان وگمان نواز دے گا اور جو بھی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اللہ اس کی کفایت کرتا ہے (اس کی ضرورتیں پوری فرمادیتا ہے) اللہ کا جو فیصلہ ہوتا ہے وہ اس کو پورا فرماتا ہے، اس نے ہر چیز کا ایک نظام بنارکھا ہے)۔

اس طرح اسلام کے اندر طلاق کا نظام لوگوں کے درمیان اختلافات ختم کرنے کے سلسلہ میں ممتاز نمونہ شمار ہوتا ہے، کیوکہ وہ عفو ودرگزر، احسان و بھلائی، اصلاح اور معروف ونیکی وغیرہ کے اصولوں پر مبنی ہے، تاکہ سلامتی کے ساتھ تعلق کا خاتمہ ہو۔ امام علاء الدین کاسانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اصل کے لحاظ سے طلاق مصلحت کی وجہ سے مشروع ہے، اس لیے کہ کبھی میاں بیوی کے اخلاق (سخت) مختلف ہوتے ہیں اور اخلاق و عادات کے (سخت) اختلاف کے وقت نکاح کی مصلحت باقی نہیں رہ جاتی ہے، اس لیے کہ وہ مقاصد نکاح کو وجود میں لانے کا ذریعہ نہیں رہ جاتا ہے، لہٰذا طلاق کی مصلحت غالب آجاتی ہے تاکہ میاں بیوی میں سے ہر ایک ایسے جوڑے تک پہنچ جائے جو اس کے لیے ہم آہنگ وسازگار ہو اور اس سے نکاح کے مصالح پورے کرے''۔ (۱۵۲)

۱۵۲- کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مرجع سابق، ج ۳، ص: ۱۱۲

چونکہ اللہ کے حدود قائم کرنے اور اس کے احکام کی رعایت کی اساس پر خاندان کے ادارہ کی تشکیل کی خاطر میاں بیوی کے درمیان اتفاق کی بنا پر نکاح کا تعلق قائم ہوتا ہے، لہٰذا اسی بنیاد پر تعلق کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اس لیے شوہر غصہ یا عناد و ہٹ دھرمی کے بغیر طلاق کا قصد کرے، کیونکہ آیت طلاق کے اندر جس قدر ''أن يقيما حدود الله'' (اللہ کے حدود قائم (نہ) رکھنے (کا اندیشہ ہو) بار بار استعمال ہوا ہے، اس قدر کسی اور موقع سے استعمال نہیں ہوا ہے (۱۵۳)۔ اس میں گویا اس بات کی تاکید ہے کہ طلاق کا نظام اللہ تعالیٰ کے ایسے احکامات کے ساتھ مربوط ہے کہ کوئی اس کو کھلواڑ نہیں بنا سکتا ہے۔ اس لیے جس وقت میاں بیوی کے لیے یہ دشوار ہو جائے کہ انہوں نے جن حدود اللہ کو قائم کرنے پر اتفاق کیا تھا اس کی ذمہ داری ادا نہیں کر پائیں گے اس وقت شریعت نے اس تعلق کے تحفظ اور سلامتی کے ساتھ خاندانی ادارہ کی تحلیل کی خاطر متعدد احکام مرتب کیے ہیں، تاکہ ''تحلیل'' کی کاروائی سے ایسے منفی احساسات پیدا نہ ہوں جو سسرالی تعلقات کے ڈھانچہ پر اثر انداز ہوں۔ بلکہ شریعت اپنے احکام کے ذریعہ مثبت طریقہ پر تعلق محفوظ رکھنے کی کوشش کرتی ہے اور اسے ''زوجیت'' کی شکل سے نکال کر دوسری شکل میں تبدیل کر دیتی ہے، جیسے: اولاد ہونے کی حالت میں ''والدیت'' (یعنی وہ دونوں اپنی اولاد کے ماں باپ ہیں) یا صداقت و دوستی کی شکل دے دیتی ہے، یا ان جیسی کوئی اور شکل دیتی ہے اس قاعدہ کے سایہ میں: ''**و أن تعفوا أقرب للتقوى ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير**'' (۲/بقرہ:۲۳۷)۔ (اور تم بڑھا کر دو یہ بات تقوی سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اور خوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا چاہئے، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے)۔

بیان نبوی میں بھی اسی پر زور دیا گیا ہے کہ کمسن کی مصلحت کی خدمت کرنے والی ہر چیز

۱۵۳- موضوع سے متعلق سورہ بقرہ کی آیات: ۲۲۶-۲۴۲، دیکھیے: نیز سورۂ طلاق دیکھیے

فراہم کی جائے، نیز بدنی، ذہنی ونفسیاتی، عقلی اور روحانی تحفظ اور نگہداشت بھی فراہم کی جائے، مناسب صحتمندانہ ماحول میں جو درست متوازن طریقہ پر اس کی تربیت و پرداخت میں مدد دے اور بچے پر اس کی ماں یا باپ کی اذیت کا سبب بننے والی ہر چیز کو روکے، کیونکہ اس میں حدود اللہ پر زیادتی اور ظلم ہے جس پر شریعت اور قانون محاسبہ کرتا ہے۔

نبوی بیان اور مقاصد کو روبہ عمل لانا:

اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں والدین کے کردار کی اہمیت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤکد طریقہ پر بیان فرمائی ہے، خواہ دونوں شادی شدہ میاں بیوی کی حیثیت میں ہوں یا طلاق یافتہ ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قول وعمل کے لحاظ سے اس مفہوم کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

بخاری ومسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں، میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور ہر ایک اپنے ماتحتوں کے بارے میں ذمہ دار ہے، عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگراں ہے اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہے۔ خادم اپنے آقا کے مال کے بارے میں نگراں ہے اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہے، تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اپنے ماتحتوں کے بارے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہے'' (۱۵۴)۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ بیوی اور اولاد پر خرچ کرنے کی ذمہ داری کو پورا کرنا جنت کا ذریعہ ہے۔ مزید برآں اس ذمہ داری کو اٹھانے میں خلیفہ بنائے گئے انسان کا اعزاز بھی شامل ہے، نیز اسے تجربہ بھی حاصل ہوتا ہے، جس کے ذریعہ وہ ایسے امور معلوم کر لیتا ہے جو عمل سے پیچھے رہنے والا انسان حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ نبی

۱۵۴- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، باب قوا أنفسکم وأہلیکم نارا، حدیث نمبر ۴۸۹۲

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جب مسلمان اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے اور ثواب کی نیت رکھتے ہوئے کرتا ہے تو یہ خرچ اس کے لیے صدقہ یعنی کار ثواب ہوتا ہے''۔(۱۵۵)

مسند احمد میں ہے: ''حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم خود کو جو کھلاؤ وہ تمہارے لیے صدقہ ہے یعنی باعث اجر وثواب ہے، جو تم اپنی اولاد کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے یعنی اجر وثواب کا سبب ہے اور جو کچھ تم اپنی بیوی کو کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے یعنی موجب اجر وثواب ہے اور تم اپنے خادم کو جو کچھ کھلاؤ وہ بھی تمہارے لیے صدقہ ہے یعنی باعث اجر وثواب ہے (۱۵۶)۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ نے اولاد کی تربیت کے منہج اور طریقۂ کار کے اساسی خطوط بھی واضح فرما دیئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹیوں، نواسے اور نواسیوں، اپنے زیر کفالت یتیم لڑکوں اور اپنی بیویوں کی دوسرے شوہر سے لڑکیوں اور مسلمانوں کی اولاد کے لیے بہترین باپ اور قابل تقلید نمونہ تھے۔ یہ چیز آپ کے سارے تصرفات اور اقوال میں نمایاں ہے۔ دیکھیے: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسامہ اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنی محبت کا کس طرح اظہار فرماتے ہیں۔ جیسا کہ اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ وہ ان کو اور حضرت حسنؓ کو لیتے اور فرماتے: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما''۔(۱۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسینؓ کو بوسہ لیتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کہا: میرے پاس دس اولاد

۱۵۵- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، حدیث نمبر ۴۹۳۲

۱۵۶- ابن حنبل، المسند، مرجع سابق، حدیث نمبر ۱۶۵۵۰

۱۵۷- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، حدیث نمبر ۳۴۵۵

ہیں، میں نے ان میں سے کسی کو بوسہ نہیں لیا۔ یہ سن کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''۔(۱۵۸)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی آپ کی پیروی کی، جنہوں نے آپ سے بلند ترین تربیتی منہج حاصل کیا تھا۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ آمد کے ابتدائی زمانہ میں ان کے گھر آیا۔ ان کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لیٹی ہوئی تھیں، وہ بخار میں مبتلا تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس آئے، ان سے کہا: اے میری پیاری بیٹی! کیسی ہو؟ اور ان کے رخسار کو بوسہ دیا''۔(۱۵۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کی تربیت اور پرورش و پرداخت کا بڑا اہتمام فرمایا: ان میں دلچسپی لینے اور ان کا اہتمام کرنے کو جنت میں پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا۔ حضرت عروہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: ایک خاتون اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ آئیں وہ کچھ (کھانے کے لیے) مانگ رہی تھیں، ایک کھجور کے سوا انہوں نے میرے پاس کچھ نہیں پایا، میں نے وہی کھجور ان کو دے دی۔ انہوں نے آدھی آدھی کھجور دونوں بیٹیوں کو دے دی، خود اس سے نہیں کھایا۔ پھر وہ خاتون اٹھ کر چلی گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے۔ میں نے اس واقعہ کی اطلاع آپ کو دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بیٹیوں کے ذریعہ آزمایا جائے، وہ ان کے لیے جہنم سے آڑ بن جائیں گی''۔(۱۶۰)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس بھی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ بہتر سلوک

۱۵۸- سجستانی، سنن ابی داؤد، مرجع سابق، حدیث نمبر ۴۵۴۱

۱۵۹- مرجع سابق، حدیث نمبر ۴۵۴۵

۱۶۰- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، حدیث نمبر ۵۵۳۶

کرے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔(۱۶۱)

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمسنی سے ہی اولاد کے دلوں میں صداقت و سچائی اور عدل وانصاف کے مفاہیم کی آبیاری پر زور دیا۔ والدین کو ترغیب دلائی کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے فرزندوں کے لیے نمونہ بنیں۔ جیسا کہ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: میرے باپ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: کیا تم نے اپنے تمام فرزندوں کو غلام دیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے واپس لے لو''۔(۱۶۲)

اولاد کی مصلحت کی رعایت میں مقاصد کو مؤثر بنانا:

جہاں تک کہ اس بات کا تعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی طلاق کی حالت میں حضانت کے مسئلہ میں مقاصد کو مؤثر بنایا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ زیر حضانت و پرورش بچہ کی مصلحت کو وجود میں لانے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل رعایت کی ہے۔ متعدد مواقف اور رویوں میں یہ بالکل واضح ہے۔ ان ہی میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ماں نے شکایت کی اور اپنے بیٹے کی حضانت و پرورش کا مطالبہ کیا، جسے اس کے والد نے اس سے چھین لیا تھا۔ عمرو بن شعیبؒ اپنے باپ کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں، انکے باپ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! میرے اس بیٹے کے لیے میرا پیٹ ظرف تھا، میری پستان اس کے لیے مشکیزہ تھی اور میری گود اس کے لیے راحت گاہ تھی۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور وہ اسے مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

۱۶۱- ترمذی، سنن ترمذی، مرجع سابق، حدیث نمبر ۱۸۳۵

۱۶۲- نووی، صحیح مسلم بشرح النووی، مرجع سابق، حدیث نمبر ۳۰۵۳

علیہ وسلم نے فرمایا: تو جب تک شادی نہ کرلے اس کی زیادہ حقدار ہے''۔(۱۶۳)

یہ حدیث اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولاد کی مصلحت کی کس قدر رعایت کرتے تھے، نیز صورت حال کا کس حد تک جائزہ لیتے تھے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت پر روشنی پڑتی ہے، کیونکہ آپ نے ماں کی گفتگو میں بچہ کے اہتمام کو محسوس کرکے ماں کو حضانت و پرورش کا حق دیا۔ اس کے باوجود اس کی حضانت کو اس کے شادی نہ کرنے سے مقید کیا، اس لیے کہ شادی اس کے لیے اس بات کا سبب ہوگی کہ وہ بچہ سے مشغول و غافل ہوجائے گی۔ پرورش کرنے والے کا انتخاب ایک اہم مسئلہ ہے، اس پر بچہ کی نشو ونما اور مستقبل موقوف ہے، لہٰذا قاضی وغیرہ ذمہ داروں پر لازم ومتعین ہے کہ حالات کے اختلاف کی رعایت کریں اور ہر صورت حال کا عمیق تجزیہ کریں، جس سے مقاصد وجود میں آئیں۔ اہم ترین مقصد یہ ہے کہ ممکنہ بہترین ماحول میں بچہ کی نشو ونما اور تربیت و پرداخت ہو۔ جیسا کہ یہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کے واقعہ میں نمایاں ہے۔ براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی القعدہ میں عمرہ کرنا چاہا۔ اہل مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا۔ حتی کہ آپ نے ان سے صلح کی کہ آپ مکہ میں تین دن رہیں گے۔ صلح نامہ لکھنے کے بعد یہ لکھا گیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صلح فرمائی۔ ان لوگوں نے کہا: ہم اسے تسلیم نہیں کرسکتے ہیں۔ اگر ہمیں علم ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہیں روکتے، لیکن آپ محمد بن عبداللہ ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں اور میں محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔ پھر حضرت علیؓ سے فرمایا: ''رسول اللہ'' کو مٹادو۔ انہوں نے عرض کیا، نہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں کبھی بھی آپ کے نام کو نہیں مٹاسکتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ لیا۔ اور یہ لکھنے کا حکم فرمایا: ''ہذا ما قاضی علیہ محمد بن

۱۶۳- سجستانی، سنن ابی داؤد، مرجع سابق، حدیث نمبر ۱۳۳۸

عبداللہ‘‘) (محمد بن عبداللہ نے یہ صلح کی) کہ مکہ میں نیام میں ہی ہتھیار لایا جائے گا۔ مکہ کے افراد میں سے کوئی آپ کے ساتھ جانا چاہے تو آپ اسے نہیں لے جائیں گے۔ اگر آپ کے رفقاء میں سے کوئی یہاں رکنا چاہے تو اسے منع نہیں کریں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے، مدت گزر گئی۔ تو کفار قریش حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ ان سے کہا: آپ اپنے رفیق سے کہیے کہ ہمارے یہاں سے چلے جائیں، کیونکہ مدت گزر چکی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکل پڑے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی یا چچا، یا چچا! کہتے ہوئے ان کے پیچھے آئی۔ اسے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لے لیا اور حضرت فاطمہ علیہا السلام سے فرمایا: اپنے چچا کی بیٹی کو لے لو۔ انہوں نے اسے لے لیا۔ اس کے بارے میں حضرت علیؓ، زیدؓ اور جعفرؓ نے اختلاف کیا۔ حضرت علی نے فرمایا: میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے کہا: یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ زیدؓ نے کہا: میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بارے میں فیصلہ اس کی خالہ کے حق میں کیا اور فرمایا: خالہ ماں کے درجہ میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: تمہارا مجھ سے تعلق ہے اور میرا تجھ سے تعلق ہے۔ حضرت جعفرؓ سے فرمایا: تو میری صورت اور سیرت سے مشابہ ہے۔ حضرت زیدؓ سے فرمایا: تو میرے بھائی اور رفیق ہو۔ (۱۶۴)

نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ کو والدین کے درمیان انتخاب کی آزادی دی ہے، جبکہ وہ بذات خود فیصلہ لینے پر قادر ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اس کے ماں اور باپ کے درمیان اختیار دیا۔ امام ترمذیؒ کہتے ہیں۔ اس باب میں عبداللہ بن عمرو اور عبدالحمید بن جعفر کے دادا سے بھی روایت ہے۔ نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

۱۶۴- بخاری، صحیح البخاری، مرجع سابق، حدیث نمبر ۲۵۰۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حسن صحیح درجہ کی ہے۔ ابو میمونہ کا نام سلیم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور غیر صحابہ میں سے بعض اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے، وہ کہتے ہیں: لڑکے کو ماں باپ کے درمیان انتخاب کا حق دیا جائے گا، جبکہ دونوں کے درمیان لڑکے کے سلسلہ میں اختلاف ہو۔ یہی احمد اور اسحاق کا قول ہے، وہ دونوں کہتے ہیں: اولاد کمسن ہو تو ماں اس کی زیادہ حقدار ہے، پھر اگر لڑکا سات سال کا ہو جائے تو اسے ماں باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ (۱۶۵)

حضرت ابو میمونہؓ سے روایت ہے کہ دریں اثنا کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا۔ انہوں نے فرمایا: ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، انہوں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! میرا شوہر میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے، حالانکہ اس نے مجھے نفع پہنچایا ہے اور ''ابو عنبہ'' کے کنویں سے مجھے سیراب بھی کیا ہے۔ اس کا شوہر آیا اور اس نے کہا: میرے بیٹے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے! یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے، لہٰذا جس کا ہاتھ چاہو پکڑ لو۔ اس نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا، وہ اسے لے کر چل پڑی''۔ (۱۶۶)

اس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی حضانت و پرورش کے مقاصد کو مؤثر بنایا۔ تمام ظروف و احوال اور اوقات کے اختلاف کے باوجود سارے احوال میں مقاصد کی رعایت کو لازم قرار دیا۔

فقہاء کے نزدیک حضانت و پرورش کے مسئلہ میں مقاصد کو روبعمل لانا:

فقہاء نے حضانت و پرورش کی فطرت، حکم اور پرورش کرنے والے کے شرائط کے

۱۶۵- ترمذی، سنن ترمذی، مرجع سابق، حدیث نمبر ۱۲۷۷

۱۶۶- نسائی، سنن نسائی، مرجع سابق، حدیث نمبر ۳۴۳۹

بارے میں بحث کیا ہے، نیز اس بارے میں بحث کیا ہے کہ حضانت و پرورش کب ساقط ہوگی۔ اس کے علاوہ دیگر مباحث کے بارے میں بھی گفتگو کی ہے، جن میں نسل کے مصالح کی رعایت کی گئی ہے اور نسل کی خدمت کرنے والے امور کی بھی رعایت کی گئی ہے۔ فقہاء نے حضانت کے موضوع کی تفصیلات کا بھی اہتمام کیا ہے۔ استنباط، فہم اور قیاس کے لحاظ سے ان کے اجتہادات میں حضانت کا ایک بڑا حصہ ہے، اس لیے کہ بچہ کے حقوق کے تحفظ میں بالخصوص طلاق کی حالت میں حضانت کی بڑی اہمیت ہے۔ پرورش کرنے والے کے شرائط کی حد بندی کے میدان میں مقاصد کو مؤثر بنانے کے سلسلہ میں فقہاء کی کوششیں صرف ہوئی ہیں۔

پرورش کرنے والے کی اہلیت کے شرائط:

کمسن کی پرورش انجام دینے والے میں فقہاء نے جو شرائط لگائے ہیں، ان میں سے اہم ترین یہ ہیں:

اسلام، عقل، حکمت، نگہداشت، تربیت اور کمسن بچہ کے تمام معاملات انجام دینے کی قدرت اور دین و اخلاق کے لحاظ سے امانت داری ہے، یعنی پرورش کرنے والا فاسق اور فاسد الاخلاق نہ ہو، اس لیے کہ یہ کمسن بچہ کی مصلحت ضائع کرنے اور حضانت و پرورش کے تقاضے میں کوتاہی کرنے کا سبب ہوگا۔

فقہاء نے پرورش کرنے والے کی لاپرواہی کے مظاہر میں سے اس کو قرار دیا ہے کہ وہ گھر سے بہ کثرت نکلے (کیونکہ) یہ چیز اسے بچہ کی نگہداشت اور نگرانی سے دور کردے گی۔ اس دفعہ میں زمان و مکان اور رسم و رواج کے اعتبار سے لاپرواہی کے عام مظاہر داخل ہیں۔ اس سلسلہ میں ''فقہ الحنابلہ'' میں وارد ہے: ''بچہ خواہ مذکر ہو یا مؤنث اس شخص کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیا جائے گا جو اس کا تحفظ نہ کرے اور اسے درست نہ رکھے، اس لیے کہ جو اس کا تحفظ نہ کرے اور

اسے درست نہ رکھے اس کا وجود اور عدم برابر ہے، لہٰذا اس کے بعد والے رشتہ دار کی طرف حضانت منتقل ہوجائے گی۔(۱۶۷)

فقہاء نے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ پرورش کرنے والا ایسے متعدی امراض سے خالی ہو جن کا ضرر زیر حضانت و پرورش بچہ تک پہنچتا ہو، یا وہ امراض کمسن بچہ کی تربیت ونگہداشت کے اہتمام میں رکاوٹ بنتے ہوں، جیسے: جذام (کوڑھ)، برص (سفید داغ) اور ناقص العقلی۔(۱۶۸)

موجودہ دور میں درج ذیل امراض وعیوب بھی شامل کئے جائیں گے: منشیات اور نشہ آور اشیاء کے استعمال کی لت اور سنگین نفسیاتی اور عصبیاتی امراض جو کمسن بچہ کی زندگی کو خطرہ کی زد میں لے آئیں۔

جسمانی، عقلی اور نفسیاتی اعتبار سے کمسن بچہ کی مصلحت کی رعایت پر زور دیتے ہوئے فقہاء نے کہا: حضانت سے مانع چیز پائے جانے کی صورت میں حضانت ساقط ہوجائے گی، یعنی حضانت کے استحقاق کے شرائط میں سے کوئی شرط موجود نہ ہو تو حضانت ساقط ہوجائے گی، جیسے: پرورش کرنے والی خاتون کسی ایسے مرد سے شادی کرلے جو زیر حضانت و پرورش بچہ کے لیے اجنبی ہو۔(۱۶۹)

البتہ ظاہریہ نے یہ شرط نہیں لگائی ہے، وہ کہتے ہیں: اس کی حضانت ساقط نہیں ہوگی۔(۱۷۰)

۱۶۷- حنبلی، کشاف القناع عن متن الإقناع، مرجع سابق، ج ۳، ص: ۳۳۲

۱۶۸- مرجع سابق ج ۳، ص: ۳۲۸۔ نیز دیکھیے: دردیر، الشرح الکبیر علی مختصر سیدی خلیل، مرجع سابق، ج ۲، ص: ۸۲۵-۹۲۵

۱۶۹- ابن الہمام، کمال الدین، فتح القدیر شرح الہدایہ، قاہرہ، مطبعۃ مصطفی البانی الحلبی، ج ۳، ص ۳۱۶۔ نیز دیکھیے: شربینی، مغنی المحتاج، مرجع سابق، ج ۳، ص: ۸۲۳

۱۷۰- ابن حزم، المحلی، مرجع سابق، ج ۱۰، ص: ۳۲۳

(دیگر) فقہاء کا جس پر اتفاق ہے وہ یہ بھی ہے کہ ماں کی حضانت بھی اس کے شادی کر لینے سے ساقط ہو جائے گی، حدیث کے الفاظ کو انہوں نے دلیل بنایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک تم شادی نہ کرو'' آپ نے یہ بات اس عورت سے کہی جو آپ کے پاس آئی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: میرے اس بیٹے کے لیے میرا پیٹ ظرف تھا اور میری پستان اس کے لیے مشکیزہ تھی اور میری گود اس کے لیے گہوارہ و راحت گاہ تھی۔ اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اسے مجھ سے چھیننا چاہا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ''تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک شادی نہ کر لے''۔(۱۷۱)

ماں نے اگر کسی ایسے اجنبی شخص سے شادی کر لیا، جسے کمسن بچہ سے قرابت یا خونی رشتہ مربوط نہیں کر رہا ہو، ایسی صورت میں کمسن بچہ کے حق میں ماں کے شوہر کی طرف سے بدمعاملگی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء اس مسئلہ میں بالخصوص عورت کے شوہر کے حقوق کی وجہ سے حضانت سے مشغول اور بے پرواہ ہونے کی صورت میں چوکنے اور محتاط تھے۔(۱۷۲)

قرآن کریم نے پرورش کرنے والی خاتون کے شادی کر لینے کے مسئلہ کو فرمان باری تعالیٰ میں موضوع بنایا ہے: **"وربائبکم اللاتی فی حجورکم من نسائکم اللاتی دخلتم بھن"** (۴/نساء: ۲۳)۔(اور تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جن کی تمہاری گود میں تربیت ہوئی، ان بیویوں کی جن سے تمہاری خلوت ہو چکی ہے)۔ قرآن پاک نے اس مسئلہ میں اہم حفاظتی اقدامات پیش کیے ہیں۔ جبکہ اس نے ماں کے شوہر کو (اس کی بیٹی کے لیے) حرام قرار دیا

۱۷۱- اس کی روایت حاکم نے کتاب الطلاق میں کی ہے اور اس کے بارے میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ دیکھیے: حاکم، محمد بن عبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ط:۱، ۱۹۹۱ء، ج۲، ص: ۲۰۷

۱۷۲- ابن قدامہ، المغنی، مرجع سابق، ج۹، ص ۱۳۹۔ نیز دیکھیے: دسوقی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مرجع سابق، ج۲، ص: ۹۲۵- شربینی، مغنی المحتاج شرح متن المنہاج، مرجع سابق، ج۵، ص ۶۹۱

ہے، یہ خاندان کے تمام افراد بالخصوص ماں کے شوہر کے لیے نفسیاتی اور جذباتی اعتبار سے ایک اہم پہلو ہے، کیونکہ اس کا شمار ایک ایسے وسیلہ کے طور پر ہوتا ہے جو اذیت، یا جنسی اور نفسیاتی چھیڑ چھاڑ وغیرہ سے کمسنوں کے تحفظ کا ضامن ہے، خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث۔ اس میں خاندان کے تمام افراد کے لیے ماں کے شوہر کی ذمہ داری کی اہمیت کی طرف بھی اہم اشارہ ہے، جو باپ کے قائم مقام ہے۔ وہ ان کمسنوں کے حق میں اپنی اولاد کی طرح امین ہے۔ اس کے بالمقابل ان کمسنوں پر بھی اس کے لیے احترام ومحبت وغیرہ کے فرائض ہیں۔

اس طرح قرآن مجید خاندان کے ایک اہم استثنائی تعلق کو منضبط کرتا ہے اور اس کی اصلاح کرتا ہے (عرف وعادت کے مطابق اس پر عمل جاری ہے)۔ جس میں ماں اپنے فرزندوں کی حضانت کی پابند ہوتی ہے دوسرے شوہر سے مربوط ہونے کے باوجود حالانکہ ''فی حجورکم'' (تمہاری گود میں تربیت ہوئی) کا وصف عمومی حالت کو بیان کرتا ہے۔ (۱۷۳)

مالکیہ نے ان الفاظ کے ذریعہ اس پر تنبیہ کی ہے: ''حضانت و پرورش کا حق پرورش کرنے والی خاتون کے ایسے مرد سے شادی کر لینے سے جو حضانت کے ساقط کرنے کا سبب ہو، اس سے منتقل نہ ہوگا، جبکہ اس بچہ کے لیے اس خاتون کے بعد کوئی موجودہ شرعی طور پر پرورش

۱۷۳- ''فی حجورکم'' ایک ایسی قید ہے جس کے ذریعہ عمومی حالت کو بیان کیا گیا ہے اور موجودہ واقعہ وصورت حال کا اظہار ہے، کیونکہ عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ بیوی کی اولاد کی تربیت ان کی ماؤں کے شوہر کی گود میں ہوتی ہے۔ اس آیت کو اصولیین مفہوم مخالف پر عمل نہ کرنے کی مثال وشاہد بناتے ہیں، جبکہ قید عمومی یا اکثری صورت حال کے اظہار کے طور پر آئی ہو۔ آمدیؒ کہتے ہیں: مفہوم پر عمل کے قائلین کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر خطاب جس نے محل ورود کو بیان کے ساتھ مخصوص کیا ہو، لیکن وہ عمومی صورتحال کے بیان کے طور پر ہو تو اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ: ''وربائبکم'' (تمہاری بیویوں کی وہ لڑکیاں جن کی تمہاری گود میں تربیت ہوئی)، اس لیے کہ محل ورود کے ساتھ اسے مخصوص کرنا عمومی صورت حال کے پیش نظر ہے، کیونکہ بیوی کی لڑکی کی تربیت عام طور سے شوہر کی گود میں ہوتی ہے۔ دیکھیے: آمدی، الإحکام فی أصول الأحکام، مرجع سابق، ج ۳، ص: ۳۹

کرنے والا نہ ہو، یا اس کے لیے قابل اطمینان نہ ہو، یا اس کے اندر کوئی ایسا مانع پایا جائے جس کی وجہ سے وہ پرورش سے عاجز ہو۔(۱۷۴)

فقہاء نے یہ بات کہی ہے کہ حضانت ساقط نہیں ہوگی، اگر ماں کمسن کے قریبی رشتہ دار سے شادی کر لے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اس صورت میں کمسن کی مصلحت کی رعایت کا تناسب قرابت اور خونی رشتہ کی وجہ سے دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ ہوگا۔ اس اصول یا ضابطہ کی اہمیت اور عموم کے لائق ہونے کے باوجود، یہ بات مخفی نہیں ہے کہ فقہاء اپنے زمانہ کے عرف سے متأثر ہیں۔ حضانت کی حالت میں قرابت اور خونی رشتہ کی اہمیت تمام حالات اور اشخاص کے اعتبار سے مطلق نہیں ہے، اس لیے کہ اس کی تہہ میں ہمیشہ کمسن کی مصلحت کی رعایت مضمر ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پرورش کرنے والے کی شخصیت اور کمسنوں کے ساتھ اس کے حسن تعامل اور دین، دنیا اور آخرت میں ان کی بہتری کی طرف عمدہ رہنمائی کی قدرت کی بھی رعایت کی جائے۔

(ب) اسلامی شریعت اور امریکی قانون کے درمیان اساسی مسائل:

اولاد کے سلسلہ میں والدین کے فرائض:

آج کل ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایسے خاندانوں کی کثرت ہے جن میں میاں بیوی کی اولاد اس طرح زندگی گزارتی ہے کہ ان کو رشتہ یا خونی رشتہ کا تعلق مربوط نہیں رکھتا ہے۔ البتہ باپ یا ماں کے ذریعہ مصاہرت کا تعلق ان کو مربوط رکھتا ہے۔ یہ صورت حال اس قدر عام ہے کہ یہ مقبول رواج بن گیا ہے۔ آج کل یہ تعلقات مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں سے میاں بیوی، دونوں میں سے ہر ایک کی نفسیات اور اولاد کی نفسیات اور طبیعت کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ نیز ان میں اس اعتبار سے بھی تفاوت ہوتا ہے کہ میاں بیوی زیر حضانت و پرورش بچوں

۱۷۴- خرشی، محمد، شرح الخرشی، قاہرہ، مطبعۃ بولاق، ۱۳۱۷ھ، ج ۳، ص ۳۵۲

کے نفسیاتی، بدنی اور عقلی حقوق کی کس قدر رعایت کرتے ہیں، جن حقوق پر خاندان میں رائج تربیت وتعامل کے اسالیب کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ اگر رہنمائی اور تربیت کا عمل اچھی طرح نہ کیا جائے تو ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے انحراف کے شکار ہوجاتے ہیں، ان کے اندر منشیات کی لت پڑ جاتی ہے اور کبھی کبھار وہ قتل کرنے والے گروہ وغیرہ میں شامل ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ طلاق کی صورت حال کا عام ہونا اور اس میں تساہل برتنا ایسی مضرتوں کا سبب بنتا ہے، جن کے نتائج معاشرہ کے لیے اچھے نہیں ہوتے ہیں۔ اس لیے پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ اس طرح کے حالات سے قانون نمٹتا ہے تاکہ مختلف قسم کی اذیت اور ظلم سے کمسنوں کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے مادی اور معنوی لحاظ سے بعض حفاظتی گارنٹی فراہم کی جاسکے۔

اسلام نے انسان کے اساسی حقوق کو ''ضروریات'' قرار دیا ہے، جیسے کھانا، پینا، پوشاک، امن وامان، آزادئ رائے، تعلیم اور تربیت وغیرہ اور ان کے تحفظ کو واجب قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ضروریات کا تحفظ انسانوں کے درمیان تعلقات کے تحفظ کا دروازہ ہے۔ اسی لیے اسلام نے پوری احتیاط کے ساتھ انسان کے شرعی حقوق کا تعین فرمادیا ہے، جن سے یا جن میں سے بعض سے کوئی انسان دست بردار نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ تو بس انسانی ضروریات ہیں جن کے تحفظ کو شریعت لازم قرار دیتی ہے، کیونکہ زندگی کی ان ضروریات، حاجیات اور کمالیات کے تحفظ سے وابستہ مقاصد واہداف کی حد بندی کے ذریعہ ان کی اولویات منظّم کردی گئی ہیں، جن سے تعلقات کا تحفظ ہوتا ہے اور تعلقات اس قدر بلند ہوجاتے ہیں کہ ان کے اندر دنیوی تعلقات اخروی تعلقات سے اور مادی تعلقات معنوی تعلقات سے مربوط ہوجاتے ہیں، لہٰذا اولاد کے سلسلہ میں والدین کی ذمہ داریوں کا آغاز درج ذیل طریقہ پر ہوتا ہے:

۱- دین ومذہب کا تحفظ:

یہ اس طرح ہوگا کہ رفیق حیات کا مناسب انتخاب کیا جائے یعنی مرد نیک بیوی کا

انتخاب کرے، ایسے ہی عورت نیک شوہر کا انتخاب کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**قالت إحدهما يأبت استأجره إنّ خير من استأجرت القوى الأمين**" (۲۸/القصص:۲۶)۔ (دونوں بیٹیوں میں سے ایک نے والد صاحب سے کہا کہ ان کو اجرت پر رکھ لیجئے، سب سے بہتر ملازم وہ ہوتے ہیں جو طاقتور ہوں، امانت دار ہوں)۔

۲- بچہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم:

بچہ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دی جائے، اسے زمین کے اوپر اس کی ذمہ داری سے آگاہ کیا جائے، نیز ان تمام امور سے اسے واقف کیا جائے جن کا تعلق عبادات، معاملات اور اخلاقیات وغیرہ سے ہو۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: "**و إذ قال لقمان لابنه وهو يعظه، يبنى لاتشرك بالله إن الشرك لظلم عظيم** ....." (۳۱/لقمان:۱۳-۱۷)۔ (اور اس موقع کو یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ: اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کرنا، شرک سب سے بڑا و سنگین ظلم ہے۔ اور ہم نے انسانوں کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اس کی ماں کمزوری پر کمزوری کے باوجود اسے لئے پھرتی رہی اور اس کے دودھ کی مدت دو سالوں میں پوری ہوتی ہے، اللہ فرماتا ہے کہ اے انسان! میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر، تجھے میرے پاس ہی آنا ہے۔ اور اگر ماں باپ تجھے میرے ساتھ کسی کو شریک کرنے پر جس کا تجھے کوئی حقیقی علم بھی نہیں، مجبور کریں تو ان کی بات مت مان اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھا سلوک کر اور ان کے راستہ کی پیروی کر جو مجھ سے لو لگاتے ہیں، پھر میری طرف ہی تم سب کو پلٹ کر آنا ہے اور میں تم کو تمہارے اعمال کے بارے میں بتاؤں گا۔

اے میرے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر ہو، کسی چٹان میں ہو، یا آسمانوں

اور زمین میں کہیں ہو، اللہ اس کو حاضر کردے گا، اللہ بہت باریک بین اور بڑا باخبر ہے۔ اے میرے بیٹے! نماز ٹھیک سے پڑھا کر اور بھلائی کی دعوت دیا کر اور برائیوں سے روکا کر، اور کوئی تکلیف پیش آئے تو صبر کیا کر، یہ باتیں عزیمت کی ہیں)۔

۳-مساوات کے معانی سمجھنے کی تربیت:

لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان بہتر سلوک و برتاؤ کے ذریعہ ان کی مساوات کے معانی کے سمجھنے کے سلسلہ میں تربیت کی جائے، نیز تخلیق، ذمہ داری، جزاء اور سزا کے سلسلہ میں مساوات کے ابتدائی اصولوں کے فہم واحاطہ کرنے کے بارے میں بھی ان کی تربیت کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:"**فاستجاب لهم ربهم أني لا أضيع** ....." (۳/آل عمران:۱۹۵)۔ (ان کے رب نے ان کی دعائیں قبول فرمالیں (اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنیوالے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، مرد ہو یا عورت، تم سب کا ایک دوسرے سے تعلق ہے، پس جن لوگوں نے ہجرت کی اور انہیں اپنے علاقوں اور گھر بار سے نکال باہر کیا گیا اور میرے راستہ میں انہیں تکلیفیں پہنچائی گئیں، اور انہوں نے (حق کی خاطر) جنگیں کیں، اور شہید کیے گئے، میں ان کی تمام سیئات (برائیاں) معاف کردوں گا اور ان کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی طرف سے یہ بدلہ ملے گا، اور اللہ کے پاس بہترین جزا ہے)۔ اسی طرح دونوں صنفوں کے درمیان دینی اور اخلاقی ذمہ داری کے سلسلہ میں مساوات کی صورت واضح ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:"**إن المسلمين والمسلمات** ....." (۳۳/احزاب:۳۵)۔ (بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اہل ایمان مرد اور اہل ایمان عورتیں، اطاعت کرنیوالے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں، سچے اور کھرے مرد اور سچی اور کھری عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں کی

حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور اللہ کو یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور عظیم اجر کا انتظام فرما رکھا ہے)۔

عقل کا تحفظ توحید کے اس اصول پر مبنی ہے جو انسان کو آزاد کرتا ہے، جس کی وجہ سے وہ اپنی ذمہ داریوں اور حقوق کو پہچان لیتا ہے، لہٰذا بچہ کی تربیت اس طرح ہوگی اور اس کی عقلی صلاحیتوں کو اس طرح پروان چڑھایا جائے گا کہ اندھی تقلید اور آباء واجداد کی تقلید سے اس کے ذہن وفکر کو آزاد کیا جائے گا۔ نیز آزادانہ غور وفکر، تنقید، تجزیہ اور غلامی قبول نہ کرنے پر اس کی تربیت کی جائے گی (تاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کا مصداق پایا جائے کہ: "**متی استعبدتم الناس .....**" تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا ہے، حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا)۔ ساتھ ہی ہر اس چیز کو ممنوع ٹھہرایا جائے گا جو عقل کو ضائع کردے خواہ وہ شراب ہو یا منشیات وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**یأیها الذین أمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون**" (۵/مائدہ:۹۰)۔

(اے ایمان والو! شراب، جوا، بت، مورتیاں اور پانسہ بازی کے تیر (فال گیری کے تمام طریقے) شیطان کے گندے عمل ہیں، ان سے بچ کر رہو تاکہ تم کامیاب ہو)۔

اہم ترین منہجی اشارے ورموز جن کا اسلامی شریعت نے حضانت و پرورش کے مسئلہ میں اہتمام کیا ہے، یہ ہے کہ اس نے تکافلی وتعاونی نظام کی تاسیس کی ہے جو انسانی معاشرہ میں ہمدردی اور بھلائی کی محبت پر مبنی ہے۔ اس تعاونی نظام کی تشکیل مشترکہ خاندان کے ڈھانچہ کے ذریعہ ہوئی ہے تاکہ یہ نیکی اور تقوی کے کاموں پر تعاون کے نظام کی شکل اختیار کرلے جو خاندان کے اعضاء و افراد کے تحفظ کے ذریعہ خاندان کے سانچہ اور اس کے اندرونی و بیرونی ڈھانچہ کے تحفظ کا ضامن

بن جائے۔اسلام نے اس بات کو مانا ہے کہ ہر بچہ کا حق ہے کہ اس کے لیے تعلقات کا ایک دائرہ ہو جو اسے ضائع ہونے سے محفوظ رکھے۔اسی لیے ضروری تھا کہ ولد الزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف ہو،تا کہ وہ اس کے تعلقات کے دائرہ میں شامل ہوجائے،اور تن تنہا نہ رہے۔

باوجود یکہ امریکی سماج میں خاندان کے روابط وتعلقات کا شیرازہ بکھر چکا ہے،مشترکہ خاندان موجود نہیں ہے اور امریکی قانون میں بہت سے رخنے پائے جاتے ہیں۔البتہ امریکی اداروں کا تکامل،جائزہ اور تصحیح کے سلسلہ میں ان کی عظیم قدرت ان کا ایک اہم امتیاز ہے جس کی وجہ سے وہ مسلسل جاری ہیں اور تخلیق اور نئی چیز پیش کرنے پر قادر ہیں۔حضانت کے مسئلہ میں امریکی قانون کا اہم ترین امتیاز یہ ہے کہ اولاد کی مصلحت کو اولویت دی گئی ہے،والدین کی طلاق کی حالت میں جس کے تحفظ کا اہتمام لازم ہے۔اس سلسلہ میں اسلامی فقہ اور امریکی قانون میں قربت و یکسانیت پائی جاتی ہے۔اسی وجہ سے عدالتوں نے ایسے اداروں اور کمیٹیوں کی تشکیل میں پہل کی ہے جو اولاد کی حالت کا جائزہ لیں،پرورش کرنے والے کی نگرانی کریں اور اس پر نظر رکھیں کہ وہ اپنی ذمہ داری کس حد تک ادا کر رہا ہے۔اگر پرورش کرنے والے کی کوتاہی کا پتہ چلتا ہے۔اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ پرورش کرنے والا باپ ہے یا ماں۔تو مسئلہ کی فائل پر نظر ثانی کی جاتی ہے اور اولاد کو پہلے پرورش کرنے والے سے دوسرے پرورش کرنے والے کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے،اگر دوسرا شخص اہل ہو،ورنہ عدالت مجبور ہوتی ہے کہ اس کے رشتہ داروں میں سے ایسے شخص کو تلاش کرے جو اس کی کفالت کر سکے۔اگر اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملتا ہے تو ایسے خاندان اور اہل افراد کی تلاش کی جاتی ہے (جن کے حوالہ بچوں کو کیا جا سکے)، بچوں کو ان کے حوالہ کیے جانے کے لیے ان کا طویل امتحان اور جائزہ لیا جاتا ہے۔لیکن اگر ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک دوبارہ اولاد کی حضانت کا مطالبہ کرتا ہے،جبکہ ان کے احوال درست ہوگئے ہوں تو اولاد کو دوبارہ ان کے حوالہ کر دیا جاتا ہے،لیکن اس بات کا تیقن حاصل کر لیا جاتا

ہے کہ ان کے اندر ذمہ داری ادا کرنے کی صلاحیت ہے۔(۱۷۵)

طلاق یافتہ خاتون کا مادی نفقہ:

اسلامی قانون میں زیر حضانت بچہ اور اس کی پرورش کرنے والی خاتون کے نفقہ کو واجب قرار دیا گیا ہے اور اسے باپ کی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ پرورش کرنے والی خاتون اپنے بچہ کی حضانت کی اجرت کی حقدار ہوگی، اگر وہ اپنے بچہ کے والد کی معتدہ یا منکوحہ نہ ہو۔ یہ اجرت رضاعت اور نفقہ کی اجرت کے علاوہ ہے(۱۷۶)۔حنابلہ کے نزدیک اس کی اجرت، اجرت مثل کے برابر ہوگی۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**والوالدات یرضعن أولادھن حولین کاملین** ....." (۲/بقرہ:۲۳۳)۔(ماؤں کو چاہئے کہ اپنی اولاد کو مکمل دوسال دودھ پلائیں، یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ جو دودھ پلانے کی مدت کو مکمل کرنا چاہتا ہے اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ دستور کے مطابق ان کی ماؤں کا خرچہ اور ان کے لباس کا انتظام ہے، کسی بھی شخص پر اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ہے، نہ کسی ماں کو اس کی اولاد کی وجہ سے تکلیف پہنچانی چاہئے، نہ کسی باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے)۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:"**أسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم**

۱۷۵- درج ذیل الیکٹرانک ویب سائٹس دیکھیے:

www.dss.virginia.gov/family/dcse/court_case/index.cgi

www.courts.state.va.us

http://patriot.net/crouch/familylaw/cauesoay.htm

www.divorcelawinfo.com/va/flc.htm

www.karaman.org

http:nam/net.org#

۱۷۶- ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، مرجع سابق، ج ۳، ص ۵۶۰-۵۶۲

....." (۶۵/طلاق:۶-۷)۔(ان (مطلقہ) عورتوں کے قیام کا اپنی حیثیت کے مطابق وہاں انتظام کردو، جہاں تم رہتے ہو اور انہیں دق نہ کرو، ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر بے جا تنگی کرنے لگو اور اگر وہ حاملہ ہوں تو جب تک وضع حمل کے مرحلہ سے نہ گزر جائیں ان پر خرچ کرتے رہو اور وہ تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو اور اچھے طریقہ پر آپس میں مشورہ کرتے رہو اور اگر تم تنگی کا رویہ اختیار کرتے ہو، تو کوئی دوسری عورت بچوں کو دودھ پلائے وسعت رکھنے والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور جس پر رزق کی تنگی ہو تو وہ اللہ نے اسے جو کچھ بھی دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ ہر شخص کو اسی کا مکلّف کرتا ہے جو اس کو دے رکھا ہے اور آئندہ اللہ تنگی کے بعد آسانی پیدا کردے گا)۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ ہے کہ راجح یہ ہے کہ رہائش گاہ کی اجرت اس شخص پر لازم ہے جس پر زیر حضانت و پرورش بچہ کا نفقہ لازم ہے، کیونکہ رہائش گاہ بھی نفقہ کا حصہ ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ اس کے پاس رہائش گاہ نہ ہو، لیکن اگر اس خاتون کے پاس رہائش گاہ ہو، جس میں اس کمسن بچہ کی پرورش کرسکتی ہو، تو اس وقت رہائش گاہ کی اجرت واجب نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس کی ضرورت نہیں ہے''۔(۱۷۷)

قرآن کریم نے لازم قرار دیا ہے کہ عدت کی مدت میں شوہر اپنی مطلقہ کا نفقہ ادا کرے، نیز اسے مہر مؤجل بھی ملے گا۔ اسی طرح متعدد سمینار اور محاضرات منعقد کیے گئے جن میں فقہاء نے مطلقہ کے نفقہ کے موضوع پر نقاش کیا۔ ان کی آراء مختلف ہیں، لیکن قرآنی مقاصد سے قریب ہیں کہ فریقین کو بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے معاملہ کرنا چاہئے، نیز ایک دوسرے کے ظروف واحوال کی رعایت کرنی چاہئے، جس کی تعبیر قرآن کریم نے اس آیت میں کی ہے:

۱۷۷- مرجع سابق، ج ۳، ص ۵۶۰۔ مذاہب کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: زیدان، المفصل فی أحکام المرأۃ، مرجع سابق، ج ۱۰، ص ۶۵-۳۶

"**ولا تنسوا الفضل بینکم**" (۲/بقرہ:۲۳۷)۔(اورآپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اورخوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا چاہئے)۔

اگربعض اوقات میں مطلقہ کا نفقہ محدود مدت تک متعین ہوتا ہے، پھربھی وہ مشترکہ خاندان میں سماجی تکافل کے نتیجہ میں نفقہ کے دوسرے ذرائع سے محروم نہیں رہتی، اس لیے کہ مطلقہ خاتون محارم میں سے ایسے رشتہ دارکو پاہی لیتی ہے جواس پرخرچ کرے، خواہ وہ باپ ہو، یا بھائی ہو، یا بیٹا ہو، یااس کی مانندکوئی دوسرارشتہ دار۔لہٰذااس کے حق میں نفقہ کی راہ بندنہیں ہوگی۔البتہ اگرمطلقہ خاتون اجنبی اوراپنے گھروالوں سے دورماحول میں ہوتواس وقت اس کی کفالت اورنگہداشت کے سلسلہ میں شریعت کے مقاصد کی رعایت ضروری ہے۔جیسا کہ آیت کریمہ میں وارد ہے:"**و للمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین**" (۲/بقرہ:۲۴۱)۔(اورجتنی بھی مطلقہ عورتیں ہیں ان کواچھے طریقہ پرسامان دینا چاہئے، جولوگ بھی اللہ سے ڈرتے ہیں ان پر یہ حق ہے)۔

لہٰذا وہ مرد جواپنے رب سے ڈرتا ہے اپنی مطلقہ کا اہتمام کرتا ہے، حتی کہ وہ خوداپنے تعاون پرقادرہوجائے، وہ صرف متفق علیہ مہرمؤجل پرہی اکتفانہیں کرتا ہے، نہ ہی محض عدت کے ختم ہونے سے نفقہ کے بندہونے کے قول کا تقاضا کرتا ہے، جبکہ اسے اس کی ضرورت کاعلم ہو۔ اس لیے مسلمان شوہر پرلازم ہے کہ اس کے لیے اتنا نفقہ طے کردے جواس کے لیے کافی ہو، یہاں تک کہ وہ خوداپنی ذمہ داری اٹھانے پرقادرہوجائے۔ایسے ہی شوہر کی مادی حالت وسعت یاتنگی کے لحاظ سے نفقہ کاتعین ہوگا، جیسا کہ آیت کریمہ میں وارد ہے:"**لینفق ذو سعۃ من سعتہ .....**" (۶۵/طلاق:۷)۔(وسعت رکھنے والے کواپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اورجس پر رزق کی تنگی ہو، تووہ اللہ نے اسے جوکچھ بھی دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ ہرشخص کواسی کا مکلّف کرتا ہے جواس کودے رکھا ہے اورآئندہ اللہ تنگی کے بعدآسانی پیدا کردے گا)۔

ایسااس وجہ سے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:"**وللمطلقات متاع بالمعروف حقا**

علی المتقین" (۲/بقرہ:۲۴۱)۔(اور جتنی بھی مطلقہ عورتیں ہیں ان کو اچھے طریقہ پر سامان دینا چاہئے، جو لوگ بھی اللہ سے ڈرتے ہیں ان پر یہ حق ہے)۔ نیز فرمان باری تعالیٰ ہے: "**لاجناح علیکم إن طلقتم النساء**....." (۲/بقرہ:۲۳۶)۔(اس میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں کہ عورتوں کو قبل اس کے کہ ہاتھ لگاؤ (یعنی خلوت ہو اور تعلق ہو)۔ اور قبل اس کے کہ ان کا مہر مقرر کرو۔ طلاق دے دو (اگر طلاق کی ضرورت پیش آ ہی جائے) اس حالت میں اس کو سامان دیکر (رخصت کرو) خوشحال شخص پر اس کے بقدر اور اس کے معیار سے سامان دینے کی ذمہ داری ہے اور تنگ دست پر اپنی قدرت بھر ذمہ داری ہے۔ سامان عرف کے مطابق اچھے طریقہ پر ہونا چاہئے، یہ اچھے لوگوں پر ایک حق ہے (جس کو انہیں ادا کرنا ہے)۔

بعض مسلم مردوں نے قابل اعتماد اسلامی قانونی مرجع کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے استحصال کیا اور کھلواڑ شروع کر دیا، جیسا کہ (ع ع)/(ف.ع) کے مسئلہ میں ہوا، جس نے اپنی بیوی کے قانونی حق کو روکنے کے لیے امریکی قانون کے بارے میں حیلہ بازی کی کوشش کی۔ قانونی حق یہ ہے کہ ایک متعینہ مدت تک عقد نکاح میں رہنے کے بعد بیوی کو نصف جائیداد ملے گی۔ مختلف صوبوں میں اس میں کبھی اختلاف بھی ہوتا ہے۔ لیکن مدعی (ع) نے اسلامی قانون کا یہ دعوی کر کے استحصال کرنا چاہا کہ خاتون کا اس پر اس مہر مؤجل کے سوا کوئی حق نہیں ہے جو اس کے عقد نکاح کے وقت ریکارڈ کیا گیا تھا۔ نکاح کا ریکارڈ ۱۹۸۰ء میں ہوا تھا اور مہر مؤجل کی مقدار ۱۲۵۰۰ امریکی ڈالر ہے، جبکہ ابھی شوہر کی ملکیت میں تقریباً دو ملین ڈالر ہے، قانون کے اعتبار سے اسے اس رقم کی آدھی مقدار ملے گی۔ اس طرح شوہر نے اپنی ذاتی منفعت کے تحفظ کی خاطر شریعت اور قانون کے مقاصد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رقم ادا کرنے سے فرار کی خاطر اسلامی اور امریکی قوانین سے کھلواڑ کی کوشش کی (۱۷۸)

178- www.courts.state.ind.us/ginion/coa/2008/10a072df8

شمالی امریکہ کی فقہی مجلس نے اس معاملہ میں کئی سال پہلے اس مسئلہ کے مشابہ سوال اور حالت کے بارے میں ایک فتوی جاری کیا تھا۔ مجلس نے عورت کی ایسی زندگی کے حق کے تحفظ کی خاطر جس میں اس کی عزت محفوظ رہے اور عفت و پاکدامنی کا تحفظ ہو، حکم سے شرعی مقاصد وجود میں لانے کے لیے قرآنی متعہ کے استعمال کی دعوت دی تھی۔(۱۷۹)

کسی بھی فریق پر ظلم واقع نہ ہونے کا تیقن حاصل کرنے کے لیے مسلم گروپ کے فرزندوں پر لازم ہے، خوہ وہ ائمہ ہوں، یا فقہاء ہوں، یا وکلاء ہوں، یا سماجی خدمت کے ماہرین ہوں کہ ایسی کمیٹی تشکیل دیں جو ہر حالت کا باریکی کے ساتھ مطالعہ کرے اور حالت کی تفصیلات کے لحاظ سے اس میں عدل و انصاف کو وجود میں لانے کی رعایت کے ساتھ نفقہ متعین کرے، ایسے ہی ان اختلافات کو ختم کرنے کے لیے امریکی عدالتوں کے ساتھ اس سلسلہ میں تعاون بھی ضروری ہے، جبکہ شریعت کی دلیل سے کوئی مرد نفقہ دینے سے باز رہے، جیسا کہ ''میر لانڈ'' کے سلسلہ میں ایسا ہوا، کیونکہ مرد کی جہالت کی وجہ سے نیز دین کو اپنی بیوی پر ظلم واقع کرنے کا ذریعہ بنانے کی بنا پر اسلامی شریعت کو نقص سے متہم کیا گیا۔ لہٰذا ائمہ پر متعین و لازم ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کے بارے میں مسلم گروپ کے افراد کی ذہن سازی کریں، نیز اس کے سبب سے دین کے بارے میں جو فتنہ وفساد پیدا ہو، اس سے بھی باخبر کریں۔

بہرحال اولاد کے نفقہ کے بارے میں اسلامی اور امریکی قانون میں حضانت کے احکام کے درمیان مشابہت پائی جاتی ہے کہ طلاق کی حالت میں اولاد پر نفقہ کا باپ کو پابند بنایا جائے گا۔ چنانچہ امریکی قانون اولاد کے لیے باپ پر لازمی نفقہ (Child Support) متعین کرتا ہے، جسے ہر ماہ کے اخیر میں منظم طریقہ پر ادا کرنا اس پر لازم ہے، اس طرح کہ اس سے اس

۱۷۹- مجلس کی تحقیقات اور فتاوی اس کے ویب سائٹ پر دیکھیے:

www.fiqhcouncil.org/articles/general.fiqhissues

ماہ کے دوران بچے کی ساری ضروریات پوری ہوجائیں۔ قانون نے اس شخص کے لیے سخت سزائیں رکھی ہیں جو شوہروں میں سے اس نفقہ کو ادا کرنے سے فرار اختیار کرے (۱۸۰)۔ اس کے باوجود حالیہ دنوں میں مسلم گروپ کے افراد کے درمیان بعض ایسی حالتیں ظاہر ہوئی ہیں، جن سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے باپ قانون کے خلاف حیلہ بازی کرتے ہیں اور اپنے فرزندوں کا نفقہ ادا کرنے سے فرار اختیار کرتے ہیں۔ (۱۸۱)

پرورش کرنے والے کا سفر:

دیگر اہم مسائل جن کا فقہاء نے نقاش کیا، ان میں سے ایک پرورش کرنے والے کے سفر کی وجہ سے حضانت کے سقوط کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نص یا فعل یا تقریر وارد نہیں ہے۔ اس مسئلہ سے متعلق عمومی قاعدہ یہ ہے کہ ولی یا پرورش کرنے والا اگر دور دراز کا سفر کرنا چاہے تو دونوں حالتوں میں ولی زیر حضانت بچہ کا زیادہ حقدار ہوگا۔ اس قاعدہ کی علت بیان کرتے ہوئے حنابلہ اس طرف گئے ہیں کہ ولی کے لیے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت دشوار ہوگی۔ (۱۸۲)

شافعیہ نے یہ علت بیان کی ہے کہ اس کا مقصد نسب کا تحفظ ہے جو باپ حضرات ہی کرتے ہیں، یا تادیب اور تعلیم کی مصلحت کی رعایت ہے، جیسا کہ حنابلہ کہتے ہیں، نیز آسانی سے خرچ کرنا بھی ہے۔ (۱۸۳)

۱۸۰- ہر امریکی صوبہ کے لحاظ سے مختلف عدالتوں کی ویب سائٹس پر امریکی قانون میں حضانت کے قوانین دیکھیے:

181- Zeini, Asegal Guide to Marrage and Divorce for the American Muslim Woman, P. 211

۱۸۲- ابن قدامہ، المغنی، مرجع سابق، ج۹، ص۱۴۱-۲۱۷

۱۸۳- شربینی، مغنی المحتاج، مرجع سابق، ج۵، ص:۲۰۱

اس مسئلہ کے سلسلہ میں فقہاء کے اجتہادات عرف و عادت پر مبنی ہیں، اسی وجہ سے انہوں نے حضانت کے سقوط میں مسافت قصر کو فیصلہ کن قرار دیا ہے۔ مصطفیٰ زرقاء کی رائے ہے کہ: ''فقہاء نے جب اس اجتہاد کو ثابت کیا تو ان کے زمانہ اور ملک کی فطرت سفر کے سلسلہ میں ان کے نقطۂ نظر کو جائز ٹھہراتی تھی .....لیکن اب سائنس نے آرام دہ اور تیز رفتار سفر کو آسان کر دیا ہے تو آج ان ہی حیثیتوں پر احکام کی بنیاد ہونی چاہئے، اس طرح کہ ایک ہی ساتھ کمسن کی مصلحت اور ماں باپ کے حق کی رعایت ہو سکے۔ (۱۸۴)

قانون کی پیروی میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ضروری ہے کہ عدالت کو بچہ کی جگہ کا علم ہو، تاکہ دوسرے والد کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہو، بالخصوص اس وجہ سے کہ عدالت کا قانون یہ ہے کہ بچوں کی ہفتہ واری ملاقات کے اوقات کی حد بندی کر دی جائے۔ (۱۸۵)

پرورش کرنے والے کے شرائط اور حضانت کی مدت:

حضانت کی مدت پیدائش کے وقت سے شروع ہوتی ہے، لیکن اس کے ختم ہونے کے وقت کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ مشہور قول کے مطابق لڑکے کی حضانت بلوغ تک جاری رہتی ہے اور لڑکی کی حضانت شوہر کے اس کے ساتھ خلوت وصحبت ہونے تک جاری رہتی ہے (۱۸۶)۔ حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ ماں اپنے فرزند کی نگہداشت اس وقت تک کرے گی جب تک بچہ اس کی نگہداشت سے بے نیاز نہ ہو جائے، اس کی حد بندی سات سال سے کی

۱۸۴- زرقاء، مصطفیٰ، مشروع قانون الأحوال الشخصیۃ الموحد (د.م.): (د.ن.)، (د.ت.)، ص: ۳۰۴- نیز دیکھیے: زرقاء، مصطفیٰ، شرح القواعد الفقہیۃ، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۸۳ء، ص: ۳۰۴ اور اس کے بعد کے صفحات

185- Zeini, Alegal Guide to Marriage a..... P. 211-217

۱۸۶- ابن جزی، محمد بن احمد، قوانین الأحکام الشرعیۃ ومسائل الفروع الفقہیۃ، بیروت، دار العلم للملایین (د.ت.)، ص: ۲۲۳

گئی ہے، بعض نے نو سال کی مدت متعین کی ہے۔ بچی کی حضانت اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک وہ حیض کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ (اس کی کم سے کم مدت) نو سال ہے۔ جب مدت ختم ہوجائے گی تو اس کے نقص عقل کی وجہ سے زیر حضانت بچہ کو اختیار نہیں دیا جائے گا، (کیونکہ) کبھی وہ اسے اختیار کرلے گا جس کے پاس کھیل کود کا موقعہ ملے۔ اور جو ایسی چیز کا اہتمام نہ کرے جو اسے درست رکھے، اس لیے بچہ کی حضانت باپ کی طرف منتقل ہوجائے گی، یہاں تک کہ وہ بالغ ہوجائے، بالخصوص اس وجہ سے کہ باپ وسیع علم وحکمت رکھتا ہے جس کی بنا پر ذمہ داری اٹھانے کی اسے قدرت ہے۔ بیٹی کے لحاظ سے بھی یہی بات ہے (یعنی بالغ ہونے کے بعد باپ کے پاس آجائے گی جو اس کی شادی کا اہتمام وانتظام کرے گا)۔ (۱۸۷)

مالکیہ اس طرف گئے ہیں کہ ماں اپنے فرزند کی حضانت اس کے بلوغ تک جاری رکھے گی جبکہ بیٹی کی حضانت اس کی شادی تک جاری رکھے گی (۱۸۸)۔ جبکہ شافعیہ کی رائے ہے کہ ماں کی حضانت جاری رہے گی یہاں تک کہ کمسن سن شعور وتمیز کو پہنچ جائے گا (خواہ بچہ ہو یا بچی) اس کی حد بندی سات یا آٹھ سال سے کی جاتی ہے۔ پھر زیر حضانت بچہ کو ماں باپ کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ بچہ کو حق ہوگا کہ اپنی رائے بدل لے جبکہ پرورش کرنے والے کی حالت بدل جائے۔ البتہ اگر بچہ یا بچی انتخاب سے باز رہے تو ماں کو ترجیح دی جائے گی، اس لیے کہ وہ زیادہ شفیق ہے، ورنہ دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اگر ماں باپ دونوں باز رہیں، لیکن ان کے بعد حضانت کا مستحق شخص موجود ہو جیسے: دادا یا دادی ہو، تو ان دونوں کے درمیان اختیار دیا جائے گا، ورنہ حضانت پر اس کو مجبور کیا جائے گا جس پر اس کا نفقہ لازم ہو۔ پھر اگر لڑکا بالغ ہوجائے اور وہ سمجھ بوجھ والا ہو، تو والدین میں سے کسی کے پاس اقامت پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ بہرحال بیٹی

۱۸۷- ابن عابدین، محمد امین، ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، قاہرہ مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی واولادہ، ۱۳۸۶ھ، ج ۲، ص ۶۴۱-۶۴۲، نیز دیکھیے: کاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مرجع سابق، ج ۴، ص ۲۴-۳۴

۱۸۸- دسوقی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مرجع سابق، ج ۲، ص ۵۲۶

کے لیے اولی ہے کہ کسی ایک کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ شادی کرلے۔ حنابلہ کہتے ہیں: بچہ ماں کے ساتھ سات سال تک رہے گا، اگر ماں باپ کا اس پر اتفاق ہوجائے کہ کمسن بچہ دونوں میں سے کسی کے ساتھ رہے تو یہ جائز ہے۔ اگر دونوں میں اختلاف ہوجائے تو وہ حاکم سے رجوع کریں گے تاکہ وہ زیر حضانت بچہ کو اختیار دے، پھر وہ اس کے ساتھ رہے جس کا انتخاب کرے۔ البتہ بیٹی کو اختیار نہیں دیا جائے گا، اسے وجوبی طور پر باپ کے ساتھ رکھا جائے گا، اس لیے کہ اس کے لئے باپ کے پاس پیغام دیا جاتا ہے، لہٰذا اس کی نگہداشت میں رہنا ضروری ہے۔ جن لوگوں نے کمسنی کی عمر سات سال متعین کی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اسی عمر میں اسے شریعت نے نماز کا حکم دیا ہے۔ اختیار دیئے جانے کے قائلین کے نزدیک اس کے متعدد شرائط ہیں، ان میں نمایاں تر یہ ہیں: ماں باپ میں سے سب سے زیادہ صلاحیت کا حامل اور تربیت، تادیب اور تہذیب کے اسالیب سے واقف کو اختیار کرنا مقصود ہے۔ (۱۸۹)

فقہاء کے نزدیک حضانت میں اصل یہ ہے کہ وہ خواتین کو حاصل ہو۔ حنابلہ کہتے ہیں: ''بچہ کی کفالت اور حضانت واجب ہے، اس لیے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ ہلاک ہوجائے گا، تو ہلاکت سے اس کا تحفظ لازم ہے، جیسے: اس پر خرچ کرنا لازم ہے اور ہلاکتوں سے بچانا ضروری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضانت زیر تربیت بچہ کا حق ہے۔ (۱۹۰)

حضانت کو پرورش کرنے والے کا حق قرار دینے کا بھی قول ہے، یعنی ماں کو حضانت ساقط کرنے اور اس سے دستبردار ہونے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، ماں زائد شفقت ومحبت کی وجہ

۱۸۹- ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۸۲ء، ج ۲، ص ۴۳۔ ابن جزی، قوانین الاحکام الشرعیۃ ومسائل الفروع الفقہیۃ، مرجع سابق، ص: ۲۲۴۔ ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، مرجع سابق، ج ۳، ص ۵۵۵۔ نووی، یحی بن شرف، روضۃ الطالبین، بیروت، المکتبۃ الاسلامیہ (د.ت) ج ۳، ص ۲۵۴

۱۹۰- ابن قدامہ، المغنی، مرجع سابق ج ۷، ص ۵۱۲

سے حضانت کی زیادہ حقدار ہے (۱۹۱)۔ یہ استحقاق اس مدت کے اندر ہے جس میں بچہ عام طور سے ماں سے بے نیاز نہیں ہوتا ہے، یہاں تک کہ جوان ہوجائے تو اس کی گود سے بے نیاز ہوکر سماجی تربیت کی پرورش گاہ میں آجائے گا۔ اس کے بعد پورا خاندان نئی نسل کی تربیت اور نگہداشت کے سلسلہ میں اپنا رول ادا کرے گا۔ والدہ کے حق میں آسان یہی ہے کہ دودھ پلائے اور پرورش کرے، تو اس پر یہی واجب ہے۔ والد کے حق میں آسان یہ ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق بچہ پر خرچ کرے اور بچہ کی ماں پر بھی خرچ کرے۔ (۱۹۲)

حضانت میں باپ پر ماں کو مقدم کرنے کی علت یہ ہے کہ ماں تربیت و پرورش سے زیادہ واقف ہے اور اسے اس کی زیادہ قدرت ہے، نیز زیادہ صبر اور شفقت سے متصف ہے اور اس کے لیے زیادہ فارغ ہے۔ (۱۹۳)

یہی علت قرافیؒ نے اپنے ان الفاظ میں بیان کی ہے: ''حضانت میں چونکہ بچہ کے بہت زیادہ رونے اور مختلف قسم کی طاری ہونے والی ہیئتوں کی وجہ سے بہت زیادہ صبر کی ضرورت ہوتی ہے، نیز بہت زیادہ شفقت ومحبت کی ضرورت ہوتی ہے جو کمزوروں پر مہربانی اور نرمی کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور خواتین اس سلسلہ میں مردوں سے بہت زیادہ کامل ہیں، لہٰذا ان کو مردوں پر مقدم رکھا گیا''۔ (۱۹۴)

فقہاء کا حضانت کی فطرت کے سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ عورت کا حق ہے یا عورت پر حق ہے؟ یعنی کیا حضانت کمسن بچہ کا حق ہے یا ماں کا حق ہے یا ایک ساتھ دونوں کا حق ہے؟ اس

۱۹۱- قرطبی الجامع لأحکام القرآن، مرجع سابق، ج ۳، ص ۱۶۰

۱۹۲- دہلوی، حجۃ اللہ البالغۃ، مرجع سابق، ج ۲، ص ۱۴۵

۱۹۳- ابن القیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، تحقیق: شعیب وعبد القادر، ارناؤوط، بیروت کویت، مؤسسۃ الرسالۃ، مکتبۃ المنار الاسلامیہ، ۱۹۸۶ء، ج ۵، ص ۴۳۸

۱۹۴- قرافی، أنوار البروق علی أنواء الفروق، ج ۳، ص: ۲۰۶

مسئلہ کو پیش کرنے کا مقصد اس پر مرتب ہونے والی ذمہ داریاں ہیں۔ اگر حضانت (اور اسی کی مانند رضاعت بھی ہے) عورت کا حق ہو تو باپ اسے اس پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، لہٰذا حضانت اس سے دستبرداری کی وجہ سے ساقط ہو جائے گی۔ اگر حضانت کمسن بچہ کا حق ہو تو اس کی حضانت لازمی طور پر ماں پر واجب ہے، جو اس کے معاملات انجام دے گی، اسے دودھ پلائے گی اور اس کی نگہداشت کرے گی، اسے غذا دے گی اور اس کی پرورش کرے گی، یہاں تک کہ کھانے پینے اور لباس و پوشاک میں وہ مستقل اور خود مختار ہو جائے۔ اس کے بعد اس کی تربیت اور اس سماجی پرداخت میں باپ ماں کی مدد کرے گا جو اسے زندگی کے میدان میں آنے اور اس میں سرگرمی انجام دینے کا ضامن بن جائے، اس کے بعد کہ خاندان نے اسے سماجی تعامل و برتاؤ کی اہم ترین بنیادیں فراہم کر دی ہیں۔

یہ اہم بات ہے کہ حضانت کو بچہ کا حق ماننے والے قول کی اہمیت واضح کر دی جائے، نیز فقہ اسلامی میں اس پر مرتب ہونے والی اہم قانونی و تشریعی ذمہ داریوں کو بھی واضح کر دیا جائے جن سے زیر حضانت بچہ کے حق کی رعایت اور تحفظ ہو سکے، کیونکہ بچہ ہی اس صورت میں سب سے بڑے ضرر کی زد میں آتا ہے، جبکہ ماں باپ ذمہ داری میں کوتاہی برتتے ہیں۔ اس پر دو چیزیں مرتب ہوتی ہیں:

۱- پہلی چیز یہ ہے کہ: اگر عورت اپنے شوہر سے خلع لے لے اس شرط پر کہ وہ بچہ کو شوہر کے پاس چھوڑ دے گی تو خلع جائز ہے، لیکن شرط باطل ہے، اس لیے کہ ماں بچہ کے حق کی وجہ سے بچہ کی زیادہ حقدار ہے، کیونکہ بچہ کا اس کے پاس ہونا اس کے حق میں زیادہ مفید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ماں شادی کر لے تو وہ حضانت کی زیادہ حقدار نہیں ہوگی، اس لیے کہ وہ اپنے شوہر کی خدمت میں مشغول ہوگی، لہٰذا اس کے پاس بچہ کے ہونے میں بچہ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ بچہ کا حق ہے تو ماں شرط کے ذریعہ اسے باطل نہیں کر سکتی ہے''۔ (۱۹۵)

۱۹۵- سرخسی، المبسوط، مرجع سابق، ج ۶، ص: ۱۶۹

۲-دوسری چیز وہ ہے جوابن عابدینؒ کی ''ردالمحتار'' میں وارد ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:
''مفتی ابوالسعودؒ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جو اپنی بیوی کو طلاق دے دے، بیوی کے پاس اسی شوہر کا کمسن بچہ ہو اور خاتون حضانت کا اپنا حق ساقط کردے، حاکم بھی اسی کے مطابق فیصلہ کردے تو کیا خاتون بچہ کو لینے کے سلسلہ میں رجوع کرسکتی ہے؟ جواب یہ ہے کہ خاتون رجوع کرسکتی ہے، کیونکہ حضانت کے سلسلہ میں قوی تر حق کمسن بچہ کا ہے، اگر بیوی اپنا حق ساقط کردے تو وہ بچہ کا حق ساقط کرنے پر کبھی بھی قادر نہیں ہوسکتی ہے''۔(۱۹۶)

اس جگہ اسلامی فقہ اور امریکی قانون کے درمیان باہمی مشابہت کے پہلو عیاں ہیں۔ امریکی عدالتوں نے ایسے شرائط طے کیے ہیں کہ پرورش کرنے والے کے انتخاب کے وقت جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، ان شرائط میں اہم ترین شرط بچہ کی مصلحت ہے، پھر زیر حضانت بچہ کی تربیت پر پرورش کرنے والے کی صحتمندانہ اور نفسیاتی قدرت پر نظر رکھنا ہے، نیز مادی حالت، کام کی نوعیت اور بچہ کی عمر کے لحاظ سے اس کی ساری ضروریات پوری کرنے کی پرورش کرنے والے کی ضمانت وگارنٹی پر بھی نظر رکھی جائے۔ ایسے ہی اس مسئلہ کی رعایت بھی ضروری ہے کہ پرورش کرنے والا دوسرے والے فریق (یعنی فریق: باپ ہے تو ماں، اور ماں ہے تو باپ کی) کو زیارت کی اجازت دے دے اور مسلسل بچہ کو لے جانے کی بھی اجازت دے دے۔ یہاں ہم اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ سارے حالات میں زیر حضانت بچہ کی مصلحت کی رعایت کے سلسلہ میں امریکی قانون فقہی مذاہب سے ہم آہنگ ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ مسلم گروپ کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ امریکی سول قوانین کے تابع رہیں، جب تک وہ عدل وانصاف اور خاندان، بالخصوص بچہ کی عمومی مصلحت کو وجود میں لاتے ہوں۔(۱۹۷)

۱۹۶- ابن عابدین، ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، مرجع سابق، ج ۳، ص ۵۵۹

۱۹۷- Zeini, Al egal Guide to Marriage, P.213

بلکہ عملی سرگرمی نے اس مسئلہ میں بڑی حد تک امریکی نظام کی عدل وانصاف کو وجود میں لانے کے سلسلہ میں کامیابی ثابت کردی ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ امریکی نظام ایسے قوانین جاری کرنے کے سلسلہ میں لچک رکھتا ہے جو خاندان کے تمام فریقوں کی خدمت کرے اوراس مسئلہ میں زیادتی کرنے والے فریق کوروک دے۔

امریکی مسلم گروپ کی بس یہ ذمہ داری ہے کہ مختلف کمیٹیاں تشکیل دے جن میں وکلاء، ائمہ، فقہاء اور سماجی مشیر کار شامل ہوں جو امریکی عدالتوں کے ساتھ تعاون کریں تا کہ دونوں قوانین کے درمیان اتفاق اوراختلاف کے مواقع کی وضاحت کرسکیں۔ مزید برآں مسلمانوں کی ذہن سازی کی جائے، ان کو اللہ تعالیٰ کے تقوی اور طلاق اور حضانت وغیرہ کے میدان میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی یاد دہانی کرائی جائے، تا کہ خاندان کے کسی فریق پر ظلم سے بچا جاسکے۔ اس طرح خاندان کے تمام افراد کے لیے پھر معاشرہ کے لیے عدل وانصاف اور سلامتی و آشتی قائم کرنے کے تشریعی مقاصد وجود میں آسکیں گے۔ امریکہ میں بچہ کی حضانت کے مسئلہ سے ہم اس نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ اولاد کی تربیت اور پرورش و پرداخت کے سلسلہ میں والدین کی شرکت واجب ہے۔ والدین کے ذمہ ہے کہ اس بات کو سمجھیں کہ ان کے ازدواجی تعلق میں ناکام ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دونوں کے درمیان تعلق منقطع ہو چکا ہے، بلکہ محض اس تعلق کی فطرت میں تبدیلی آئی ہے، کیونکہ ذمہ دار والدین کی حیثیت سے دونوں کے درمیان مضبوط تعلق ہے اور دونوں پر متعین اور لازم ہے کہ اپنی اولاد کی مصلحت کی خاطر باہم مدد کریں اور سنجیدگی سے کام کریں۔ اس کی تکمیل عفو و درگزر اور احسان کے ذریعہ ہی ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تاکید کی ہے: ''**و أن تعفوا أقرب للتقوى ولا تنسوا الفضل بينكم إن الله بما تعملون بصير**'' (۲/بقرہ:۲۳۷)۔ (اور تم بڑھا کر دو یہ بات تقوی سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں ایک دوسرے سے بڑھ کر (حسن سلوک اور خوش خلقی کا) معاملہ کرنے کا خیال رکھنا

چاہئے، اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خوب واقف ہے)۔

۴- چوتھا نمونہ: خاندانی تشدد اور اس کے چیلنجز:

خاندانی تشدد کا شمار ان سنگین ترین سرگرمیوں میں ہوتا ہے جو خاندان کے ڈھانچہ، اس کے امن وامان اور درست انسانی تعلقات کی تعمیر وتشکیل کے سلسلہ میں اس کے مقاصد کے لیے خطرہ ہیں۔ تمام قسموں کے ساتھ تشدد کی سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امن وامان، محبت، مودت اور الفت کا احساس ختم ہوجاتا ہے۔ تشدد کی سرگرمیاں خوف، ڈر اور پریشان کرنے کے سرچشمہ میں تبدیلی ہوجاتی ہیں۔ بعض اوقات یہ احساسات تجاوز کر کے خطرہ کے مرحلہ میں پہنچ جاتے ہیں، جن کا نتیجہ قتل یا چہرہ بگاڑ دینا، یا دائمی یا وقتی آفات وعیوب میں مبتلا کر دینا ہوتا ہے۔ خاندانی تشدد کی فطرت کے واضح حدود کو طے کرنے کا تعلق متعدد عوامل سے ہے، جن میں سے نمایاں ترین ثقافت، مروجہ رسم ورواج، ادیان ومذاہب اور قوانین ہیں، بالعموم رسم وریت ہی زیادہ مؤثر ہوتی ہے، حالانکہ ان رسم ورواج میں سے بعض کا مذہب، یا منطق، یا قانون سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، لیکن وہ مقبول سماجی سرگرمیوں کی حیثیت سے باقی رہتے ہیں، جب تک کہ ایسی چیز وجود میں نہ آئے جو ان پر عمل کو باطل کر دے۔ انسانیت کی تاریخ کے دوران بہت سے اشارے اور رموز پائے گئے ہیں جو اس مریضانہ صورت حال کی طرف مشیر ہیں۔ اس کا وقوع پذیر ہونا کسی مخصوص سماج کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ لیکن اس کے وجود پذیر ہونے کے تناسب کو کم کرنے والے وہ وسائل ہیں جو بنیادی طور پر ان کے حل کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں، جب ان کے اندر نفسیاتی، سماجی، قانونی، مذہبی اور سیاسی پہلو باہم مکمل ہوتا ہے تو سماج کی ثقافت اس طرح کی سرگرمیوں کو مسترد کرنے اور ان کے ارتکاب کرنے والوں کو سزا دینے پر مبنی ہوجاتی ہے۔ خاندانی تشدد ایسی صورت حال ہے جس سے انسانیت دور قدیم سے آشنا ہے۔ قرآن کریم نے انتہائی

شدت کے ساتھ سنگین ترین اور انتہائی سنگدلانہ خاندانی تشدد میں سے ایک پر نقد کیا ہے، جو کہ قتل اولاد کی صورت میں ہے اور دیوی و دیوتاؤں کے سامنے ان کو بھینٹ چڑھانا ہے۔ یہ صورت حال ایک رواج بن گئی تھی جو بعض انسانی سماجوں میں رائج تھی، جس میں انسان کی حرمت پامال کی گئی، اس کے حقوق ضائع کر دیئے گئے، یہ سلاطین اور سادھو سنتوں کی سرکشی اور ظلم کے نتیجہ میں ہوا، جنہوں نے اس باطل رسم و رواج کے ایجاد کرنے اور عام کرنے میں باہم تعاون کیا۔ پھر قرآن کریم نے بیان کیا کہ خالق رحمان ورحیم نے اس ظالمانہ صورتحال کو کس طرح حل کیا، جب اللہ سبحانہ نے ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کے واقعہ میں اس رواج کو باطل قرار دیا، جبکہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے چہیتے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ جب انہوں نے امر الٰہی سمجھ کر ایسا کرنا چاہا، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ خواب قانون نہیں ہوتا، تبھی اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم مینڈھا ان کے فدیہ میں بھیج دیا، اس طرح معاملات کو صحیح طریقہ پر بحال کر دیا اور زندہ نبوی نمونہ کے ذریعہ انسانیت کو یہ تعلیم دی کہ اپنے فرزندوں کو قتل کرنا حرام ہے تاکہ ان کو اس جرم کی سنگینی و سنگدلی اور انسان کی حرمت اور زندگی کے اس کے حق کی پامالی دکھائے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**فلما أسلما وتله للجبين** .....'' (۳۷/صافات: ۱۰۳-۱۱۱)۔ (آخر جب دونوں حکم الٰہی کے سامنے جھک گئے اور ابراہیمؑ نے (لخت جگر کو) پیشانی کے بل لٹا دیا (اور لمحات کی دیر تھی کہ چھری چل جاتی)۔ ہم نے آواز دی اے ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا، ہم اسی طرح اچھے لوگوں کو نوازتے ہیں، یہ ایک کھلی ہوئی آزمائش تھی، اور ہم نے اسماعیل کے فدیہ میں ایک عظیم قربانی پیش کر دی۔ اور ہم نے ان کا اچھا تذکرہ بعد کی نسلوں میں باقی رکھا۔ سلامتی ہو ابراہیم پر۔ ہم اسی طرح حسن عمل اختیار کرنے والوں کو نوازتے ہیں۔ وہ ہمارے مومن بندوں میں تھے)۔

۱۷۰۰ (ق م) میں حمورابی کی شریعت میں اس صورت حال کے عام ہونے کی طرف اشارے موجود ہیں، نیز ایسا جرم قرار دینے کے اشارے موجود ہیں جس پر قانون سزا دے، کیونکہ اس

میں تشدد کے مرتکب پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ بھینٹ چڑھنے والے شخص کا معاوضہ دے۔ اس قانون میں قابل توجہ امر یہ ہے کہ اس نے خاندان اور سماج پر لازم قرار دیا ہے کہ اس مسئلہ میں تساہل نہ برتیں۔ اس قانون کی تہہ میں اس وقت کے سماج کے اندر خاندانی تشدد کی صورت حال کی موجودگی مضمر ہے۔ اسی طرح حکومت کا اس کے حل کے لیے قطعی قوانین جاری کرنا اس صورت حال کی سنگینی کو صرف خاندان کے حق میں نہیں بلکہ سارے سماج کے حق میں بتاتا ہے۔ (۱۹۸)

قرآن کریم نے خاندانی تشدد کی ایک بھیانک شکل کی مذمت کی جو اسلام سے قبل بعض عرب قبائل میں رائج تھی، یہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی رسم تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**وإذا المؤدة سئلت بأی ذنب قتلت**" (۸۱/تکویر:۸-۹)۔ (اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے کہ کس گناہ میں اس (بے چاری) کو مارا گیا تھا) یعنی کمسنی میں ان کو کیوں زندہ درگور کیا گیا۔

قرآن کریم نے اولاد کو مار ڈالنے اور ان کو دیوی و دیوتاؤں کو بھینٹ چڑھانے کی رسم جاری رہنے کی مذمت کو جاری رکھا۔ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کے ذبح کیے جانے کی کوشش کی صورت میں نمایاں ہے۔ اس واقعہ کو قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بیان کیا ہے: "**و کذلک زین لکثیر من المشرکین قتل أولادهم .....**" (۶/انعام:۱۳۷)۔ (اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے شریک کردہ خداؤں (دیوتاؤں) نے اپنی اولاد کو قتل کرنا خوشنما بنا کر پیش کر دیا ہے، تاکہ ان کو تباہ و برباد کر دیں اور ان کے دین کو تلبیسات کا شکار کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر پاتے (لیکن فیصلہ الٰہی آزمائش کا

۱۹۸- Wallace, Harvey, Family Violence: Legal, Medical, and Social Perspectives. (3rd Ed. Boston: Altyn and Bacon, 2002, P.374, نیز دیکھیے: جبرین، جبر بن محمد، العنف الأسری خلال مراحل الحیاۃ، ریاض، اصدارات مؤسسۃ الملک خالد الخیریۃ، ط:۱، ۲۰۰۵، ص:۳۰

ہے)اس لیے چھوڑیے ان کو اپنی افترا پردازیاں کرنے دیجئے)۔

نیز فرمان باری تعالیٰ ہے:"**قد خسر الذین قتلوا أولادھم سفھا بغیر علم** ....." (۶/انعام:۱۴۰)۔(یقیناً وہ لوگ سخت گھاٹے میں ہیں، جنہوں نے جہالت اور نادانی میں اپنی اولاد کو قتل کر دیا (دیومالائی خرافات نے ان کی عقلیں ماردیں) اور جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائیں، اللہ پر جھوٹ بول کر ان کو حرام قرار دے لیا، یہ بہت بھٹکے ہوئے اور ہدایت سے محروم لوگ ہیں) اس طرح قرآن کریم نے ان ظالمانہ رسموں کو حرام قرار دیا، ان کو باطل ٹھہرایا اور ختم کیا۔

جاہلیت میں رائج طریقہ کی مانند یوروپ کے قدیم ادوار بھی بیویوں اور بیٹیوں کے خلاف تشدد اور قتل اولاد کی صورت حال کے عام ہونے کے ساتھ ممتاز ہیں۔ایسا فقر وافلاس کے اندیشہ اور ان کے علاوہ دیگر باطل حجتوں سے کیا جاتا تھا، نیز ناپسندیدہ بچوں کے بارے میں لاپرواہی برتنے کی صورت حال بھی عام تھی۔ان کو امراض اور غیر صحتمندانہ غذا کی زد میں آنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا تھا۔(۱۹۹)

بیسویں صدی کے نصف دوم میں، بالخصوص اخیر کے دو دہے کے اندر عالمی طور پر خواتین کے خلاف تشدد کی صورت حال پر انسانی حقوق اور خواتین کے مسائل وغیرہ کے میدان میں اقوام متحدہ کے پروگراموں اور اس کے مختلف منصوبوں کے ذریعہ توجہ مرکوز کی گئی۔بالخصوص ۱۹۹۳ء میں عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمہ کے لیے عالمی منشور سے موسوم قانون کے دائرہ میں اس پر توجہ مبذول کی گئی۔شروع میں بعض سماجوں نے اس موضوع کو قبول کرنے کے بارے

199- Barnett, Olaw., Cindy Miller, Perrin, and Robin D. Perrin. Family Violence Across the Wife Span. Thousand oaks, CA: Sage Publications: 1997, P 6.

میں اندیشہ ظاہر کیا، اس حیثیت سے کہ یہ اس مغربی منصوبہ اور اس کی اس نسوانی تحریک کا حصہ ہے جو خاندانی انتشار کا محرک ہے۔ لیکن علمی تحقیقات و بحوث کے ارتقاء اور اس صورت حال کے مفردات وعناصر کے معانی کے واضح ہونے کے ساتھ یہ بات واضح ہوئی کہ قرآن پاک اس کے تجزیہ اور مذمت کرنے کی طرف سبقت کر چکا ہے، نیز اس نے انسانی تاریخ کے دوران پیدا ہونے والی اس خطرناک صورتحال کا حل پیش کرنے میں بھی سبقت کی ہے۔

اسلام نے انسانیت کے لیے خاندان کا منفرد نمونہ بھی پیش کیا ہے جو حقوق اور ذمہ داریوں کے نظام اور تعلقات کے ڈھانچہ کے بارے میں لطافت اور باریک بینی میں ممتاز ہے۔ جس کا خاندان کے افراد کے درمیان مادی ومعنوی توازن کے تحفظ میں حصہ ہے، جس کی تقویت محبت ومودت، ہمدردی وغمخواری، عفو ودرگزر اور معروف وبھلائی کے اقدار سے ہوتی ہے۔(۲۰۰)

جس سے سکون واطمینان کی فراہمی میں مدد ملتی ہے، نیز ایسے درست تعلقات کی تعمیر و تشکیل میں مدد ملتی ہے جو اندرونی طور پر خاندان کے ڈھانچہ کو محفوظ رکھتے ہیں۔ قرآن کریم نے خاندان کے افراد کے درمیان برے برتاؤ، سنگدلی اور تشدد پر مبنی سرگرمیوں سے خبردار کیا ہے اور ان سے منع کیا ہے، کیونکہ اس پر خاندان کے ستون کی بربادی مرتب ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت عملی تطبیقات ہیں، تاکہ درست خاندانی تعلقات کے قرآنی نمونہ کی تعمیر وتشکیل ہو سکے۔ جس میں ہر ایسی سرگرمی کو مسترد کر دیا گیا ہو جو تشدد کا باعث بنے، اس حیثیت

۲۰۰- دراز، دستور الأخلاق فی القرآن: دراسة مقارنة للأخلاق النظریة فی القرآن، مرجع سابق، ص ۲۱-۱۳۴۔ ڈاکٹر عبداللہ دراز نے ''واجب'' یعنی لازم قرار دینے کے مفہوم کی اصالت بیان کی ہے۔ اس میدان میں پیش کردہ فلسفیانہ آراء کا مناقشہ کیا ہے، تاکہ ان کا ابطال قرآن کریم میں وارد شرعی واجب کے اس فلسفہ سے کیا جا سکے جو استحکام، لچک، توازن اور قدرت وغیرہ کی وہ امتیازی خصوصیات رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مطلق وکامل سرچشمہ سے ماخوذ ہیں۔ لہٰذا استاذ دراز کے) اس عمیق مفہوم کی شرعی اور فلسفیانہ اصالت پر غور کرلو۔

سے کہ یہ سرگرمیاں ایسے وسائل ہیں جو خاندان کے ڈھانچہ کو تباہ کردیتے ہیں اور اس کے تعلقات کا شیرازہ بکھیر دیتے ہیں۔

(الف) خاندانی تشدد کی تعریف:

''لسان العرب' کے مطابق عربی زبان میں ''عنف'' (تشدد) رفق (نرمی) کی ضد ہے۔'' اُعنف الشیٔ'' کے معنی ہیں: اس نے اس چیز کو سختی کے ساتھ لیا۔''تعنیف'' کے معنی ہیں: سرزنش کرنا اور ملامت کرنا۔(۲۰۱)

قرآن کریم نے اس مسئلہ کو موضوع بنایا ہے، اپنے معمول کے مطابق اس کی تعریف کی ،لیکن حدی ومنطقی تعریف نہیں کی ہے، بلکہ ان سرگرمیوں اور برتاؤ کی تعریف کی ہے، جس میں اس قسم کا مرض مضمر ہے، یا اس کا باعث ہے۔قرآن کریم نے اس حالت کو بیان کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے، بلکہ کلی نمونہ اور حل پیش کیا ہے جو حفاظتی اقدامات کی سطح پر مشتمل ہے۔مزید برآں واقعہ پیش آنے کے بعد عملی حل بھی پیش کیا ہے۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سرگرمیوں اور تطبیقات میں بھی ان معانی ومفاہیم پر زور دیا گیا ہے۔

قرآن کریم کے بلند ترین اقدار کی وضاحت کے مطابق'' خاندانی تشدد'' کی تعریف اس طرح کی جاسکتی ہے کہ یہ ظلم وزیادتی کے اقسام میں سے ایک قسم ہے جو ضرر یا اذیت کا سبب بنتی ہے، جس کا ارتکاب ایک فریق دوسرے فریق کے خلاف کرتا ہے۔

اس ظلم کی مختلف صورتیں ہیں، خواہ عمل کے ذریعہ ہو یا دوسرے فریق کی خواہش کے خلاف قول اختیار کرکے ہو۔ یہ ظلم براہ راست اذیت کی شکل میں ہوتا ہے، جو مار وغیرہ کے ساتھ جسم پر ہوتا ہے، جس کا نتیجہ بعض حالات میں قتل ہوتا ہے، یا دائمی یا وقتی جسمانی یا عقلی آفات و

۲۰۱- ابن منظور، لسان العرب، مرجع سابق، مادہ: ''عنف''۔

عیوب ہوتے ہیں۔کبھی یہ ظلم جنسی تشدد کی شکل میں ہوتا ہے۔کبھی لفظی اذیت کی شکل میں ہوتا ہے جو بالعموم جذباتی اور نفسیاتی پہلو سے مربوط ہوتی ہے۔ چنانچہ مال یا اطفال (بچے) سے محرومی کی دھمکی دینا نفسیاتی یا جذباتی اذیت وغیرہ کی ایک قسم ہے، جو نفسیاتی درد والم کا باعث ہے، جس کی شدت میں فرق ہوتا ہے، نیز بسا اوقات اس کا اندازہ لگانا بھی دشوار ہوتا ہے۔ یہ ظلم کبھی نفسیاتی یا عقلی اذیت کی شکل میں ہوتا ہے، جو ایسے الفاظ کو استعمال کر کے ہوتا ہے جن میں سے بعض کو قرآن کریم نے سورہ حجرات اور ہمزہ وغیرہ میں بیان کیا ہے، یعنی مذاق اڑایا جاتا ہے، استہزاء کیا جاتا ہے، لعن طعن کیا جاتا ہے، خردہ گیری کی جاتی ہے، عیب لگایا جاتا ہے، برے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، جھوٹ بولا جاتا ہے، افتراء پردازی کی جاتی ہے، بدگمانی کی جاتی ہے اور ٹوہ وغیرہ میں پڑا جاتا ہے، تاکہ جس خاتون کو نشانہ بنایا جارہا ہے، اس کی تذلیل وتوہین کی جائے کہ تعلق میں وہی کمزور ترین فریق ہے۔(۲۰۲)

اسے قرآن کریم نے تفصیل کے ساتھ سورۂ حجرات میں موضوع بنایا ہے۔قرآن پاک کے مطابق یہ حرام سرگرمیوں میں سے ہے۔اللہ سبحانہ نے ان اعمال کو انجام دینے والوں کو عذاب اور سخت حساب کی دھمکی دی ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ نہیں کرتے ہیں، یہ وعید اس کے مدنظر سنائی گئی ہے کہ اس کے اعمال تشریع کے تمام مقاصد کے منافی ہیں، خواہ بلند ترین اقدار (توحید، تزکیہ اور آبادکاری) کی سطح پر ہو یا مطلق اقدار واخلاق (عدل وانصاف، آزادی، ہمدردی وغمخواری، عفو ودرگزر، معروف ونیکی اور احسان) کی سطح پر ہو، یا ان تمام ضروریات کی بربادی کی سطح پر ہو، جن کا تقاضا شریفانہ انسانی تعلقات کرتے ہیں۔ جبکہ تشریع کے تمام مقاصد

۲۰۲- اس میدان میں انگریزی زبان میں مؤلفہ کی بعض تالیفات دیکھیے: Abugideiri and Alwani. What Islam Syas about Domestic Violence?
Alwani, Zainab. the Qur'anic Model to Harmony in family Relations".

ان کے تحفظ کی دعوت دیتے ہیں۔ارشاد الٰہی ہے:

"**یا أیها الذین ء اٰمنوا لایسخر قوم من قوم** ....." (۴۹/حجرات:۱۱-۱۲)،(اے ایمان والو! کوئی قوم (قبیلہ، گروہ، جماعت، برادری حتی کہ کوئی فرد) کسی قوم (قبیلہ گروہ، جماعت، برادری حتی کہ کسی فرد) کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔اور آپس میں عیب چینی اور طعن وتشنیع نہ کیا کرو اور نہ برے ناموں اور اوصاف سے کسی کو پکارا کرو، ایمان کے بعد معصیت اور نافرمانی بڑی بری صفت ہے، جو توبہ نہیں کریں گے، ظالم و بدعمل شمار ہوں گے۔اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، واقعہ یہ ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی ٹوہ میں نہ لگا کرو، اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا ظاہر ہے کہ تم اس کو قبول نہیں کر سکتے، تو اللہ کے احکام کا لحاظ رکھو، بے شک اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اور رحم فرماتا ہے)۔قرآن مجید نے متعین طور پر حالت طلاق میں ہر قسم کے ضرر کے استعمال سے خبردار کیا ہے، اور مردوں کو اپنی طلاق یافتہ خواتین کو اذیت پہنچانے سے منع کر دیا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**و إذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن** ....." (۲/بقرہ:۲۳۱)،(اور اگر تم بیویوں کو طلاق دے دو، اور وہ اپنی مدت (عدت کے اختتام) تک پہنچ رہی ہوں تو (عدت گزرنے سے پہلے) یا تو انہیں بھلے طریقہ پر روک لو (یعنی رجوع کرلو) یا اچھے طریقہ پر رخصت کر دو، انہیں نقصان پہنچانے کے لیے اور زیادتی کرنے کے لیے روکنا جائز نہیں ہے۔جو ایسا کرے گا، خود اپنے اوپر ظلم کرے گا، اور اللہ کی آیتوں اور حکموں کو مذاق مت سمجھو، یاد رکھو ان انعامات کو جو اللہ نے تم پر کئے، اور ان ہدایات کو جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل فرمائیں، اور ان حکیمانہ باتوں کو جن کی نصیحت وہ تم کو فرماتا ہے، اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ کو تمام باتوں کا علم ہے)۔

نیز ارشاد الٰہی ہے:"أسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ....." (۶۵/ طلاق:۶)، (ان مطلقہ) عورتوں کے قیام کا اپنی حیثیت کے مطابق وہاں انتظام کردو، جہاں تم رہتے ہو، اور انہیں دق نہ کرو، ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر بے جا تنگی کرنے لگو، اور اگر وہ حاملہ ہوں تو جب تک وضع حمل کے مرحلہ سے نہ گزر جائیں ان پر خرچ کرتے رہو، اور وہ تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو، اور اچھے طریقہ پر آپس میں مشورہ کرتے رہو، اور اگر تم تنگی کا رویہ اختیار کرتے ہو تو کوئی دوسری عورت بچوں کو دودھ پلائے)۔

قرآن پاک نے ان کو آمادہ کیا ہے جن پر ظلم ہوتا ہے کہ وہ خاموش نہ رہیں اور اس ظلم کو قبول نہ کریں بلکہ ضروری ہے کہ اپنا انتقام لیں، اور ان سرگرمیوں کو مسترد کردیں، جیسا کہ سورۂ شوریٰ کی بعض آیتوں میں وارد ہے:"والذين إذا أصابهم البغي هم ينتصرون ....." (۴۲/شوریٰ:۳۹-۴۳)، (اور وہ کہ جب ان پر ظلم وزیادتی ہوتی ہے، تو اپنی فتح ونصرت کے لیے کاروائی کرتے ہیں۔ اور برائی کا بدلہ اسی طرح برا ہوتا ہے، اور جو عفو ودرگزر سے کام لے اور صلح و صفائی کرے، تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے، وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو اپنے اوپر ظلم کے بعد اپنا دفاع کریں اور مقابلہ کریں ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔ مواخذہ ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں، ان کو دردناک سزا ملتی ہے۔ اور جو صبر سے کام لے اور معاف کردے تو یہ عزیمت کی بات ہے)۔

سماجیات کے جن ماہرین، نفسیات کے ماہرین، قانون دانوں، اطباء، سماجی معاملات کے اسپیشلسٹ اور ماہرین جرائم وغیرہ نے اس سنگین مرض پر مبنی صورت حال کے مطالعہ کا اہتمام کیا ہے، ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے میدان کار کے اعتبار سے اس کی وضاحت کی ہے۔ لیکن تمام ماہرین کا اس پر اتفاق ہے کہ خاندانی تشدد وہ مریضانہ برتاؤ ہے جس میں خاندان کے قریب ترین شخص کو اذیت پہنچائی جاتی ہے۔ نیز اس میں ہر وہ عمل یا برتاؤ شامل ہے جو دوسرے

شخص کوضرر یا جسمانی درد والم وغیرہ پہنچانے کی نیت یا قصد سے کیا جائے۔(۲۰۳)

نیز اس میں ہر وہ تصرف یا عمل شامل ہے جو جسمانی تشدد، یا نظر انداز کرنے یا بدمعاملگی اور برے برتاؤ کا سبب بنے، جس شکل میں بھی ہو، خواہ نفسیاتی شکل میں ہو، یا جذباتی یا جنسی شکل میں ہو، یا کسی دوسری شکل میں ہو، جو خاندان کے کسی فرد کی طرف سے دوسرے کے خلاف ہو۔(۲۰۴)

لہٰذا خاندانی تشدد ایک فرد کا اپنے خاندان کے کسی فرد پر جسمانی ظلم وزیادتی، یا دھمکی یا بدمعاملگی یا توہین یا حیثیت گھٹانے، تحقیر کرنے یا استحصال یا اس پر سماجی عزلت و گوشہ نشینی لازم کرنے کے ذریعہ تسلط جما لینا ہے۔ اسی طرح نظر انداز کرنے کی ہر شکل کا شمار خاندانی تشدد کی اقسام میں سے ہوتا ہے۔

(ب) امریکی سماج میں خاندانی تشدد:

امریکہ میں خاندانی تشدد کا شمار ایک بڑے مسئلہ کے طور پر ہوتا ہے، جس کو تمام طبقات کے ساتھ سماج جھیل رہا ہے۔ یہ کسی مخصوص قوم، مذہب یا متعین سماجی طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ مار پیٹ، اذیت رسانی، گالم گلوج اور خواتین کے قتل کے واقعات، امریکی وزارت عدل کی رپورٹ کے مطابق ہر نو سکنڈ پر ایک مرتبہ ہوتے ہیں۔ نیز یہ بات بھی واضح ہوئی کہ 50% بے گھر و بے سہارا لوگ جن کے پاس کوئی پناہ گاہ نہیں (خواتین ہوں کہ بچے) وہ تشدد کی بھینٹ چڑھتے ہیں، یہ ایسی صورت حال ہے جو امریکہ میں عام ہے۔

مزید خرابی اس طرح پیدا ہوتی ہے کہ زیادہ تر بچے ایسے افراد کے ساتھ رہتے ہیں جو

203- Crowell, N. and w. Burgess. Understanding Violence Against Women; Washington, D.C. National Academy Press. 1996, P. 14

204- Wallace, Harvey. Family Violence, P. 310

غیر شادی شدہ یا طلاق یافتہ ہیں۔ امریکی اعداد وشمار اس طرف مشیر ہیں کہ ۱۹۸۵ء اور ۱۹۹۱ء کے درمیان بچوں پر زیادتیوں کا تناسب 40% ہوگیا۔ یونسیف کے ۲۰۰۴ء کے اعداد وشمار کا اندازہ ہے کہ تقریباً ۳۵۰۰ بچے جن کی عمر پندرہ سال سے بھی کم ہے امریکہ وغیرہ صنعتی ممالک میں تشدد اور خاندان کے برے برتاؤ کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔ ادارۂ صحت اور امریکی سماجی معاملات کے ادارہ نے اعلان کیا کہ اطفال کے تحفظ کے اداروں کو ۱۹۹۹ء میں تقریباً دوملین (بیس لاکھ) بچوں کے ساتھ برے سلوک و برتاؤ کی اطلاع ملی۔ یہ بھی پایا گیا کہ ایک ملین (دس لاکھ) سے زیادہ واقعات میں صحت کے ثبوت کی خاطر جائزہ اور تحقیق کی ضرورت ہوئی۔ اگرچہ یہ واقعات عام طور سے اعداد وشمار کے رجسٹر میں ریکارڈ کئے جاتے ہیں، لیکن ان واقعات سے دوگنی تعداد میں ایسے واقعات ہیں جن کی اطلاع ہی نہیں ہوتی ہے۔ بعض امریکی تحقیقات میں یہ بات کہی گئی ہے کہ 80% قتل کے جرائم خاندانی تشدد کے نتیجہ میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء اور ۱۹۹۰ء کے درمیان جرائم کا تناسب 500% ہوگیا (۲۰۵)، مزید برآں منشیات اور موروثی طور پر اس کی لت رکھنے والے اطفال کا سنگین مسئلہ ہے جن سے یہ وبا دیگر معصوم بچوں کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ (۲۰۶)

۱۹۹۹ء میں پانچ ملین (پچاس لاکھ) سے زیادہ خاتون تشدد کا نشانہ بنیں، یعنی ہر چار میں سے ایک خاتون باقاعدہ تشدد کا شکار ہوتی ہے۔

اس پر تشدد برتاؤ کے اسباب کے مطالعہ کے ساتھ مخصوص تحقیقات اور بحثوں کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے۔ اس کے باوجود کہ متعدد میدانوں میں اس صورتحال کا تجزیہ کیا گیا، مگر نتائج اس

۲۰۵- سماک، محمد، ''حقوق الطفل بین الشرعۃ والشریعۃ''، بیروت، دارالاجتہاد، مجلۃ الاجتہاد ع ۳۹-۴۰، ۱۹۹۸ء

206- Kurdek, Lawrence A. Are Gay and Lesbian Cohabiting Couples Really Different from He tero sexual Married Couples? "Journal of Marriage and family, 66, 4 (November, 2009): 880-900

بات کو بتاتے ہیں کہ اس پر تشدد برتاؤ کی تشریح ایک سبب کے ذریعہ نہیں ہوسکتی ہے۔ اس کے کئی اسباب ہیں جو باہم ملے ہوئے ہیں جن کا باہمی اثر مرتب ہوتا ہے۔ یہاں متعدد نظریات بھی ہیں جن میں اس میدان کے اندر اس برتاؤ اور اس کے اسباب کی تشریح کی کوشش کی گئی۔ ان اسباب میں سے بعض نفسیاتی ہیں تو بعض سماجی ہیں۔ اس میدان میں تحقیق مسلسل جاری ہے۔ لیکن ان عمومی اسباب میں سے بعض نے تربیت اور پرداخت کی اہمیت پر زور دیا ہے، بالخصوص بچہ کی زندگی کے ابتدائی سالوں میں تربیت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، نیز شخصیت سازی میں اس کے بڑے اثرات پر بھی توجہ مرکوز کی گئی ہے۔ یہ صورت حال اس لئے بھی پیدا ہوتی ہے کہ بچہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کو دیکھتا ہے کہ وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے تشدد کو ذریعہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مزید برآں خاندان اور سماج تساہل برتتا ہے اور اس طرح کے سلوک و برتاؤ کو قبول کرلیتا ہے۔

دوسرے اہم اسباب بھی پائے جاتے ہیں جو خاندانی تشدد کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ان اسباب میں سے بعض یہ ہیں: الکحل اور منشیات کا استعمال، نفسیاتی امراض جو شخصیت کے اضطراب کا سبب بنتے ہیں، ایسے ہی: جہالت، فقر و افلاس، بے کاری اور سوشل و سماجی امتیازی برتاؤ بھی خاندانی تشدد کے اسباب ہیں۔ گذشتہ سارے اسباب میں امریکی مسلم خاندانوں کے ساتھ مخصوص بعض اسباب کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے، بالخصوص امریکی مسلم خاندانوں میں سے مہاجر خاندانوں کے ساتھ مخصوص بعض اسباب کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ جس کے بہت سے افراد تشدد کا شکار ہوتے رہتے ہیں، خواہ ان جنگوں کے ذریعہ ہوں، جن کی شکلوں میں اخیر کے دہوں میں اضافہ ہوا ہے، یا خاص کر مردوں کا سیاسی ظلم وغیرہ کے شکار ہونا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ سماجی تکافل کی سطح پر روایات اور عادات و اطوار میں بھی بنیادی اختلافات پائے جاتے ہیں، نیز مشترکہ خاندان بھی موجود نہیں ہے، جس کی بنا پر میاں بیوی تنہا ان سارے چیلنجز کا سامنا کرتے ہیں۔

(ج) خاندانی تشدد سے تحفظ کے وسائل:

امریکہ کے تمام اطراف میں زبردست پیمانہ پر ذہن سازی کی مہم شروع ہوئی ہے، جبکہ اس صورت حال کی سنگینی اور اس کے عام ہونے کو سمجھ لیا گیا ہے۔ بلکہ وسیع پیمانہ پر اس میں دلچسپی لینے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اکیڈمک میدان بھی اس کا اہتمام کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ ''خاندانی تشدد'' کے مفاہیم، اس کے اسباب، اثرات ونتائج اور حل کے وسائل اور طریقوں کے مطالعہ کے لیے مخصوص تحقیقاتی مراکز، اداروں اور یونیورسٹیوں کے اندر تحقیقاتی شعبے قائم کیے گئے ہیں اور اس قسم کے اعمال اور سرگرمیوں کو ان سنگین سماجی امراض میں سے ایک مرض قرار دیا گیا ہے جن کا مؤثر شکل میں حل نکالنا ضروری ہے، کیونکہ اس کے سبب افراد، خاندان اور پھر سماج کے حق میں سنگین مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ بہت سے اہم تحقیقاتی مراکز، جیسے: ادارہ ''رانڈ'' (۲۰۷) نے جو سیاست کی گاڑی کی رفتار کو درست رخ دینے میں رہنما کردار ادا کرتا ہے، اس بات پر زور دیا ہے کہ بچوں کی صورتحال کا مطالعہ کیا جائے، ان کے حالات کا اہتمام کرنے والے بحوث وتحقیقات اور اعداد وشمار کا جائزہ لیا جائے۔ اسی طرح ان پروگراموں اور انجمنوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے جو صحت، تعلیم اور نفسیاتی لحاظ سے بچوں کے احوال کو بہتر بنانے میں حصہ لیتے ہیں، نیز محدود آمدنی والے خاندانوں کو امداد فراہم کرتے ہیں، ایسے ہی سیاسی سربراہوں کی مدد کی جائے جو ان مسائل کا جائزہ لیں اور ان کے بارے میں لازمی کاروائیاں کریں۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ تفصیلی ریکارڈ موجود ہیں جو ان اشخاص کے نام پر مشتمل ہے جو سارے صوبوں کے اندر اپنے فرزندوں کی تعلیم کو جاری رکھنے کی خاطر خاندان کی مدد کرتے ہیں۔

اس طرح تمام ذمہ دار اداروں نے اس سنگین صورت حال کے حل کے لیے مؤثر وسائل کی فراہمی کی اہمیت کو سمجھ لیا۔ حکومت نے مختلف قوانین جاری کیے جو اس طرح کے برتاؤ

207- www.rand.org

سے نمٹنے کے لیے ہر حالت کے مناسب ہوں، مزید برآں مختلف پہلوؤں سے خاندانی تشدد کے مسئلہ سے نمٹنے کے لیے سماجی خدمت کی تنظیمیں قائم کی گئیں۔ ایک مدت کے بعد پتہ چلا کہ اس اہم مسئلہ کا ایک ایک اہم پہلو یعنی دین موجود نہیں ہے (اسے نظر انداز کر دیا گیا ہے)۔ جیسا کہ ذمہ داریوں کی تقسیم کے سلسلے میں سیکولر نظام میں ہوتا ہے۔

چنانچہ دین کی ذمہ داری اور تعلیم اور ذہن سازی کے ذریعہ حل کے میدان میں اس کے استعمال کی تحدید کی گئی، نیز بعض دینی تصورات کی تاویل کی گئی جن کے سمجھنے میں غلطی کی گئی تھی۔ اس طرح قانون اور سماجی و علمی اداروں اور مذہبی مراکز اور اداروں جیسے کلیسا وغیرہ کے درمیان تعاون ہوا، تاکہ خاندانی تشدد کی خطرناکیوں کے بارے میں شعور کو عام کرنے کے لیے ساری کوششیں صرف کی جائیں۔ نیز اس سے پیدا ہونے والے ان منفی اثرات کے بارے میں بھی شعور کو عام کیا جائے، جن کی زد افراد اور خاندان سے سماج پر پڑتی ہے۔ تشدد سے تحفظ کی خاطر مختلف قسم کی تحفظاتی اور احتیاطی کاروائیوں کو ارتقاء دینے کا آغاز ہوا، مزید برآں ان واقعات کا حل نکالا گیا جو خاندانی تشدد کی زد میں آئے۔ ایسے ہی شادی اور شادی شدہ افراد کے احوال کو بہتر بنانے کے لیے پروگرام مخصوص کیے گئے، جو متعین طور پر مذہبی اداروں کی سرگرمیوں اور نشاطات کا حصہ بن گئے، خواہ عقد نکاح سے پہلے ہوں یا بعد میں ہوں۔

جہاں تک بچوں کے تحفظ کا تعلق ہے تو حکومت نے ان جرائم کے خلاف متعدد قوانین جاری کیے، جن کا ارتکاب بعض افراد بچوں کے حق میں کرتے ہیں، مثلاً: طویل اوقات تک ان کو پُرمشقت کام پر مجبور کرتے ہیں۔ ان سے سیکس کی تجارت (Sex Trafficking) کراتے ہیں، یہ وہ جرائم ہیں جن میں بچوں کو سیکس کے مقابلہ میں مال حاصل کرنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ دیگر اوقات میں لڑکوں اور لڑکیوں کو مال کے مقابلہ میں اغوا کر لیا جاتا ہے۔ جہاں تک بچوں اور ان کے خاندان کے درمیان پیدا ہونے والے مسائل کے حکومتی اتھارٹیز کے حل کا مسئلہ ہے، تو یہ رخ

اخیر کے تین دہوں میں سامنے آیا جب اقوام متحدہ نے انسانی حقوق، بچوں اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں منشور جاری کیے، بالخصوص آٹھویں دہے کے اخیر اور نویں دہے کے شروع میں۔

حکومتی اسکولوں کی سطح پر کمسنی سے ہی بچوں کے لیے تربیتی پروگرام پیش کیے گئے، تاکہ بچے، بچوں کے ساتھ ہونے والے برے سلوک (Child abuse) کے مفہوم کو سمجھ لیں۔ یہ ایک وسیع اصطلاح ہے، اس کی مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا عمل کیا جائے جو بچہ کو اذیت پہنچائے، یا ان کی آزادی کو مقید کرنے کی کوشش کرے، خواہ وہ عمل والدین سے صادر ہو یا اساتذہ سے صادر ہو، یا ان کے علاوہ دیگر افراد سے صادر ہو۔ اپنی فطرت کے اعتبار سے برے سلوک کی مختلف شکلیں ہیں، ان میں سے بعض سنگین ہیں، جیسے: جسمانی زیادتی، جنسی زیادتی، نفسیاتی زیادتی یا جذبات سے متعلق زیادتی۔ ان برے سلوکوں میں سے ہر ایک سلوک سے علیحدہ اور مستقل طور پر نمٹا جاتا ہے۔ اگر برا سلوک کسی استاذ یا اسکول کے ورزش کی ٹریننگ دینے والوں میں سے کسی کی طرف سے ہوتا ہے تو سماجی خاتون اسکالر اس برے سلوک پر مرتب ہونے والے اثرات کے حل کے لیے اسکول کی انتظامیہ اور خاندان کے ساتھ تعاون کرتی ہے۔ علمی وسائل اور تربیتی اسالیب کے ارتقاء کے ساتھ ہی اساتذہ اور سماجی اسکالرز بچوں کے عادات و اطوار اور متنوع روایات کو زیادہ سمجھنے لگے ہیں۔ نیز ان کے جوش و جذبہ میں مزید اضافہ ہوا تاکہ وہ والدین اور خاندان کے ساتھ ان کے طلبہ فرزندوں کے ذہن میں نفع بخش عادات و اطوار اور روایات کو پختہ کرنے اور ان کو بری عادات سے بچانے کے لیے تعاون کر سکیں۔

جسمانی اذیت اور مار پیٹ کا شمار ان عادات و اطوار میں سے ہوتا ہے جن کے باطل ہونے اور تربیتی لحاظ سے مؤثر نہ ہونے کا اعتقاد راسخ ہے۔ اسی چیز نے متعدد صوبوں کو اس پر آمادہ کیا کہ اپنے زیر کنٹرول اسکولوں میں مار کو ممنوع قرار دیں۔

رہا والدین کا اپنی اولاد کو مارنا تو متعدد ایسے حالات نظر میں آئے ہیں جن میں خاندان

نے اپنے کسی فرزند کو اس وجہ سے کھو دیا کہ تربیتی اسلوب کے طور پر اس نے مار کا استعمال کیا۔ امریکی صوبے مار کو برے سلوک کی قسموں میں سے ایک قسم شمار کرتے ہیں، جس کا مرتکب قانونی پوچھ تاچھ اور کاروائی کی زد میں آ سکتا ہے۔ لیکن بہت سے ہجرت کرنے والے ان صوبوں کے قوانین سے ناواقف ہیں جہاں رہتے ہیں، حتی کہ اسکولوں کے قوانین اور نظاموں سے بھی ناواقف ہیں۔ اگر کوئی بچہ مار کا شکار ہوتا ہے تو وہ تنہا یا اپنے اسکول کی مدد سے، یا دیگر پڑوسیوں کی مدد سے ذمہ دار اداروں کو اطلاع دیتا ہے، بالخصوص جبکہ جسم پر بہ ظاہر مار کے اثرات ونشانات اور چوٹیں اور زخم نظر آ رہے ہوں۔ جس حالت میں یہ ثابت ہوجائے کہ بچہ کی زندگی خطرہ میں ہے، یا یہ کہ اسے اذیت دی گئی ہے اور جسم پر زخم کے اثرات واضح ہوں، تو اسے اس کے خاندان سے لے کر پرورش کرنے والے (Foster Family) کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ کبھی اس کے رشتہ داروں کے درمیان ایسے شخص کی تلاش کی جاتی ہے جو گھر سے منتقل کرنے کی اس مدت میں اس کی کفالت کرے۔ اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ بچہ کے رشتہ داروں میں سے کوئی اس کی کفالت کرنے والا موجود نہیں ہے تو متبادل خاندان سے مدد لی جاتی ہے جسے اس علاقہ کی بلدیہ نامزد کرتی ہے۔ اس کے یہاں باضابطہ اس کا ریکارڈ ہوتا ہے، بچہ کے بارے میں قانونی کاروائی ختم ہونے اور عدالت کا فیصلہ جاری ہونے تک۔ پھر بچہ متعین پروگرام مثلاً: ''غصہ کا حل''، کے پروگرام ختم ہونے کے بعد، نیز نفسیاتی اور عصبیاتی علاج کے پروگرام اور اس کے علاوہ مخصوص پروگراموں کی تکمیل کے بعد اپنے خاندان میں واپس آ جاتا ہے۔ بہرحال اگر بچہ کو الکحل وغیرہ کی لت ہو تو کاروائی دوسری شکل اختیار کر لیتی ہے جس میں الکحل کی لت کا علاج اور باریک بینی کے ساتھ حالات کا جائزہ شامل ہے، یہاں تک کہ بچہ کی سلامتی کا تیقن حاصل ہوجائے۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس میدان سے متعلق پیش کردہ پروگرام اور قوانین کے لحاظ سے ہر صوبہ اور خطہ کی اپنی خصوصیات ہیں جو کئی حیثیتوں کی تابع ہیں، ان میں نمایاں ترین: رہائش رکھنے والوں کی تعداد،

خطہ کی فطرت اور معاشی ثقافتی اور تعلیمی حالت ہے۔

حال کے دنوں میں اس صورت حال کا بھی واضح طور پر اہتمام ہوا جسے ''عمر درازوں'' کو نظر انداز کرنے سے موسوم کیا جاتا ہے؛ کیونکہ بہت سے عمر دراز افراد سڑکوں اور عمومی جگہوں پر اس حال میں پائے جاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی یادداشت کھودی ہے، یا ان کو معلوم نہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔اس کے بالمقابل متعدد مہاجرین ایسے پائے جاتے ہیں جو ایسے ماحول سے آئے ہیں جن میں لازم ہوتا ہے کہ بیٹے اپنے باپ حضرات کا اہتمام کریں۔اور جن کے اندر اس سماجی تکافل کے اصول عام ہیں، جو مشترکہ خاندان اور حقوق وفرائض کے نظام پر مبنی ہے، لہٰذا خاندان کے افراد باہم تعاون کرتے ہیں اور باہم ذمہ داریوں کو تقسیم کر لیتے ہیں، اس لیے ایک شخص کے کندھے پر ذمہ داریاں عائد نہیں ہوتی ہیں۔بہر حال مغربی ممالک جو اس سیکولر نظام کے فلسفہ پر قائم ہے، جو انفرادیت اور انفرادی آزادی پر یقین رکھتا ہے، اسے سماجی تکافل کے نظام کی ضرورت ہے؛ کیونکہ ہم ایسے فرزند نہیں پاتے ہیں جو بڑھاپے میں اپنے باپ حضرات کی نگہداشت کریں۔مغربی سیکولر نظام کے اندر خاندان کا مفہوم دیگر قوموں کی ثقافتوں کے اندر اس کے مفہوم سے مکمل مختلف ہے۔یہ واضح طور پر عمر دراز افراد وغیرہ کے اہتمام کے میدان میں واضح ہے۔مہاجرین اس مسئلہ کا سامنا اس وقت کرتے ہیں جبکہ بعض مہاجرین اپنے والدین کو اس ملک میں بلاتے ہیں، بیٹے دن میں اپنے کام میں چلے جاتے ہیں اور ان کو تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔اس کی تشریح نظر انداز کرنے سے کی جاتی ہے، بالخصوص جبکہ عمر دراز شخص باہر نکلے، حالانکہ اسے خطہ کے خدوخال کا پتہ نہیں ہے۔بعض ابحاث اور تحقیقات میں اسے خاندانی تشدد کی قسموں میں سے ایک قسم شمار کیا گیا ہے۔حال کے سالوں میں متعدد ادارے اور انجمنیں مختلف جگہوں پر پائی گئی ہیں جو عمر دراز افراد کے معاملات اور احوال میں دلچسپی لیتی ہیں تاکہ سماج کی ضروریات پوری ہوں۔ان میں سے بعض دینی اور رفاہی ادارے ہیں جو پوری محنت اور جانفشانی کے ساتھ عمر دراز اشخاص کی خدمت کرتے ہیں، وہ حکومت کے ساتھ تعاون کے بھی حریص

ہیں۔حکومت کا رول عام طور سے محدود ہوتا ہے۔اس ادارہ میں کام کرنے والوں کو وسیع پیمانہ پر ٹریننگ دی جاتی ہے تاکہ وہ مختلف امراض بالخصوص مزمن ولا علاج امراض کے حالات سے نمٹنے پر قادر ہوجائیں۔ جیسے: ''الزائمر'' (Alzheimer's: ایک دماغی بیماری) یا ڈیمنشیا (Dementia: ذہنی عارضہ) وغیرہ امراض جو آج وسیع پیمانہ پر عام ہیں اور پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان اداروں میں اکثر کام کرنے والے رضا کار ہیں، ان میں سے بہت سے افراد اپنے گرجا گھر، یا خطہ میں پھیلے ہوئے مذہبی مراکز کے ذریعہ کام کرتے ہیں۔فرد اور خاندان کی روزانہ کی پیچیدہ اور دشوار کن زندگی کے مدنظر دیگر ذمہ داریاں اور بوجھ اٹھانا دشوار ہے، بالخصوص والدین میں سے کسی ایک یا دونوں کی صحت کی بگڑتی ہوئی حالت کی صورت میں، اسی وجہ سے یہ ادارے قائم کیے گئے ہیں تاکہ وہ عمر دراز افراد کی نگہداشت کے کام انجام دیں۔(۲۰۸)

نیز ان کے گھر والوں کو روزانہ کی زندگی جاری رکھنے اور بہ آسانی اپنے کام کرنے میں مدد دیں۔ یہ ایک فطری ارتقا ہے، جو امریکہ اور مغرب میں اختیار کردہ سیکولر نقطۂ نظر کے فلسفہ کی عکاسی کرتا ہے۔

(د) مسلم گروپ اور خاندانی تشدد:

باوجودیکہ خاندانی تعلقات و اقدار کے حوالے سے امریکی مسلمانوں کی کچھ خصوصیات و امتیازات ہیں اور ان کا خاندانی نظام دوسروں سے ممتاز ہے، پھر بھی مختلف اسباب کی بنیاد پر امریکہ کا مسلم سماج بھی خاندانی تشدد کے رجحان سے محفوظ نہیں رہا، کیونکہ متعدد عوامل ومحرکات نے اس صورت حال کے دائرہ اور شکلوں کے وسیع ہونے میں حصہ لیا ہے تاکہ اس کی زد

۲۰۸- مؤلفہ کو امریکی سماج کے ساتھ تعامل اور وہاں کے مختلف اداروں بالخصوص تربیتی، اکیڈمک اور سماجی اداروں کی مختلف سرگرمیوں میں شرکت کا موقع ملا ہے، جس سے اس قدر علمی اور عملی تجربہ حاصل ہوا ہے کہ اسے اتنی قدرت حاصل ہوگئی ہے کہ متعدد سماجی صورت حال پر نظر رکھے اور اس کا تجزیہ کر سکے۔

مسلم گروپ کے فرزندوں پر بھی پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج کل یہ صورت حال ان سنگین چیلنجز میں سے ایک ہے، جن کا امریکی مسلم گروپ کو سامنا ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ امت کے فقہاء، علماء اور سارے انسانی اور سماجی میدانوں اور دیگر میدانوں کے ماہرین اس صورت حال کے عناصر اور مسائل کے لیے تعاون کریں، پھر ان کی اصلاح کے لیے ''حلول'' کی دوبارہ تشکیل کی جائے۔ یہ صرف مسلم گروپ کی سطح پر نہ ہو، بلکہ عمومی طور پر انسانی سماج کی سطح پر ہو۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے بہت سے ان عادات واطوار کی اصلاح کے سلسلہ میں کیا جو ظلم وزیادتی سے متصف تھے، بالخصوص عورت، اطفال و بچے اور کمزور انسان یعنی غلام اور فقراء ومساکین وغیرہم کے خلاف۔ یہ اصلاح کا کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال کے عرصہ میں سماجی اصلاح اور تبدیلی کی خاطر سنجیدہ اور پیہم عمل کے ذریعہ کیا۔

ذیل میں مسلم گروپ کی سطح پر اس موضوع سے متعلق بعض اہم چیلنجز کو پیش کیا گیا ہے اور ان کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں بلند ترین اسلامی اقدار اور مقاصد کو استعمال کیا گیا ہے، نیز اس موضوع کا جائزہ لینے اور حل کرنے کے لیے منہج بنایا گیا ہے:

(ھ) مسلم گروپ میں خاندانی تشدد کے اہم ترین مظاہر:

امریکی مسلم گروپ کے دائرہ میں اس صورت حال کے موجود ہونے کی طرف جن لوگوں نے سب سے پہلے توجہ مبذول کرائی، ان میں جنابہ شریفہ خطیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا ہیں۔ انہوں نے اس وقت توجہ مبذول کرائی جبکہ وہ مسلم خواتین کی شمالی امریکہ کی انجمن (NACMW) کی صدر تھیں۔ ۱۹۹۳ء میں اس میدان میں اولین اعداد وشمار ریکارڈ کیے گئے جن میں امریکہ کے مختلف مسلم گروپس کے تقریباً ۶۳ مسلم مرد اور خاتون شامل تھے۔ ان میں تقریباً 10% جسمانی تشدد کے تناسب کا اندازہ کیا گیا۔ نیز یہ بھی اندازہ کیا گیا کہ نفسیاتی اور

جذباتی تشدد سے متعلق برے برتاؤ کا تناسب اس سے بہت زیادہ ہے۔اس بات کو ان کے بعد نفسیاتی اور ذہنی وعقلی صحت کے دیگر ماہرین ومحققین نے بھی ثابت کیا؛ کیونکہ انہوں نے زور دے کر یہ بات کہی کہ یہاں بہت سی خاندانی زیادتیاں ایسی پائی جاتی ہیں جن کا حکومتی سطح پر ریکارڈ نہیں ہوتا ہے، جس کی وجہ سے تناسب بہ ظاہر محدود نظر آتا ہے۔(۲۰۹)

بہرحال نفسیاتی اور سماجی مشورے کے میدان میں کام کرنے والے افراد بھی اپنے یہاں پیش آمدہ حالات سے متعلق بعض تحقیقات پیش کرنے لگے ہیں۔جس سے بذات خود موضوع کی اہمیت اور مسلم گروپس کے دائرہ میں ان کی قومیتوں اور متنوع اصول سے صرف نظر کرتے ہوئے عام ہونے پر روشنی پڑتی ہے۔

میں نے بھی درست خاندانی تعلقات کی تعمیر وتشکیل کے بارے میں قرآنی نمونہ کے مطابق اسلامی تصور کے ساتھ اس موضوع پر بحث میں شرکت کی ہے۔یہ شرکت تین کتابوں کے ذریعہ ہوئی ہے جس کی تالیف خاندانی تشدد کے موضوع سے متعلق مختلف میدانوں کے دیگر ماہرین ومحققین کے تعاون سے ہوئی ہے۔

یہ کوششیں ایک طرف مسلم گروپس کے افراد کے درمیان احساس عام کرنے کے لئے کی گئیں تو دوسری طرف اس میدان میں کام کرنے والے غیر مسلم افراد کی ذہن سازی اور خاندانی تشدد کے موضوع سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر سے ان کو واقف کرانے کے لیے بھی کی گئیں۔(۲۱۰)

209- Elkhadi Abugideiri, Salma. "Domestic Violence Among Muslims Seeking Mental Health Counseling". P. 93

210- Abugideiri and Alwani. What Islam says about Domestic Violence?, Alwani, "the Qur'anic Model for Harmony in Family Relation".

مسلم گروپس کے دائرہ میں عام ہونے والے خاندانی تشدد اور ظلم کے نمایاں ترین مظاہر درج ذیل ہیں:

۱- مرد اپنی بیوی کو زبانی تین طلاق دے دیتا ہے، اس پر گواہ نہیں بناتا ہے، نہ ہی اس کے دستاویز تیار کرتا ہے۔ اس طرح کہ خاتون کو معلق چھوڑ دیتا ہے، اسے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ طلاق یافتہ ہے یا شادی شدہ ہے۔ جب عدت ختم ہوجاتی ہے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتی ہے کہ یہ عدت طلاق ہے۔ اس سے شادی کرنے والا آتا ہے تو لپک کر اس کا (پہلا) شوہر اس کے پاس آتا ہے تاکہ اسے بتائے کہ وہ اسی کی عصمت میں ہے، اور وہ (اسی طرح) معلق ہوکر رہے گی، زندگی بھر نہ وہ شادی شدہ رہے گی اور نہ طلاق یافتہ۔ کبھی دونوں کی اولاد بھی ہوتی ہے۔ مرد بیوی کو اولاد کے ساتھ بے نفقہ چھوڑ دیتا ہے۔ کبھی اپنے پدرانہ فرائض کو ادا کرنے سے بھی باز رہتا ہے۔ یہ چیز کبھی بیوی کو انحراف پر آمادہ کرتی ہے، تو کبھی اسلام سے پھر جانے پر، جبکہ وہ نومسلمہ خواتین میں سے ہو۔

۲- اگر میاں بیوی نے امریکی سول عدالت میں عقد نکاح کی توثیق کرائی ہو، پھر دونوں کے درمیان اختلاف پیش آیا ہو، بیوی نے عدالت میں چارہ جوئی کی ہو، تاکہ اپنے اور اپنی اولاد کے حقوق کا مطالبہ کرسکے، جن کو شوہر نے اسے دینے سے انکار کردیا۔ وہ عدالت سے طلاق حاصل کرلیتی ہے۔ پھر شوہر آکر اسے بتاتا ہے کہ غیر اسلامی عدالت کی اس کی طلاق غیر شرعی ہے۔ غیر مسلم جج کے طلاق کا فیصلہ کرنے سے اس پر کوئی شرعی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس پر نفسیاتی اور مادی دباؤ ڈالنے لگتا ہے، مثلاً: مال ہڑپ لیتا ہے یا اسے معلق چھوڑنے کی دھمکی دیتا ہے۔ حتی کہ جب عدالت اس کی اولاد کے نفقہ کا تعین کرتی ہے تو وہ دھمکی دے کر اس سے واپس لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ وہ ظلم وزیادتی ہے جس سے کتاب اللہ نے منع کیا ہے اور اپنی

آیتوں میں اس سے سخت خبردار کیا ہے۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے اسے واضح فرمایا ہے۔

۳- بیوی کو ضرر لاحق کیا جاتا ہے، پھر اسے خلع کے ذریعہ اپنے حقوق سے دستبردار ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یہ اس قرآنی مفہوم کے برعکس ہے جو بیوی کو بغیر کسی ضرر کے طلاق (خلع) کا حق دیتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: "**الطلاق مرتان** ....." (۲/بقرہ:۲۲۹)۔ (طلاق دو مرتبہ ہی ہونا چاہئے (زیادہ سے زیادہ) اس کے بعد یا تو اچھے طریقہ پر بیوی کو روک رکھا جائے، یا حسن سلوک کے ساتھ آزادی دے دی جائے، اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ بھی واپس طلب کرو، ہاں اگر دونوں کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ حدود الٰہی قائم نہ رکھ سکیں گے، اور تم لوگوں کو یہ احساس ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود قائم نہیں رکھ سکیں گے (ازدواجی زندگی صحیح طور پر نہیں گزار سکیں گے) تو دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں کہ عورت خلع کا بدل دے دے، یہ اللہ کی متعین کردہ حدیں ہیں، ان سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے آگے بڑھیں گے، وہ ظلم کرنے والے اور ناحق عمل کرنے والے ہوں گے)۔

اسی مفہوم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے واقعہ میں بیان فرمایا ہے جس نے خلع کا مطالبہ کیا تھا، اس وجہ سے نہیں کہ اس کا شوہر اسے اذیت پہنچاتا تھا، اس لیے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح طلاق حاصل ہو کہ عورت اپنے تمام مادی اور معنوی حقوق وصول کر لے۔ (۲۱۱)

لیکن اس واقعہ میں خلع اس لیے ہوا کہ خاتون اپنے شوہر کے تئیں (منفی) احساسات رکھتی تھی، جو نفسیاتی اور جذباتی سکون واطمینان کے وجود میں نہ آنے کا کافی سبب شمار ہوتے ہیں، حالانکہ وہ نکاح کا اہم مقصد ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خاتون کو بیوی کی حیثیت سے آیت میں

۲۱۱- دیکھئے سورہ بقرہ، آیت نمبر:226-241

اشارہ کردہ حدود اللہ قائم کرنے کی قدرت نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے کہا کہ شوہر کا باغ جو اس کا مہر ہے شوہر کو لوٹا دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ یہاں بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو خاتون کے حقوق گھٹانے کے لیے اس نص کا سہارا لیتے ہیں، ایسا وہ اسلام میں خلع کے حکم کو سمجھنے میں غلط فہمی کا شکار ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں، اور خلع کا صحیح استعمال نہ کرنے کی وجہ سے کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خاتون کو ضرر لاحق کیا جاتا ہے، حالانکہ یہ اس حکم سے متعلق تمام شرعی مقاصد کے خلاف ہے۔

۴- متعدد شوہر اس بات کی رٹ لگاتے ہیں کہ: ''بیوی پر شوہر کی اطاعت واجب ہے'' (۲۱۲)، حالانکہ وہ اس سلسلہ میں قرآنی مفاہیم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تاکہ اپنے لیے جواز پیدا کریں کہ بیویوں کو ماریں اور مختلف وسائل اور طریقوں سے ان کو اذیت پہنچائیں اور ذلیل کریں، جیسے: گالی گلوج اور برے القاب کے ذریعہ نفسیاتی دباؤ ڈالیں۔ بعض اوقات شوہر بیوی کو قید کر دیتا ہے اور نکلنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، بالخصوص جبکہ خاتون ان ہجرت کرنے والی خواتین میں سے ہوں جو نئی نئی آئی ہوں، ان کے پاس تجربہ نہ ہو اور ملک کی زبان میں اچھی طرح بات نہیں کر پا رہی ہو۔ ایسی خاتون کو مرد اپنے ملک سے لے کر آتا ہے، پھر اس پر تسلط جما لیتا ہے، اس کے اپنے خاندان اور رشتہ داروں سے دور ہونے کا استحصال کرتا ہے، اسے مسجد، نیز وہاں کی بہنوں کے ساتھ ملاقات اور میٹنگ کرنے کے لیے جانے سے محروم کر دیتا ہے، تاکہ وہ اس کے معاملہ کو ظاہر نہ کر سکے۔

بسا اوقات یہ حالات اتفاقی طور پر معلوم ہو جاتے ہیں، یا ان پڑوسیوں کے ذریعہ معلوم ہو جاتے ہیں جو خاتون کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں جبکہ بارہا میاں بیوی کی آواز بلند ہوتی ہے۔ یہاں ضرر پہنچانے کے عام حالات بھی ہیں کہ شوہر بیوی کو دھمکی دیتا ہے کہ اسے ''اقامت کا

۲۱۲- اس بحث میں ''قوامہ'' کے مفہوم سے متعلق تفصیلات دیکھیے

حق‘‘نہیں دیا جائے گا اور اس کے سارے حکومتی کاغذات اور دستاویزات پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اگر خاتون امریکی مسلمان ہوتی ہے تو عام طور سے اس کا نکاح مسجد میں ہوتا ہے اور عدالت میں عقد نکاح کی توثیق نہیں کی جاتی ہے، اس لیے خاتون شوہر سے اپنے حقوق حاصل کرنے میں ناکام رہتی ہے (بلکہ) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس آدمی کی وجہ سے وہ اپنے دین کو ہی کھو دیتی ہے۔

۵- خاندانی تشدد کے ایسے حالات بھی موجود ہیں جن میں شوہر کے گھر والے بیوی کے خلاف تشدد کو انجام دیتے ہیں، بالخصوص اس کی ماں اپنے بیٹے کی بیوی کے خلاف سخت نفسیاتی دباؤ ڈالتی ہے جو اس درجہ میں ہوتا ہے کہ کبھی طلاق کی نوبت آ جاتی ہے۔ اس میدان سے متعلق دقیق اعداد و شمار موجود نہیں ہیں۔ البتہ مؤلفہ کے ذاتی تجربہ نیز بعض تجربہ کار ائمہ سے انٹرویو لینے کی بنا پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ: اس قسم کے تشدد کے پیش آنے کا تناسب کم نہیں ہے۔

اس طرح مشترکہ خاندان نئے خاندان کے لیے ذریعۂ تعاون ہونے کی بجائے بربادی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

۶- والدین بچوں کے ساتھ مار پیٹ یا زبانی توہین کا معاملہ کرتے ہیں، ایسے ہی تربیتی ذریعہ کے طور پر نفسیاتی اور جذباتی لحاظ سے نظر انداز کرنے کا معاملہ بھی کرتے ہیں۔ نیز اس کی مانند دیگر اسالیب اختیار کرتے ہیں، جن کے اثرات منفی طور پر ان کے نمو اور سوچ و بچار اور غور و فکر کے طریقے پر پڑتے ہیں۔ یہ کبھی کبھار دائمی آفات و نقائص یا وقتی آفات و عیوب کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہ چیز خاندان کو تحقیق اور مقدمہ کی زد میں لے آتی ہے، جبکہ ذمہ دار اتھارٹیز کو اس کا علم ہو جائے۔ مزید برآں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان بچوں کو اس خاندان سے لے لیا جائے، پھر ان کو دوسرے خاندان کے حوالہ کر دیا جائے جو ان کی پرورش کرے۔ (۲۱۳)

۲۱۳- ان معلومات کا سرچشمہ وہ شخصی انٹرویو ہیں جو میں نے متعدد خاندانوں سے لیا، نیز مسلم خواتین کے اجتماعات اور ائمہ مساجد کے فراہم کردہ اعداد و شمار ہیں

اسی طرح اولاد کا والدین میں سے کسی کے ساتھ بالخصوص ماں کے ساتھ دباؤ کا ذریعہ اختیار کرنے کا شمار خاندانی تشدد کے اقسام میں سے ایک قسم کے طور پر ہوتا ہے۔ ان سرگرمیوں میں سے سب سے زیادہ سنگین یہ ہے کہ باپ بچوں کو اچک لے اور ان کو اپنے اصلی ملک لے جائے، جبکہ مہاجر ہو، یا ان کو ایسی جگہ چھپا دے کہ ماں وہاں تک نہ پہنچ سکے۔

(و) خاندانی تشدد سے تحفظ کی اسٹرٹیجی اور حکمت عملی:

ا- ہمہ گیر ذہن سازی:

ریاستہائے متحدہ امریکہ کے تمام اطراف میں رہنے والے مسلم گروپوں پر آج کل لازم ہے کہ مساجد، عمومی کانفرنسوں، خاندان کے تحفظ کے لیے قائم ہونے والی انجمنوں، اسکولوں اور مساجد وغیرہ میں خواتین کے حلقوں اور مجلسوں کے ذریعہ ازدواجی تعلق کے مفاہیم اور اس تعلق سے وابستہ مرکزی تصورات کے سلسلہ میں شعور کو عام کریں۔ نیز میاں بیوی کے حقوق، زوجیت، ولایت اور نکاح کے مفاہیم کی وضاحت کے لیے قرآنی حقائق ومعانی اور سنت نبوی کی تطبیقات پر توجہ مرکوز کریں۔ ان اقدار پر زور دینا بھی ضروری ہے جن کی قرآن کریم نے دعوت دی ہے جو اس تعلق کا تحفظ کرتے ہیں۔

وہ اقدار ہیں: معروف و بھلائی، فضل و زیادتی، احسان، عفو و درگزر، اصلاح، محبت ومودت، ہمدردی وغمگساری اور سکون واطمینان اور دیگر مفاہیم وتصورات۔ (۲۱۴)

اہل علم اور ائمہ پر لازم ہے کہ وہ ''قوامہ''، ''درجہ'' اور ''اطاعت'' کے مفاہیم اور ان کے علاوہ دیگر مفاہیم کو درست کرنے کی ذمہ داری سنبھالیں، جن کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ بعض اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرنے لگے تاکہ اپنے لیے اپنی بیوی اور اپنی رفیقۂ حیات کو بے

214- Alwani, "The Qur'anic Model for Harmony in Family Relations".

دردی سے مارنے کو مباح ٹھہرالیں (۲۱۵)

اسی طرح ان پر متعین اور لازم ہے کہ خاندانی تشدد کے معانی ومفاہیم اور سنگینی کو واضح کریں، نیز ان سرگرمیوں کی مذمت کریں جو خاندان کے افراد پر ظلم ہونے کا سبب بنتی ہیں، جیسا کہ کتاب اللہ میں وارد ہے اور سنت نبوی نے بیان کیا ہے۔ باوجودیکہ مسلم گروپ کے بہت سے افراد، اہل علم اور ائمہ نے اس کام کو انجام دیا ہے، لیکن اس بارے میں شعور عام کرنے کے لیے مزید کوششیں صرف کرنے کی ضرورت ہے۔

۲-سماجی خدمت کے اداروں کی تعمیر وتشکیل:

آج کل مؤثر طریقہ اور تمام سطحوں پر خاندانی تشدد کی صورت حال کے حل کے سلسلہ میں بہت سے امریکی اداروں کے ساتھ امریکی مسلم گروپ بھی شریک ہے۔ سماجی خدمت کے متعدد ادارے قائم کیے گئے ہیں، جن کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس موضوع سے متعلق مسائل کے نقاش کے لیے نفسیاتی علاج کے ماہرین، تربیتی ماہرین اور ائمہ مساجد کے ساتھ تعاون کریں۔

رہنمائی کے اداروں کی تشکیل کی سخت ضرورت ہے، جیسے: ''پرورش کرنے والے خاندان'' کا ادارہ جوان بچوں میں دلچسپی لے جو متعینہ مدت کے اندر خاندانی تشدد کی زد میں آتے ہیں، کیونکہ امریکی قانون اسے جائز قرار دیتا ہے کہ بچہ پر زیادتی ہونا ثابت ہوجائے تو اسے اس کے خاندان سے لے لیا جائے۔ یہ ایسی چیز ہے جو کافی سبب ہے کہ اس بات کو ثابت کیا جاسکے کہ والدین یا دونوں میں سے کوئی ایک تربیت کی ذمہ داری کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ اگر یہ ثابت ہوجائے تو زیادتی کرنے والے کو ایک متعینہ مدت کے لیے قید میں رکھا

215- Abugideiri and Alwani, What Islam says about Domestic Violence?

جائے گا جو زیادتی کی نوعیت کے مناسب ہو۔ کبھی اس امر کا ثبوت اس طرح ہوگا کہ بچہ کے جسم پر مار کے اثرات موجود ہوں، تو ایسی صورت میں بچہ کو خاندان سے لے لیا جائے گا۔ عدالت اس شخص کو متعین کرے گی جو ایک متعینہ مدت تک بچہ کی نگہداشت کا فریضہ انجام دے، جب تک اسے مستقل جگہ کے حوالہ نہ کر دیا جائے جہاں وہ مستقل طور پر رہے۔ اگر مشترکہ خاندان نہ ہو اور عدالت کے ریکارڈ میں باضابطہ طور پر پرورش کرنے والے مسلم خاندان بھی نامزد اور ریکارڈ شدہ نہ ہوں جو بچہ کے کسی قسم کی زیادتی کا نشانہ بننے کے وقت اس کی پرورش کر سکیں تو عدالت مجبوراً بچہ کو کسی بھی غیر مسلم خاندان کے پاس بھیج دے گی۔ اسی وجہ سے ضروری ہے کہ بلکہ اہم فرض کفایہ میں سے ہے جس کی فراہمی مسلم گروپ کے لیے مناسب ہے کہ وقتی یا دائمی مدت کے اندر پرورش کرنے والے خاندانوں کو تربیت دے اور مسلمانوں کے بچوں کے تحفظ کی خاطر امریکی عدالتوں میں ان خاندانوں کا باضابطہ ریکارڈ ہونے کا تیقن حاصل کرے۔

۳۔مختلف میدانوں میں علمی وعملی لحاظ سے ائمہ کو باصلاحیت بنانا:

ضروری ہے کہ امام کا علم صرف شرعی علم تک محدود نہ رہے، بلکہ اس کے لیے مناسب ہے کہ موجودہ صورت حال کی سمجھ حاصل کرے اور اس کا مطالعہ کرے، نیز علمی اور نفسیاتی مشورے کے فن کا بھی مطالعہ کرے، تاکہ وہ شادی کی طرف متوجہ ہونے والے کی رہنمائی کر سکے اور ''شادی سے پہلے مشورہ (Premarital Counseling) پروگرام کے استعمال کے ذریعہ ان کی تربیت کر سکے، جس سے ان کو اولویات کے تعین اور میاں بیوی کے حقوق کی شناخت کا موقع ملے۔ نیز تمام ائمہ پر لازم ہے کہ خاندانی تشدد کے مفاہیم سے واقفیت حاصل کریں، اپنے پاس پیش کیے جانے والے حالات سے نمٹنے کا طریقہ جانیں۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ

ائمہ اور ماہرین سماجیات، نفسیات اور تربیت کے درمیان ایک طرف میاں بیوی کے درمیان درست برتاؤ کی بنیادوں اور اولاد کی تربیت کے اسالیب کے بارے میں مسلم گروپ کے افراد کی ذہن سازی کے پروگرام تیار کرنے کے سلسلہ میں تعاون ہو، تو دوسری طرف سماج اور مشترکہ خاندان کے افراد کے درمیان بھی درست برتاؤ کے بارے میں ذہن سازی کے پروگرام کی تیاری کے سلسلہ میں بھی تعاون ہو۔

چنانچہ ہر تعلق کے اہداف ومقاصد طے کیے جائیں، تاکہ حکمت اور شعور کے ساتھ ہر قسم کے داخلی اور خارجی چیلنج کو سمجھنے اور سامنا کرنے کی قدرت مسلم گروپ حاصل کر سکے، آج کل ائمہ مساجد کے خاندان کے ڈھانچہ کے تحفظ، پھر مسلم گروپ اور سماج کے تحفظ کے سلسلہ میں ان کے مؤثر کردار کے مدنظر ان کے لیے متعدد تربیتی پروگرام موجود ہیں۔

ان سب باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین ہی الٰہی تعلیمات کی نمائندگی کرتا ہے جن کا انسان بہ طور تکلیف مخاطب ہے، یہ تعلیمات بالعموم عمومی کلیات واصول ہیں جن کو موجودہ صورت حال پر منطبق کرنے کا مطالبہ ہے۔ جہاں تک دینداری کا تعلق ہے تو وہ ان تعلیمات کو قبول کرنے کے سلسلہ میں انسان کی کمائی اور تصور وسلوک و برتاؤ میں زندگی کو ان کے مطابق ہم آہنگ کرنے کا نام ہے۔ اسی طرح دینداری دین کی سمجھ کے سلسلہ میں انسان کی مختلف کوششوں کے میدان کی بھی تشکیل کرتی ہے۔ چنانچہ دینداری حقیقی صورت حال کی زمین پر دین کی تطبیق کا منہج وطریقۂ کار ہے۔(۲۱۶)

امریکہ میں مسلمانوں کے وجود پر کئی دہے گزر چکے ہیں، جن میں مختلف صورتوں میں مسلم گروپ نے دینداری کی ذمہ داری پوری کی ہے۔ مسلم گروپ متنوع روایات اور رسم ورواج کی تشکیل کر سکا، جن میں منفی اور مثبت دونوں پہلو ہیں۔ اسی وجہ سے ضروری ہے کہ ان رسم ورواج

۲۱۶- نجار، عبدالمجید، ''فی فقہ التدین فہما وتنزیلاً''، قطر، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۴۱۰ھ، ص: ۲۸

کا مقاصد شریعت کو وجود میں لانے سے قریب یا دور ہونے کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے۔ نیز دیکھا جائے کہ ان کے اندر وحی کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے اور موجودہ صورت حال پر منطبق کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ اس کی تکمیل ان اندرونی و بیرونی چیلنجز کے جائزہ کے ذریعہ ہوگی جن کا مسلم گروپ کو سامنا ہے۔ نیز ان چیلنجز سے نمٹنے کے وسائل کے جائزہ سے ہوگی، تاکہ قوت و ضعف کے مواقع پر نظر رکھی جاسکے۔

☆☆☆

چوتھی فصل:

خاندانی مقاصد کو معلوم کرنے اور مؤثر بنانے کے ضابطے

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں مسلم گروپ کو جن چیلنجز کا سامنا ہے ان کی نوعیت کو پیش کرنے اور وہاں خاندانی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے بعض تطبیقی نمونوں کو سامنے لانے سے ہمارے لیے یہ بات عیاں ہوئی کہ یہاں سخت ضرورت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ان معاییر اور ضوابط پر نظر رکھی جائے جن کو مقاصد کو بروئے کار لانے اور انہیں دریافت کرنے کے دوران اختیار کرنا مناسب ہے۔

مقاصدی رخ اپنانے کے سلسلہ میں ان ضوابط و معاییر کو پیش نظر رکھنے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے تاکہ منہج کے سلسلہ میں ایسی پیش رفت کی جائے جس کے ذریعہ خاندانی مقاصد کی اہمیت اور شادی وطلاق وغیرہ کے مسائل سے وابستہ اجتہاد کے حل کے سلسلہ میں ان کے رول کی اہمیت پر توجہ مرکوز کرنے پر مبنی اصالت کے مرحلہ سے منتقل ہوکر اس مقاصدی منہج کے استحضار کی کوشش یا کسی تاویل کو قبول کرنے یا مسترد کرنے کے ضوابط کی تعمیر وتشکیل کے مرحلہ تک پہنچا جاسکے۔

اس جگہ بعض ایسے ضوابط پیش کیے جاتے ہیں جن کا استحضار خاندانی مقاصد معلوم کرنے اور ان کو مؤثر بنانے کے عمل کے دوران ضروری ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ ضوابط کا استحضار نہ ہونے کی صورت میں تشریع کے سارے مقاصد ضائع ہوجائیں یا کچھ پیش نظر نہ رہیں۔

جب ہم ان ضوابط کو پیش کررہے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسرے معاون ضوابط نہیں ہوسکتے ہیں۔

اول: نصوص کی حاکمیت:

لغوی اور قرآنی دلالت کے درمیان حاکمیت کا مفہوم:

حاکمیت لغوی اعتبار سے کلمۂ حکم سے ماخوذ ہے، اس کا اصل مفہوم اصلاح کے لیے روک دینا ہے، اسی سے لگام کو ''حکمۃ الدابۃ'' کہتے ہیں۔ لہٰذا ''حکمت الدابۃ'' کے معنی ہیں کہ ''میں نے جانور کو لگام کے ذریعہ روک دیا۔ حکم: علم، سمجھ بوجھ اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ کسی چیز پر حکم لگانے کا مطلب یہ ہے کہ تم دوسرے پر اس کو لازم کرو یا نہ کرو۔ ''حکم بالباطل'' بولا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے باطل کو فیصلہ کی جگہ پر رکھا۔(۱)

''حکم''، ''حکمت'' سے عام ہے۔ چنانچہ ہر حکمت حکم ہے، لیکن ہر حکم حکمت نہیں ہے۔ ''حکمت'': علم اور عقل کے ذریعہ حق تک پہنچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت: چیزوں کی شناخت اور پختہ طور پر ان کو وجود میں لانا ہے۔ انسان کی حکمت یہ ہے کہ موجودات کی شناخت حاصل کرے اور نیکیاں کرے۔ حکمت کے سلسلہ میں علم وعمل کا جامع ہونا شرط ہے۔ کسی آدمی کو ''حکیم'' اسی وقت کہا جائے گا جبکہ وہ علم وعمل کا جامع ہو۔ ''حکم'' کے معنی احکام یعنی پختہ کرنے کے بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اچھے ناموں میں سے ''حکم'' (فیصلہ کرنے والا) اور ''حکیم'' (حکمت والا) بھی ہے۔(۲)

مادہ حکم کے لغوی معنی کا خلاصہ یہ ہے کہ: حکم وہی ہے جس کا بنیادی مقصد اصلاح کی خاطر فساد سے روکنا ہو۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکم اتقان وپختگی سے متصف ہو اور اس کی بنیاد حکمت پر ہو، جو کہ حق کو پہنچنا، علم وعمل کو جمع کرنا اور عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے۔(۳)

۱- فیروز آبادی، القاموس المحیط، مرجع سابق، مادہ (ح.ک.م

۲- اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، مرجع سابق، ص:۱۲۶

۳- جعفر، ہشام، ''الأبعاد السیاسیۃ لمفہوم الحاکمیۃ: رؤیۃ معرفیۃ، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء، ص:۵۷

لغوی اعتبار سے حاکمیت کے مفہوم کی وسعت کے باوجود قرآن کریم نے حاکمیت کے معنی میں زیادہ عمیق اور ہمہ گیر دلالتوں کا اضافہ کیا ہے۔قرآن مجید نے لفظ حکم کا استعمال کیا ہے تاکہ عبادت اور دین کے معاملہ میں تحلیل وتحریم پر دلالت کرے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"یـأیها الـذیـن ء اٰمـنوا أوفوا بالعقود أحلت لكم بهيمة الأنعام....." (۵/مائدہ:۱)۔(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! طے شدہ معاملات اور معاہدوں کو پورا کرو،تمہارے لیے چرنے والے مویشی چوپائے حلال کئے گئے ہیں،سوائے ان جانوروں کے جن کا ذکر آ رہا ہے،ہاں حالت احرام میں اور سرزمین حرم پر شکار کو جائز نہ کر لینا،اللہ جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے)۔نیز ارشاد الٰہی ہے:"إن الحكم إلا لله" (۶/انعام:۵۷)۔(فیصلہ تو صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے)۔

اللہ عزوجل نے اس بات کو پختہ طور پر بیان فرمایا ہے کہ دین کے بارے میں اختلاف اور باہمی جھگڑے کو اللہ سبحانہ کی طرف لوٹایا جائے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"وما اختلفتم فيه من شئ فحكمه إلى الله" (۴۲/شوری:۱۰)۔(اور تم جن چیزوں میں اختلاف کرتے ہو،ان کا فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے)۔بلکہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کی طرف مقدمات اور معاملات نہ لے جانا اللہ اور اس کے رسول کے عدم تصدیق کا سبب ہے۔ارشاد الٰہی ہے:"فلا و ربک لا يؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم ثم لايجدوا فى أنفسهم حرجا مما قضيت و يسلموا تسليما" (۴/نساء:۶۵)۔(تو آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہوں گے جب تک اپنے تمام جھگڑوں میں آپ کو حکم وقاضی نہ مان لیں اور اس کے بعد آپ کے فیصلہ کے سلسلہ میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی اور ناگواری محسوس نہ کریں اور سر تسلیم خم نہ کر دیں)۔اسی طرح فرمان الٰہی میں نبوت اور انبیاء کے معنی میں بھی حکم آیا ہے:"ولما بلغ أشده واستوى ء اتينه حكما و علما و كذلک نجزى المحسنين" (۲۸/قصص:۱۴)۔(جب وہ پختہ جوانی کو پہنچے،اور اچھی صلاحیتوں کے مالک ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم سے نوازا،اور ہم نیکوکاروں کو ایسی ہی جزا

دیتے ہیں)۔اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:"**ولوطاً ء اتٰینه حکما و علما**" (۲۱/انبیائ ۷۴)۔(اور لوط کو ہم نے علم وحکمت سے نوازا) یعنی نبوت یا انبیاء کے طریقہ سے نوازا۔(۴)

''حکم''، قرآن اور اس کی تفسیر کے معنی میں بھی آیا ہے۔(۵)

ارشاد الٰہی ہے:"**یـؤتـی الـحکمة من یشاء و من یؤت الحکمة فقد أوتی خیـراً کثیـراً**" (۲/بقرہ:۲۶۹)۔(وہ جس کو چاہتا ہے حکمت سے نوازتا ہے، اور جسے بھی حکمت سے نواز دیا جاتا ہے، اسے بہت بھلائیوں سے نوازا جاتا ہے)۔''حکمت''''احکام'' کا مصدر ہے، اس کے معنی قول یا عمل کو پختہ کرنے کے ہیں۔چنانچہ اللہ کی کتاب حکمت ہے، اس کے نبی کی سنت حکمت ہے، ایسے ہی عقل وفہم (بھی حکمت ہے)۔حکمت کی اصل ایسی چیز ہے جس سے حماقت سے بچ سکے۔حماقت ہر قبیح عمل کے ارتکاب کو کہتے ہیں۔(۶)

قرآن مجید میں حکم فیصلہ کرنے، جھگڑے چکانے اور لوگوں کے درمیان اختلاف ختم کرنے کے معنی میں بھی آیا ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**إن اللـه یـحکم بینهم فی ما هم فیـه یـختـلفون**" (۳۹/زمر:۳)۔(اللہ ان کے اختلافات کے معاملہ میں ان کے درمیان فیصلہ فرمادے گا)۔

یہ فیصلہ دنیا میں کتاب اللہ اور سنت نبوی کے ذریعہ ہوگا۔بلکہ رسولوں کو بھیجنے اور ان کے ساتھ کتابوں کو نازل کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافات کے سلسلہ میں فیصلہ کریں۔اسی طرح آخرت میں بھی فیصلہ ہوگا۔فرمان باری تعالیٰ ہے:"**الـملـک**

۴- دامغانی، حسین بن محمد، ''قاموس القرآن أو إصلاح الوجوہ والنظائر فی القرآن''، تحقیق: عبدالعزیز سید الاہل، بیروت، دارالعلم للملایین، ط: ۳، ۱۹۸۰ء، ص ۱۴۲، نیز دیکھیے: زمخشری، تفسیر الکشاف، مرجع سابق، ج ۳، ص: ۳۹۷-۳۹۸

۵- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مرجع سابق ج ۱، ص ۴۷۶

۶- قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، مرجع سابق ج ۲، ص ۱۲۵۲-۱۲۵۳

یومئذٍ للہ یحکم بینھم" (۲۲/حج:۵۶)۔(اس دن بادشاہت صرف اللہ کی ہوگی وہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا)،(۷)

اسی طرح حکم پختہ کرنے اور فساد سے روکنے کے معنی میں آیا ہے، چنانچہ قرآن کی آیتیں محکم ہیں اور محکم و پختہ نظام کے ساتھ منظّم ہیں، اللہ تعالیٰ نے باطل سے اس کو پاک رکھا ہے۔ارشادالٰہی ہے:"فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ آیاتہ" (۲۲/حج: ۵۲)۔(پھر اللہ شیطان کے فتنوں کو مٹاتا رہا اور اپنی آیتوں اور احکامات کو مستحکم کرتا رہا)۔اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کی حفاظت فرماتا ہے اور ان کو مستحکم کرتا ہے، پس ان میں کسی طرح کا تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا ہے۔اسی مفہوم میں سنت بھی وارد ہے، اسی سے اللہ تعالیٰ کے فرمان:"لایحل لکم أن ترثوا النساء کرھا" (۴/نساء:۱۹)۔(تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ عورتوں کے زبردستی وارث بن بیٹھو) کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول ہے:"کوئی آدمی رشتہ دار خاتون کا وارث بن بیٹھتا تھا، اسے روکے رکھتا تھا حتی کہ وہ مرجائے، یا مہر واپس دے دے۔اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور اسے اس ظلم سے باز رکھا"۔(۸)

اسلام میں حاکمیت کا تعلق کتاب اللہ سے ہے جو بہت سے اوصاف سے متصف ہے جن سے کتب سابقہ متصف نہیں تھیں۔قرآن اپنے سے قبل آنے والی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے، اور ان سے بالاتر ہے۔اسی وجہ سے اس کی نص کے تحفظ کی خاطر اسے الٰہی ضمانت اور گارنٹی حاصل ہے، جس کی بنا پر وہ قیامت تک نسلوں کے درمیان محفوظ رہے گا۔شریعت اسی محفوظ نص قرآنی سے ماخوذ ہے، اور عموم اور ہمہ گیری کے وصف کے ساتھ ممتاز ہے، نیز اس طرح بھی ممتاز ہے کہ یہ تخفیف،

۷- جعفر، الأبعاد السیاسیۃ لمفہوم الحاکمیۃ: رؤیۃ معرفیۃ، مرجع سابق، ص:۶۵

۸- عظیم آبادی، ابوالطیب، محمد شمس الحق، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۰ء۔ حدیث دیکھیے: سجستانی، سنن ابی داؤد، مرجع سابق، کتاب النکاح، باب ۲۴، ج۶، حدیث نمبر ۲۰۹۰

رحمت اور رفع حرج کی شریعت ہے۔قراءت،فہم،تطبیق اور موجودہ صورت حال پر انطباق کے بارے میں اس میں انسانی ذمہ داری بھی عیاں ہے۔(۹)

یہ خصوصیات نصوص قرآن کو فیصل قرار دیتے ہیں،لیکن انسانی مطالعہ کے ساتھ،اسی وجہ سے قراءت کا مسئلہ اور اس کے منہج کو منضبط کرنے کی اہمیت عیاں ہے۔(۱۰)

کتاب اللہ کی حاکمیت کی تقویت شریعت کے عموم،ہمہ گیری اور محفوظ نص قرآنی کے سرچشمہ ہونے سے ہوتی ہے۔اور قراءت،فہم،تطبیق اور موجودہ صورت حال پر انطباق کے سلسلہ میں انسانی ذمہ داری بھی اس میں عیاں ہے۔(۱۱)

اسی وجہ سے اس جگہ خود نص کے اندر سے بنیادی خاندانی مقاصد کے استنباط کا اہتمام کیا گیا ہے۔یہ بات عام مقاصد پر بھی منطبق ہے۔

خاندانی مقاصد معلوم کرنے اور ان کو مؤثر بنانے کے سلسلہ میں اساسی ضابطہ کی حیثیت سے نصوص کی حاکمیت مؤکد ہے۔لہٰذا اہم ترین امر جس پر اس فصل میں زور دیا جائے گا، وہ یہ ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبویہ صحیحہ سے مقاصد کے استخراج کا طریقہ بیان کیا جائے گا،نیز اس مقصد سے اس میدان میں علماء امت کی کوششوں کو پیش کیا جائے گا اور ان کا تجزیہ کیا جائے گا تاکہ ایسے مناہج تک رسائی ہو سکے جو معاصر چیلنجز کا سامنا کرنے پر فقہاء اور محققین کی ایسے جوابات کی فراہمی کی شکل میں مدد کریں،جن میں کلی مقاصد کی رعایت کی گئی ہو،اس سے ہر زمان و مکان کے لیے شریعت کی قدرت و صلاحیت ظاہر ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم ایسی نازل کردہ کتاب ہے جو عام مشترکہ اقدار اور مقاصد پر مشتمل ہے جن کی بہتر انداز میں قراءت و تلاوت

۹- مرجع سابق،ص:۲۳ اور بعد کے صفحات

۱۰- جعفر،''الأبعاد السیاسیۃ لمفہوم الحاکمیۃ:رؤیۃ معرفیۃ،مرجع سابق،ص ۲۲، پر طہ علوانی کا مقدمہ دیکھیے

۱۱- مرجع سابق،ص ۲۳ اور اس کے بعد کے صفحات

اور تدبر وغور وفکر پھر تطبیق انسان پر ضروری ہے۔قرآن ہی انسانی فہم کا جائزہ لینے کے سلسلہ میں حاکم و فیصلہ کن ہے، اس مفہوم میں کہ کسی مجتہد یا مکلّف کو حق نہیں ہے کہ کسی ایسے حکم یا مقصد کا استنباط کرے، نص جس کی تائید نہیں کر رہی ہو، بنا بریں مجتہد پر ضروری ہے کہ اپنے اجتہاد کے سلسلہ میں کتاب اللہ کو رہنما بنائے، اس کی آیتوں کی تلاوت بھی کرے اور ان پر تدبر بھی کرے، تا کہ اس سے احکام و مقاصد کا استنباط بھی کر سکے۔

کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ کتاب اللہ یا صحیح وثابت سنت نبوی میں وارد نصوص سے باہر کسی مقصد کا استنباط کرے۔

لہٰذا مجتہد (جو کتاب اللہ کا قاری ہو) اس پر لازم ہے کہ فصاحت و بلاغت کی متنوع سطحوں کے ساتھ عربی زبان اور نظم، اسلوب، فصاحت اور بلاغت کے لحاظ سے قرآن کریم کی بلند ترین زبان کے درمیان فرق کو سمجھے، کیونکہ قرآن کی زبان عرب کی زبان کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس سے بڑھ کر ہے۔(۱۲)

اسی طرح ''قرآن کی زبان'' معلوم عربی زبان سے ایک بڑی خصوصیت کی وجہ سے مختلف ہے جو یہ ہے کہ ''لسان قرآنی'' وحی کی تعبیر کے لیے الٰہی استعمال ہے۔ یہ خصوصیت کسی خطاب یا دوسری زبان میں موجود نہیں ہے۔اس چیز کی بدولت ''لسان قرآنی'' میں معنی و مقصد کا فائدہ مالوف عربی زبان کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔اس لیے ''غور وفکر کرنے والے مجتہد'' کو اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اندر سے قرآن کے معانی و مفاہیم کو سمجھنے کی تربیت حاصل کرے، اگر اس سے مانوس ہو جائے اور اس کا عادی ہو جائے تو پھر متنوع سیاق کے ساتھ قرآن کریم کے مفردات کے سمجھنے کے سلسلہ میں اپنی مہارت کو بڑھائے، نیز متعدد سیاق کے اندر متنوع معانی کی ادائیگی کے لیے مفردات کے استعمال کے بارے میں قرآن کے اسالیب کو سمجھنے

۱۲- علوانی، طہ، لسان القرآن ومستقبل الأمۃ القطب، مرجع سابق ص ۸-۹

کی مہارت میں بھی اضافہ کرے۔

اہل اصول و بلاغت میں سے ہمارے علماء نے علم الدلالات کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ اس میدان سے متعلق ہمارے پاس اہم علمی خزانہ ہے، جس سے استفادہ اور استخراج میں اہل تحقیق ومہارت کو بڑی مدد ملتی ہے۔ چنانچہ لغوی وضع اور بلاغتی جملوں اور صیغوں کی ترکیب کے لحاظ سے کچھ دلالتیں ہیں، نص کے مطالعہ کے وقت جن کی رعایت ضروری ہے۔ اسی طرح سیاق کی دلالتیں ہیں جو بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اہل اصول نے اس کا بڑا اہتمام کیا ہے، کیونکہ اس سے مجمل کی وضاحت اور محتمل کا تعین ہوتا ہے، اور اس کی مانند دیگر امور میں مدد ملتی ہے۔ ایسے ہی نصوص کی دلالت کی دو قسمیں ہیں: (۱) دلالت حقیقیہ (۲) دلالت اضافیہ۔ دلالت حقیقیہ متکلم کے قصد کے تابع ہے۔ یہ دلالت ثابت و مستحکم ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا ہے۔ بہرحال دلالت اضافیہ تو یہ سامع کے فہم وادراک، عمدہ فکر اور اس کے الفاظ اور درجات ومراتب کی شناخت، نیز اس کی روح وذہن کی صفائی کے تابع ہے۔ اس دلالت میں سامعین کے درمیان بڑا اختلاف ہوتا ہے۔ (۱۳)

اس طرح ''سیاق'' وہ نظم ہے جو لفظ مفرد کو اضافی معانی عطا کرتا ہے۔ کبھی اس کے ماقبل اور مابعد سے مربوط ہونے کے سلسلہ میں نئے معانی عطا کرتا ہے۔ اسے لفظ مفرد کے سیاقی معنی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جو لفظ کے لغوی معنی سے الگ ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قرآن کریم کے سیاق میں ''تدبر اور غور وفکر کرنے'' سے ''تدبر کرنے والے مجتہد'' کو قرآنی مقاصد کی تعبیر کے سلسلہ میں قرآن کے طریقے کے فہم میں مدد ملے گی۔ جہاں تک ''مناسبات'' کو معلوم کرنے کا تعلق ہے تو یہ ''سیاق'' کے فہم سے مربوط اور اس سے عام ہے، کیونکہ ''تناسب'' (باہمی مناسبت) کا ادراک ایک ہی ساتھ فصاحت و بلاغت

۱۳- ابن القیم، اعلام الموقعین، مرجع سابق ج۱، ص ۳۵۰-۳۵۱، نیز دیکھیے: علوانی، أثر العرف فی فہم النصوص: قضایا المرأۃ أنموذجاً، مرجع سابق، ص ۲۶۰-۲۶۵

کے ادراک سے ہوگا، سیاق اس کے بارے میں محض نوعی اضافہ کی نمائندگی کرے گا، جس سے خطاب جن معانی کا حامل ہے انہیں معلوم کرنے کے وسائل کو تقویت ملے گی۔ مجتہد کے سامنے فہم، تعقل، سمجھ بوجھ اور تفکر کے وسیع آفاق وا ہوں گے۔(۱۴)

اس طرح یہ ایک ایسی کتاب کی حاکمیت ہے جس میں انسان ان تمام گارنٹیوں کا ذمہ دار ہے جن کا تقاضا انسانوں کے درمیان مشترکہ عمومی اقدار کرتے ہیں، جو کہ عدل، امانت اور ہدایت کے اقدار ہیں۔ انسان سے مطالبہ ہے کہ اس قرآن کا منہجی مطالعہ کرے جو ایک طرف اس کے قرآن کریم کی تلاوت پر مبنی ہو تو دوسری طرف منضبط منہج کے مطابق کائنات کے مطالعہ سے مربوط ہو۔ پس جس وقت قاری قرآن کریم کی تلاوت اور تدبر کرے اسی وقت منظّم شکل میں کائنات کے قوانین کا ملاحظہ، غور وفکر اور استقراء بھی کرے تاکہ زندگی کو منضبط کرنے والے قوانین اور ان منہجی قواعد کی تکمیل کر سکے جن کے ذریعہ انسان کے لیے ہدایت یافتہ ہونا ممکن ہوگا، اور وہ تنہا مطالعہ سے پیدا ہونے والے متعارض دوہرے معیار میں مبتلا ہونے سے بچ جائے گا اور تضادات کے دائرہ سے نکل جائے گا۔(۱۵)

۲- مقاصد معلوم کرنے کے سلسلہ میں متقدمین کے مناہج:

مسالک تعلیل (علت بیان کرنے کے طریقے) کے مباحث کے سلسلہ میں اولین اصولیین کے نزدیک اس منہجی عمل کے اثرات ظاہر ہوئے۔ بہت سے رکاوٹ ڈالنے والے امور کی زد میں بھی منہجی عمل آیا، بالخصوص کلامی گفتگو میں انہماک کی بنا پر ''منہج'' کی تعمیر وتشکیل کے کارواں کو رکاوٹ کا سامنا ہوا۔ اس کے باوجود اہل علم نے ایسے تخم چھوڑے ہیں جن کے اندر

۱۴- شاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، مرجع سابق، ج ۴، ص ۲۷۴

۱۵- جعفر، ''الأبعاد السیاسیۃ لمفہوم الحاکمیۃ: رؤیۃ معرفیۃ، مرجع سابق، ص ۲۳ اور بعد کے صفحات، پر طہ علوانی کا مقدمہ دیکھیے۔

تخلیق و پیداوار کی قدرت ہے بشرطیکہ ان کا بہتر استعمال کیا جائے اور ان میں زرخیزی پیدا کی جائے۔امام شاطبیؒ نے مقاصد کے استخراج کی راہ میں قابل لحاظ کوششیں صرف کی ہیں۔انہوں نے ''استقراء'' کو منہج بنایا ہے،اس کے ذریعہ کوشش کی ہے کہ جزئیات کو کلیات کے دائرہ میں لایا جائے،اس کے نقل پر مبنی اصول کو عقلی قضایا کے ذریعہ واضح کیا جائے (۱۶)۔تاکہ اس کے ذریعہ فقہی استدلال کے اصول کو ظنی ہونے سے نکال کر قطعی ہونے تک پہنچایا جاسکے۔ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ شاطبی مکلفین کے مقاصد کی اصالت ثابت کررہے تھے تبھی ان کے کردار کی اہمیت اس طرح ظاہر ہوئی کہ ان کو ایک ایسے منہج کے استخراج اور تشکیل کی قدرت ہے (۱۷)۔جس میں انہوں نے نص کی حاکمیت کو پہلی راہ قرار دیا،اور اسے محض نصوص میں وارد امر و نہی سے الٰہی مقصد کو معلوم کرنے کا نام دیا۔(۱۸)

شریعت کے عمومی مقاصد ہی علم الاصول کی بنیادی عمارت ہے،جس کے قواعد کا قطعی ہونا لازم ہے،(لیکن) ان کا قطعی ہونا جزئی ادلہ سے مستفاد نہ ہوگا،(بلکہ) مجموعہ ادلہ کے استقراء سے مستفاد ہوگا،جو ادلہ ایک معنی پر متفق ہوں گے تاکہ ان سے قطعیت کا فائدہ حاصل ہو؟ کیونکہ مجموعہ ادلہ کو وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو الگ الگ دلیل کو حاصل نہیں ہوتی ہے،اسی وجہ سے تواتر سے قطعیت کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔اس طریقہ کو وجود میں لانے کا تقاضا یہ ہے کہ براہ راست قرآن کریم سے بلند ترین مقاصد اخذ کیے جائیں،اس حیثیت سے کہ قرآن پاک ہی احکام جاری کرنے اور ان آیتوں کو جن میں بلند ترین مقاصد کی رہنمائی ہے،ان کو واضح کرنے والے درست قوانین کو ان مقاصد سے مربوط کرنے کا سرچشمہ ہے۔اس سے کلی نظر اور غور و فکر کو تقویت حاصل

۱۶- شاطبی،الموافقات فی اُصول الشریعۃ،مرجع سابق،ج۱،ص ۳۲

۱۷- علوانی فہمی،''القیم الضروریۃ ومقاصد التشریع الاسلامی،قاہرہ،الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب،۱۹۸۹ء،ص۶۱-۶۲

۱۸- شاطبی،الموافقات فی اُصول الشریعۃ،مرجع سابق،ج۲،ص:۲۹۰-۲۹۱

ہوتی ہے اور کلی و جزئی احکام کو بلند ترین مقاصد اور اقدار سے مربوط کرنا آسان ہو جاتا ہے، بلکہ ان سے ان کو استنباط کرنا انجام دینے کے طریقہ کی وضاحت کے ساتھ بھی آسان ہو جاتا ہے۔

مقاصد کے بارے میں جو ائمہ اصول سبقت لے جا چکے ہیں، ان کی کوششوں کے جائزہ سے امام شاطبیؒ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اصول قطعی ہونے چاہئے، اس لیے کہ اگر وہ ظنی ہوں گے تو ان کے بارے میں اختلاف کا امکان نکل آئے گا، جس سے وہ دین کے اصول اور کلی قوانین نہیں رہ جائیں گے۔ امام شاطبیؒ نے اپنے سے گزشتہ اصولیین جیسے: غزالیؒ، ابن رشدؒ، اور ابن حزمؒ کی کوششوں سے قطعی اور ظنی کے میدان میں استفادہ کیا ہے۔ انھوں نے تین منہجی اقدامات کو نئی شکل دی ہے۔ دو منہجی اقدامات ابن حزم اور ابن رشد سے اخذ کیا ہے جو یہ ہیں:

(۱) جامع قیاس کا استخراج (۲) استقراء۔ رہا تیسرا اقدام تو وہ یہ ہے کہ انہوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ضروری ہے کہ مقاصد شریعت کو دلیل کی جگہ، یا قیاس منطقی کو قیاس فقہی کی جگہ رکھا جائے۔(۱۹)

ابن رشدؒ نے ابن حزمؒ کے منہج کا جو انطباق کیا ہے، اس سے اخذ کرتے ہوئے امام شاطبیؒ نے یہ اصولی منہج نکالا ہے: ''ہر دلیل شرعی دو مقدمے پر مبنی ہے۔ ان میں سے ایک نظری ہے، جو حس، یا عقل یا استدلال کے تقاضے سے ثابت ہوتا ہے۔ اور دوسرا مقدمہ نقلی ہے جو شارع سے صحیح نقل کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً: خمر (شراب) کی حرمت نص سے ثابت ہے (لیکن) اس بات کا پتہ لگانا کہ یہ متعین مشروب ہی عملاً شراب ہے، محض عقلی نظر سے معلوم ہوگا۔(۲۰)

ابن حزمؒ نے اپنے منہج کے اصول کا تعین اپنے ان الفاظ میں کیا ہے: ''اصول کی قسمیں جن سے احکام میں سے کوئی حکم معلوم ہوتا ہے چار ہیں، جو یہ ہیں: (۱) قرآن کی نص (۲) رسول

۱۹- یفوت، ابن حزم والفکر الفلسفی بالمغرب والأندلس، مرجع سابق، ص: ۹۰ اور اس کے بعد کے صفحات

۲۰- مرجع سابق، ص: ۹۰

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی نص (۳) تمام علماء امت کا اجماع (۴) یا ایسی دلیل جس میں ایک ہی پہلو کا امکان ہو۔(۲۱)

ان کے نزدیک دلیل کا مفہوم یہ ہے کہ:

وہ استخراجی عمل کا مجموعہ جس کے ذریعہ استدلال کرنے والا نص یا اجماع سے منطقی طور پر حکم شرعی کو نکالنے پر قادر ہو جائے۔

ابن حزمؒ نے اپنے منہج کے ستون کی بنیاد اپنے اس یقین پر رکھی ہے کہ نص واقعات کا سامنا کرنے پر قادر ہے، خواہ ان کی کتنی ہی کثرت کیوں نہ ہو۔ وہ تحریر فرماتے ہیں: نص اپنے احکام کے ساتھ سارے واقعات کو شامل ہے، قیاس کی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن مجید مطلق نص ہے اور واقعات اضافی ہیں، مطلق اضافی پر حاکم ہوتا ہے، جبکہ مجتہد کو معلوم ہو کہ وہ نص کے ساتھ کس طرح تعامل کرے۔(۲۲)

اس طرح ابن حزم ظاہریؒ نے ''تجرید'' کا منہج اختیار کیا ہے، یعنی واقعات کو الگ کر کے کلی قاعدہ میں تبدیل کر دیا جائے، جس کے لیے لامتناہی واقعات پر مشتمل ہونا ممکن ہو جائے۔ لہٰذا شراب اور جوا ''إنما الخمر والميسر والأنصاب'' (۵/مائدہ:۹۰)۔(اے ایمان والو! شراب، جوا، بت، مورتیاں اور پانسہ بازی کے تیر (فال گیری کے تمام طریقے) شیطان کے گندے عمل ہیں، ان سے بچ کر رہو تا کہ تم کامیاب ہو) کی حرمت کی اس آیت سے یہ قاعدہ نکالنا ممکن ہے: ''كل مسكر حرام'' (ہر نشہ آور شئ حرام ہے)، نتیجتاً نشہ آور اشیاء کی جو قسم بھی وجود میں آئے گی وہ خود اسی نص سے حرام ہوگی، اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ نص میں وارد امر کو اصل بنایا جائے اور دوسرے واقعہ کو فرع مانا جائے اور علت کی وجہ سے دونوں واقعات

۲۱- ابن حزم، المحلی، مرجع سابق، ج ۶، ص ۶۹

۲۲- ابن حزم، علی بن محمد، الإحکام فی أصول الأحکام، بیروت، دار الآفاق الجدیدۃ، ۱۹۸۳ء

کو جمع کیا جائے پھر دونوں کو حکم میں شریک کیا جائے۔(۲۳)

اسی طرح ابن حزمؒ نے ہر اس تاویل کو باطل قرار دیا ہے جو نص یا اجماع میں وارد نہ ہو۔انہوں نے نص کی زبان کا اہتمام کیا ہے، اور زبان کے اندر قیاس کو مسترد کر دیا ہے، اور سمجھ کی غلطی سے ذہن کو بچانے کے لیے لغت کی دلالتوں اور قواعد کو منہجی ضوابط سے منضبط کرنے پر زور دیا ہے۔(۲۴)

یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جبکہ صرف قرآن کے لفظ کے تقاضے پر اعتماد کیا جائے، جسے ظاہر لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، نیز نص کے سلسلہ میں عربی زبان کے تقاضے کے خلاف تاویل کو مسترد کر دیا جائے۔اسی طرح سنت نبوی کے ساتھ بھی انہوں نے کیا، کیونکہ ابن حزمؒ نے علم حدیث کا بھی اہتمام کیا ہے اور قطعیت اور یقین پر اس کی تشکیل کی کوشش کی ہے۔(۲۵)

پھر شاطبیؒ کی آمد ہوتی ہے، انہوں نے اسی استقراء کے منہج کا استعمال کیا جس پر نص قرآن کے الفاظ کے معانی سے آگہی کے لیے نص قرآنی کے ساتھ تعامل کے سلسلہ میں اعتماد کرنے کی ابن حزمؒ نے دعوت دی تھی۔شاطبیؒ نے استقراء کے ذریعہ شریعت کے اصول وکلیات کے استخراج کے سلسلہ میں اس منہج کا استعمال کیا، تاکہ شریعت کے مقاصد کا اعتبار کیا جاسکے۔ شاطبیؒ کا مقصود یہ تھا کہ ساری شریعت کی تشکیل قطعیت اور یقین پر کی جائے، اس طرح کہ اس کے اصول کی دوبارہ اس شکل میں تشکیل کی جائے کہ اس سے علم برہانی وجود میں آئے۔(۲۶)

شاطبیؒ کی نگاہ میں مقاصد کے بارے میں بحث کرنا ان حقیقی علتوں کے بارے میں

۲۳- زعبی، انور، ''ظاہریۃ ابن حزم'' عمان: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ص:۵

۲۴- مناقشہ دیکھیے: ابن حزم، الإحکام فی أصول الأحکام، مرجع سابق، ج۷، ص۵۷-۵۸

۲۵- ابن حزم، المحلی، مرجع سابق، ج۵، ص۷۲

۲۶- صغیر، عبد المجید، الفکر الأصولی و إشکالیۃ السلطۃ العلمیۃ فی الإسلام قراءۃ فی نشأۃ علم الأصول و مقاصد الشریعۃ، بیروت، دار المنتخب العربی للدراسات والنشر، ۱۹۹۴ء، ص۳۴۷، اور بعد کے صفحات

بحث کرنا ہے جو حکم کے مقاصد ہیں، اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ وہ ظاہر ہیں یا خفی و پوشیدہ ہیں، منضبط ہیں یا منضبط نہیں ہیں۔ بہر حال علت کے ظاہر اور منضبط ہونے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جبکہ جزئی قیاس جاری کیے جائیں، نیز اس وقت پڑتی ہے جبکہ عام مکلفین کے سامنے احکام پیش کیے جائیں۔

اس طرح شاطبیؒ نے جس چیز کا استعمال کیا ہے وہ ان وسائل میں سے ایک وسیلہ و ذریعہ ہے جسے فقہی تعلیل پیش کرتی ہے، فقہی تعلیل سے باہر پیدا ہونے والا کوئی علیحدہ ذریعہ نہیں ہے۔(۲۷)

اس طرح امام شاطبیؒ نے قضیۂ تکلیف کے ذریعہ پورا زور اس پر لگایا ہے کہ ''مقاصد المکلفین'' کے ڈھانچہ کی اس طرح تشکیل ہو کہ منہج بالکل واضح ہو۔ ان کی کوشش اس لیے صرف ہوئی کہ اس بات کا ثبوت فراہم کیا جائے کہ شارع کا مقصد تین قواعد: ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کا تحفظ ہے۔ جن کا استنباط اولین اہل علم نے کیا ہے۔

امام شاطبیؒ نے قطعیت اور ظنیت کے مسئلہ میں اولین اہل اصول کی گفتگو جاری رکھی۔ انہوں نے یہ فرض کر کے اس کی وضاحت کی کہ شارع کا مقصد شرعی اصول میں سے ایک اصل ہے اور شریعت کے اصول قطعی ہیں، لہٰذا مقاصد بھی قطعی ہوں گے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو اس اصل کی بنیاد قطعی دلیل پر ہوئی، اور وہ قطعی دلیل دو حال سے خالی نہیں کہ وہ عقلی ہوگی یا نقلی ہوگی۔ (لیکن) ضروری ہے کہ وہ نقلی ہو۔ نقلی دلائل ضروری ہے کہ قطعی الدلالہ والثبوت ہوں۔ اس طرح کے نصوص کے وجود کے بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے۔ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ قطعی الثبوت نصوص پائے جاتے ہیں، نیز اس بات کے قائل ہیں کہ دلائل بذات خود قطعیت کا فائدہ نہیں دیتے ہیں، لیکن جب ان کے ساتھ قرائن متصل ہو جائیں، خواہ وہ محسوس قرائن ہوں یا منقول قرائن ہوں تو اس وقت دلائل یقین کا فائدہ دیتے ہیں۔ (لیکن) یہ ہمیشہ موجود نہیں،

۲۷- یفوت، سالم، ''حفریات المعرفۃ العربیۃ الإسلامیۃ: التعلیل الفقہی، بیروت، دار الطلیقہ، ۱۹۹۰ء، ص ۱۷۴

اس لیے کہ یقین کا فائدہ دینے والے قرائن ہر دلیل کے لیے لازم نہیں ہیں۔(۲۸)

تو پھر امام شاطبیؒ کسی طرح اس بات کو ثابت کر رہے ہیں کہ قطعی شرعی دلیل کی بنا پر مقاصد شرعاً معتبر ہیں؟

امام شاطبیؒ نے مقاصد کی قطعیت ثابت کرنے کے لیے معنوی استقراء کا سہارا لیا ہے۔ استقراء معنوی بحث کا ایک منہج ہے جس کا اسلامی منطق سے گہرا تعلق ہے، بالخصوص قیاس شرعی اور فقہاء کی منطق سے، ''صوری منطق'' سے تعلق کے مقابلہ میں۔(۲۹)

استقراء معنوی استدلال مرسل (مصالح مرسلہ) کے مشابہ ہے، جس پر امام مالکؒ اور شافعیؒ نے اعتماد کیا ہے، جب انہوں نے پایا کہ فرع کی تائید اگرچہ متعین اصل سے نہ ہو، (لیکن) اصل کلی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اصل اگر قطعی ہو تو وہ متعین اصل کے مساوی ہے بلکہ کبھی متعین اصل کی قوت اور ضعف کے لحاظ سے اس سے بڑھ جاتی ہے۔

استقراء معنوی کی علم اصول حدیث کے اندر مضبوط جڑیں ہیں، اسی سے تواتر معنوی کا تصور لیا گیا ہے، لہٰذا یہ اصول اور مصطلح حدیث میں بھی موجود ہے۔ استقراء معنوی سے یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ مفاہیم کا استقراء ہے، انواع کا شمار نہیں ہے، اس کا تعلق اس سے ہے کہ عقل ان معانی کا ادراک کرتی ہے جن کو تجرباتی واقعات سے اخذ کرتی ہے۔ چنانچہ عقل ایک معنی سے دوسرے معنی کی طرف ترقی کرتی ہے یہاں تک کہ اس کی رسائی اس کلی معنی کی طرف ہو جاتی ہے جو ضروری و بدیہی کا حکم لے لیتی ہے۔(۳۰)

۲۸- شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، مرجع سابق، ج ۲، ص ۴۹-۵۰، نیز دیکھیے: ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، مرجع سابق، ص ۲۵۳

۲۹- علوان، القیم الضروریۃ ومقاصد التشریع الاسلامی، مرجع سابق، ص ۶۱-۶۲

۳۰- مرجع سابق، ص ۶۲

اس جگہ معتبر ادلہ وہی ہے جن کا استقراء ظنی ادلہ کے مجموعہ سے ہوتا ہے جو ایک مفہوم پر متفق ہوتے ہیں، حتی کہ اس سلسلہ میں قطعیت کا فائدہ دیتے ہیں۔(۳۱)

چنانچہ عمومی اصول جیسے: ''لا ضرر ولا ضرار'' اور ''رفع حرج'' وغیرہ، یہ قطعی مقاصد ہیں جو کلیات واصول پر مبنی ہیں۔(۳۲)

ان اصولوں کو امریکی مسلم گروپ کی صورت حال پر منطبق کرتے ہوئے بہ طور مثال ہم کہتے ہیں: ''ریاستہائے متحدہ امریکہ کے فقہاء مجتہدین پر متعین ولازم ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف اور جھگڑے کے حالات میں ضرر پیش آنے سے اجتناب پر زور دیں۔ نیز دونوں فریق کے لیے اسے واضح اور متعین مقصد قرار دیں۔ بہرحال جو وسائل مقصد کو وجود میں لاتے ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں: عقد نکاح اور طلاق کی باریک بینی کے ساتھ تشکیل پر زور دیا جائے، نیز اس پر زور دیا جائے کہ مکمل حقوق جیسے: بیوی اور اولاد کے لحاظ سے کسی ظلم اور زیادتی کے بغیر نفقہ اور مہر کے حقوق حاصل کرنے کے لیے سول عدالت میں نکاح وطلاق کا ریکارڈ کرایا جائے۔ بعض اوقات اس کا بیوی سے تقاضا یہ ہے کہ سول عدالت کے فیصلہ کی وجہ سے استحقاق سے زیادہ جو حقوق اسے دیئے جاتے ہیں وہ زائد مال اپنے طلاق دینے والے شوہر کو لوٹا دے۔ اس طرح میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے فریق کے حقوق عدل اور فضل و احسان کے ساتھ بھرپور طریقہ پر ادا کر پائے گا۔ مثال کے طور پر دین کے اندر رفع حرج کے اصول کو ایک عام صیغہ کی ضرورت ہے، جس سے مختلف حیثیت رکھنے والے ان مخصوص متعدد واقعات میں فائدہ اٹھایا جا سکے۔ جو اصل رفع حرج کے سلسلہ میں متفق ہوں، جیسے: پانی حاصل کرنے میں مشقت کے وقت تیمّم کی مشروعیت، کھڑے ہونے میں مشقت کے وقت بیٹھ کر نماز

۳۱- شاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، مرجع سابق، ج۱، ص۳۶-۳۷

۳۲- مرجع سابق، ج۱، ص۳۲-۳۳

پڑھنے کی مشروعیت، سفر میں قصر وافطار کی رخصت، قبلہ کا تعین دشوار ہونے کے وقت کسی سمت کی طرف رخ کر کے (تحری اور دل کے اطمینان کی حالت میں) نماز پڑھنے کی مشروعیت، رفع ضرر اور موزہ اتارنے کی مشقت کی وجہ سے موزوں پر مسح کی مشروعیت، اس کے علاوہ بھی بہت سی جزئیات ہیں، جن کے مجموعہ سے رفع حرج کے سلسلہ میں شارع کا قصد معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم استقراء پر عمل کرتے ہوئے مطلق رفع حرج کا فیصلہ کریں گے۔ گویا اس جگہ استقراء معنوی پر عمل لفظ کے عموم پر عمل ہے، اس سے حاصل ہونے والا متواتر معنی صراحت کردہ عموم سے حاصل ہونے والا معنی ہے۔ اس کے باوجود کہ "**لاحرج فی الدین**" (دین میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کی صراحت فرمان باری تعالیٰ: "**وما جعل علیکم** ....." (۲۲/حج:۷۸)، (اور دین میں تم پر کوئی تنگی اور مشقت نہیں رکھی ہے، اپنے جد امجد ابراہیم کی ملت کو اختیار کرو، اللہ نے تمہارا نام "مسلم" رکھا ہے، پہلے بھی اسی نام اور وصف سے تم کو متصف کیا تھا، اور اب اس قرآن کے ذریعہ بھی) میں کردی گئی ہے، البتہ نص اگرچہ قطعی الثبوت ہے، لیکن دلالت کے سلسلہ میں مناقشہ کا احتمال ہے۔ ایک ایسے منہج کی حیثیت سے یہاں استقراء معنوی کی اہمیت مضمر ہے، جس کا سہارا ایک دلیل نہ ہو، بلکہ مختلف واقعات سے متعلق سارے ظواہر، عمومات، مطلق ومقید اور جزئی امور کو سمیٹے ہو، مزید برآں اس میں قرائن اور احوال بھی شامل ہوں۔ اس سے نصوص کے تواتر، ادلہ اور قرائن کی وجہ سے فرعی مسائل کے احکام میں ہمارے لیے قطعیت حاصل ہوگی: جیسے: نماز کی فرضیت، اور ظلم وزیادتی کی حرمت.....اس طرح علم کلی علم جزئی سے ممتاز رہے گا۔

شاطبیؒ نے مقاصد میں ایک اہم منہجی محور کو شامل کیا ہے، جبکہ انہوں نے کوشش کی کہ مقاصد معلوم کرنے کے مسالک کی دریافت کے سلسلہ میں اپنی پوری کاوش اور جانفشانی صرف کردیں، اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کہ ان کے پیش کردہ بعض مسالک جزئی ہیں، یعنی

جزئی احکام کے دائرہ میں ہیں، کلی اور عمومی مقاصد کے دائرہ میں نہیں ہیں۔ البتہ انہوں نے پہلا مسلک نکالا اور محض قرآن میں وارد امر و نہی کو مقصد کے تعین کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے اسے منہج استقراء کی دلیل کے طور پر استعمال کیا، اس لیے کہ یہ مسلک ایسی کلیت کے ساتھ متصف ہے جس سے قرآن کریم سے براہ راست دوبارہ ربط ہونے میں مدد ملتی ہے۔ (۳۳)

اس ضابطہ کا مقصد یہ ہے کہ تطبیقی منہج کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مطلق تعمیل کے اصول سے مربوط رکھا جائے اور اعمال کو خراب کرنے والی خواہش نفس کو دفع کیا جائے، پھر مقاصد کے اعتبار سے اس میں درستگی لائی جائے، اس لیے کہ مقاصد ہی ہیں جو ان احکام کے بارے میں جن میں نص نہ ہو ان کی تطبیق کو درست رکھتے ہیں۔ کیونکہ نئے واقعات کا تقاضا ہے کہ ایسے احکام کی تطبیق کی جائے جن کو عام شرعی مقاصد کی بنیاد پر ڈھالا گیا ہو۔

تطبیق کے سلسلہ میں اس اعتقادی اصل کا شمار تنفیذی منہجی رنگ رکھنے والے دیگر تطبیقی اصول کے باب کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے: ''تنقیح مناط'' جسے اصولیین نے مسالک علت کے تحت رکھا ہے۔ شاطبیؒ اسے تطبیق کا اہم اصول قرار دیتے ہیں۔

احکام کی علت کی تنقیح و تحقیق کا شمار مقاصد کو بروئے کار لانے کے سلسلہ میں ایک اہم منہج کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ ''تنقیح مناط'' تہذیب و تمیز ہے۔ جن احکام کے بارے میں کوئی نص نہ ہو، مقاصد کے اعتبار سے ہی ان کی درست تطبیق ہو سکتی ہے۔ لہٰذا نئے واقعات کا تقاضا ہے کہ ایسے احکام کی تطبیق کی جائے جن کی تشکیل عام شرعی مقاصد کی بنیاد پر ہو۔ اس طرح مقاصد کو بروئے کار لانے کے دائرہ میں ''تنقیح مناط'' کا شمار اہم منہجی باب کے طور پر ہوتا ہے۔

جزوی واقعات میں مدار حکم کی تحقیق کی اہمیت اس بات میں مضمر ہے مسئلہ کے کن عناصر و مفردات کو باقی رکھا جائے اور کن کو دور کیا جائے، ان کو معلوم کرنے کی کوشش ہو سکے۔

۳۳- نجار، فصول فی الفکر الإسلامی بالمغرب، مرجع سابق، ص: ۱۵۸-۱۵۹

لہٰذا یہ ایک ایسا منہج ہے جو استنباط کی تطبیق کی رہنمائی کرتا ہے اور اسے درست رکھتا ہے۔(۳۴)

امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''شفاء الغلیل'' میں ''تنقیح مناط'' کے سلسلہ میں ایک اہم فصل قائم کی ہے۔(۳۵)

اس میں انہوں نے حکم کی علت کی شناخت کے سلسلہ میں اس کے رول کو واضح کیا ہے۔ نیز اس کے مفہوم کو بھی بیان کیا ہے۔ ''البرہان'' کے مؤلف کی رائے ہے کہ ''تنقیح مناط'' اس جانچنے اور پرکھنے کے ذریعہ علت کو نکالنا ہے جو اس بات پر مبنی ہے کہ اوصاف کو جانچا جائے اور ان اوصاف کو حذف کر دیا جائے جو علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں۔ اسنویؒ نے اسے اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ فارق کو کالعدم کرنے کو ظاہر کرتا ہے، یعنی شارع نے حکم کو جس وصف سے مربوط و وابستہ کیا ہے اسے چھانٹ لینے کا نام ''تنقیح مناط'' ہے۔ ایسے وصف کو (جس پر حکم کا دارومدار ہو) علت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔(۳۶)

شاطبیؒ نے بھی اس کی اہمیت پُرزور طریقہ پر بیان کی ہے۔ اسے نظر انداز کرنے یا اس سے غفلت برتنے اور حکم کو اس کے حقیقی افراد سے پھیرنے کو کلمات کو حقیقی معنی سے ہٹانے اور حقیقی

۳۴- مرجع سابق، ص ۱۹۴

۳۵- ''تنقیح مناط'' کا مطلب یہ ہے کہ شارع حکم کی نسبت ایک ایسے سبب (علت) کی طرف کرے جس کے ساتھ قابل حذف بہت سے اوصاف مل جائیں۔ چنانچہ اس اعرابی سے متعلق نص جس نے رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے ہمبستری کر لی تھی اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ علت ''جماع'' ہے، لیکن اس کے ساتھ بعض ایسے اوصاف وابستہ ہیں جن کو حذف کرنے کی مجتہد کو ضرورت ہے، تاکہ وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ علت مکلّف کا جماع کرنا ہے نہ کہ اعرابی کا جماع ہے، لہٰذا علت رمضان کی حرمت کی پامالی ہے۔ اس طرح مجتہد علت معلوم کرنے کے لیے اہمیت نہ رکھنے والے اوصاف کو حذف کرنے کی کوشش جاری رکھتا ہے۔ دیکھیے: اس میدان سے متعلق اصول فقہ کی مختلف کتابیں۔

۳۶- اسنوی، جمال الدین بن عبد الرحیم، ''نہایۃ السول شرح منہاج البیضاوی''، قاہرہ، ط: صبیح والسّلفیہ (د.ت)، ج ۴، ص ۱۲۷۔

مفہوم میں تحریف کا ذریعہ قرار دیا ہے۔(۳۷)

اسی وجہ سے انہوں نے اس کا مفہوم اس طرح واضح کیا ہے کہ یہ ہر وہ دلیل شرعی ہے جو دو مقدمے پر مبنی ہے: ایک کا تعلق حکم کی علت کی تحقیق سے ہے۔ دوسرے کا تعلق خود شرعی حکم سے ہے۔ شارع نے دوسرے مقدمہ کے تقاضے کے تحت مکلفین کے اعمال پر حکم لگایا ہے۔ اس پر حکم کا انطباق اسی طرح ہوگا کہ ثابت ہوجائے کہ وہ اس حکم کی علت ہے۔ اگر تم کہو: ''ہر نشہ آور حرام ہے'' اور اسے نقل سے معلوم ہونے والا شرعی حکم قرار دو، تو اس کا انطباق اس کے حقیقی افراد پر اسی وقت ہوگا جبکہ اس چیز کی چھان بین کرلو جسے مکلّف پی رہا ہے تاکہ پتہ چل سکے کہ وہ مشروب خمر ہے اس پر اس سے اجتناب لازم ہے۔ یہی ''تحقیق مناط'' کا مفہوم ہے۔(۳۸)

بنا بریں نوع کے دائرہ میں ''تحقیق مناط'' کو وجود میں لانے کے اعتبار سے اس کے دو درجے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم کلی اپنے انواع کے ذریعہ افراد پر منطبق ہوتا ہے، جیسے: ظلم کی حرمت، یا دوسروں کو ضرر میں مبتلا کرنے کی حرمت سے متعلق حکم ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر خاندانی تشدد کی حالت میں ضرر پیش آنے کی بہت سی قسمیں ہوسکتی ہیں، جیسے: جسمانی اذیت، نفسیاتی اذیت، مالی اذیت، جذباتی اذیت یا جنسی اذیت۔ یہ سب خاندانی تشدد کے دائرہ میں ہوتے ہیں۔ امریکی سماج کے مجتہد پر لازم ہے کہ اس معاملہ کو اس طرح واضح کریں کہ عام لوگوں کے لیے موضوع کو سمجھنا موضوع کو نص سے مربوط کرنا آسان ہوجائے تاکہ بعد میں یہ ثقافت بن جائے۔ پھر ''سماجی

۳۷- شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، 'الاعتصام''، تحقیق: محمد رشید رضا، بیروت، دار المعرفہ، ج ۱، ص ۲۴۹)
شاطبیؒ نے بدعت کے مسائل اور صورتوں کے حل لیے ''تحقیق مناط'' کے منہج کا استعمال کیا۔ یہ چیز ان کی فکری اور عملی فکرمندیوں کو بڑا حصہ تھی۔

۳۸- شاطبی، الموافقات فی أصول الشریعۃ، مرجع سابق، ج ۳، ص ۴۳، نیز دیکھیے: نجار، ''فصول فی الفکر الإسلامی بالمغرب''، مرجع سابق، ص ۱۹۵-۱۹۶، نجار، عبدالمجید، ''فی المنہج التطبیقی للشریعۃ الإسلامیۃ، تنزیلاً علی الواقع الراہن، ابوظبی، جامعہ الامارات العربیہ المتحدہ ۱۹۹۰ء۔

محاسبہ'' کا عمل بھی انجام پائے، جو خاندانی ظلم یا تشدد کی کسی قسم کو پیش آنے سے روکے۔ جب خاندان اس کا التزام کرے گا تو ایک مسلمان ظلم قبول کرنے، یا اس پر اور دوسروں پر ظلم کے پیش آنے کو مسترد کر دے گا۔ اس طرح تمام شکلوں کے ساتھ ظلم کے نظام کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

بہر حال جہاں تک ''متعین شئ''، یعنی عمل کرنے والے، واقعات اور اس کی مانند دیگر امور سے متعلق چیزوں کے دائرہ میں ''تحقیق مناط'' کا تعلق ہے تو ایسا لگتا ہے کہ یہ درجہ معلوم ذرائع کے ساتھ منضبط نہیں ہے، اس کا اعتماد مجتہد کی صلاحیت اور تقوی پر ہے۔ جیسے: کراہت کے ساتھ طلاق کی اباحت، یہ ایسا حکم ہے جس کی خاندان کے ڈھانچہ اور ساخت کے اندر اپنی مخصوص اہمیت ہے۔ جب میاں بیوی کے درمیان زندگی گزارنا محال ہو جائے اور دونوں ایک ساتھ خاندانی ادارہ چلانے میں ناکام ہوں تو پھر طلاق مباح ہی نہیں رہ جاتی ہے (بلکہ) اس وقت ضروری ہو جاتا ہے کہ خاندانی ادارہ کو ختم کرنے کے لیے طلاق کو پُر امن ذریعہ کے طور پر اختیار کیا جائے، تاکہ بہتر طریقہ پر رخصت کر دینے کے مفہوم کا تحقق ہو سکے۔ لیکن ایسے مخصوص حالات بھی پائے جا سکتے ہیں جن میں اس بات کا تیقن حاصل کرنا ضروری ہے کہ ان کے افراد کو اس بات کا علم ہے کہ وہ اس حکم کے تحت شامل ہیں یا نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب طلاق کے تناسب میں اضافہ ہو جائے اور یہ مریضانہ صورت حال میں تبدیل ہو جائے، بجائے اس کے کہ پُر امن حل ہو (اس وقت نکاح کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے گی)۔ حال میں ہی امریکی مسلم گروپ بالخصوص جوانوں کے درمیان پہلے بچہ کی ولادت کے بعد طلاق عام ہونے لگی ہے۔ اس کا سبب اس میں مضمر ہے کہ بیوی فطری طور پر نئے بچہ میں مشغول ہو جاتی ہے، جس سے شوہر کو احساس ہوتا ہے کہ وہ بیوی کی توجہ سے محروم ہے، بالخصوص جبکہ مرد اور عورت کے درمیان کے تعلق کا جائزہ ''ہالی ووڈ'' کے پیمانے کے لحاظ سے لیا جا رہا ہو۔ مرد ایسی خاتون کو تلاش کرنے لگے جو اس کے لیے متبادل احساسات پیش کرے، ان احساسات کی جگہ جن کی ضرورت دونوں فریقوں

کومحبت والفت اورسکون واطمینان کووجود میں لانے کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے ہوتی ہے۔ اس سماج میں بالخصوص جوان مرد کے لحاظ سے خواہشات اور شہوات کی حد سے بڑھی ہوئی قدر دانی، نیز قربانی، صبر اور میاں بیوی کے درمیان تعاون کے مفہوم کا نہ ہونا اس حیثیت کو کم کر دیتا ہے کہ نکاح ایک ایسا ادارہ ہے جس میں فریقین ذمہ داری اور التزام کے مفہوم کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ چیز مرد کو طلاق یا ازدواجی خیانت تک پہنچا دیتی ہے۔

اس وقت اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ مجتہد یا امام اس حالت کے بارہ میں باریک بینی سے تحقیق کرے، تاکہ ان مفید ترین وسائل کی تلاش ہو سکے جو اس ادارہ کو محفوظ رکھ سکیں اور میاں بیوی کو اس امتحان سے پار نکل جانے میں مدد دیں۔ اس جگہ طلاق کا حکم کراہت کے ذیل میں اس طرح ہوگا جو اباحت سے قریب ہو۔ اس وقت مجتہد پر ضروری ہوگا کہ مسئلہ کے عناصر اور مفردات کا ''فقہ الواقع'' کے دائرہ میں باریک بینی کے ساتھ تجزیہ کرے، تاکہ خاندان کے کسی فرد کے حقوق پر زیادتی یا ظلم کے بغیر خاندان کے ڈھانچہ کے تحفظ کے سلسلہ میں مقاصد کو وجود میں لانے کی قدرت ہو سکے۔ اس میدان کو اس بات کی مسلسل ضرورت ہے کہ وسیع تنظیری (نظریہ سازی) وتطبیقی کوششیں صرف کی جائیں تاکہ یہ استنباط وتطبیق کے عمل کے اندر واضح خدوخال والا جائزہ لینے کا منہج بن جائے۔

۳- مقاصد کو معلوم کرنے کے سلسلہ میں معاصرین کے مناہج اور طریقے:

ابن عاشورؒ مقاصد معلوم کرنے کے مسالک اور راہوں کو نئی شکل دینے کے باوجود متقدمین کے نقش قدم پر چلے ہیں، کیونکہ انہوں نے نص قرآنی کو پہلا اور دوسرا مسلک قرار دیا۔ پہلے کو ''احکام شرعیہ کے ادلہ کے استقراء'' کے نام سے موسوم کیا ہے، جبکہ دوسرے کو قرآن کریم کی تصریحات (نص صریح) اور سنت نبویہ متواترہ سے مقاصد شریعت کے براہ راست استخراج کا نام دیا ہے۔(۳۹)

۳۹- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، مرجع سابق، ص:۲۱

ابن عاشورؒ نے منہج استقراء کو نئی شکل دینے کا عمل جاری رکھا۔ ان کی کاوش اس حیثیت سے ممتاز ہے کہ انہوں نے مقاصد معلوم کرنے کے منہج کو پیش کرنے کے سلسلہ میں نظریاتی اصل سازی کا کام کیا، پھر اس کو بالخصوص خاندان اور مالی معاملات وغیرہ کے میدان میں روبہ عمل لانے کی کوشش کی۔(۴۰)

ابن عاشورؒ کے نزدیک منہج استقراء کا اعتماد نص صریح پر ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ نص، اس کی لفظی اور سیاقی دلالتوں کو سمجھا جائے۔(۴۱)

۴۰- مرجع سابق، ص ۱۵۵ اور اس کے بعد کے صفحات

۴۱- قرآن نازل ہونے کے وقت سے اصولی نظر کا رخ اس طرف رہا ہے کہ اس کے معنی مقصود کے تعین کی خاطر اسے سمجھا جائے۔ چونکہ ان کے نزدیک اساس یہ ہے کہ خطاب سے شارع کے قصد کو منضبط کیا جائے، اس لیے متنوع حیثیتوں: متکلم اور سامع کی حیثیت، متعین یا غیر متعین افراد کو خطاب کے شامل ہونے کی حیثیت، استعمال کے عموم اور زمانہ اور ماحول کی تبدیلی کے لحاظ سے خطاب کے معنی کی تبدیلی کی حیثیت، نص کے واضح اور خفی ہونے کی حیثیت اور نص کی دلالت کے طریقہ کی حیثیت کے لحاظ سے ان کے دلالتی مباحث متنوع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصولیین استنباط کے لغوی قواعد کی نظریہ سازی اور اصالت میں مشغول ہوئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ لفظی ادلہ مجموعۂ امور پر مبنی ہیں: لغتوں اور نحو کی آراء کو نقل کرنا، عدم اشتراک، عدم مجاز، نقل شرعی یا نقل عادی، اضمار، عموم کی تخصیص، مطلق کی تقیید، ناسخ کا نہ ہونا، تقدیم وتاخیر اور معارض عقلی۔

انہوں نے اس بات کا اہتمام کیا کہ آیتوں کو شان نزول سے مربوط کر دیا جائے۔ حتی کہ ان کے نزدیک دلالت نص اسی معنی پر مرکوز ہے۔ اسی وجہ سے اصولیین کے نزدیک ''مقام'' مباحث دلالت کا سرچشمہ اور اساس ہے۔ انہوں نے ''مقام خطاب'' کی قسموں کو ''مقام حال'' اور ''مقام مقال'' میں تقسیم کیا ہے۔ ''مقام مقال'' کا مطلب خطاب کا احاطہ کرنے والے امور ہیں، یعنی لفظی قرائن لغوی، بیانی اور دلالتی عناصر جو اپنی عبارت، اشارہ، ایماء، اقتضاء یا مفہوم کے ذریعہ حکم پر لفظ کی دلالت کو متعین کرتے ہیں۔ چنانچہ دلالتی تفسیر و وضاحت عام ہوگی یا خاص ہوگی، مطلق ہوگی یا مقید ہوگی، ظاہر ہوگی یا نص ہوگی، واضح ہوگی یا خفی ہوگی۔ بہرحال ''مقام حال'' خطاب کا احاطہ کرنے والے (معنوی) امور ہیں۔ یعنی قرائن حالیہ جو خطاب کے مقصود کو بتاتے ہیں، یعنی وہ ظروف و احوال اور مختلف سیاق جو خطاب کے ورود کے وقت خطاب شرعی کو محیط تھے۔

پھر جزئیات کے سلسلہ میں شارع کے تصرفات کا استقراء کیا جائے تا کہ کسی وقت بھی کلی مقصد تک پہنچا جا سکے۔ اس طرح انہوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ یہ کوشش کی کہ مقاصد معلوم کرنے کے مسالک کو ظنی دائرہ سے نکال کر قطعی دائرہ میں لا کر ترقی دی جائے۔ اس کی خاطر انہوں نے تین طریقوں کا تعین فرمایا:

(الف) احکام کے ذریعہ شریعت کے تصرفات کا استقراء کیا جائے۔ استقراء چھان بین کو کہتے ہیں۔ یعنی حکم عام کو ثابت کرنے کے لیے جزئی معنی والے امور کی چھان بین کی جائے۔ یہی شریعت کے احکام کے ذریعہ شریعت کے تصرفات کا استقراء ہے۔ اس کے دو مرحلے ہیں:

پہلا مرحلہ: یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے ادلہ کا اس حیثیت سے استقراء کیا جائے کہ استقراء کا نتیجہ یہ نکلے کہ احکام کا ایک حصہ ایک علت میں مشترک ہے، اس سے اس بات کا یقین حاصل ہو کہ وہ علت جس میں احکام مشترک ہیں، وہی شارع کا مقصد ہے۔ اس کی مثال: بیوی کو ضرر لاحق کرنے کی ممانعت ہے، بالخصوص طلاق واقع ہونے کی حالت میں۔ چنانچہ عدت وغیرہ کے زمانہ میں بیوی کو اپنے شوہر کی طرف لوٹنے سے روک دینا، جبکہ وہ اسے اختیار کرے، یا اسے کسی مالی ذریعہ سے روک دینا، خواہ اس کی میراث پر قبضہ کر کے، یا اس کے لازم نفقہ کو نہ فراہم کر کے، یا اسے اپنے گھر میں رہنے سے روک کر کے، یا اپنے گھر والوں کی ملاقات سے اسے محروم کر کے، یا بہ طور مثال مسجد جانے سے روک کر جو مسجد امریکی مسلم گروپ کی اجتماع گاہ شمار ہوتی ہے، یا اس کی مانند دیگر حقوق سے روک دینا (یہ سب ظلم کی شکلیں ہیں)۔ ان ساری صورتوں میں جو علت مشترک ہے، وہ عمومی طور پر خاتون سے رفع ظلم ہے۔

دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ احکام کی علتوں کا استقراء کیا جائے۔ یہ اس بات پر مبنی ہے کہ علل ہی قریبی مقاصد ہیں، اس لیے کہ وہ الگ الگ احکام سے متعلق ہیں۔ اس کے اوپر کچھ ایسے مقاصد ہیں جو اس سے عام ہیں۔ اگر ہمارے پاس احکام کے متعدد علل حاصل ہو جائیں اور علت

کے مسالک کے ذرائع سے معلوم ہوجائیں تب ہم ان علل کا استقراء کریں گے، جب ہم پائیں گے کہ علل کی ایک بڑی تعداد ایک حکمت پر دلالت کرنے میں مشترک ہے تو ہمیں یقین ہوجائے گا کہ وہی حکمت اصلی شرعی مقصد ہے جو ان علل کے مقابلہ میں اس مفہوم کلی کے درجہ میں ہے جو جزئیات کے استقراء سے حاصل ہوا ہے، جیسا کہ منطق میں اس کی تعریف کی گئی ہے، جیسے: مسلمان بھائی کے پیغام پر پیغام دینے کی ممانعت کی علت نکالی جائے پھر اس سے ایک شرعی مقصد نکالا جائے جو یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان اخوت کی تاسیس وتشکیل اور دوام کی دعوت دی جائے، پھر اس مقصد سے اجتہادی احکام کی میزان بنالی جائے۔

(ب) قرآن کریم کی تصریحات سے شریعت کے مقاصد کا براہ راست استخراج، جو کہ قطعی الثبوت ہو، جیسے: فرمان باری تعالیٰ ہے: ''**واللہ لایحب الفساد**'' (۲/بقرہ:۲۰۵)، (اور اللہ تعالیٰ فساد و بگاڑ کو پسند نہیں فرماتا ہے)۔ اور ارشاد الٰہی ہے: ''**یرید اللہ بکم الیسر ولایرید بکم العسر**'' (۲/بقرہ:۱۸۵)۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے، وہ تمہارے حق میں دشواری، تنگی نہیں چاہتا)۔ یہ سب شرعی مقاصد ہیں جو نص قرآنی کے براہ راست فہم سے معلوم ہوتے ہیں۔

(ج) سنت متواترہ کا استقراء کرکے براہ راست (مقاصد) کا استخراج۔ سنت متواترہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اول: متواتر معنوی، جو اس طرح حاصل ہو کہ صحابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل کا مشاہدہ کیا ہو اور ان کو کسی قانون کا علم ہوا ہو جس کا دین سے ہونا بداہتاً معلوم ہوگیا۔

(۲) دوم: تواتر عملی جو افراد صحابہ کو اس طرح حاصل ہوا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کا بار بار مشاہدہ کیا، اس طرح کہ مجموعۂ اعمال سے کلی شرعی مقصد نکالا جاسکے۔ اصولیین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کو ممتاز کیا ہے۔ تشریع و قانون کا تقاضا کرنے

والے اعمال اوران اعمال کی تفصیل کی ہے جن کا انسانی فطرت تقاضا کرتی ہے۔(۴۲)

اس میدان کی سب سے اہم تصنیفات میں سے کتاب ''الفروق'' ہے جو امام قرافی کی ہے، جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وتصرفات میں ''مقامات خطاب'' کو بیان فرمایا ہے، نیز ان مقامات کے اختلاف کو بھی واضح فرمایا ہے جو (۱) مقام تبلیغ (۲) مقام تعلیم (۳) مقام امامت (۴) مقام قضا (۵) مقام فتوی یا قانون سازی وغیرہ میں دائر ہے۔ ان میں سے بعض عام اور لازم کرنے والے ہوتے ہیں، بعض خاص اور لازم نہ کرنے والے ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ابن عاشور کہتے ہیں: ''عالم جو شریعت کے مقاصد اور تصرفات سے باخبر ہو اس پر لازم ہے کہ شریعت کے خطابات کے مقامات میں تفریق کرے، کیونکہ بعض مقام موعظت و نصیحت، ترغیب وترہیب اور تبشیر وتحذیر کا مقام ہوتا ہے۔ بعض مقام تعلیم وتحقیق کا مقام ہوتا ہے، لہٰذا شریعت کے نصوص میں سے ہر وارد ہونے والی نص کو اس کے مناسب محل میں رکھے''۔(۴۳)

سے نصوص کی تفسیر، احکام کی تعلیل اور احکام کے بارے میں استدلال کرنے میں مدد ملتی ہے۔

قطعی یا قریب القطعی دائرہ میں مقاصد معلوم کرنے کے منہج کی تشکیل کے سلسلہ میں ابن عاشورؒ کی منہجی کوششیں ثمر آور ہوئیں، کیونکہ انہوں نے پوری قدرت کے ساتھ علمی طور پر تاویلات کی چھان پھٹک کرنے، اجتہاد مقاصدی کو صیقل کرنے، جاری کرنے اور نظر ونقد کے معیار سے دینداری کی فقہ کی تعمیر وتشکیل کرنے کے سلسلہ میں نص قرآنی اور سنت نبویہ صحیحہ کے فہم کے مناہج کے بارے میں بحث کرنے والے معاصر اہل علم کے کلام اور گذشتہ اہل علم کے حقائق کا استعمال کیا۔

چونکہ شرعی مقاصد کا انضباط دو سطحوں پر ہوتا ہے: یعنی اپنے خطاب سے شارع کے

۴۲- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الإسلامیۃ، مرجع سابق، ص:۱۹-۲۲

۴۳- ابن عاشور، تفسیر التحریر والتنویر، مرجع سابق، ج۱، ص ۲۷۳

مقاصد اور اپنے احکام سے شارع کے مقاصد۔ لہٰذا اس سطح پر فہم کا مقصد یہ ہے کہ نصوص اور احکام سے شرعی ارادہ معلوم کرنے کے لیے باحث و محقق پوری کوشش صرف کر دے۔(۴۴)

ابن عاشورؒ نے ایک نئے پہلو پر بھی زور دیا ہے جس کے ساتھ ان کی نسل ممتاز ہے۔ یہ سماجی پہلو ہے۔ لیکن انہوں نے مقاصد کے مسئلہ میں اپنے ان الفاظ کے ذریعہ اسے مؤثر بنانے کی کوشش کی: ''تشریع و قانون کا عمومی مقصد یہ ہے کہ امت کے نظام کا تحفظ ہو اور اس کے نگراں کی درستگی کے ذریعہ اس کی دائمی درستگی ہو۔ نگراں نوع انسان ہے، اس کی درستگی میں اس کی عقل کی درستگی، اور جس دنیا میں زندگی گزار رہا ہے اس کے موجودات کے سامنے اس کے عمل کی درستگی شامل ہے(۴۵)۔ اس طرح وہ سماجی پہلو کو رنگ دینے کی طرف اولین متوجہ ہونے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے صرف فرد پر زور نہیں دیا ہے۔ اس کی وجہ سے یہ امکان پیدا ہوا کہ سیاسی، سماجی اور اقتصادی وغیرہ مصالح کی بنیاد پر اصل سازی کی جائے، بالخصوص ابن عاشورؒ نے مالی تصرفات اور خاندان کے احکام کے مقاصد کے بارے میں مخصوص معاملات کے میدان میں اس کا انطباق کیا ہے۔(۴۶)

چنانچہ ابن عاشورؒ نے مثال کے طور پر نفس کے تحفظ کے مفہوم کا مناقشہ کیا، اور اس بات کو واضح کیا کہ اس کا مطلب صرف کھانا، پینا اور لباس نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہلاکت سے افراد اور جماعت کی جانوں کا تحفظ کیا جائے۔ بہر حال قصاص تو اس کا شمار تحفظ کی ضعیف ترین قسموں کے طور پر ہوتا ہے(۴۷)۔ سماج میں سرایت کرنے والے امراض کا مقابلہ اور

۴۴- حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، مرجع سابق، ص ۱۳۳

۴۵- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، مرجع سابق، ص: ۶۳

۴۶- حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، مرجع سابق، ص ۲۹۶-۲۹۷

۴۷- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، مرجع سابق، ص: ۸۰

ان قدرتی تبدیلیوں کے ساتھ نمٹنے کے سلسلہ میں علم کی سطح کا بلند ہونا، جو انسانی آفات وحوادث کا سبب بنتے ہیں، جیسے: کوہ آتش فشاں کا پھٹنا، زلزلہ، سیلاب وغیرہ، یہ بھی ارواح ونفوس کے تحفظ کے دائرہ میں داخل ہے (۴۸)۔ بنابریں ایک ادارہ کی حیثیت سے انسانی خاندان کے ڈھانچہ کا تحفظ، جو اپنی ساخت میں صرف ایک مرد اور عورت کے درمیان عقد نکاح پر مبنی ہے، نیز بچہ پیدا کرنے کے فطری طریقوں کا تحفظ جو بائیولوجیکل (جسمانی)، سماجی اور اقتصادی اعتبار سے موروثی تعلقات کے لحاظ سے اولاد کے لیے اپنے والد سے نسب کا تحفظ کرے، بالخصوص امریکی مسلم گروپ کے اندر، اس کا شمار نفس اور نسل کے تحفظ کے درمیان دائر ضروریات میں سے ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابن عاشور کے نظریہ کے شارح حسنی نے بیان کیا ہے کہ: ''اسلامی سماج کے اندر ضروریات کے انضباط کی تاسیس اور تشکیل اس طرح ہوگی کہ خاص طور پر اسلامی معاشرے اور عام طور پر انسانی معاشرے پر طاری ہونے والے احوال و اوقات کے بارے میں نئی تبدیلیوں سے مکمل واقفیت حاصل ہو اور ان کا کامل احاطہ ہو''۔ (۴۹)

ابن عاشورؒ نے ایک دوسرے منہجی خدوخال کو پیش کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے، جو گذشتہ (منہج) سے کم اہمیت نہیں رکھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انہوں نے بلندترین مقاصد کی حیثیت سے اسلامی اقدار کو پیش کیا ہے۔ جیسے: رواداری، آزادی اور مساوات، مثال کے طور پر ''رواداری'' کے مفہوم کے ذریعہ (۵۰)۔ اعتدال کی دعوت دینے کا شمار آج ضروریات میں سے ہوتا ہے، بالخصوص دینی اور سیاسی تعصب کے رجحانات ظاہر ہونے کے بعد، جن کی وجہ سے انسانوں کے درمیان ظلم، قتل اور جنگوں کا تناسب بڑھ گیا ہے، جو بالعموم تمام شکلوں میں انتشار، بدنظمی اور تباہی وویرانی کا سبب

۴۸- حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، مرجع سابق، ص: ۲۳۸-۲۳۹

۴۹- مرجع سابق، ص: ۲۹۹

۵۰- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، مرجع سابق، ص: ۶۰-۶۲

ہے۔ آج کل دینی، سیاسی اور مذہبی تعصب کا منفی اثر امریکی مسلم خاندانوں تک پھیل گیا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان اختلافات کا تناسب بڑھ گیا ہے، جن کا نتیجہ طلاق اور خاندان کے شیرازہ کا بکھراؤ ہوتا ہے۔(۵۱) بجائے اس کے کہ اس مثبت تبادلۂ خیالات کے اصول کو راسخ ومضبوط کیا جاتا ،جس کا نتیجہ حسن تعارف اور بہتر طریقہ پر بقائے باہم ہوتا، جس کی دعوت قرآن کریم نے دی ہے، اس کے خطوط متعین کیے ہیں، اس کے وسائل اور ذرائع کی تشکیل کی ہے اور نکاح کو اس مثبت بقائے باہم اور تعارف کا اہم ترین میدان قرار دیا ہے جس کے مفاہیم سورۂ حجرات میں واضح کیے گئے ہیں اور کتابیہ خواتین سے نکاح کی اباحت کا قانون بنایا گیا ہے۔(۵۲)

اس طرح قرآن کریم نے خاندان کو ایک سماجی اکائی قرار دیا ہے جو مثبت گفتگو کے اصول کو راسخ ومضبوط کرنے کی ذمہ داری کا حامل ہے، پھر بہتر طریقہ پر بقائے باہم کو مؤثر بنانے

۵۱- یہ بات صوبہ ''ورجینیا'' کے مرکز آدمز کے ذمہ دار امام محمد ماجد سے انٹرویو کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔ اس انٹرویو میں انہوں نے بتایا کہ متعدد قومیتوں اور مذاہب والے گروپ کے امام کی حیثیت سے اپنے تجربہ کی بنا پر وہ کہہ سکتے ہیں کہ دینی اور مذہبی تعصب کے نتیجہ میں طلاق کی صورت حال عام ہے۔

۵۲- ''**یأیها الناس إناخلقناکم** .....'' (۴۹/حجرات:۱۳)، (اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قوموں اور قبیلوں میں تعارف کے لیے تقسیم کیا ہے، تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے، بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے، خوب باخبر ہے)، نیز ارشاد الٰہی ہے: ''**الیوم أحل لکم الطیبات و طعام الذین أوتو الکتاب حل لکم**.....'' (۵/مائدہ:۵)، (آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کردی گئی ہیں، اہل کتاب کا کھانا (جو حلال چیزوں پر مبنی ہے) تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے (اس معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، اصل تفریق حلال وحرام کی ہے، لہٰذا ان کے ہاں کا جھٹکے سے مارا ہوا جانور اور سور وغیرہ حلال نہیں ہے)۔ اور مومن پاکیزہ عورتوں اور اہل کتاب کی پاکباز عورتوں سے نکاح تمہارے لیے جائز ہے، اگر عفت وعصمت کا تحفظ چاہتے ہوئے تم ان کے مہر ادا کرو، آزاد شہوت رانی نہ کرتے پھرو، نہ دوستی یاری (یعنی صحیح بنیادوں پر نکاح ہو، جس کا مقصد آبرو وعصمت کی حفاظت ہے نہ کہ شہوت پرستی، اور گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کا شیطانی کلچر)۔ اور جو بھی ایمان کا منکر ہو، اس کا سارا عمل اکارت ہے، اور آخرت میں اس کو گھاٹا ہی گھاٹا ہوگا۔

کا ذمہ دار ہے۔

اسی وجہ سے رواداری اور مثبت تبادلۂ خیالات کے مفہوم کے بارے میں شعور کو عام کرنے کا شمار ان ضروریات میں سے ہوتا ہے جن کو انجام دینا امریکی مسلم سماج کے لیے مناسب ہے۔

اس طرح محققین کی نگاہیں اقدار کے نظام اور اس کو مقاصد سے مربوط کرنے کی اہمیت کی طرف متوجہ ہوئیں۔ جس طرح علماء اصولیین جیسے شاطبی اور ان کے پیش رو حضرات نے ''مکلفین کے مقاصد'' کو واشگاف کیا اور مقاصد مکلّف یعنی ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کو وجود میں لانے پر زور دیا، (اسی طرح) آج یہ بات اہم ہے کہ بلند ترین مقاصد کو مکلفین سے متعلق مقاصد کے ساتھ مربوط کرنے کے سلسلہ میں گفتگو کی جائے۔ جن میں اہم ''اقدار'' ہیں، جیسا کہ ابن عاشورؒ نے کیا جبکہ انہوں نے مقاصد کے ذیل میں ''حریت و آزادی کو شامل کیا اور اسے فطرت کی پیداوار قرار دیا۔ علال فاسیؒ نے اسے ذمہ داری اور مکلّف ہونے کے لیے لازم قرار دیا۔ ان سارے مقاصد کا چشمہ اس توحید سے پھوٹتا ہے جو غیر اللہ کی عبودیت و بندگی سے انسان کو آزاد کرتی ہے۔ انہوں نے اس مفہوم سے آزادی کی مختلف صورتیں نکالیں، جیسے: ایمان کی آزادی، قومی آزادی، انفرادی آزادی، سیاسی آزادی، علمی تحقیق کی آزادی اور عمل کی آزادی۔ (۵۳)

اقدار کے سلسلہ میں محققین نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ محمد غزالیؒ نے ''مساوات''، ''عدل وانصاف'' اور ''حقوق انسانی'' کو مقاصد میں داخل کیا۔ (۵۴)، یوسف قرضاویؒ نے مقاصد کے عناصر کے لحاظ سے دوبارہ غور وفکر کی ضرورت پر زور دیا۔ یعنی سماج سے متعلق مقاصد کا

۵۳- فاسی، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ ومکارمہا، مرجع سابق، ص ۲۴۴-۲۵۸، نیز دیکھیے: عطیہ، نحو تفعیل مقاصد الشریعۃ، مرجع سابق، ص ۱۰۴

۵۴- عطیہ، نحو تفعیل مقاصد الشریعۃ، مرجع سابق، ص ۹۸

بھی اہتمام کیا جائے، جیسے: آزادی، مساوات، عدل وانصاف، بھائی چارہ، تکافل اور حیثیت عرفی۔ عقل کے تحفظ کے سلسلہ میں اصولیین کی پیش کردہ مثالوں پر نظر ثانی کی جائے، جو شراب نوشی کی سزا میں منحصر ہیں۔ انہوں نے معرفت وآگہی کی قدر و قیمت، تحصیل علم اور علمی ذہانت کی تشکیل کی اہمیت پر زور دیا۔(۵۵)

اسی بنیاد پر امریکی مسلم سماج پر لازم ہے کہ اولاد کی تربیت، ان کو قرآن کریم کی تلاوت کے طریقہ اور حقیقت تک رسائی کی خاطر تحصیل علم کے سلسلہ میں قرآنی منہج کو سمجھنے کی تعلیم دینے کے لیے زیادہ کوششیں کرے۔ قرآنی منہج سے ہی تجزیہ اور سماجی اور قدرتی مظاہر کی ایسی بنیادوں پر تشریح ووضاحت کی قدرت وصلاحیت حاصل ہوتی ہے جو انسان کو اندھی تقلید اور اتباع کے بندھنوں سے آزاد کرتی ہیں، جن کو غور وفکر کا منہج قرار دینے سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔

علوانی نے اس فکری منہج کی تاصیل اس طرح کی ہے کہ تین سطحوں پر مقاصد کے ڈھانچہ کی تعمیر وتشکیل کا نظریہ پیش کیا ہے۔ پہلی سطح بلند ترین مقاصد: (توحید، تزکیہ اور آبادکاری) کے نظام کو شامل ہے۔ جو اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ اللہ عزوجل کائنات کا خالق ہے، اس نے انسان کو زمین میں اس کی آبادی کے لیے خلیفہ بنایا ہے۔ زمین میں جو کچھ جاری ہے وہ اللہ عزوجل، خلیفہ بنائے گئے انسان اور مسخر کردہ کائنات کے درمیان اسی تعلق کا نتیجہ ہے۔ تسخیر کردہ کائنات تخلیق الٰہی، تسخیر، ارادہ اور آبادکاری کا میدان ہے اور اس آبادکاری کو وجود میں لانے کے لیے انسانی عمل کا بھی میدان ہے۔(۵۶)

علوانی نے قرآن کریم کا کامل استقراء کرنے کے بعد بلند ترین مقاصد کا استنباط کیا، اور اس نتیجہ تک پہنچے کہ مرکزی واساسی مقاصد جن کی رہنمائی میں قرآن کی سورتیں اور

۵۵- مرجع سابق، ص ۸۰

۵۶- علوانی، طہ، ''مقاصد الشریعۃ، مجلۃ قضایا إسلامیۃ معاصرۃ، ع ۲۸، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء، ص: ۱۲۲

آیتیں کرتی ہیں، ان کو تین چیزوں میں منحصر کر سکتے ہیں: (۱) توحید، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کو ربوبیت، الٰہیت اور دیگر الٰہی صفات کے ساتھ مخصوص کرنا۔ (۲) تزکیہ، یعنی انسان کا اپنے نفس، ماحول، زندگی کے نظام، سماج اور ہر اس چیز کو جس کے ساتھ وہ رہے یا وہ اس سے مربوط ہو پاک وصاف رکھنا۔ (۳) آبادکاری، جو کائنات کو آباد کرنے، اس کی ویران زمین کو قابل آبادی بنانے اور اس میں تسخیر الٰہی کی فراہم کردہ تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں سے استفادہ کرنے پر مبنی ہے۔ نیز اس کی ہر چیز کو اللہ سبحانہ کی تسبیح کے دائرہ میں داخل قرار دینے پر بھی مبنی ہے۔ یہ تزکیہ کا پھل ہے اور توحید کا آئینہ ونگار خانہ ہے، تاکہ توحید کا کارواں مکمل ہو، جو اختیار دی گئی اور خلیفہ بنائی گئی مخلوق کو بھی شامل ہے، جو کہ انسان ہے اور تسخیر کردہ مخلوق کو بھی شامل ہے جو کہ قدرتی مظاہر ہیں (۵۷)۔

انہوں نے مقاصد کی دوسری سطح سے جسے موسوم کیا ہے، وہ اقدار کی سطح ہے، جیسے: عدل وانصاف، آزادی اور مساوات۔ یہ بلند ترین اقدار کو وجود میں لانے کے لیے ضروری ہے۔ انہوں نے مقاصد کی تیسری سطح اسے قرار دیا ہے جس پر فقہاء اور اصولیین نے ''ضروریات''، ''حاجیات'' اور ''تحسینیات'' کی درجہ بندی کر کے توجہ مرکوز کی ہے۔ اور ان کو شریعت کے مقاصد شمار کیا ہے۔ ان کی رائے کے مطابق تنہا تیسری سطح کے مقاصد احکام کا وہ نظام پیش نہیں کر سکتے ہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے تاکہ اس زندگی کے تمام نئے مسائل کو حل کیا جا سکے جس سے قیامت تک انسانی عمل متعلق ہوتا رہے گا۔ اس لیے کہ یہ قیاس کو فروغ دینے اور اس کے آفاق کو وسیع کرنے کے لیے حکمتوں اور مقاصد کے درجہ میں ہے، نیز اس میں مصلحت کی دلیل کی تقویت اور بندوں کے مصالح کے لیے شرعی احکام کی رعایت کے بارے میں اعتماد سازی ہے۔ اس طرح تکلیفی اور وضعی احکام، اوامر ونواہی اور ان لغوی اصولوں کے اردگرد دائر ہیں جو فقہی غور و

۵۷- مرجع سابق، ص: ۱۲۲ اور بعد کے صفحات

خوض کے بارہ میں جزئی رجحان کی تشکیل اور تقویت کا باعث ہیں۔(۵۸)

علوانی نے اس پر بھی زور دیا کہ فکر مقاصدی کی تعمیر وتشکیل کا تقاضا یہ ہے کہ براہ راست قرآن کریم سے بلندترین مقاصد حاصل کیے جائیں، اس لیے کہ قرآن ہی احکام کو وجود میں لانے کا سرچشمہ ہے۔ نیز بلندترین مقاصد کی رہنمائی کرنے والی آیتوں کو واضح کرنے والے صحیح قوانین کو ان مقاصد سے مربوط کیا جائے۔ اس طرح کلی غور وفکر کو تقویت حاصل ہوگی اور بلند ترین مقاصد اور اقدار کے ساتھ کلی اور جزئی احکام کو مربوط کرنا آسان ہوگا۔ دلیل نقلی اور عقلی، آفاق وانفس کی آیتیں اور انسانی اجتماعیت کے اصول وقواعد سب مل کر عمل کا حقیقی جائزہ لیں گے، اصولوں: عہد، استخلاف، امین بنائے جانے میں ابتلاء وآزمائش، تسخیر کی روشنی میں عمل کی حقیقت کو ذہن میں رکھیں گے۔ نیز اس عمل پر مرتب ہونے والے اثرات کے لحاظ سے جائزہ لیں گے، خواہ وہ اثرات مثبت ہوں یا منفی ہوں، دنیوی ہوں یا اخروی ہوں، مادی ہوں یا معنوی ہوں، ساتھ ہی انسانی ارادہ: ''نیت اور قصد''، عزم وقدرت اور تمام پہلوؤں سے عمل کے حسن یا قبح کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔

علوانی اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ یہ فیصلہ کن بلندترین قرآنی مقاصد ہیں، اس لیے کہ یہ قرآن کریم کی آیتوں کے مکمل استقراء سے ماخوذ ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنی سطحوں کے لحاظ سے ان سے دوسرے مقاصد بھی نکل سکیں، تاکہ پورا نظام اصولی قواعد کی تشکیل پر قادر ہوسکے، نیز اس بات پر قادر ہوسکے کہ معاصر مجتہد، مفتی اور مستفتی کو اتنی قدرت فراہم کرسکے کہ وہ اس نبوی اور قرآنی فقہ تک رسائی حاصل کرلیں جو وجود میں لانے کے اعتبار سے قرآن پر مبنی ہو، ایسے ہی ان قوانین پر مبنی ہو جو اپنی حقیقت کے اعتبار سے قرآنی اصول کے حامل ہیں۔ نیز ان کا شمار کتاب اللہ کی آیتوں کی تاویل، ان کو مؤثر بنانے اور اس عملی تطبیق کی حیثیت سے ہوتا ہے جو کبھی قول سے متصل

۵۸- مرجع سابق، ص ۱۲۳ اور بعد کے صفحات

ہوتی ہے، یا کبھی قول سے خالی عمل کا درجہ رکھتی ہے، یا اس عمل کا درجہ رکھتی ہے جو وجود میں آیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے برقرار رکھا، یا ایسے قول کا درجہ رکھتی ہے جو عمل کا تقاضا کرے۔ ان سارے حالات میں یہ ایسے مصادر یا اصول فقہ کی حیثیت رکھیں گے جو قرآنی اصول ہوں گے، جن کو قرآن وجود میں لائے گا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتحال میں اسے روبہ عمل لائیں گے جس میں لوگ زندگی گزار رہے ہیں اور کتاب اللہ کی پیروی، اس کے حسن تاویل اور اسے مؤثر بنانے کے سلسلہ میں آپ کے نقش قدم کی پیروی پر قادر ہوں گے۔ جہاں تک ان مقاصد کو روبہ عمل لانے کے طریقہ کا تعلق ہے تو علوانی کا بیان ہے کہ اس کا اعتماد ان تجربات پر ہے جو اس طریقہ کو روبہ عمل لانے میں دلچسپی رکھنے والے اہل علم کریں گے۔ یہ تجربات مؤثر بنانے کے منہج کو صیقل کرنے میں مدد دینے والے اہم ترین عوامل میں سے ہو سکتے ہیں۔ علوانی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مؤثر بنانے کی کاروائیوں کے مسائل میں مثبت نقطہ ''فقہ الواقع'' کی تعمیر وتشکیل کے وسائل وآلات کی تکمیل سے ہوسکتا ہے۔ اگر ان وسائل وآلات کی تکمیل ہوجائے اور ان کی کاروائیاں واضح کردی جائیں تو اس سے بہت سے ایسے منہجی اقدامات سامنے آئیں گے جن سے مؤثر بنانے کے منہج کی تعمیر وتشکیل اور اسے صیقل کرنے میں مدد ملے گی۔

علوانی اس آگہی اور ادراک کی اہمیت پر بھی زور دیتے ہیں کہ عہد نبوی اور اس کے بعد آنے والے ادوار، جن میں ہمارا یہ دور بھی ہے ان کے درمیان بڑا اہم فرق ہے۔ قرآن کریم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں قسط وار (تھوڑا تھوڑا کرکے) بائیس سال، پانچ ماہ اور بائیس دن میں نازل ہوا، تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اخذ کرنے والی نسل کے افراد کی دلجمعی ہو، مصدر قرآنی کے الٰہی ہونے کا پختہ طور پر پتہ چلے، نیز اس بات کا پختہ طور پر پتہ چلے کہ وہ اللہ کا کلام ہے، اس کے اور دور نبوت کے واقعات کے درمیان ربط پیدا ہونا کہ اس منہج کو ثابت کیا جاسکے کہ اس دور نے نصوص قرآن کریم کا احاطہ کرلیا، پھر قرآن کریم کی

تکمیل کے بعد دوسرے مصدر سے استفادہ کیا۔ اس جگہ اس موضوع کے سلسلہ میں منہجی تبدیلی کا مشاہدہ بھی ضروری ہے۔ اگر دور نبوت میں صورت حال یہ تھی کہ کوئی مسئلہ سامنے آئے جیسے: افک اور تہمت کا واقعہ، پھر اس کے حل کے لیے قرآنی آیات کا نزول ہوا، لیکن اب معاملہ مختلف ہے، چنانچہ قرآن کامل ومکمل ہے، وہ اس بات کا منتظر ہے کہ بحران، دشواریاں اور سوالات اس کے سامنے لائے جائیں۔ برعکس معاملہ نہیں ہے (کہ مسئلہ پیدا ہوا اور قرآن نازل ہو کر اسے حل کرے)۔ دور نبوت میں مسائل اور سوالات قرآن کریم کے نزول کے منتظر تھے تاکہ قرآن نازل ہو کر ان کا حل پیش کرے۔ بہرحال ہمارے اس دور میں اور نبوت کے بعد والے ادوار میں قرآن مسائل ومشکلات کا مکمل طور پر منتظر ہے۔ دریافت کرنے والے انسان کی بس یہ ذمہ داری ہے کہ وہ قرآن کریم کا مطالعہ کرے، اس کے معانی میں ربط پیدا کرے، کامل شکل میں اس کے اقدار، اصول اور کلیات کو سمجھے تاکہ وہ اس بات پر قادر ہو سکے کہ جزئیات کو کلیات کے دائرہ میں شامل کر سکے، جس سے صحیح اور متوازن منہج کے ساتھ پیش کردہ سوال کے جواب تک رسائی ہو سکے۔

اسی وجہ سے حقیقی صورت حال اور استقراء کے طور پر حاصل کردہ کثیر واقعات کے مطالعہ سے قرآن کریم سے استفادہ کرنے والے علماء کو اس بات کا موقع ملے گا کہ وہ ان واقعات کو قرآن کریم پر پیش کریں جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ان کی ذمہ داری ہے کہ بدلتی ہوئی صورت حال اور واقعات میں سے کسی چھوٹے اور بڑے واقعہ کو نہ چھوڑیں، بلکہ ان کو محفوظ کر لیں تاکہ قرآن کریم کے سامنے مکمل تصویر آ سکے جس طرح قرآن مجید اخذ کرنے والی نسل کے اندر صورت حال قرآن پاک کے سامنے بالکل واضح تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اس دور میں قرآنی خطاب کے ساتھ گفتگو صرف لغوی اور لسانی گفتگو نہیں ہوگی، بلکہ استقرائی علمی مطالعہ کی بنا پر اس میں واقعہ کے عناصر، اس کے حقائق اور ساری تبدیلیاں بھی شامل ہوں گی۔ اگر اہل علم میں سے وہ لوگ جو ان

مقاصد کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتے ہیں گذشتہ (منہج) کا استحضار رکھیں گے تو قرآنی منہج دو قراءتوں کے درمیان جمع کرنے پر مبنی ہوگا، نیز منہاجی وحدت، تعمیری وتشکیلی وحدت، وحدت حق، وحدت خلق، وحدت سرزمین اور پیدا ہونے اور لوٹنے کی وحدت پر بھی مبنی ہوگا۔ ان سارے امور سے اہل علم کو اس بات میں مدد ملے گی کہ وہ ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے منہج سے متعلق ساری چیزوں کو واضح کرسکیں اور ہر معاملہ میں ان کی کارکردگی واضح کرنے کے لیے تنفیذی اقدامات طے کرسکے۔ اس طرح علوانی نے مقاصد کے قطعی ہونے پر زور دیا، نیز اس بات پر زور دیا کہ مقاصد تخلیقی صلاحیت رکھتے ہیں، یا احکام کے ایسے نظام کو پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو اس زندگی کے تمام نئے مسائل کو حل کرنے پر قادر ہے جس سے انسانی عمل متعلق ہوتا ہے۔

اس طرح یہ مرحلہ اس بات میں ممتاز ہے کہ ایک ہی وقت میں مقاصد اور ان کو معلوم کرنے کے مناہج کے بارے میں آخری دہوں میں علماء کے درمیان گفتگو ہوسکے۔ بالخصوص نص قرآنی میں وارد مقاصد کے سلسلہ میں بات چیت ہوسکے، ساتھ ہی اس بات کی بھی دعوت دی جاسکے کہ قرآنی مطالعہ کے ارتقا پر توجہ مرکوز کی جائے، نیز قرآن کریم اور سنت نبویہ کے فہم کے بارے میں منضبط مناہج کو نئی شکل دینے کے سلسلہ میں کوشش صرف کی جائے تاکہ لغوی دلالات، سماجی اور تاریخی سیاق کا استعمال ہوسکے، معاصر لسانیات سے متعلق علوم اور سماجی وانسانی علوم وغیرہ سے بھی استفادہ ہوسکے، اس حیثیت سے کہ وہ استنباط کے سلسلہ میں منہجی وسائل اور آلات ہیں لیکن نص کی مرجعیت کا تحفظ کیا جائے گا، شارع کی رہنمائی کے مطابق اس کی طرف مسلسل رجوع کرکے اس کے کلیات و اصول نکالے جائیں گے، تاکہ میدان میں پیش کردہ نظریات وتصورات کو پرکھا جاسکے، اس سے غیر منضبط کھلے پن اور بیجا رواداری کے بارے میں غیرت مند علماء کے اندیشے ختم ہوجائیں گے۔

اس میں یہ بات بھی شامل کرلی جائے کہ آج علمی میدان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ تطبیقی منہج اور اس سے متعلق ''فقہ الواقع''، ''فقہ الاولویات'' اور انجام کار وغیرہ کے اعتبار کو ترقی

دی جائے، جس سے ''علم اصول'' اور ''علم فقہ'' کے اندر بھی انسانی عمل، مکلّف کے مقاصد ونیت، نفس کے تزکیہ اور طرز و برتاؤ پر اس کے اثرات کے جائزہ کے منہج کی کارکردگی لوٹ آئے، بجائے اس کے کہ اسے تصوف اور اس کے مقامات میں منحصر کر دیا جائے۔

اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ فکری اتحاد پیدا کیا جائے، افکار وتصورات کو ترقی دی جائے اور اولویات کو مرتب کیا جائے، جس سے علماء، فقہاء، قانون داں اور سماجیات کے ماہرین کو مثبت طور پر مقاصد کو مؤثر بنانے کی قدرت حاصل ہو۔

۲-موجودہ صورت حال کے اندر مقاصد کو بروئے کار لانے والی فقہ:

''فقہ'' فہم کو کہتے ہیں، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں وارد ہے: ''**فلو لانفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین**'' (۹/توبہ:۱۲۲)، (تمام اہل ایمان (اپنے اپنے علاقوں سے) نکل کھڑے ہوں یہ تو ہونا نہیں ہے، تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر آبادی سے ایک تعداد نکلے (جو اپنے اپنے علاقوں سے مرکز اسلام میں جائے) تاکہ دین میں تفقہ حاصل کرے (ایمان، اسلام اور احسان کی تفصیلات کو اچھی طرح سمجھے، عقائد، شریعت اور تزکیہ سے بخوبی واقف ہو) اور اپنے لوگوں کو واپس آ کر خبردار کرے، متنبہ کرے، تاکہ وہ چوکنا ہوں (خطرات کو سمجھیں اور فکرمند ہوں)۔ ''فقہ'' اس فہم کو بھی کہتے ہیں جس کے ذریعہ موجودہ علم کی بنا پر غائب اور غیر موجود چیز کے علم تک رسائی ہو۔ اس کا عام استعمال: ''تفصیلی دلائل سے ماخوذ عملی شرعی احکام کے علم'' پر ہوتا ہے۔ لیکن قرآنی اطلاق کے لحاظ سے ''فقہ'' کا استعمال ''مطلق فہم'' یا کسی مسئلہ یا قضیہ سے متعلق دقیق امور کے سمجھنے کے لیے ہوتا ہے۔

رہا لفظ ''واقع'' تو قرآنی استعمال میں وہ ثبوت کے معنی میں ہے۔ چنانچہ ثابت ہونے والی چیز ایک ایسا واقعہ ہے جس کا ادراک حواس کو ہوجاتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''إذا

وقعت الواقعة" (۵۶/واقعہ:۱)،(جب پیش آنے والی قیامت، ایک واقعہ بن جائے گی)۔اللہ سبحانہ کاارشاد ہے:" وإذا وقع القول عليهم....." (نمل:۸۲)،(اور جب ان کے بارے میں فیصلہ صادر ہوجائے گا، تو ہم زمین پر چلنے والی ایک چیز زمین سے ہی برآمد کریں گے، جوان کومخاطب کرے گی اوراعلان کرے گی کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے)۔

جب کسی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوجاتا ہے تو کوئی اسے ٹال نہیں سکتا ہے، اس کے مضمون اور معنی کا تحقق لازم ہے، وہ ایسا فیصلہ ہے جس کا ثبوت اور تحقق لازم ہے۔لہٰذا پیش آنے والا معاملہ وہ ہے جو وجود میں آچکا ہو، ثابت ہو چکا ہو، اوراس طرح ثابت ہوگیا ہو کہ اس کا انکار ممکن نہ ہو۔ یہ دینی یا دنیوی معاملہ ہوسکتا ہے، نیز تاریخی یا معاصر معاملہ، سیاسی یا معاشی، سماجی یا ثقافتی، عالمی یا ملکی معاملہ بھی ہوسکتا ہے(۵۹)۔

ہمارے علماء متقدمین نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ چیزوں کی (۱) ایک ذہنی صورت ہوتی ہے (۲) ایک خارجی صورت ہوتی ہے (۳) ایک لغوی حقیقت ہوتی ہے۔ خارجی صورت کبھی حقیقت اور واقعی امر کے اعتبار سے ہوتی ہے اور کبھی ہمارے تصورات اور اذہان میں ہوتی ہے، اس لیے ہم اسے واقعہ سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ ہمارے اذہان میں واقع ہے یا ہمارے خیالات میں واقع ہے۔ارشاد الٰہی ہے:"والذين كفروا أعمالهم....." (۲۴/نور:۳۹)،(جولوگ کفر کررہے ہیں (یا کرتے رہے) ان کے عمل کسی چٹیل زمین کے سراب کی طرح ہیں کہ (دور سے) پیاسا سراب کو پانی سمجھ بیٹھتا ہے، یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا، بلکہ وہاں اللہ کو پاتا ہے (آخرت اس کے لئے مثل سراب کے ہوتی ہے، جہاں اللہ کے حضور اس کی پیشی ہوتی ہے) اور اللہ اس کا حساب چکا دیتا ہے اور اللہ کے ہاں حساب میں دیر نہیں لگتی)۔

ذہنی وجود کبھی خارجی وجود سے ہم آہنگ نہیں ہوتا ہے۔لغوی وجود کبھی کبھی دونوں وجودوں

۵۹- ابوالفضل، مفاہیم محوریۃ فی المنہج والمنہجیۃ، مرجع سابق، ص:۱۹

یعنی وجود ذہنی اور وجود خارجی میں سے کسی کی پوری باریک بینی کے ساتھ تعبیر نہیں کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مجتہد، مفکر، فقیہ، مصلح اور قاضی کے لیے ضروری ہے کہ حقیقت واقعہ کو اس کے سارے عناصر، تعلقات اور مؤثرات کے ساتھ سمجھے۔ (ان) سب کا تعلق عمومی معاملہ سے ہے(۶۰)۔

علماء نے احکام اور شرعی اجتہادات کے انطباق کے وقت حقیقی صورت حال اور اس ماحول کے سمجھنے میں دلچسپی لی جس میں لوگ زندگی گزار رہے ہیں۔ جیسا کہ فقہ وفتاوی کی کتابوں میں ہم دیکھتے ہیں۔ مجتہدین کے دور نے شریعت کے تطبیقی حل کی کئی صورتیں دیکھی ہیں جن کا اثر منہجی نظریہ سازی کے سلسلہ میں علم اصول کے ریکارڈ کردہ امور پر پڑا۔ لیکن پانچویں صدی میں ''اصول'' میں ٹھہراؤ کی وجہ سے فقہی سرگرمی کی ساری چیزوں کا احاطہ نہ ہوسکا، بالخصوص فتاوی اور نوازل کی کتابوں میں ریکارڈ کردہ سارے امور کا احاطہ نہ ہوسکا۔ اکثر اصولیین نے احکام کے استنباط کے منہج پر زیادہ توجہ مرکوز کی، احکام کو موجودہ صورت حال پر منطبق کرنے پر زیادہ بحث نہیں کی۔ منہج تطبیق جو ''فقہ الواقع'' سے مربوط ہے، اصول کی کتابوں میں اسے جگہ نہیں ملی، سوائے اس حصہ کے جس کا تعلق باب اجتہاد سے ہے۔ اس کے لیے ممکن تھا کہ حقیقی صورت حال پر بحث کرے، البتہ اصولیین نے اس باب کو بھی ''اجتہاد استنباطی'' میں شامل کردیا۔ آج امت مسلمہ کی امت کی حیثیت سے ایک حقیقی صورت حال ہے، جبکہ ہر ملک یا قوم کی بھی ایک حقیقی صورت حال ہے، عالمی صورت حال بھی ہے جس سے علیحدگی ممکن نہیں ہے۔ ''فقہ واقع الامت'' ہر پہلو کے بارے میں فقہ کی متقاضی ہے۔ آج صورت حال کا مطالعہ اور اس کے خدوخال کی سمجھ ضروری ہے؛ کیونکہ مستقبل کے سلسلہ میں کسی منصوبہ یا حال کے بارے میں کسی حل کا پیش کرنا اسی وقت ممکن ہے، جبکہ ''فقہ الواقع'' کے مطالعہ کے سلسلہ میں واضح منہج ہو، جو ایسی بنیادوں پر قائم ہو جن میں درست اور دقیق تفسیری اور تجزیاتی طاقت ہو۔

۶۰- مرجع سابق، ص:۱۱-۱۲

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اصولیین نے ایسے اصولی مسائل پر بحث کی ہے جن کا ''منہج تطبیق'' سے تعلق ہے، جیسے: استحسان، مصلحت مرسلہ، استصلاح اور عرف۔ ان میں سے ہر ایک کا میلان واقعات کی بنا پر حکم شرعی کے استنباط کی طرف ہے، تاکہ وجود میں آنے والی مصلحت کے لحاظ سے اس کا انطباق ہو سکے۔ البتہ یہ طریقے قبول ورد کے لحاظ سے اصولیین کے درمیان محل اختلاف رہے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض اصولیین نے تجزیہ اور تطبیقی توجیہ میں اس قدر وسعت نہیں اختیار کی ہے جو ایسے منہج تطبیقی کو وضع کرنے کا باعث ہو جس سے ''فقہ الواقع'' کے ارتقاء میں مدد ملے، بلکہ انہوں نے ان کو دیگر تشریعی دلائل میں شامل کر دیا ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ ''فقہ الواقع'' ایسا علم ہو جائے جو تقریباً تمام علوم و معارف سے متعلق ہو، خواہ نیچرل ہوں یا انسانی، یا سماجی یا سلوک و برتاؤ پر مبنی ہوں؛ کیونکہ ان تمام علوم کا حقیقی صورت حال سے اس کی وضاحت، اس کے اوصاف یا اس کی مانند دیگر امور کے اعتبار سے تعلق ہے۔ ''فقہ الواقع'' کی تشریعی مطالعے کے اندر بڑی اہمیت ہے، بالخصوص ''فقہ المقاصد''، ''فقہ الاولویات'' کے مطالعہ کا شمار ان بنیادوں میں سے ہوتا ہے جو باریکی کے ساتھ نصوص اور اس کے معانی کے سمجھنے اور اس کے اہداف و مقاصد کو متعین کرنے میں ایک طرف سے مدد دیتی ہیں تو دوسری طرف قوموں اور امتوں کی صورت حال کی تعمیر و تشکیل میں بھی اپنا رول ادا کرتی ہیں۔ اسی وجہ سے ہر مجتہد، فقیہ اور مصلح پر لازم ہے کہ اسے اس ''حقیقی صورت حال'' کو سمجھنے اور احاطہ کرنے کی قدرت ہو، جس کے لیے وہ قانون سازی کر رہا ہے۔ ممکن ہے کہ شاطبیؒ اپنی دونوں کتابوں ''الموافقات'' اور ''الاعتصام'' میں دیگر اصولیین کے مقابلہ میں سب سے زیادہ ''فقہ التطبیق'' کا اہتمام کرنے والے قرار پائیں۔ ان کی کتاب ''الموافقات'' دیگر اصولی کتابوں کے مقابلہ میں ''باب المقاصد'' کے ساتھ ممتاز ہے، جس نے ''علم الاصول'' کے ڈھانچہ کو ہی بدل دیا۔ اس ''علم الاصول'' کو منہج استنباطی کے غلبہ سے نکال کر منہج تطبیقی کے غلبہ کے دائرہ میں پہنچا دیا۔ ''مقاصد'' منہج استنباطی اور تطبیقی کے درمیان مشترک موضوع ہے، اس لیے

کہ وہ اس کیفیت کو منضبط کرتے ہیں جس کے ذریعہ احکام کی تطبیق ہوتی ہے اور جس کا مقصد مقاصد کو وجود میں لانا ہے، لہٰذا مقاصد کا وجود ہی تطبیق کا سب سے بڑا طریقہ ہے(۶۱)۔

''فقہ الواقع'' کا مطالعہ کسی قانون کے لیے باریک بینی کے ساتھ اہداف اور اصولوں کے تعین کے لحاظ سے ضروری ہے، جس سے امتوں کے احوال کو درست کرنے اور صورت حال کے انحرافات کو ٹھیک کرنے میں مدد ملتی ہے۔

آج جو لوگ ''فقہ الواقع'' چاہتے ہیں ان کے لیے کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ایسے منہج کو اپنائیں جو ہمہ گیری سے متصف ہو، جس میں تاریخی استقرائی اصول کو عقلی استنباطی اصول میں مدغم کر دیا جائے۔ پس میدانی تحقیق اور واقعات واحداث کے استقراء اور نتائج کے ساتھ تعامل کرنے کے سلسلہ میں نظریاتی، فکری اور تجزیاتی ابواب کو ان مظاہر کے ساتھ جمع کر دیا جائے جن کو موضوع بحث بنایا جائے۔ یہ مختلف میدانوں کی متنوع مہارتوں کا متقاضی ہے۔ یہ صورت حال کے مطالعہ کے منصوبہ میں جماعتی عمل کو ضروری قرار دیتا ہے، جو تمام طاقتوں اور پس منظر سے فائدہ اٹھائے اور ان کو باریکی کے ساتھ حقیقی صورت حال کے مطالعہ اور فہم میں استعمال کرے۔ رہا اس کو وجود میں لانے کا طریقہ تو ضروری ہے کہ ایک ساتھ تاریخ اور مستقبل پر نظر کی روشنی میں حقیقی صورت حال کا مطالعہ ہو، جس میں ضروری ہے کہ اس صورت حال کے خصائص اور عناصر کا تعین کیا جائے، پھر ان خصوصیات کا تجزیہ اور مطالعہ کیا جائے، پھر دوبارہ ان کی ترکیب کا کام مکمل ہو۔ اسی وجہ سے تبدیلی کی مطلوبہ سطحوں، ان کے وسائل اور ان کے ساتھ تعامل کے مناہج کے بارے میں بحث ہوگی۔ اس طرح تبدیلی کے اس نظام میں جس کا تعین ہو چکا، ہر فرد یا جماعت کے رول کی تحدید ممکن ہوگی، تاکہ امت ترقی اور مثبت کارکردگی کی اپنی صلاحیت دوبارہ حاصل کر سکے۔ (۶۲) اس جگہ ضروری

۶۱- نجار، فصول فی الفکر الاسلامی بالمغرب، مرجع سابق، ص:۱۶۹

۶۲- ابوالفضل، والعلوانی، مفاہیم محوریۃ فی المنہج والمنہجیۃ، مرجع سابق، ص:۱۱

ہے کہ واقعات، احوال اور اعمال وافعال کے افراد کے بارے میں چھان بین کی جائے، پھر ہر ایک کو اس کے لیے متعین کردہ حکم شرعی دے دیا جائے، ان افراد میں سے ہر فرد کے بارے میں حکم شرعی کا جو نتیجہ نکلتا ہو اس کا بھی تیقن حاصل کر لیا جائے، خواہ وہ نتیجہ اس فرد کے ذاتی احوال کے اعتبار سے منفعت کی شکل میں ہو یا مفسدہ کی شکل میں ہو۔ اس طرح وہ تطبیقی منہج وجود میں آئے گا جو زمان ومکان کے دائرہ میں واقعات کے تجزیہ پر قادر ہوگا، نیز حقیقت کی زمین پر اس حکم کے نتائج کے پرکھنے پر بھی قادر ہوگی۔

اگر اس اعتبار سے فہم کا منہج اہم ہے کہ شرعی احکام کی تحصیل کے سلسلہ میں وہ حق تک پہنچانے والا ہے۔ منہج تطبیق بھی اسی کے برابر اہمیت رکھتا ہے؛ کیونکہ انسان کے اعمال کی رہنمائی کے سلسلہ میں اسی کے ذریعہ احکام اپنے مقاصد کو وجود میں لاتے ہیں۔ منہج تطبیق کے سلسلہ میں غفلت مقاصد کے تعطل اور لوگوں کی زندگی میں حرج ومشقت لاحق ہونے کا سبب ہے۔ بلکہ اس غفلت کی وجہ سے مفاسد عام ہو سکتے ہیں، جبکہ احکام کی بنیاد مصالح پر ہے۔ (۶۳)

اس طرح منہج تطبیقی کی اہمیت اس وقت مزید پختہ ہوتی چلی جائے گی، جبکہ معاشرہ کے چیلنجز وسیع اور پیچیدہ ہوں اور واقعات کی بڑی کثرت ہو۔ اس کا تقاضا مزید فقہ تطبیقی ہوگا تاکہ واقعہ کی ہنگامی صورتوں کو شریعت کے طریقہ سے اس طرح ہم آہنگ کیا جا سکے، جس سے اس کے مقاصد وجود میں آئیں۔ آج کسی دوسرے مرحلہ کے مقابلہ میں منہج تطبیق کو ترقی دینے کی زیادہ ضرورت ہو سکتی ہے، بالخصوص ایسی صورت حال میں کہ دنیا باہمی قربت کے سلسلہ میں ایک خاندان کی طرح ہوگئی ہے۔ جو چیلنجز میں اضافہ کا سبب ہے۔ نیز اس بات کی مزید ضرورت ہے کہ ''منہج فقہ تطبیق'' کو ترقی دی جائے اور اسے زرخیز بنایا جائے؛ جس سے وہ انسانیت کو صلاح اور خیر کی طرف لے جانے کے سلسلہ میں ضامن بن سکے۔

۶۳- نجار، فصول فی الفکر الإسلامی بالمغرب، مرجع سابق، ص: ۱۶۹

اسلامی شریعت جوایک ہی وقت میں ثبات واستحکام اور لچک کے ساتھ ممتاز ہے، اس کی خصوصیات کے مدنظر اس بات کا امکان ہے کہ واقعہ پر نص کا انطباق ہو سکے، جب کہ نص کے معانی کی تحصیل کے سلسلہ میں پوری کوشش صرف کی جائے۔ جیسا کہ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھا ہے: ''مفتی یا حاکم حق کے مطابق فتوی دینے یا فیصلہ کرنے پر اسی وقت قادر ہوگا، جبکہ اسے دو قسم کا فہم حاصل ہو۔

(۱) ایک واقعہ کا فہم اور سمجھ بوجھ ہے۔ نیز قرائن اور علامات کے ذریعہ، علم حقیقت کا استنباط ہے تا کہ واقعہ کا اسے مکمل علم ہو سکے۔

(۲) دوسری قسم واقعہ کے سلسلہ میں واجب کا فہم ہے، جو کہ اللہ کے اس حکم کو سمجھنا ہے جسے اس واقعہ کے سلسلہ میں اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے یا اپنے رسول کی زبان مشروع فرمایا ہے۔ پھر ایک کو دوسرے پر تطبیق دی جائے۔ جو پوری کوشش صرف کرے گا اور پوری طاقت لگا دے گا وہ اپنے اجر وثواب کو نہ کھوئے گا''۔(۶۴)

عالم وہ ہے جو واقعہ کی معرفت اور سمجھ بوجھ کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی واقفیت تک پہنچ سکے۔ جبکہ ''فقیہ'' وہ ہے جو واجب اور واقعہ کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر سکے۔ صرف جیسا ہونا چاہئے اسی میں زندگی نہ گزارے، بلکہ جو صورت حال ہے اس میں بھی زندگی گزارے۔ لہٰذا توازن ضروری ہے۔ اسی کے مدنظر ابن القیمؒ نے طے کیا کہ زمان ومکان، عرف و عادت اور حالت کے بدلنے سے فتوی کو بدل دینا ضروری ہے۔ متعدد اہل علم نے اسے قبول کیا، جیسے ابن قرافی مالکیؒ، ان دونوں کے بعد ابن عابدینؒ نے بھی اسے ثابت کیا۔(۶۵)

حقیقی واقعہ کے مطالعہ سے یہ بات پختہ طور پر معلوم ہوتی ہے کہ خاندان کے احوال

۶۴- ابن قیم الجوزیہ، اعلام الموقعین عن رب العالمین، مرجع سابق، ج۱، ص ۸۷-۸۸

۶۵- قرضاوی، فی فقہ الأقلیات المسلمۃ: حیاۃ المسلمین وسط المجتمعات الأخری، مرجع سابق، ص: ۴۴-۴۵

سے متعلق فقہ کو ''فقہ واقع'' ہونا چاہئے، نیز حالات بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا خاندان سے متعلق ثقافتی، سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات کی تبدیلی کا خاندان کے ارکان کے کردار خصوصاً عورت کے کردار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے خاندان کے استحکام کی ضمانت کی خاطر عدل وانصاف کے عمومی شرعی مصالح کو وجود میں لانے کے لیے اس معاملہ کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔(٦٦)

امریکی سماج میں مدغم ہونے سے خاندان کے ڈھانچہ کے تحفظ کی خاطر سب سے پہلے نکاح کے اساسی مقاصد کا استنباط ضروری ہے، پھر مثبت ومنفی اعتبار سے ان مقاصد کی روشنی میں امریکی مسلم گروپ کی سرگرمیوں کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔

یہاں کچھ ایسی سرگرمیاں ہیں جو امریکہ کے اندر مسلم گروپ کے دائرہ میں عام ہیں، جس کا تقاضا یہ ہے کہ مجتہدین ان کے بارے میں ایک طرف خاندان سے متعلق قانون کے مقاصد کو سمجھنے اور انہیں بروئے کار لانے کے لیے غور کریں۔ تو دوسری طرف موجودہ صورت حال کے مزاج کو بھی سمجھیں۔ ان سرگرمیوں میں سے کچھ یہ ہیں: طلاق کی نیت سے نکاح کا عام ہونا، اسی طرح پوشیدہ طور پر نکاح کرنا۔ آشنائی قائم کرنا، تعدد ازواج جو کہ امریکی قانون کے لحاظ سے ممنوع ہے، یعنی کوئی بیوی جس کے عقد نکاح کو امریکی سول عدالت میں ریکارڈ نہیں کیا گیا ہو وہ طلاق کی حالت میں اپنے حقوق ضائع کرنے کی زد میں ہوگی۔ اس سے بھی سنگین پہلو یہ ہے کہ اس قسم کے تعلقات کا اولاد پر برا اثر پڑتا ہے، کیونکہ بچے غیر قانونی سمجھے جاتے ہیں۔ جس سے حقوق اور فرائض ضائع ہوتے ہیں اور ان سے کھلواڑ کیا جاتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ مجتہدین اور فقہاء اس طرح کے اہم مسائل کو حل کرنے کے لیے مقاصد کا استعمال کریں۔ ایک نکاح ''اقامہ'' (رہائش پذیر رہنے کی اجازت) حاصل کرنے کے مقصد سے ہوتا ہے، جو کسی حال میں

٦٦- حسنی، زیبا میر ''الطلاق فی القانون الإسلامی، والممارسۃ: النموذج الإیرانی، ترجمہ: ابوبکر احمد باقادر، مجلۃ الفکر العربی، ع ٨٣، ١٩٩٦، ص ١٢٤-١٤٢

شرعی مقاصد سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اس قسم کی سرگرمیوں کے نقصانات افراد یا بیویوں سے متجاوز ہو چکے ہیں۔ ان کی وجہ سے امریکی مسلم سماج کا ڈھانچہ خطرہ کی زد میں ہے اور ہر جگہ اسلام کی بدنامی سبب ہے۔

وہ واقعات جن کا مسلم گروپ کے فرزندوں کی دوسری نسل کو سامنا ہے، ان میں سے ایک شریک حیات (میاں یا بیوی) کے انتخاب کا مسئلہ بھی ہے، کتابیہ خواتین سے نکاح کا مسئلہ بھی ہے، نیز مختلف قومیت سے تعلق رکھنے والی مسلم خواتین سے نکاح کا مسئلہ بھی ہے اور کفاءت نہ ہونے کی بنا پر، بالخصوص قومیت مختلف ہونے کی حالت میں، یا کسی مادی یا معنوی معاملہ کی بنا پر گھر والوں کا اس انتخاب کی مخالفت کرنا ہے۔

اپنے بچوں کے ساتھ والدین کے تعلق کے سلسلہ میں ''نسلوں کی کشمکش'' کے مسئلہ کا مطالعہ، تجزیہ اور حل بھی ضروری ہے۔ یہ مسئلہ سنگین ہونے لگا ہے۔ اور نکاح سے رکاوٹ بننے والے اسباب میں سے ایک ہے؛ کیونکہ اس کی وجہ سے جوانوں کو رکاوٹوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جو خاندانوں بالخصوص مہاجر خاندانوں کے انتشار کا سبب ہے۔(٦٧)

پیچیدہ سنگین واقعاتی مسائل بھی موجود ہیں جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اسلامی وجود کے لیے خطرہ ہیں۔ جن کا تقاضا یہ ہے کہ باریک بینی کے ساتھ خاندانی مقاصد کا استنباط کیا جائے، تاکہ ان کی وجہ سے مسلم گروپ انتشار اور فرقت کا شکار نہ ہو۔ نیز ان کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جماعتی تحقیقاتی ٹیمیں بنائی جائیں، جن میں مختلف مہارتوں کے لوگ شامل ہوں، یعنی سماجی، نفسیاتی، سیاسی اور دیگر مہارتوں کے حامل افراد بھی شامل ہوں تاکہ مسلم گروپ کے احوال وکوائف، حقائق اور انجام کار کا مطالعہ کیا جائے اور ان کا تجزیہ کیا جائے۔ ان حقائق میں سے ایک

67- Abugidiri and Alwani. What Islam says about Domestic Violence, P.00

یہ ہے کہ مسلمان ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اقلیت سمجھے جاتے ہیں۔ ''اقلیت'' کی اصطلاح ایک سیاسی اصطلاح ہے، جس سے مراد کسی ملک کی رعیت کا وہ گروپ ہے، جو نسل، یا زبان یا دین کے لحاظ سے اکثریت کے انتساب کے علاوہ انتساب رکھتا ہو۔ مغرب میں اس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ اقلیت ایسے مختلف گروپس ہیں جو مشترکہ عناصر، جیسے: تاریخ اور تجربات، مذہبی عقائد ومفروضات، زبان ونسل، یا خاندان اور محل اقامت پر قائم ہوں۔ لیکن ان گروپوں کو جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ مخصوص علامت کی موجودگی نہیں ہے، بلکہ اس بات کا مشترکہ احساس ہے کہ کچھ متعین علامتیں موجود ہیں جو جماعت کے افراد کو یکجا کرتی ہیں۔ (۶۸)

عام طور سے اقلیت اکثریت کے ساتھ سول اور سیاسی حقوق میں مساوات و برابری کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور اپنے تاریخی، ثقافتی اور اقدار پر مبنی سرمایہ کے ذریعہ اپنے اصول اور تشخص کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

سیکولرازم نے اس تصور کو ایک سیاسی اصطلاح کی حیثیت میں پیش کیا، اس استعمال کے اس کے اپنے اہداف ومقاصد ہیں جو اس کے مصالح کی خدمت کرتے ہیں۔ اقلیت کا جدید

۶۸- یہ تعریف ''ٹیڈ روبرٹ گور'' کی طرف سے کی گئی ہے، جس کا یہاں ترجمہ دیا گیا ہے۔ یہ تعریف ان کی کتاب ''گور ٹیڈ روبرٹ''، ''اقلیات خطرہ کی زد میں'' میں مذکور ہے، جس کا ترجمہ مصطفیٰ محمد نے (مجلۃ الاجتہاد، شمارہ ۳۰، ۱۹۹۶ء، ص ۲۲۷) کیا۔ رائٹر نے اپنی کتاب میں اقلیتوں اور مشرق وسطی اور شمالی افریقہ میں ان پر ہونے والے ظلم وجور کو موضوع بنایا ہے۔ البتہ انہوں نے ان متعدد مسائل سے چشم پوشی کی ہے، جن سے اقلیتوں کو سروکار ہے اور جن سے خود مغربی نظام بھی چشم پوشی کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل اس نے کوشش کی ہے کہ اس بات کو ثابت کیا جائے کہ امریکی نظام اقلیتوں کے ساتھ تعامل واشتراک کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے ہمیں اس موضوع کے بارے میں سنجیدہ مطالعہ کی ضرورت ہے، تاکہ ان قانونی خلاف ورزیوں اور پامالیوں کو بیان کیا جاسکے جو مغربی ممالک میں اقلیتوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ دیکھیے:

Gurr, T.R. Minorities at Risk A Global View of Ethnopolitical Confilicts Washington, D.C: Institute of Peace Press, 1993, P. 430

مفہوم جسے (نیو ورلڈ آرڈر)، اقوام متحدہ اور حقوق کے جدید نظریہ کے داعی رواج دے رہے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں، ہم جنس پرستوں، معذوروں، خواتین اور بچوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سماج کا تصور جو سماجی معاہدہ پر مبنی ہو اور سماج کے مشترکہ انسانیت پر ایمان رکھتا ہو محال ہے۔ (۶۹)

اس تصور کی سنگینی اس میں مضمر ہے کہ اقلیت کے مفہوم کے ذریعہ انسانی سماج کو منتشر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ حتی کہ سب اقلیت بن جائیں، نہ انسانی معیار باقی رہے نہ مسلمات باقی رہیں اور تمام معاملات اضافی و نسبتی ہو جائیں۔ علمی اور اخلاقی بدنظمی غالب آ جائے اور انسانی مشترکہ امور کا تعین دشوار ہو جائے۔ (۷۰)

لیبرازم اور تجدد کے فلاسفہ کی توقع ہے کہ قومیتیں اور مشترکہ نسلی خصوصیات کی حامل جماعتیں ختم ہو جائیں گیں؛ اس لیے کہ ان کا گمان ہے کہ عقلی نظام اور رابطے قومیتوں کی قوت سمیٹنے پر زور دیں گے۔ حتی کہ سب پر عمومی نظام کا کنٹرول ہوگا جن میں یہ نسلیں موجود نہیں رہیں گی۔ رہا مارکسزم تو اس نے قومیتوں کے ختم ہونے کی توقع کی، اس لیے کہ سب اپنے ذاتی اور خودغرضانہ مصالح کو اقدار، اخلاقیات اور (علمی) سرمایہ پر غالب رکھیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قومیتوں اور مذاہب کی طرف انتساب پر فخر کا دائرہ سمٹے گا۔ البتہ حال ہی میں جو تبدیلی آئی ہے، اس نے اس تصور کی ناکامی ثابت کردی ہے۔ بلکہ اس نے ظاہر کردیا ہے کہ جدیدیت نے لوگوں کے قومیتوں کو مضبوطی سے تھامنے میں اضافہ کیا ہے، جدیدیت کے ماہرین کی توقع کے برخلاف جبکہ قومیتوں اور مشترکہ نسلی خصوصیات کی حامل جماعتوں کا مکمل خاتمہ محال ہے۔ بلکہ اس میں مزید ترقی ہوئی ہے بلکہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کو ترقی دے کر سماج کے تمام گروہوں کے درمیان شدید نسلی تشدد کی

۶۹- مسیری، قضیۃ المرأۃ بین التحریر والتمرکز حول الأنثی، مرجع سابق، ص: ۱۳

۷۰- مرجع سابق، ص: ۱۳

شکل دے دی ہے جس کے نتیجے میں نسلی، دینی اور قومی تمام سطحوں پر انتہا پسندی پیدا ہوگئی ہے۔ اسی طرح اس سے انتہا پسند نسلیت کے اصول کے استحکام اور ترسیخ میں اضافہ ہوا ہے (۷۱)۔ اس لیے کہ ہر ایک سمجھتا ہے کہ وہ دوسرے سے افضل ہے۔ قرآن کریم نے قوموں پر اس رخ کی سنگینی کو اس طرح واضح کیا ہے کہ ان قوموں کا تجزیہ کیا ہے جنہوں نے ''اصطفاء وانتخاب'' کے مفہوم کا منفی طور پر استعمال کیا۔ جبکہ قرآن پاک نے امت مسلمہ کو اس بات سے خبردار کیا کہ وہ بہترین امت ہونے کے تصور کو منفی طور پر استعمال کرے، جیسا کہ گذشتہ قوموں نے کیا۔ (۷۲)

امریکی مسلم گروپ میں ایک اہم چیز کی کمی ہے جو کہ متحدہ قیادت ہے۔ جبکہ قیادت کے مختلف ماڈل موجود ہیں۔ ڈاکٹر سلیمان نیانغ نے درج ذیل طریقہ پر ان کا خلاصہ پیش کیا ہے:

۱- ایک امارت کا نمونہ، یا امیر کی غیر معمولی انتظامی قوت، جو اسے فیصلے وغیرہ جاری کرنے کے سلسلے میں ڈکٹیٹر شپ کے منصب پر فائز رکھے۔

۲- مسجد کمیٹی کا نمونہ، یا مسجد یا مرکز کی ممبر شپ والی کمیٹی- یہ نمونہ عام طور سے مہاجرین کے گروپ میں پایا جاتا ہے؛ کیونکہ مجلس کی تشکیل گروپ کے ان غیر منتخب ممبران سے ہوتی ہے، جو مسجد کی خدمت میں حصہ لیتے ہیں اور اس کے انتظام کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں۔

۷۱- اعداد وشمار کے مختلف ابحاث موجود ہیں، جو ثابت کرتے ہیں کہ سماج میں نسل پرستی میں اضافہ ہوا ہے۔ ان ہی اعداد و شمار میں سے پولیس اسٹیشنوں، ہاسپٹلز اور سماجی خدمت کے مراکز کے اعداد وشمار ہیں۔ خود مؤلفہ نے مختلف نسلی اصول کی حامل شخصیات سے کئی انٹرویو لیے (ساتھ ہی سماج کے بہت سے افراد کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہے) ان سب نے خود یہی نتیجہ بیان کیا۔ متعدد دستاویزی اور غیر دستاویزی فلموں کو پیش کر کے ذرائع ابلاغ بھی اسی چیز کو ثابت کرنے کے سلسلہ میں یہی رول ادا کر رہے ہیں جس سے تخلیق کار اور پروڈیوسر کے نقطۂ نظر کی عکاسی ہوتی ہے اور اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ واقعتاً حقیقت کی سرزمین پر کیا ہو رہا ہے۔ یہ چیز فلم ''Crash'' میں عیاں ہے، جس کی حال ہی میں نمائش ہوئی ہے۔ اس نے جدیدیت اور مابعد جدیدیت کو نسل پرستی کے لیے استعمال کیا ہے۔

۷۲- سورۂ بقرہ: آیت نمبر ۸۰ اور بعد کی آیات

۳-سیٹلائٹ کے ذریعہ انتظام کا نمونہ: اس میں امام ایسی لوکل جماعت میں شامل ہوتا ہے جو بین الاقوامی جماعت سے مربوط ہوتی ہے۔ اس قسم کے انتظام کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ امام لوکل طور پر گروپ کے سامنے اور بین الاقوامی طور پر جماعت یا پارٹی کے سامنے ذمہ دار ہو۔ یہ ماڈل قائد یا درآمد کردہ امام کے تصور پر مبنی ہے۔

۴- مساجد اور اسلامی مراکز کے خودمختار لوکل فیصلہ کا نمونہ، یہ مسجد کی اس قیادت کے انتخاب کے سلسلہ میں شوری کے اصول کی اساس پر مبنی ہوتا ہے جو مسجد کے مصالح اور اس مسجد کے تابع مسلمانوں کی نگہداشت کے بارے میں مسلم گروپ کے سامنے ذمہ دار اشخاص سے مرکب ہوتی ہے۔ اس قسم کی انتظامیہ خودمختار قیادت یا لوکل یا بین الاقوامی درمیانی قیادت کے ذریعہ چلائی جانے والی تابع قیادت کو مسترد کر دیتی ہے۔ اور مسلم گروپ کے افراد کے ساتھ براہ راست تعامل اور بلا واسطہ ان کے مسائل سے نمٹنے اور باہمی مشورہ کے سلسلہ میں نبوی مشورہ کے نمونہ کو استعمال کرنے پھر حقیقی باہمی مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ لینے کے ذریعہ قیادت کی سرگرمی کے سامنے دروازہ کھولتی ہے۔ (۷۳)

تجربہ کاری پر مبنی اکثر ابحاث جن میں سماج کے اندر قیادت اور اقتدار کے مطالعہ کا اہتمام کیا گیا ہے، ان سے پتہ چلتا ہے کہ سماج میں اقتدار کے نمونہ کی تبدیلی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک خاندانوں میں تبدیلی پیدا نہ ہو۔

لہٰذا باہمی شرکت اور شوری کے طرز کا آغاز خاندان سے ہونا ضروری ہے۔ (۷۴)

میاں بیوی کا نامساوی اقتدار کی شکلوں کو درست کرنا اور شوری اور کرامت کے مفہوم کی بنیاد ڈالنا، یہ سب حقیقی تبدیلی کا پہلا قدم ہے اور اس سے ڈکٹیٹرشپ کے نمونے ختم

73- Nyang, Islam in the United States of America, P. 44

۷۴- عزت، ہبہ رؤوف، ''التغییر السیاسی فی الأسرۃ'' مجلۃ اسلامیۃ المعرفۃ، ۲۴، ۱۹۹۱، ص: ۱۴

ہوتے ہیں۔ پھر قیادت پر مبنی یہ نمونے امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کیسے کر سکتے ہیں، نیز امت کے مفہوم کی دوبارہ تعمیر وتشکیل کیسے کر سکتے ہیں؟ کیا ممکن ہے کہ خاندان امت کی دوبارہ تعمیر وتشکیل کی اولین اینٹیں فراہم کرے؟ لیکن یہ کیسے ہوگا؟ امت کے مسلسل بدلنے والے چیلنجز اور مسائل کا کیا ہوگا؟ کیا امریکی مسلم خاندان اور اس کے اقدار پر مبنی اسلامی نظام کے لیے یہ ممکن ہے کہ درست انسانی تعلقات کے ڈھانچہ کی تشکیل کرے جو سماج کی تعمیر و تشکیل میں حصہ لے؟

۳-انجام کار کا اعتبار کرنا:

انجام کار کا اعتبار کرنے کا شمار شرعی مقاصد کو مؤثر بنانے کے سلسلہ میں ایک اہم منہجی اصول کی حیثیت سے ہوتا ہے (۷۵)۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ فعل کی حقیقت اور ماہیت اور مختلف پہلوؤں سے اس کے متنوع اثرات بیان کیے جائیں۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ سماجی، معاشی، سیاسی، نفسیاتی، طبی اور ذرائع ابلاغ کے میدان سے متعلق متعدد ماہرین کو لگایا جائے، تاکہ مثبت و منفی لحاظ سے شارع کے مقاصد واہداف کو وجود میں لانے عملی کی قدرت کا جائزہ لے سکیں۔ فعل انسانی سے مراد وہ تصرفات ہیں جو انسان کے ارادہ اور اختیار سے اس کے محرکات کے جواب کے طور پر صادر ہوتے ہیں۔ اسی فعل اور اس کے اثرات پر آبادی قائم ہے اور اسی سے توحید اور تزکیہ

۷۵- فعل کی دو قسمیں ہیں: ایک کا شمار انسان کے ضروری احوال کی حیثیت سے ہوتا ہے، اس سے تکلیف وابستہ نہیں ہوتی ہے، اس کی بنا پر تعریف یا مذمت نہیں ہوتی ہے۔ جیسے: سانس لینا اور نیند وغیرہ۔ دوسری قسم کا فعل وہ ہے جو انسان کی قدرت میں ہوتا ہے اور اس سے اختیاری طور پر واقع ہوتا اور اس کی وجہ سے تعریف یا مذمت ہوتی ہے۔ اس کی جنس کے بارے میں تکلیف واقع ہوتی ہے، اور اسے اس کے بارے میں اختیار ہوتا ہے۔ یہ وہ فعل ہے جس سے متعلق قوانین ہوتے ہیں اور مکلّف بنایا جاتا ہے۔ دیکھیے: اصفہانی، تفصیل النشأتین وتحصیل السعادتین، مرجع سابق۔ علوانی، مقاصد الشریعۃ، مرجع سابق، ۱۷۷ اور اس کے بعد کے صفحات

وجود میں آتا ہے۔

یہ عمل یا تو اس عہد سے ہم آہنگ ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے لیا ہے، خلیفہ بنائے جانے کے ہدف کو پورا کرے گا، اختیار کی امانت کے حق کو ادا کرے گا، امتحان کی آزمائش میں کامیاب ہوگا اور کائنات کی الٰہی تسخیر کا اہل ہوگا۔ یا ان ساری باتوں سے ہم آہنگ نہیں ہوگا۔

شاطبی وغیرہ علماء مقاصد نے نیت اور کرنے والے کے قصد کی اہمیت کو پختہ طور پر بیان کیا ہے، اس لیے کہ ضروری ہے کہ عمل ایسی نیت سے صادر ہو جو اللہ تعالیٰ کے تقرب اور عبادت کے قصد پر مبنی ہو۔ چنانچہ فعل تسخیری اس میں داخل نہیں، اس لیے کہ نیت کا استحضار فعل کا اعتبار کرنے اور اس کے اثرات اس پر مرتب ہونے کے سلسلہ میں اساسی رکن ہے، کیونکہ شریعت کی وضع کا شرعی مقصد مکلّف کو داعیۂ ہوی وخواہش نفس سے نکالنا ہے تاکہ وہ اللہ کا اختیاری بندہ ہوجائے جیسا کہ وہ بہ طور اضطرار اللہ کا بندہ ہے۔(۷۶)

کیلانی نے انجام کار کے میدان میں شاطبی کی کتاب ''الموافقات'' سے بہت سے مقاصدی قواعد نکالے ہیں۔ انہوں نے عمدہ طریقہ سے ان کو نکالا ہے، پھر ان کی وضاحت بھی فرمائی ہے۔ ان کا انجام کار کے قواعد کو نکالنا اس باب سے متعلق بحث کا اہم قدم شمار ہوتا ہے۔ جبکہ قریب تھا کہ مقاصدی تطبیق کے مناہج میں سے ایک منہج کی حیثیت سے اس کی نظریہ سازی اور اسے روبہ عمل لانے کو نظر انداز کر دیا جائے۔(۷۷)

''حیلوں کو ممنوع قرار دینے'' کا بھی استعمال ہوا۔ حیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ عمل بہ ظاہر جائز ہو، لیکن اس کے ذریعہ کسی شرعی حکم کو باطل کیا جائے اور بہ ظاہر اسے کسی دوسرے حکم میں بدل دیا جائے، جیسے: کوئی طلاق کی نیت سے کسی عورت سے نکاح کرے، یا اپنے ذاتی مفاد شہریت یا کام

۷۶- شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعہ، مرجع سابق، ج ۲، ص: ۳۳۱

۷۷- کیلانی، قواعد المقاصد عند الإمام الشاطبی: عرضا ودراسۃ وتحلیلا، مرجع سابق، ص: ۳۶۰-۴۶۰

حاصل کرنے کے لئے نکاح کرے اور اس کی نیت ہو کہ اس کے بعد بیوی کو چھوڑ دے گا۔ اس طرح ''حیلوں کو ممنوع قرار دینے'' کا شمار احکام کی تطبیق کے سلسلہ میں انجام کار کا اعتبار کیے جانے کی ایک راہ کے طور پر ہوتا ہے، جس میں کرنے والے کے قصد اور نیت کو اہمیت دی گئی ہے۔

یہیں سے انسان کے یہاں فقہ مراقبہ کی تشکیل بھی اس اصول پر ضروری ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب کی بہترین نیت کی جائے، اس میں مادی مصالح اور اس کے علاوہ نیت کو خراب کرنے والی خواہشات کی آمیزش نہ کی جائے۔ بنابریں، انجام کار کے منہج کو ترقی دینے کی ضرورت ہے، نیز ایسے مثبت طریقہ پر اسے بروئے کار لانے کے لیے تمام ماہرین کو لگانے کی ضرورت ہے جو انسان کے تصرفات کی تبدیلی کا سبب بنے، تاکہ نفس کے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کے مراقبہ پر مبنی تقوی کے اصول وجود میں آئیں، تاکہ مکلّف کے مقاصد شارع کے مقاصد کے ساتھ مل جائیں۔

اس مقصد کی خاطر غزالی کی کتاب ''احیاء علوم الدین'' اور ان کی دیگر اہم کتابوں سے استفادہ ممکن ہے۔ ایسے ہی اصفہانی کی دونوں کتابوں: ''الذریعۃ إلی مکارم الشریعۃ'' اور ''تفصیل النشأتین'' سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ بعض معاصر اور سنجیدہ ابحاث میں اس موضوع پر فلسفیانہ اور اصولی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، مثلاً: محمد دراز کی ممتاز بحث: ''دستور الأخلاق فی القرآن'' (۷۸)۔ اس میں انہوں نے نیت کے مفاہیم کی وضاحت کی ہے، اس کے فلسفیانہ اور ایمانی راہوں پر روشنی ڈالی ہے اور انسانی سلوک و برتاؤ کو منضبط کرنے اور اس کو صحیح رخ دینے میں نیت کے رول کو اجاگر کیا ہے، نیز عمل پر اس کے اثرات کو واضح کیا ہے۔ مثبت اور منفی اعتبار سے اس کی اندرونی اور بیرونی تہوں کا جائزہ لیا گیا ہے، ساتھ ہی ان سب کو دیگر اہم مفاہیم سے مربوط کیا گیا ہے، جیسے: واجب وغیرہ جو اس میدان سے وابستہ اہم مرکزی موضوعات میں سے ہے۔

۷۸- دراز، دستور الأخلاق فی القرآن: دراسۃ مقارنۃ للأخلاق النظریۃ فی القرآن، مرجع سابق

رہے شاطبیؒ تو انہوں نے انجام کار کو معلوم کرنے کے بعض مسالک پر روشنی ڈالی ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے اس میدان سے متعلق پیش رو اہل علم کی تحریروں کا استعمال کیا ہے(۷۹)۔ جیسے: ''قاعدہ ذرائع'' ہے۔ ذریعہ کا مفہوم یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے کسی درست عمل کا انجام یہ ہو کہ اس میں مفسدہ ہو۔ جیسے کفار کے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کے مسئلہ میں وارد ہے، اس میں جواز کی بجائے ممانعت کا حکم لگایا گیا، اس لیے کہ اسے مفسدہ کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنا ہے، اس سلسلہ میں ابن عاشور نے ان کی پیروی کی ہے، انہوں نے یہ وضاحت کی ہے کہ شریعت جس طرح ذرائع فساد کو ممنوع ٹھہراتی ہے اسی طرح ذرائع صلاح کو کھولتی ہے، بایں طور کہ (کبھی) اس پر وجوب کا حکم لگاتی ہے، اگرچہ اس کی ظاہری صورت ممانعت یا اباحت کا تقاضا کرے۔(۸۰)

اگرچہ بعض نے قاعدہ: ''سد ذرائع'' کا استعمال ٹھیک انداز میں نہیں کیا ہے جس کا نتیجہ بعض اوقات اس سلسلہ میں افراط یا تفریط کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، لیکن ابن عاشور نے ''ذرائع پر مبنی غور وفکر'' مجتہدین کے حوالہ کیا ہے، تاکہ وہ فعل کے نتائج پر نظر رکھیں، خواہ وہ فساد کی شکل میں ہوں یا صلاح کی شکل میں، پھر فعل کا نتائج کے اعتبار سے ہی جائزہ لیں۔ ساتھ ہی ابن عاشورؒ نے اس قاعدہ کے انضباط کو بھی پختہ کیا ہے۔(۸۱)

ابن عاشورؒ نے تطبیق کا عمل انجام دینے کے وقت ''ذرائع'' کے قاعدہ کا استعمال کیا، بالخصوص معاملات کے میدان میں اس کا استعمال کیا، جن میں سے خاندان کے احکام بھی

۷۹- نجار، فصول فی الفکر الاسلامی بالمغرب، مرجع سابق، ص ۲۲۱-۲۳۲

۸۰- ابن عاشور، التحریر والتنویر، مرجع سابق، ج: ۷، ص: ۴۳۲، نیز دیکھیے: ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، مرجع سابق، ص: ۱۲۲-۱۲۵

۸۱- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، مرجع سابق، ص: ۱۴۸

ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فعل پر احکام کو منطبق کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسرے اصول کی بھی ضرورت ہے، جو یہ ہے کہ مختلف سطحوں پر عمل کے اثرات کی چھان بین کی جائے، یعنی مجتہد اس عمل کے انجام کا جائزہ لے جو اس کے حکم اور فتوی کا محل ہے۔اس سلسلہ میں ابن عاشور تحریر فرماتے ہیں: ''عمل کے انجام پر نظر رکھنا شرعی اعتبار سے معتبر اور مقصود ہے۔خواہ اعمال موافق ہوں یا مخالف، لہٰذا کسی فعل پر اسی وقت حکم لگایا جائے گا جب کہ اس فعل کے انجام پر غور کرلیا جائے۔(۸۲)۔

فتوی صادر ہونے کے بعد فعل کے جائزہ اور چھان بین کے عمل کا شمار ایک منہجی ضرورت کے طور پر ہوتا ہے، جسے عمدہ طور پر کرنا ایک فقیہ اور مجتہد کے لیے ضروری ہے، اس طور پر کہ وہ اپنے فتوی یا بحث کے نتائج کی چھان بین کرے کہ افراد اور سماج پر اس کا کیا اثر پڑا، محض نظریاتی بحث پر اکتفا نہ کرے۔انجام کار معلوم کرنے کا دوسرا مسلک اس بات میں مضمر ہے کہ مصالح اور مفاسد کے درمیان موازنہ کیا جائے جبکہ وہ مخلوط ہوں۔جب یہ بات ثابت ہوجائے کہ کلی کے افراد میں سے کوئی قسم ایسی ہے کہ اس پر حکم کلی کے نفاذ سے شرعی مقصد حاصل ہوگا، تو یہ تطبیق کی طرف تنفیذی قدم ہوگا اور تطبیق کی ایک راہ ہوگی۔لیکن یہ آخری غور وفکر نہیں ہے کہ اس کے بعد اس نوع کے سارے افراد پر خود بخود حکم کی تطبیق ہوجائے۔بلکہ یہاں دوسرا تطبیقی قدم بھی ہے جو یہ ہے کہ مقصد حاصل ہونے کے اعتبار سے نوع کے افراد کے بارے میں تحقیق کرلی جائے، اس لیے کہ نوع کے متعین فرد کے ایسے خارجی ظروف واحوال ہوسکتے ہیں جو حکم کو واقع کرنے کے وقت مقصد کے حصول سے مانع ہوں، جو اس بات کا محرک ہے کہ اس کی نوع کی طرف متوجہ ہونے والا حکم شرعی اس سے پھیر دیا جائے۔اس مسئلہ کو منضبط کرنے کے متعدد طریقے اور بھی ہیں۔

۸۲- شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، مرجع سابق، ج ۴، ص: ۱۹۶، نیز دیکھیے: کیلانی، قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی: عرضاً ودراسۃ وتحلیلاً، مرجع سابق، ص: ۳۶۳، اور اس کے بعد کے صفحات

افعال کے سلسلہ میں نفع اور ضرر کے درمیان موازنہ:

کسی فعل پر حکم جاری کرنے کے سلسلہ میں اصل اعتبار اس کا ہے کہ اس میں مصلحت کا وجود ہو، جو کہ شارع کا مقصود ہے۔ لیکن افعال پیش آنے کے وقت افعال کا نیچر یہ ہے کہ اس میں مصلحت مفسدہ سے ملی ہوتی ہے؛ کیونکہ افعال کو ان کے اندر صلاح یا فساد میں سے کسی کے غالب ہونے کی وجہ سے صالح یا فاسد قرار دیا جاتا ہے۔ دنیا سے متعلق مصالح اور مفاسد کو غلبہ کے تقاضے میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ (۸۳)

حکم شرعی امر یا نہی کی حیثیت سے افعال سے غالب مصلحت یا مفسدہ کے اعتبار سے متعلق ہوتا ہے۔ چنانچہ عام طور سے مصلحت مفسدہ کے ساتھ مشابہت کے وقت غالب ہو تو وہی شرعاً مقصود ہے.....مفسدہ کا بھی یہی حال ہے.....۔ (۸۴)

عز بن عبدالسلام لکھتے ہیں: ''خالص مصالح کا وجود نادر ہے۔ (۸۵)

ابن عاشورؒ نے بھی یہی بات کہی کہ مفاسد کے ساتھ مصالح کا اختلاط ایک حقیقت ہے، بالخصوص انہوں نے مخصوص معاملات میں تطبیق پر زور دیا، نیز انہوں نے حقوق کی مصلحتی اساس کی راہ سے تعارض کے مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ چنانچہ دوسرے کے حقوق کی رعایت واجب ہے، دو برائیوں میں سے ہلکی برائی کو اختیار کیا جائے گا۔ ابن عاشورؒ نے حقوق اللہ کو حقوق عام قرار دیا اور حقوق العباد کو حق خاص قرار دیا۔ نیز اس بات پر زور دیا کہ تحصیل مصالح اور ازالۂ مفاسد ایک کنٹرول کرنے والا مقصد اور عمومی وخصوصی معاملات کے اندر حقوق کی تشکیل کرنے

۸۳- مرجع سابق، ج ۲، ص ۲۶

۸۴- مرجع سابق، ج ۲، ص ۲۶-۲۷

۸۵- ابن عبدالسلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، مرجع سابق، ج ۱، ص ۱۵

والا ہے، ان ہی میں سے خاندانی حقوق ہیں۔(۸۶)

مصالح اور مفاسد کے درمیان موازنہ کے میدان میں مقاصد کی قاعدہ سازی نے اہم رول ادا کیا۔(۸۷)

اسی وجہ سے اہل علم نے متعدد قواعد وضع کیے مثلاً المشقۃ تجلب التیسیر (مشقت آسانی کا سبب ہے)۔"لاضرر و لاضرار"، (ابتداءاً یا بطور مقابلہ کسی طرح ضرر لاحق کرنا جائز نہیں ہے)"الحاجة الخاصة تنزل منزلة الضرورة" (خاص حاجت کبھی ضرورت کے قائم مقام ہوجاتی ہے)۔"والضرر الأشد يزال بالضرر الأخف" (شدید تر ضرر کو خفیف ضرر کے ذریعہ زائل کیا جائے گا)۔اور اس کی مانند دیگر قواعد۔(۸۸)

اہم قواعد میں سے ایک قاعدہ:"درء المفاسد أولى من جلب المصالح" (مفاسد کا ازالہ مصالح کی تحصیل سے اولی ہے) ہے۔اس قاعدہ کی تطبیق اس وقت ہوتی ہے، جبکہ واقع ہونے والا مفسدہ یا کسی چیز پر مرتب ہونے والا مفسدہ اس سے متوقع مصلحت سے بڑھ کر ہو اور ایک ہی وقت میں مصلحت کی تحصیل اور مفسدہ کا ازالہ ممکن نہ ہو، تو ایسی صورت میں مفسدہ کا ازالہ کیا جائے گا اور مصلحت ترک کردی جائے گی۔(۸۹)

۸۶- حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، مرجع سابق، ص: ۲۹۲-۲۹۳

۸۷- کیلانی، قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی: عرضا ودراسۃ وتحلیلا، مرجع سابق، ص ۳۶۰-۴۶۰

۸۸- مرجع سابق، ص ۲۹۳۔ یہ قواعد عیاں ہیں، اور قواعد فقہیہ کے ضمن میں ان پر بحث ہوئی ہے اور ان کے بارے میں ابحاث بہت زیادہ ہیں۔ دیکھیے: ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، القواعد النورانیۃ الفقہیۃ، تحقیق: محمد حامد فقی، بیروت، مکتبۃ المعارف، ۱۹۸۳ء۔ روکی، محمد، "نظریۃ التقعید الفقہی وأثرہا فی اختلاف الفقہاء، رباط، منشورات کلیۃ الآداب، ومطبعۃ النجاح الجدیدۃ، ۱۹۹۴ء، ص ۹۳-۹۶

۸۹- ابن عبد السلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، مرجع سابق، ج ۱، ص ۸۶، نیز دیکھیے: ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، تحقیق: عبد العزیز محمد وکیل، قاہرہ، مؤسسۃ الحلبی وشرکاؤہ، ۱۹۶۸ء، ص ۹۰

نیز قاعدہ ''الضرر لایزال بمثلہ'' (ضرر کا ازالہ اسی جیسے ضرر سے نہ ہوگا)، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مفسدہ یا ضرر موجود ہو، یا کسی چیز پر مرتب ہو، اس کا ازالہ جائز نہیں ہے (حالانکہ ضرر واجب الازالہ ہے) جبکہ اس کے ازالہ پر اسی جیسا دوسرا ضرر یا اس سے بڑھ کر ضرر مرتب ہو۔(۹۰)

البتہ کسی معاملہ میں مصلحت اور مفسدہ میں تعارض ہو اور مصلحت کی تحصیل اور مفسدہ کا ازالہ ممکن نہ ہو اور متوقع مصلحت پیش آنے والے مفسدہ سے بڑھ کر ہو، تو اس صورت میں فقہ کا تقاضا ہے کہ مصلحت کی تحصیل کی جائے، اور پیش آنے والے مفسدہ کو انگیز کر لیا جائے۔(۹۱)

قاعدہ: ''إذا تعارضت مفسدتان روعی أعظمهما ضرراً بارتكاب أخفهما'' (جب دو مفسدہ میں تعارض ہو، تو ایسی صورت میں ہلکے مفسدہ کا ارتکاب کر کے بڑے ضرر والے مفسدہ کو دور کیا جائے گا)۔

اس قاعدہ کی تطبیق، تنقیح اور تنسیق اس وقت ممکن ہے جبکہ آدمی کو دو مفسدہ کے درمیان اختیار ہو اور اس کے لیے ایک ساتھ دونوں کو چھوڑنا ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں وہ ایسی چیز کا ارتکاب کرے گا جس میں کم سے کم مفسدہ ہو، تاکہ بڑے مفسدہ سے بچ جائے۔(۹۲)

مقاصدی قاعدہ سازی کے ابحاث کو مزید ضرورت ہے کہ ایسے علمی امور کی تشکیل کریں جن سے وہ قواعد مزید واشگاف ہوں، نیز ان کی تنقیح اور تنسیق ہو، تاکہ اجتہاد مقاصدی کا عمل آسان ہو اور اس میں انضباط پیدا ہو۔

اس کے باوجود فعل کے اندر مصلحت اور مفسدہ ثابت شدہ اور دائمی نہیں ہے، اس طرح

۹۰- شبیر، محمد عثمان، القواعد الکلیۃ والضوابط الفقہیۃ، عمان، دار الفرقان، ط:۱، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۸۴-۱۸۵

۹۱- ابن عبد السلام، قواعد الاحکام فی مصالح الانام مرجع سابق، ج۱، ص ۶۸

۹۲- ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، مرجع سابق، قاہرہ، ص ۸۹۔ نیز دیکھیے: شبیر، القواعد الکلیۃ والضوابط الفقہیۃ، مرجع سابق، ص ۱۸۳

کہ معلوم ہوجائے کہ اس عمل میں ہمیشہ مصلحت غالب رہے گی اور اس عمل میں ہمیشہ مفسدہ غالب رہے گا، اس لیے کہ تناسب کا نام مصلحت ہے اور مفسدہ فعل کے اندر اضافی ہے، ذاتی نہیں ہے، جیسا کہ شاطبیؒ نے بیان کیا ہے: ''مصالح ومفاسد کے اضافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کسی حالت میں وہ منافع یا مضار رہتے ہیں، تو دوسری حالت میں نہیں رہتے ہیں، نیز ایک شخص کے اعتبار سے منافع یا مضار ہوتے ہیں، تو دوسرے شخص کے اعتبار سے نہیں ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک وقت میں منافع یا مضار ہوتے ہیں تو دوسرے وقت میں نہیں ہوتے ہیں۔ (۹۳)

اسی وجہ سے دقیق موازنہ جاری کرنا مناسب ہے تاکہ مصلحت کا غالب ہونا معلوم ہوجائے، پھر جان لیا جائے کہ مقصد وجود میں آئے گا یا مفسدہ کا غالب ہونا معلوم ہوجائے، پھر جان لیا جائے کہ مقصد وجود میں نہیں آئے گا۔ یہ موازنہ اضافی حیثیتوں کے اعتبار سے ہوگا، ذاتی حیثیتوں کے لحاظ سے نہیں ہوگا۔

ان حیثیتوں میں سے ''زمان ومکان کا اختلاف ہے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں اگر کوئی ایسا فعل ہو جس میں کسی وقت میں یا کسی متعین جگہ میں مصلحت کا تحقق ہوا تھا۔ پھر وقت یا جگہ کے بدلنے سے حکم بدل گیا، تو وہ فعل مفسدہ کا باعث ہوجائے گا۔

کتابیہ خواتین سے نکاح کا مسئلہ اسی پر مبنی ہے۔ کبھی اس سے نسب اور سسرالی رشتہ کے ذریعہ بقائے باہم اور مختلف شرائع کے پیروکاروں کے درمیان باہمی الفت ومحبت کی مصلحت وجود میں آسکتی ہے۔ البتہ اس فعل کا انجام ایسے دور میں جس میں اسلامی اقدار غالب، قوی اور مستحکم ہوں، بیوی نیز اولاد مسلمانوں کے پاکیزہ اقدار اور روایات سے متاثر ہوں، جس سے نسل کا تحفظ ہو، اولاد کی شخصیت میں کسی طرح کی علیحدگی پیدا نہ ہو، یا وہ اپنے تشخص کو نہ کھوئیں، اس فعل کے اس انجام سے بالکل مختلف ہوگا، جبکہ یہ نکاح ایسے ملک، یا ایسے وقت میں ہو جس میں

۹۳- شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، مرجع سابق، ج ۲، ص ۳۹

اقدار کمزور ہوں کہ اس مصلحت یا مقصد کو وجود میں لانا دشوار ہو۔

اس لیے تمام حالات میں مفاسد اور مصالح کے درمیان موازنہ زمان و مکان کے اختلاف کو ذہن میں رکھتے ہوئے ضروری ہے۔

جس چیز کی طرف اشارہ مناسب ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ یا مغربی ممالک کے اندر کتابیہ خواتین سے نکاح کے انجام پر نظر رکھنے کی اہمیت کے بارہ میں گفتگو کے سیاق میں یہ بحث اس بات پر بھی زور دیتی ہے کہ وحدت اصل انسانی جو اسلام کے اصول وقواعد میں سے ایک ہے، اس پر ایمان رکھنے کے سلسلہ میں اسلام کے عمومی قواعد کی رعایت ضروری ہے۔فرمان باری تعالیٰ ہے:''**یـأیهـا الناس اتقوا ربکم** .....'' (۴/نساء:۱)۔(اے لوگو! اپنے اس مالک وخالق کا لحاظ رکھو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد وعورت (دنیا بھر میں) پھیلا دیئے)۔لوگوں کے درمیان اختلاف کے عناصر ہی انسانوں کے درمیان تکامل کے عناصر میں سے ایک ہے، جو کہ تنوع پھر تعارف کے اصول ہیں، بشرطیکہ ان کا اچھی طرح استعمال کیا جائے۔

غیر مسلمین کے ساتھ مسلمانوں کے تعامل کے اصول نیکی اور انصاف کے اصول پر مبنی ہیں۔جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں وارد ہے:''**لاینهاکم الله**..... '' (۶۰/ممتحنہ:۸)۔(اللہ تم کو ان سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کی وجہ سے جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور ان کیساتھ انصاف کرو، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے)۔قرآن کریم نے معروف کے مفہوم کو پختہ کیا ہے، یعنی معروف وہ خیر وصلاح ہے جو انسانیت کے درمیان معروف ہو، قرآن کریم نے اس کی تکمیل اس طرح کی ہے کہ کتابیہ خواتین سے نکاح مباح قرار دیا ہے اور اہل کتاب کے کھانے (ذبیحہ) کو مباح قرار دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:''**الیـوم أحـل لـکـم**.....''(۵/مائدہ:۵)۔(آج تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں، اہل

کتاب کا کھانا (جو حلال چیزوں پر مبنی ہے) تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لیے حلال ہے (اس معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں ہے، اصل تفریق حلال وحرام کی ہے، لہٰذا ان کے ہاں کا جھٹکے سے مارا ہوا جانور اور سور وغیرہ حلال نہیں ہے)۔ اور مومن پاکیزہ عورتیں اور اہل کتاب کی پاکباز عورتوں سے نکاح تمہارے لیے جائز ہے، اگر عفت وعصمت کا تحفظ چاہتے ہوئے تم ان کے مہر ادا کرو، آزاد شہوت رانی نہ کرتے پھرو، نہ دوستی یاری گانٹھو)۔

اسی طرح قرآن کریم نے حق اور عدل وانصاف کی انجام دہی کے اصول پر زور دیا ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "**یأیھا الذین ء اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط** ....." (۴/ نساء: ۱۳۵)۔ (اے ایمان والو! عدل وانصاف کو پورے طور پر قائم کرنے والے بنو اور اللہ کی رضا کے لیے صحیح گواہی دو، چاہے وہ گواہی خود تمہارے خلاف یا تمہارے والدین اور قریب ترین رشتہ داروں کے خلاف پڑ رہی ہو (جس کے بارے میں گواہی دی جارہی ہے) وہ مالدار ہو یا نادار، ان کا اصل حقدار تو اللہ ہے (ان سے اپنا تعلق اور محبت دکھا کر ان کے حق میں جھوٹی گواہی کی کسی حال میں اجازت نہیں) اس لیے خواہشات اور جذبات کی پیروی میں عدل وانصاف کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھانا ہے اور اگر تم موڑ توڑ کر یا حق سے کتراتے ہوئے اور بچتے ہوئے کوئی بات کروگے، تو اللہ کو تمہاری باتوں اور عمل کی خوب خبر ہے (تم اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتے)۔

اسی طرح قرآن کریم عفو و درگزر، معروف و بھلائی، احسان اور ''آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ فضل وزیادتی کا معاملہ کرنے کو فراموش مت کرو'' کے اصول پر زور دیتا ہے۔

البتہ اس کا مطالعہ ان چیلنجز کی روشنی میں ہونا چاہئے جن کا سامنا مسلم گروپ کو ہے، نیز کتابیہ خواتین کے ساتھ نکاح کی صورت حال پر مرتب ہونے والے انجام اور اس کے قریبی اور دوررس اثرات کی روشنی میں بھی ہونا چاہئے۔ جو کہ ایسا معاملہ ہے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو تطبیق دینے والے مسلم گروپ کے احوال کا میدانی مطالعہ ہو۔

ایک چھوٹی سی وحدت کی حیثیت میں جس سے معاشرہ کی تعمیر وتشکیل ہوتی ہے، خاندان اور اس کے اقدار کی اہمیت کے بارے میں ذہن سازی بھی ضروری ہے۔ چنانچہ عدل، بھلائی اور احسان کا تحقق اسی وقت ہوگا جبکہ اس کے سیکھنے کا آغاز کیا جائے اور خاندان کے سلسلہ میں اس کے اصول کی تربیت اور ٹریننگ حاصل کی جائے۔ اگر اللہ کے حدود کو قائم رکھنے والے صالح خاندانوں کی تعمیر وتشکیل بہتر طریقہ پر کی جائے گی، تو ایسے معاشرہ کا وجود ہوگا، جہاں عدل وانصاف، محبت والفت اور سلامتی کا دور دورہ ہوگا۔

اس جگہ ایک دوسرا معاملہ بھی ہے جو اختلاف نفوس کا ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ کسی متعین شخص پر کوئی حکم نافذ ہو اور اس کے اندر اس کا مقصد وجود میں آجائے، لیکن وہی حکم کسی دوسرے شخص پر جاری ہو اور اسکے اندر اس کا مقصد وجود میں نہ آئے، ایسا نفس اور احساسات کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس حالت کا انطباق اولاد کی تربیت، نیز دعوت الی اللہ کے میدان پر بھی ہوتا ہے، بالخصوص مغربی ممالک میں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آدمی کے ظروف واحوال اور نفسیاتی احوال کے اختلاف کی بھی رعایت کی جائے۔

اس جگہ اس اثر کے اختلاف کا بھی مسئلہ ہے جسے فعل اپنے محل سے باہر پیدا کرتا ہے۔(۹۴)

کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی فعل پر اس کا حکم جاری ہو تو اس کا مقصد حاصل ہوجائے (لیکن) اس پر ایسے اثرات مرتب نہ ہوں جو دوسروں تک پہنچے۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسی نوع کے دوسرے فعل کا مقصد حاصل ہوجائے، لیکن اس کے محل سے باہر فساد کی شکل میں اس کا اثر ہو، یہ فساد محل میں حاصل ہونے والی مصلحت سے بڑھ کر بھی ہوسکتا ہے۔ یہ عام طور سے ایسے افعال میں ہوتا ہے جن میں اپنی ذات کے لیے مصلحت ہوتی ہے اور دوسروں کے لیے مضرت

۹۴- نجار، عبد المجید، فصول فی الفکر الاسلامی، مرجع سابق، ص ۲۱۴ اور بعد کے صفحات۔ نیز دیکھیے: کیلانی، قواعد المقاصد عند الامام الشاطبی: عرض ودراسۃ وتحلیلا، مرجع سابق، ص ۲۴۴ اور بعد کے صفحات

ہوتی ہے۔اس کی مثال وہ صورت ہے جو بعض مسلم امریکی گروپ میں پیش آتی ہے، جب امریکی سول عدالت میں عقد نکاح کا ریکارڈ نہیں کیا جاتا ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی اور اس کی اولاد اپنے مادی و معنوی حقوق کھو دیتی ہے۔قانون کے سامنے میاں بیوی کے درمیان تعلق غیر قانونی شمار ہوتا ہے۔شوہر نے اس کے ذریعہ اپنی ذاتی مصلحت کو ترجیح دی تاکہ دوسروں کو ضرر پہنچائے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس جیسے حالات اور دیگر بہت سے حالات میں موازنہ مقاصد کا تیقن حاصل کرنے کے لیے اجتہاد کی ایک دقیق قسم کا تقاضا کرتا ہے، جو اسی شخص کو حاصل ہوسکتی ہے، جس نے اسرار شریعت کی آگہی کی بڑی مقدار حاصل کرلی ہو، نیز اسے واقعات کے نیچر، نفوس اور ان کے مضمرات کا بڑا علم حاصل ہو۔(۹۵)

محقق اور مجتہد پر لازم ہے کہ وہ ان مقاصد کو پرکھیں، جن کو شریعت نے مختلف مصالح کے اندر ملحوظ رکھا ہے، نیز افراد اور جماعت کی حیثیت میں امت کی ساخت پر پڑنے والے اثرات کو بھی پرکھیں، باریک بینی سے انجام کا مطالعہ کریں اور (مختلف) حیثیتوں کو بھی ملحوظ رکھیں۔جیسے: مصلحت کے اثرات کی قوت کو ملحوظ رکھیں، اس مصلحت سے معارض مصالح یا مفاسد کو بھی مدنظر رکھیں۔مصالح کی قوت کے علم کے مراتب کے تفاوت کو بھی پیش نظر رکھیں، تاکہ اس تہہ تک پہنچا جاسکے کہ وہ شارع کے مقصد ہیں (یا نہیں)، مصالح کی تحصیل کی عمومی حاجت کو بھی ملحوظ رکھیں۔تحصیل مصالح اور ازالۂ مفاسد کے سلسلہ میں صلح اور جنگ کے اندر امت کے احوال کے اختلاف کو بھی مدنظر رکھیں۔(۹۶)

درحقیقت افعال پر احکام کی تطبیق اس بنیاد پر کی جاتی ہے کہ ان سے شریعت کے مقاصد وجود میں آئیں۔لیکن اگر مکلّف شارع کے قصد کے مخالف قصد کے ساتھ ان کو انجام

۹۵- نجار، فصول فی الفکر الاسلامی بالمغرب، مرجع سابق، ص ۲۱۵

۹۶- حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، مرجع سابق، ص ۳۰۳-۳۰۴

دے گا تو افعال باطل شمار ہوں گے۔ مثلاً: حلال کرنے کے لیے نکاح، جس میں مرد عورت سے اس نیت سے نکاح کرتا ہے کہ اسے اس کے پہلے شوہر کے لیے حلال ٹھہرائے جو شارع کے اس قصد کے خلاف ہے کہ نکاح دائمی ہونا چاہئے، بچہ پیدا کرنے اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہونا چاہئے۔ دوسری مثال اس شخص کی ہے جو طلاق کی نیت سے نکاح کرے تاکہ اپنی مطلوبہ مصلحت کو وجود میں لائے، جیسے: شہریت، یا کام وغیرہ۔ بنابریں مقاصد اور وسائل کے درمیان موازنہ کی رعایت ضروری ہے۔

چونکہ بلند ترین مقاصد ہی قطعی فقہ وجود میں لانے پر قادر ہیں۔ یہ بلند ترین مقاصد صرف تشریعی احکام میں امتیاز کرنے تک محدود نہیں ہیں، بالخصوص عمومی نظریہ سازی کے میدان میں، بلکہ یہ فعل کے انجام سے بحث کرتے ہیں، تاکہ مذہبی اور سماجی اعتبار سے مسئلہ کے دقیق جائزہ تک رسائی ہو، کیونکہ فقیہ کو ضروری، حاجی اور تحسینی کے درمیان تمیز کرنے کی قدرت اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

چنانچہ ضروری مقاصد دنیا اور آخرت کے مصالح قائم ہونے کے لیے لازم ہیں۔ بہرحال حاجی مقاصد تو یہ وہ ہیں جن سے مکلّف بندوں کی زندگی سے ضیق اور تنگی ختم ہو اور ان کے حق میں وسعت حاصل ہو۔ رہے تحسینی مقاصد تو وہ پہلے دونوں سے کم درجہ میں ہیں، لیکن ان کو مکمل کرتے ہیں۔ مصالح ضروریہ ہی اصل اور اساس ہیں۔ رہے حاجی اور تحسینی مصالح تو یہ ضروری مصالح کی خدمت کرنے والے اور ان کو مکمل کرنے والے ہیں۔ اس ترتیب پر ''اولویات'' کے سلسلہ میں انتہائی اہم اصول کی تشکیل ہوتی ہے۔ تعارض کے وقت مصالح کے درمیان ترجیح کے بارے میں (یہ ضابطہ ہے کہ) تکملہ کی حیثیت سے ہر تکمیل کرنے والی مصلحت کی یہ شرط ہے کہ اس کا اعتبار کرنے سے اصل مصلحت باطل نہ ہوتی ہو۔ جیسے: نماز اور اس کے شرائط اور مکملات، مثلاً: طہارت، اور استقبال قبلہ۔ اگر شرائط یا بعض شرائط دشوار ہوں اور ہم

مکملات کی فراہمی پر اصرار کریں تو اصل ضائع ہوجائے گی اور ہم نماز کے بغیر رہ جائیں گے۔ اس طرح اصل کو تھامے رہنا ضروری ہے، خواہ اس کا مکمل ضائع ہوجائے۔ شارع نے بعض مصالح کو بعض دیگر مصالح کی تکمیل اور خدمت میں لگایا ہے۔(۹۷)

اہم یہ ہے کہ وسائل بذات خود مقاصد نہ بن جائیں، جیسے: انسان اس لیے زندہ رہے کہ کھانا کھائے، بجائے اس کے کہ کھائے تاکہ زندہ رہے۔ نیز رہائش گاہ وغیرہ نفس کے تحفظ کے وسائل میں سے ہے، لہٰذا مقصد میں تبدیل نہ ہوجائے۔

یہ چیز ماہرین کو دعوت دیتی ہے کہ امت کی ضروریات اور ''اولویات'' کے سلسلہ میں باریک بینی سے کام لیں اور اس کے مطابق ان کی حیثیتوں میں تبدیلی کریں۔ اس سے مقاصد ایسا مؤثر منہج بن جاتے ہیں جو کلیات سے مربوط رہے پھر اس کے دائرہ میں جزئیات کو داخل کرے۔ اس طرح مصلحت پر مبنی ضروریات کی اصالت محقق یا فقیہ کے لیے محض شریعت کے مقرر کردہ امور سے نکل کر کے واقعہ کے مطالعہ میں داخل ہوجائے گی اور اس میں مختلف مہارتیں شامل ہوں گی جن سے واقعہ کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ضروریات کے تحفظ کا مفہوم تمام نئے مسائل تک وسیع ہے۔ خواہ ہم روایتی ضروریات پر ہی باقی رہیں، یعنی دین، نفس، عقل، نسل اور مال کے تحفظ کو ہی ضروریات قرار دیں، پھر بھی موجودہ دور کے بہت سے مسائل کو ضروریات کے دائرہ میں شامل کرنے اور تقسیم کرنے کی ہمیں قدرت ہوگی۔ لہٰذا یقیناً فقہ المقاصد کے ساتھ تعامل، علتوں کا استخراج اور ضروری، حاجی اور تحسینی کے درمیان مصالح کو منظّم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ''فقہ الاولویات'' سے موسوم فقہ کی تعمیر و تشکیل کرسکیں گے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر مسئلہ کو یا ہر معاملہ کو مختلف میدانوں کے اندر اس کے صحیح محل میں رکھ سکیں گے۔ پس حاجیات کی وجہ سے ضروریات معطل

۹۷- ریسونی، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، مرجع سابق، ص ۱۴۷

نہیں ہوگی اور تحسینات کی وجہ سے حاجیات معطل نہ ہوگی۔

''اولویات'' کے ادراک سے ضروری، یا حاجی، یا تحسینی کے اعتبار سے مقصدی مراتب منظّم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے کہ مراتب میں خلط ملط ہونا اور ایک ایسے جامع کلی دائرہ میں معاملات کو منظّم کرنے کی قدرت نہ ہونے سے، جو ہر معاملہ کی قدر و قیمت اور وظیفہ کو متعین کرے، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آدمی جزئیات اور تفصیلات میں غرق ہو جاتا ہے اور کلیات واصول سے غافل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح ''اولویات'' سے تجاوز کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جزئی نظر پر زور دینے لگتا ہے، جس سے نہ کسی قاعدہ کا استنباط ہوتا ہے، نہ کسی قانون کی تشکیل ہوتی ہے، جس کی بنا پر شریعت پر جمود کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔(۹۸)

بہر حال وسائل کی قسمیں تو درج ذیل ہیں:

بعض وسائل ثابت شدہ ہوتے ہیں، جن کو شارع سبحانہ نے منضبط ذرائع کی حیثیت سے متعین کیا ہے، جو مقصد تک پہنچاتے ہیں۔ اگر وہ وسائل خلل پذیر ہو جائیں اور مقصد پر اثر انداز ہوں۔ جیسے: طہارت، نیت اور استقبال قبلہ نماز کے مقصد کے وجود میں آنے کی خاطر۔ اسی طرح زکوۃ کے لیے نصاب کی شرط اور حج کے لیے مادی اور معنوی قدرت کی شرط۔(۹۹)

ابن عاشورؒ نے بعض اہم وسائل بیان کیے ہیں، جن سے درست بنیاد پر نکاح کے ادارہ کو قائم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ جیسے: عقد نکاح میں گواہ بنانا، وہ بذات خود مقصود نہیں ہے، بلکہ وہ نکاح کی شکل کو زنا کی آمیزشوں سے دور کرنے کا ذریعہ ہے۔(۱۰۰)

۹۸- علوانی، مقاصد الشریعۃ، مجلۃ قضایا اسلامیہ، مرجع سابق، ص: ۱۲۲

۹۹- خادمی، الاجتہاد المقاصدی، مرجع سابق، ص: ۶۵-۶۷

۱۰۰- حسنی، نظریۃ المقاصد عند ابن عاشور، مرجع سابق، ص: ۲۵۴

اسی طرح نکاح میں دوام کی نیت اور نکاح متعہ یا اس سے ملتی جلتی شکل کو پسند نہ کرنا، انسانی خاندان اور اس کے قلعہ کی تعمیر وتشکیل اور زمین کی آبادی کو وجود میں لانے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ شروع میں نکاح کو موقت کرنا، نکاح کے مقاصد کے منافی ہے۔ یہ اس طلاق کے برخلاف ہے جو ازدواجی زندگی کے دوران پیدا ہونے والے اختلافات اور میاں بیوی کے درمیان ہونے والے ضرر سے وجود میں آتی ہے، جس کی وجہ سے طلاق ان میاں بیوی کے درمیان سلامتی کو وجود میں لانے کا ذریعہ بن جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ نکاح کے اہداف ومقاصد کو وجود میں لانے میں ناکام رہتے ہیں۔(۱۰۱)

بعض وسائل بدلنے والے ہوتے ہیں، یہ وہ وسائل ہیں جو احوال اور ظروف، نصوص کے نیچر اور فقیہ کی مہارت اور احوال کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں۔ اس وقت وسائل کے تعین اور ان کو مقاصد کے ساتھ مربوط کرنے کے سلسلہ میں جو ان سے وجود میں آتے ہیں، فقیہ کا رول اہم ہوجاتا ہے۔ ساتھ ہی اولویات کے تعین پر اس کی قدرت اہم شمار ہوتی ہے، جبکہ وسائل میں تداخل اور تعدد ہو۔ اور سارے وسائل ایک ہی مقصد کے ذریعہ کے طور پر متعین ہوں، جیسے وہ تعزیر جسے حاکم متعین کرتا ہے۔ تربیتی وسائل جو اولاد کی اخلاقی، سلوکیاتی اور عقائدی صورت حال کو بہتر بنانے کے سلسلہ میں مختلف مقاصد کو وجود میں لاتے ہیں، اس طرح کے وسائل دیگر اہم احکام کی تحصیل کے لیے بھی ہوتے ہیں۔(۱۰۲)

بعض وسائل حقوق اللہ میں سے شمار ہوتے ہیں، جیسے: طلاق میں ظلم وضرر کو روکنا، تاکہ جھگڑے کے فریقوں میں سے حقداروں تک حقوق پہنچائے جاسکیں۔ وسائل کے تحت وہ طریقے بھی شامل ہیں جو کسی معنی کا فائدہ دیتے ہیں، جیسے: عقود کے صیغے، بالخصوص عقود نکاح

۱۰۱- ابن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ، مرجع سابق، ص: ۱۴۶-۱۵۰

۱۰۲- خادمی، الاجتہاد المقاصدی، مرجع سابق، ج ۱، ص ۶۳-۶۸

وطلاق، یہ لوگوں کے کیے ہوئے عقد، یا عائد کردہ شرط کے بارے میں ان کو ان کے مقاصد کی شناخت کرانے کے وسائل ہیں۔(۱۰۳)

افعال کے انجام پر نظر رکھنا بھی مناسب ہے، اگر یہ انجام شرعی اعتبار سے معتبر اور مقصود ہوں، اس لیے کہ یہ انجام حق کے استعمال کو مقید کرتے ہیں اور حق کی مشروعیت کو حق سے مطلوب مقصد کو وجود میں لانے کے ساتھ مربوط کر دیتے ہیں، اس طرح کہ عمل انجام اور ثمرہ کے اعتبار سے اس اصل کے خلاف نہ ہو، جو تحصیل مصالح اور ازالۂ مفاسد ہے جس پر شریعت قائم ہے۔

زندگی اور سماج کے معاملات منظّم کرنے سے وابستہ امور کے بارے میں تشریع اسلامی کے دو اساسی مقصد ہیں، جو یہ ہیں: (۱) افراد کے مصالح (۲) جماعت کے مصالح۔ دونوں میں تعارض کے وقت، جماعت کے مصالح کو ان کی اہمیت کے مدنظر مقدم رکھا جائے گا۔

اسی وجہ سے حقوق ان مقاصد کو وجود میں لانے کے وسائل ہوں گے۔ چنانچہ حق کی ڈبل صفت ہے، ایک انفرادی اور ایک اجتماعی اور حق کی ذمہ داری ہے کہ اس ڈبل صفت کو دونوں کے درمیان تضاد کے بغیر وجود میں لائے۔

حق کے استعمال کے سلسلہ میں من مانی:

من مانی (نہ ہونے) کی اساس اور جوہر یہ ہے کہ حق کے مقصد کی روشنی میں اس کے استعمال کو مقید کر دیا جائے۔ حق کے استعمال میں من مانی (نہ ہونے) کا تعلق افعال میں انجام کا اعتبار کیے جانے سے ہے۔

جہاں تک کہ میاں بیوی کا تعلق ہے تو قرآن کریم نے نظام طلاق کی تفصیل کی ہے اور سنت نبویہ نے ایسی صورت میں اسے واضح کیا ہے کہ ظلم یا دوسرے فریق کے حقوق پر زیادتی کا

۱۰۳- عطیہ، نحو تفعیل مقاصد الشریعۃ، مرجع سابق، ص: ۱۲۷

موقع نہ رہے، بشرطیکہ آدمی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ موضوع کی اہمیت اور سنگینی کی وجہ سے پوری سورہ کا نام ''طلاق'' رکھا گیا ہے، بلکہ سورہ کا خاتمہ ایسی تحذیر اور خبرداری سے کیا گیا ہے جو جماعت کو شامل ہے اور افراد تک محدود نہیں ہے۔ گویا اس میں اس صورت حال کے پیش آنے کے وقت جماعت کی ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس شخص کے خلاف ایک قسم کا سماجی محاسبہ وجود میں لائے جو طلاق کے مسئلہ میں حدود اللہ سے تجاوز کرے۔ اس میں خاندان اور اور پورے سماج کا تحفظ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ سبحانہ نے خاتون کو نقصان پہنچانے یا کسی وجہ سے اس پر ظلم کرنے کی نیت سے خاتون کو معلق چھوڑنے سے منع فرمایا ہے۔

بعض سرگرمیاں جن کی سنگینی کے سلسلہ میں مسلمانوں کی ذہن سازی ضروری ہے، کیونکہ ان کے اندر قرآنی مفاہیم کو غلط طریقہ پر سمجھا گیا ہے۔ یہ ہیں کہ بعض شوہر بیویوں پر اپنے ظلم کو جائز ٹھہرانے کے لیے ''طاعت'' کے مفہوم کا استعمال کرتے ہیں کہ بیویوں پر ان کا حق مطلق طاعت ہے۔ جبکہ وہ نکاح سے متعلق سارے قرآنی مفاہیم اور اقدار کو فراموش کر چکے ہیں۔ سورۂ نساء وغیرہ کی آیت اور دیگر ان آیات کو پڑھنا ضروری ہے جن کی روشنی میں ازدواجی تعلق کو موضوع بنایا گیا ہے، جیسے: اہل ایمان کے درمیان ولایت، محبت والفت، ہمدردی، سکون واطمینان، لباس و پوشاک، عفو ودرگزر، احسان و بھلائی اور معروف ونیکی وغیرہ۔ یہ واضح ہے کہ اس جگہ بڑا خلط ملط ہے اور حقوق وفرائض کے مفاہیم کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے، اس اعتبار سے کہ اس چیز کی حد بندی کی جائے جو دوسروں کے حق پر تجاوز اور زیادتی ہو، نیز اس چیز کی بھی حد بندی کی جائے جو کسی شخص کا حق ہو، وہ اس کا مطالبہ کر سکے، یہ بعض مسلمانوں کے درمیان سرگرمی کی سطح پر انجام پائے۔

جو شوہر طلاق کے مسئلہ میں حدود اللہ سے کھلواڑ کرتا ہو، یا اپنی بیوی کو اذیت پہنچاتا ہو اور اسے ضرر لاحق کرتا ہو، یا طلاق کے بعد اولاد کا نفقہ دینے سے فرار اختیار کرتا ہو، بیوی اور اولاد

کو تنگ معیشت میں چھوڑ دیتا ہو، وہ ظلم کے دائرہ میں داخل ہو چکا ہے اور حق کے استعمال کے سلسلہ میں من مانی کے دائرہ میں نہیں ہے۔ شوہر کا حق ہے کہ اس کی بیوی اس کے لیے آراستہ و پیراستہ ہو۔ لیکن یہ حق من مانی میں تبدیل ہو جائے گا، اگر شوہر بیوی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ تمام حالتوں میں اس کے لیے زینت اختیار کرے، خواہ بیوی تندرست ہو یا بیمار ہو، اس کی نفسیاتی یا جسمانی حالت کی رعایت نہ کی جائے، تو ایسی حالت میں شوہر کا مطالبہ حق کے استعمال میں من مانی قرار پائے گا، البتہ قصداً ضرر پہنچانا تو یہ ظلم ہے۔ (۱۰۴)

افسوس، صد افسوس! حال ہی میں مختلف سطحوں پر امریکی مسلم گروپ کے دائرہ میں یہ سرگرمیاں عام ہوگئی ہیں، جو مجتہدین اور ماہرین کو اس بات کی دعوت دیتی ہیں کہ ان کو روکنے کے لیے مقاصد کو مؤثر بنایا جائے، تاکہ یہ سنگین سماجی صورت حال میں تبدیل نہ ہو جو خاندان کے ڈھانچہ، بلکہ امریکہ میں مسلم گروپ کے وجود کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔ اسی وجہ سے مختلف دائروں، بالخصوص خاندان اور سماج کے احکام سے متعلق دائروں میں شریعت کے احکام کی تشکیل ہوئی ہے۔

مثال کے طور پر ہم خاندان کے دائرہ میں ایسے اقدار پاتے ہیں جو حقوق کی تحریک کو منضبط رکھ سکیں، جیسے: عدل وانصاف اور احسان و بھلائی کا حکم۔ عملی طور پر ان اقدار کی تنظیم: والدین کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی، باہمی ہمدردی، میاں بیوی کے درمیان سکون واطمینان، ہمسایہ کے حقوق کی رعایت اور رفاقت کے حق کے تقاضے، وغیرہ کے ذریعہ کی گئی ہے۔ پھر دوسرے نظام بھی موجود ہیں، جیسے: نفقہ، میراث، محارم، محرمات اور تعامل و برتاؤ کے آداب، نیز حقوق وفرائض کو محض حق ہونے کی سطح سے نکال کر ایسے کردار میں تبدیل کر دیا گیا ہے، جن کو فرد

۱۰۴- حق کے استعمال کے سلسلہ میں من مانی کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: دریني، فتحی عبدالقادر، نظریۃ التعسف فی استعمال الحق فی الفقہ الاسلامی، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ، ۱۹۸۸ء

انجام دیتا ہے، خواہ وہ باپ ہو، یا ماں، یا بیوی، یا شوہر، بہن، یا بھائی، بیٹا ہو یا بیٹی۔ اس طرح ترقی یافتہ انسانی تعلقات کے نظام کی تشکیل ہوتی ہے۔

یقیناً قرآن کریم کے اندر خاندان کے حقوق کا مجموعہ مرد اور عورت کے درمیان نوعی تعلقات کا حامل نہیں ہے، خواہ ظاہر کے اعتبار سے ہو، یا نص کے تفسیری امکانات میں اساسی دشواریوں کے اعتبار سے ہو۔ (بلکہ) حقوق پر مبنی نظام عورت کی صورت حال کو تقویت پہنچاتا ہے، اس حیثیت سے کہ عورت مختلف سطحوں پر سماج اور خاندان کے اندر معزز و مؤثر شریک ہے، کیونکہ دونوں کے درمیان برابری جرائم سے متعلق سزاؤں سے تعلق رکھنے والی پیچیدہ ترین سطحوں پر بھی عیاں ہے، جیسے: زنا اور چوری کی سزا، جبکہ باندی کی سزا غلام کے مقابلہ میں آدھی ہے۔ اسلام نے اس بات کا اہتمام کیا ہے کہ عورت کا مالی ذمہ مکمل اور مستقل ہو۔ اللہ سبحانہ نے عورت کو ناقص الاہلیت افراد میں سے نہیں قرار دیا ہے کہ جن کو تصرفات سے روک دینا ضروری ہو، بلکہ قانونی اعتبار سے دونوں قاعدوں (عورت کے ذمہ کا کامل ہونا اور مستقل ہونا) کو عام رکھنا اور ان کو مؤثر بنانا، اس بات کا ضامن ہے کہ قانون اور مالی تصرفات کے سلسلہ میں عورت کی ممتاز صورت حال کو سامنے لائے۔

امت کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں عورت اور مرد کے درمیان باہمی شرکت کا میدان کافی وسیع ہے، ان ہی میں سے ولایت اور بیعت وغیرہ کے سلسلہ میں خاتون کا سماجی کردار ہے۔ مرد اور عورت دونوں کو صلہ رحمی کے التزام، حرمتوں کی رعایت، شرمگاہ کی حفاظت اور فضیلت وغیرہ سے مزین ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن عرف و عادات کے سماجی ڈھانچہ کی تشکیل کے سلسلہ میں فقہی اجتہاد کا عمل اور اس پر مرتب ہونے والے قیاس اور مرکزی اہمیت والے احکام کی تاسیس کا عمل باقی رہے گا، بالخصوص فقہی سرمایہ کی تخلیق کا عمل جس ثقافتی دائرہ میں ہوا، اس سے الگ ثقافتی تصورات کے سایہ میں عورت کو انصاف دلانے کے عمل سے متعلق احکام کی تاسیس کا عمل باقی رہے گا۔

اسی طرح اس نظام کو فقہ، تفسیر اور استنباط احکام کی بڑی کاوشوں کی ضرورت ہے، جن میں حصہ لینا عورت پر بھی لازم و متعین ہے۔

چونکہ امریکی سماج مسلسل اخلاقی اور سماجی تبدیلیوں اور تغیرات سے گزر رہا ہے، اس سے ان تبدیلیوں کے اندر مسلمانوں کے کردار کی اہمیت بھی پختہ طور سے معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ قبیح اور حسین قرار دینے کے سلسلہ میں امریکی عرف و رواج کا کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے، اس صورت میں جبکہ اس کے بارے میں نص وارد نہ ہو، یا ضروری، حاجی اور تحسینی کی وضاحت کے بارے میں امریکی عرف و رواج کا کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ جبکہ شارع نے معتبر اور صحیح عرف کو تسلیم کیا ہے، خواہ ایجابی امر ہو، یا ندب و استحباب پر مبنی امر ہو، یا تقریر ہو (یعنی کوئی عمل آپ کے سامنے کیا گیا اور آپ نے اس پر نکیر نہیں کی)۔

چونکہ تشریع کے اندر عرف کی اہمیت ہے، اسی وجہ سے اسے احکام و تشریع کے دلائل میں سے قرار دیا گیا ہے، ان مواقع پر جہاں نص وارد نہ ہو۔ امام شاطبیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''جاری رہنے والی عادتوں کی دو قسمیں ہیں: (۱) ایک وہ عادت ہے جس کو شرعی دلیل نے ثابت رکھا ہو، یا جس کی نفی کر دی ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شارع نے بہ طور وجوب یا بہ طور ندب و استحباب اس کا حکم دیا ہو۔ یا بہ طور کراہت، یا بہ طور تحریم اس سے منع کیا ہو، یا بہ حیثیت فعل یا بہ طور ترک اس کی اجازت دی ہو۔

(۲) دوسری قسم وہ عادتیں ہیں جو مخلوق کے درمیان جاری ہوں، جن کی نفی یا اثبات میں کوئی شرعی دلیل نہ ہو۔(۱۰۵)

امریکی سماج کے عرف و رواج کی اس طرح تشکیل میں جو حق اور ہدایت سے قریب ہو، مسلمان مثبت رول کس طرح ادا کر سکتے ہیں، بالخصوص جبکہ مسلمان خود جن ممالک سے ہجرت کر کے آئے ہیں، وہاں سے لائے ہوئے عرف و عادات اور دین کے درمیان دہرے خلط ملط

۱۰۵- شاطبی، الموافقات، مرجع سابق، ج ۲، ص ۲۸۳

کے مسئلہ سے دوچار ہیں؟ کیا یہ بات ممکن ہے کہ ایسے عرف ورواج کی تشکیل کی جائے جس میں کل کی حیثیت سے سارے معاشرہ کی بہتری ہو؟(۱۰۶)

مقاصد پر بنیاد رکھتے ہوئے سماج کے مکانی اور زمانی احوال کے پس منظر میں سماج کی اولویات کی ترتیب ممکن ہے، ان مستحکم قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے جو انسان کے وجود اور اس کی زندگی کے تسلسل کے لیے ضروری اور اس حاجی وکمالی اور تحسینی کے درمیان فرق کرتے ہیں جن سے بے نیازی برتی جاسکتی ہے، یا جن کو ملتوی کرنا ممکن ہے۔ اس معیار کے مطابق ہم پاتے ہیں کہ زندگی کی ضروریات جن کا شروع سے ہی موجود رہنا ضروری ہے، وہ: خوراک، غذا، رہائش گاہ، لباس و پوشاک، امن و امان اور نکاح ہیں۔ ابن خلدونؒ سے یہ بات منقول ہے کہ: ''ضروری، حاجی اور کمالی سے مقدم ہے۔ ضروری اصل ہے، جبکہ کمالی اس سے پیدا ہونے والی فرع ہے۔ انسان کا پہلا مطالبہ ضروری ہے۔ انسان کمالی اور تعیش تک اس وقت پہنچتا ہے جبکہ

۱۰۶- اس سلسلہ میں متعدد سماجی اور مذہبی تجزیے اور ابحاث وجود میں آئے ہیں، ان میں سے ایک قرارداد وہ ہے جسے شمالی امریکہ میں علماء شریعت کے رابطہ کی پہلی فقہی کانفرنس نے پاس کیا، جس کے مندرجات یہ ہیں: ''جو رسم و رواج غیر اسلامی ماحول میں پیدا ہوئے ہیں، ان کو شریعت کی میزان سے تولا اور پرکھا جائے گا اور اس سے اسی رسم ورواج کو دور کیا جائے گا جو کسی صحیح صریح نص شرعی کے ساتھ متعارض ہو، یا کسی کلی شرعی قاعدہ کے خلاف ہو، یا شرعی مقاصد میں سے کسی مقصد کو نقصان پہنچائے۔ شرعی اعتبار سے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ نومسلموں کے ساتھ، یا ان افراد کے ساتھ جنہوں نے اسلامی احکام کا التزام ابھی حال ہی میں کیا ہے، اس عمل کے دوران ان کے حق میں آسانی برتی جائے اور تدریج اختیار کی جائے، جبکہ مسلسل ان کی ذہن سازی کی جاتی رہے اور ان کو ترغیب دی جائے، یہاں تک کہ وہ خود اپنے علم واطمینان کی وجہ سے ان فاسد رواجوں کو چھوڑ دیں، جن سے وہ مانوس تھے۔ البتہ ان رسم ورواج میں سے جو شریعت کے ساتھ متعارض نہ ہو، اس پر ان کو برقرار رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگرچہ مسلم ممالک میں رائج رسم ورواج سے ہم آہنگ نہ ہو۔ دیکھیے: شمالی امریکہ کے علماء شریعت کے رابطہ کی پہلی فقہی کانفرنس کی قراردادیں، منعقدہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے صوبہ ''مشی گن'' کے شہر ''ڈیٹرویٹ'' بہ تاریخ: ۱۹-۲۲/نومبر، ۱۹۹۹ء

اسے ضروری حاصل ہو۔اسی طرح کمالی اور تحسینی کے بارے میں بہت زیادہ رنگ برنگی اور نئے نئے طریقے نکالنا تہذیب کے زوال کا باعث بنتا ہے۔(۱۰۷)

لہٰذا امریکی مسلم خاندان کی اولویات کی ترتیب ضروری ہے۔یہ اس طرح ممکن ہے کہ دونوں صنف: مرد اور عورت کے درمیان تعلق منظّم کرنے اور نکاح وطلاق سے متعلق احکام اکٹھے کر دیئے جائیں، تاکہ جماعت اپنی قوت وجود میں لا سکے، خود اپنا دفاع کر سکے اور اپنی دعوت کو عام کر سکے، تاکہ وہ اعتقادی فریضہ وجود میں آئے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو مکلّف بنایا ہے اور جسے انجام دینے سے اس امت کی بہتری کو مربوط کیا ہے۔(۱۰۸)

یہاں مؤثر وواضح منہج کے مطابق مسلمات اور بدلتے ہوئے امور کی تحدید کی اہمیت عیاں ہے۔

پس منہجیت اس طریقہ کے بیان کا علم شمار ہوتی ہے جو اقدامات یا ان وسائل سے واقفیت فراہم کرتا ہے جن کے ذریعہ اصول واحوال کے تقاضے کے مطابق افضل اور اکمل طریقہ پر ہدف ومقصد تک رسائی کا تحقق ہوتا ہے۔منہجیت کے اہم ترین ذمہ داری وضاحت، نظام اور انضباط ہے۔ان ذمہ داریوں میں سے کسی ذمہ داری کے نہ ہونے سے منہجیت اپنے جوہر اور مفہوم کو کھو دیتی ہے۔نمایاں ترین اوصاف جن سے منہجیت کا متصف ہونا ضروری ہے، وہ سرگرمی کی منہجی مہارت اور مسلم خاندان کو جن چیلنجز کا سامنا ہے، ان کے بارے میں مقاصد شریعت کو بروئے عمل لانا ہے۔

اس طرح تمام ادوار میں انسانیت کے مسائل کے حل کے سلسلہ میں ''فقہ المقاصد'' کے

۱۰۷- ابن خلدون، مقدمۃ ابن خلدون، مرجع سابق، ص ۴۶۸

۱۰۸- رافعی، مصطفیٰ صادق، الاسلام انطلاق لا جمود، قاہرہ، المجلس الاعلی للشؤون الإسلامیہ، الکتاب الثلاثون، ۱۹۶۶ء، ص ۲۲۔

اصول کی بنیاد خطاب قرآنی کی عالمی ہونے پر ہے۔ اسی کے ساتھ اصولی قواعد کا مطالعہ بالخصوص مقاصد کا مطالعہ بھی ضروری ہے، نیز شارع اور مکلّف کے مقاصد کے فرق کو بھی ملحوظ رکھنا، انسانی صورت حال کی سمجھ کے سلسلہ میں ''تنقیح مناط'' کے منہج کا استعمال، پیش رو علماء کے فتاوی اور فیصلے سے، فتوے کے لیے ان کو مطلق مرجع قرار دیئے بغیر، استفادہ، فتوی میں انضباط پیدا کرنے والے منہجی قواعد کی تطبیق کی اہمیت پر زور دینا بھی لازم ہے۔ ساتھ ہی تصحیح اور قیمت کے تعین کے لیے ان پر مرتب ہونے والے اثرات کا جائزہ بھی ضروری ہے۔ اس طرح فتوی فقہ اور حقیقی صورت حال کے درمیان ایک مضبوط کڑی ثابت ہوگا۔ جیسا کہ یہ حقیقت صحابہ بالخصوص شیخین ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فقہ کا مطالعہ کرنے سے عیاں ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی فقہ اور فتاوی کا وصف یہ ہے کہ ان کے اندر جزئیات کو کلیات کی طرف اس طرح لوٹایا جاتا ہے کہ اس میں وضاحت کے ساتھ ان اقدار و مقاصد کو ملحوظ رکھنا عیاں ہوتا ہے۔ ہمارے علماء اصولیین جیسے: شاطبی اور ان کے پیش رو حضرات نے مکلفین کے مقاصد کو واشگاف کیا ہے اور ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی شکل میں مکلّف کے مقاصد کو وجود میں لانے کو پختہ کیا ہے۔ البتہ آج اہم یہ ہے کہ ان بلند ترین مقاصد کو مکلفین سے تعلق رکھنے والے مقاصد سے جوڑ دیا جائے۔

خاتمہ:

زیادہ تر ابحاث جنہوں نے مقاصد کو موضوع بنایا ہے ان کی بالعموم یہ کوشش ہوتی ہے کہ مقاصد کو نظریاتی طور پر پیش کر دیا جائے۔ اس کو دیکھتے ہوئے ہم نے اپنی اس بحث میں ایک اہم دائرہ یعنی خاندان کے دائرہ میں عملی طور پر مقاصد کے موضوع کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس بحث میں امریکی سماج کے مسلم گروپ کی صورت حال سے تطبیقی نمونے پیش کیے گئے ہیں، تاکہ خاندانی مسائل کے شعبہ میں مقاصد کو مؤثر بنانے کی اہمیت کو نمایاں کیا جاسکے،

ایک ایسی کوشش کے طور پر جو میرے متواضع علم کے مطابق مقاصدی ابحاث بالخصوص خاندانی ابحاث کے میدان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش شمار ہوگی۔

اس بحث میں صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کے اندر ایسے ضوابط اور حفاظتی اقدامات پیش کیے گئے ہیں جن کا مقصد اجتہاد مقاصدی کا انضباط اور اس مسلم گروپ کی صورت حال کے اندر اسے مؤثر بنانے کا تحفظ ہے، جسے بہت سے چیلنجز اور اندرونی و بیرونی تبدیلیوں کا سامنا ہے۔ اس بحث کے عمومی خلاصہ کی حیثیت سے درج ذیل حقائق پر زور دینا ممکن ہے:

۱- خاندانی مقاصد کو مؤثر بنانے کی ضرورت ہے۔ نمایاں ترین خاندانی مقاصد یہ ہیں: شرعی عقد نکاح کو وجود میں لانا۔ خاندانی استحکام اور سکون و اطمینان کو وجود میں لانا۔ نسل کا تحفظ۔ عورت اور مرد کے درمیان تعلق کو منضبط کرنا۔ حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرنا۔

۲- مقاصد پر عمل اور ان کی اہمیت پر زور دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان مغربی سماجوں میں مدغم ہونے کے نظریہ کے تحت جن میں مختلف مسلم گروپس زندگی گزار رہے ہیں شرعی احکام کو کالعدم قرار دیا جائے، یا قانون سازی کو معطل کر دیا جائے، نیز اپنا تشخص کھو دیا جائے، بلکہ اس لئے ہے کہ مقاصد پر عمل اسلامی شریعت کے احکام سے کھلواڑ کیے جانے سے حقیقی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

۳- اس اجتہاد مقاصدی کے انضباط کے عمل کا اہتمام ضروری ہے جو خاندانی مقاصد کو واشگاف کرنے کے وسائل، نیز ان کو مؤثر بنانے کے وسائل کو شامل ہیں۔ اس ضرورت کی اہمیت ان معاصر چیلنجز کے پس منظر میں پختہ ہے، جن سے بالعموم مغربی سماج اور بالخصوص امریکی مسلم سماج گزر رہا ہے۔

۴- مقاصد کو مؤثر بنانے کے نمایاں ترین ضوابط ہیں: مقاصد معلوم کرنے اور مؤثر بنانے کے سلسلہ میں نصوص کی حاکمیت، موجودہ صورت حال کی سمجھ بوجھ اور افعال کے انجام کا اعتبار کرنا۔

اسی وجہ سے فقہی اور دینی اکیڈمیوں کی تاسیس کی ضرورت نمایاں ہے، جو تحقیقاتی اداروں کے ساتھ تعاون کریں اور شرعی پہلو سے خاندان کے مسائل پر گفتگو کے لیے، نیز سنجیدہ علمی اور ایسے جماعتی طریقہ پر جس پر اہل علم کی رائے کا اتفاق ہو، بڑے چیلنجز کے حل کے لیے ائمہ، فقہاء، اصولیین، وکلاء ماہرین سماجیات ونفسیات، ماہرین معاشیات اور سیاست وغیرہ کو جمع کرے۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ امریکی مسلم گروپ کی ذہن سازی کی جائے کہ اس نوع انسانی کا دوام جو عہد الٰہی سے مربوط ہے، جس کے نتیجہ میں استخلاف (یعنی خلیفہ بنائے جانے کا عمل) ہوا، اور اس میں انسان نے اس زندگی کے اندر امانت، آزمائش اور امتحان کی ذمہ داری سنبھالی، وہ اس بنیاد پر قائم ہے کہ ادارہ کی حیثیت سے خاندان کی تشکیل ہو، جو شرعی عقد نکاح سے وجود میں آئے۔ اس کا تقاضا ہے کہ اس خاندان کے سلسلہ میں تشریعی مقاصد کی اہمیت کے بارے میں مسلم گروپ کی ذہن سازی کی خاطر علماء، ائمہ مساجد، معلمین سماجیات اور ذرائع ابلاغ کے ماہرین کے درمیان تعاون کی ضرورت ہے۔ جو خاندان سے متعلق متعدد تصورات و مفاہیم کی تطبیق کے ذریعہ پاکدامنی کے اصول پر مبنی ہو، ان تصورات میں سے بعض یہ ہیں: نگاہ نیچی رکھی جائے، ستر کو چھپایا جائے، عورت حجاب وغیرہ کو اختیار کرے، معنوی اعتبار سے اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر اس چیز سے دور رہا جائے جو فطری جنسی خواہش کو بھڑکائے۔ اس میں پست ذرائع ابلاغ، اباحیت اور جنسی بے راہ روی والے میگزین اور ایسی جگہوں پر جانا سب شامل ہیں، جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہاں جنسی خواہش بھڑکے گی، جیسے: عمومی سوئمنگ پول (عمومی تیراکی کی جگہیں) مخلوط ورزش کی جگہیں وغیرہ۔ ضروری ہے کہ یہ ذہن سازی مختلف قسم کے جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال کر کے ہو۔ آج کل انٹرنیٹ ان اہم ترین وسائل میں سے ایک ہے، مزید برآں اس سلسلہ میں جمعہ کے خطبات کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، نیز اسکول کی ہفتہ واری چھٹی اور جوانوں اور خواتین کی مجالس کا بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

شعور کی حالت پیدا کرنے کی بھی ضرورت ہے، نیز تمام مشروع و جائز وسائل کے ذریعہ شرعی عقد نکاح کی تسہیل کے اصول کو عام کرنے اور ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کی بھی ضرورت ہے جن کا جوانوں کو سامنا ہے اور جن کے نتیجہ میں دونوں صنف: مرد اور عورت کے درمیان ناجائز تعلقات کی کئی صورتوں کو مباح ٹھہرالیا گیا ہے۔ ائمہ اور علماء پر ضروری ہے کہ جمعہ کے خطبات، ہفتہ واری مجالس اور کانفرنس وغیرہ کا استعمال اس مقصد سے کریں کہ والدین کو شوہر اور بیوی کے انتخاب کے شرائط کی اہمیت سے آگاہ کریں، نیز ان ''اولویات'' سے باخبر کریں، جن کی رعایت انتخاب کے وقت ضروری ہے، ساتھ ہی مذہبی اور قومی تعصب کے قلادہ کو اتار پھینکنے کی ضرورت پر زور دیں، یہ بھی بتایا جائے کہ مناسب انتخاب کو وجود میں لانے کی کاوش کی جائے، جو صالح خاندان کی تشکیل کا باعث بنے، جس سے زمین پر خاندان کے استخلافی کردار کی انجام دہی ہو سکے۔ یہ مقصد اس وقت پورا ہوگا جبکہ مختلف خاندانی مسائل کے بارے میں جوانوں اور ان کے گھر والوں کی ذہن سازی کے سلسلہ میں مساجد، اسلامی مراکز اور خاندانوں کے درمیان بڑے پیمانہ پر تعاون ہو، نیز ان چیلنجز کے سلسلہ میں بھی ذہن سازی کے بارے میں تعاون ہو، جن کا سامنا بالخصوص ریاستہائے متحدہ امریکہ میں خاندان کے ادارہ کو ہے۔

اسی طرح مناسب ہے کہ مسلم خاندانوں، ائمہ مساجد اور اہل خیر کو ترغیب دلائی جائے کہ نکاح کے تقاضے کو پورا کرنے کے سلسلہ میں جوانوں کی مدد کی جائے۔ اس کی خاطر بجٹ کی تخصیص بھی کی جاسکتی ہے، جس میں خاندان مساجد اور مراکز کے تعاون کے ساتھ شریک ہوں، تاکہ نکاح کی رغبت رکھنے والے جوانوں کی مدد کی جاسکے۔ نیز ایسے ادارے کی تشکیل کی بھی کوشش کی جائے جو شرعی دائرہ کے اندر منظّم پروگرام کریں۔ جو نکاح کی ذمہ داری اٹھانے، نیز اس میدان کی مہارت، تجربہ، حکمت اور اہلیت رکھنے والے مسلمان ماہرین کی موجودگی میں نیک شوہر اور بیویوں کے انتخاب کے لیے جوانوں کو تیار کرے، ماہرین بھی انتخاب میں ان کی مدد

کریں۔اس معاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ نکاح سے پہلے کے مرحلہ میں جوانوں کو تیار کرنے اور رفیق حیات کے انتخاب میں مدد دینے، اس سلسلہ میں اسلامی اصول کی واقفیت، ذمہ داری برداشت کرنے کے لیے تربیت اور ٹریننگ، زوجیت کے مفاہیم کے ادراک اور نئے خاندان کے ادارہ کے تحفظ کے لیے میاں بیوی کے درمیان تعامل کے مقصد سے مشاورتی پروگرام تیار کیے جائیں، اس حیثیت سے کہ خاندان ماڈل مسلم خاندان، پھر امت کی تعمیر وتشکیل کے سلسلہ میں انسانی تعلقات کو منظّم کرنے والا ادارہ بنے۔

ائمہ، فقہاء اور مسلم گروپ کے درمیان شعور کو عام کرنا بھی ضروری ہے، نیز خاندانی تشدد کی سنگینی اور نیچر سے بھی آگاہ کیا جائے اور خاندان میں تشدد کی سرگرمیوں سے پیدا ہونے والے اثرات کا تجزیہ بھی کیا جائے۔

مناسب ہے کہ ائمہ مساجد، اسلامی مراکز کے ذمہ دار اور مسلم گروپ کے قائدین ان جرائم کو واشگاف کریں، نیز سماجی نگرانی کی تشکیل کی بھی کوشش کی جائے۔ یہ اس طرح بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے گھر والوں کے خلاف تشدد کے جرائم کے ارتکاب کا سابقہ ریکارڈ رکھنے والوں کے بارے میں مسلم گروپ کے افراد کو خبردار کیا جائے۔ نیز مسلم گروپ کی قیادت کے درمیان ایک معاہدہ کی تشکیل کی جائے جو اس قسم کے لوگوں کو سماجی طور پر سزا دینے کے طریقہ پر مشتمل ہو، تاکہ شروع ہی سے ظلم کے پیش آنے کو روکا جاسکے۔ جوانوں کو نکاح کی اجازت اسی وقت دی جائے گی، جبکہ وہ ان امراض کا علاج کرالیں جن سے وہ دوچار ہیں۔ اسی طرح مساجد کے اندر اس طرح کے افراد کو اہل بنانے میں مدد دینے کے لیے مخصوص روحانی اور تربیتی حلقے قائم کیے جائیں اور اسباق فراہم کیے جائیں۔ مسلم گروپ کے درمیان اس سلسلہ میں شعور عام کرنا ضروری ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ دوبارہ تعلق کی تشکیل کی بڑی اہمیت ہے کہ اس طرح قرآن کریم میں غور و فکر اور تدبر کیا جائے کہ قاری اور کتاب اللہ کے درمیان گفتگو کا دروازہ وا ہو، تاکہ قرآن مجید سے

ہماری واقفیت کی دوبارہ تشکیل ہو سکے۔ ہم یقینی طور پر اس کا ادراک کر سکیں کہ قرآن مجید کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے اندر اپنے رسول اور ختم نبوت کے بعد دائمی نبی اور ابدی رسول بنایا ہے جو دنیا اور آخرت کے ہمارے تمام لازمی امور کے سلسلہ میں ہمارے لیے درست منہج، ہدایت و رہنمائی اور درستگی کا حامل ہے۔

ایسا اس طرح ممکن ہے کہ اسباق اخذ کرنے اور روزانہ و ہفتہ واری حلقے میں حاضر ہونے کے دوران قرآن کریم پر غور و تدبر کیا جائے، مساجد کے تعلیمی پروگرام کا اسے دارومدار بنایا جائے تاکہ کمسنی سے ہی حسن تدبر اور قرآن کریم کے ساتھ درست تعلق کی تعمیر و تشکیل کے سلسلہ میں اولاد کی تربیت کی جا سکے، کہ یہ تعلق حفظ اور حسن ترتیل تک محدود نہ رہے، بلکہ یہ تعلق فہم، احاطہ اور قرآن کریم کے ساتھ براہ راست تعامل کا ہو۔ تغیر و تبدل سے محفوظ مسلمات اور ان ضوابط کا استحضار کر کے اجتہاد مقاصدی کی سرگرمی بھی ضروری ہے، جن کو اس بحث میں واضح کیا گیا ہے، جو نصوص کی حاکمیت، موجودہ صورت حال کی سمجھ بوجھ اور افعال کے انجام کا اعتبار ہے۔

اسی طرح ''فقہ الاولویات'' اور ''فقہ الموازنات'' کی رعایت بھی ضروری ہے، نیز قطعیات اور ظنیات کے درمیان تعارض کے حل کے سلسلہ میں اس کی اہمیت کا بیان بھی ضروری ہے۔ ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کی ترتیب کے سلسلہ میں دقیقہ سنجی بھی ضروری ہے۔ کلی ہمہ گیر نگاہ کے ذریعہ وسائل اور مقاصد کے درمیان فرق کرنا بھی لازم ہے، جس سے موجودہ دور کے نمایاں ترین چیلنجز کے واضح ترین جوابات کی فراہمی ہو سکے۔

☆☆☆

مراجع

عربی مراجع:

- ابن حاجب ، ابوعمر وعثمان بن عمر، ''منتہی الوصول والأمل فی علمی الأصول والجدل''، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۹۸۵ء
- ابن الہمام، کمال الدین، ''فتح القدیر شرح الہدایہ'' قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، د.ت.
- ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، ''نظریۃ العقد''، قاہرہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، ۱۳۶۸ھ۔
- ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، مجموع الفتاوی الکبری، تحقیق: عبد الرحمٰن بن محمد بن قاسم، ریاض، مطابع الریاض، ۱۳۸۱ھ۔
- ابن جزی، محمد بن احمد، قوانین الاحکام الشرعیۃ ومسائل الفروع الفقہیہ، بیروت، دارالعلم للملایین (د.ت)۔
- ابن حزم، ابومحمد، المحلی بتعلیق: احمد شاکر، قاہرہ، مطبعۃ منیر الدمشقی، ۱۳۵۲ھ۔
- ابن حزم، علی بن محمد، الاحکام فی أصول الأحکام، بیروت، دارالآفاق الجدیدۃ، ۱۹۸۳ء۔
- ابن حزم، علی بن محمد، ''النبذ فی أصول الفقہ'' تقدیم وتحقیق: احمد حجازی السقا، قاہرہ، مکتبۃ الکلیات الازہریۃ، ط:۱، ۱۹۸۱ء۔
- ابن خلدون، عبدالرحمٰن، مقدمۃ ابن خلدون، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۹۹۲ء۔
- ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، بیروت، دارالمعرفہ، ۱۹۸۲ء۔

- ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، قاہرہ، مطبعۃ بولاق، ۱۲۸۲ھ۔
- ابن عاشور، محمد طاہر، اصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، تونس، الجزائر، الشرکۃ التونسیۃ للتوزیع، المؤسسۃ الوطنیۃ للکتاب، ۱۹۸۵ء۔
- ابن عاشور، محمد طاہر، تفسیر التحریر والتنویر، تونس، الجزائر، الدار التونسیۃ للنشر، المؤسسۃ الوطنیۃ للکتاب، ۱۹۸۴ء۔
- ابن عاشور، محمد طاہر، مقاصد الشریعۃ، تونس، الشرکۃ التونسیۃ للتوزیع ۱۹۷۸ء۔
- ابن عبد السلام، عز الدین، مقاصد الصلاۃ، تحقیق: ایاد خالد طباع، بیروت۔ دمشق، دار الفکر المعاصر، ۱۹۹۵ء۔
- ابن عبد السلام، عز الدین، قواعد الاحکام فی مصالح الانام، ضبط: عبد اللطیف حسن عبد الرحمٰن، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ط:۱، ۱۹۹۹ء۔
- ابن عبد السلام، عز الدین، مقاصد الصوم، تحقیق: ایاد خالد الطباع، بیروت، دمشق، دار الفکر المعاصر ۱۹۹۵ء۔
- ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، المغنی علی مختصر الخرقی، قاہرہ، ہجر، ط:۱، ۱۹۹۰ء۔
- ابن قدامہ، عبد اللہ بن احمد، المغنی، دمشق، دار الفکر، ط:۱، ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء۔
- ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء، اسماعیل بن عمر تفسیر القرآن العظیم، تقدیم: عبد القادر ارناؤوط، دمشق، ریاض، مکتبۃ دار الفیحاء للطباعۃ والنشر والتوزیع، مکتبۃ دار السلام، ط:۱، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔
- قزوینی، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، تحقیق: محمد عبد الباقی، قاہرہ، عیسی حلبی، کتاب الطلاق، ۱۹۸۳ء۔

- ابن منظور، ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، قاہرہ، دارالمعارف، ۱۹۷۹ء۔
- ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر علی مذہب ابی حنیفہ النعمان، بیروت، دارالکتب العلمیۃ ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء۔
- ابن نجیم، زین العابدین بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، تحقیق: عبدالعزیز محمد وکیل، قاہرہ، مؤسسۃ الحلبی وشرکاؤہ، ۱۹۶۸ء۔
- ابوالفضل، منی، علوانی، طہ جابر، مفاہیم محوریۃ فی المنہج والمنہجیۃ، قاہرہ، دارالسلام للطباعۃ والنشر والتوزیع والترجمۃ، ۲۰۰۹ء۔
- ابوزہرہ، محمد، ''الاحوال الشخصیۃ''، قاہرہ، دارالفکرالعربی، ط: ۳۔
- ابوزہرہ، محمد، تاریخ المذاہب الاسلامیۃ فی السیاسۃ والعقائد وتاریخ المذہب الفقہیۃ، قاہرہ، دارالفکرالعربی (د.ت)۔
- ارسلان شکیب، تاریخ غزوات العرب، بیروت، دارمکتبۃ الحیاۃ، ۱۹۶۶ء۔
- اسنوی، جمال الدین عبدالرحیم، نہایۃ السول شرح منہاج البیضاوی، قاہرہ، طبعہ قبیح، والسلفیۃ (د.ت)۔
- اصفہانی، راغب، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ، تحقیق: ابوالیزید عجمی، قاہرہ، دارالصحوۃ للنشر والتوزیع، ط: ۱، ۱۹۸۵ء۔
- اصفہانی، راغب، المفردات فی غریب القرآن، تحقیق: محمد سید کیلانی، بیروت، دارالمعرفۃ (د.ت)۔
- اصفہانی، راغب، تفصیل النشأتین وتحصیل السعادتین، تحقیق: عبدالمجید نجار، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۸۷ء۔

- افغانی، جمال الدین عبدہ محمد، العروۃ الوثقی، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۸۰ء۔
- آلوسی محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، قاہرہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ (د.ت)۔
- امام، محمد کمال الدین، الزواج والطلاق فی الفقہ الاسلامی، بیروت، المؤسسۃ الجامعیۃ، ط:۱، ۱۹۹۶ء۔
- آمدی، سیف الدین ابوالحسن علی بن ابی علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۳ء۔
- اصبحی مالک بن انس، ''المدونۃ الکبری بروایۃ سحنون، قاہرہ، مطبعۃ السعادۃ، ۱۳۲۳ھ۔
- ایجی، عبدالرحمٰن، المواقف، تحقیق: عبدالرحمٰن عمیرہ، بیروت، دار الجیل، ط:۱، ۱۹۹۷ء۔
- باجی، ابوالولید، احکام الفصول فی احکام الاصول، تحقیق: عبد المجید ترکی، بیروت، دار الغرب، ۱۹۸۶۔
- بدر محمد، المساواۃ بین الرجل والمرأۃ فی القرآن، قاہرہ، مجلۃ المحاماۃ، ۱۴۰۷ھ۔
- بدر، محمد، تاریخ قانون الزواج والأسرۃ، قاہرہ، مجلۃ المحاماۃ، ۱۴۰۹ھ۔
- بدران، ابو العینین، بدران، ادلۃ التشریع المتعارضۃ و وجوہ الترجیح بینہا، اسکندریہ، مؤسسۃ شباب الجامعۃ، (د.ت)۔
- بدران، ابو العینین بدران، الزواج والطلاق فی الاسلام، مصر، مؤسسۃ شباب الجامعۃ، ۱۹۸۹ء۔
- بسام، عبداللہ عبدالرحمٰن، ''اہل الأصلح تعیین مفتیین، أوانشاء مجمع فقہی فی امریکا للأقلیات الاسلامیۃ، مجلۃ المجمع الفقہی الاسلامی، السنۃ ۸، ع ۱۰، ۱۴۱۲/ ۱۹۹۶ء۔
- بشری، طارق، مشکلتان وقراءۃ فیہما، تقدیم وقراءۃ: طہ علوانی، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر

الاسلامی، ط:۲، ۱۹۹۲ء۔
- بوطی، محمد سعید، ضوابط المصلحۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۲ء۔
- بیضاوی، عبد اللہ بن عمر، ''انوار التنزیل و اسرار التأویل''، قاہرہ، دار الکتب العربیۃ، ۱۳۳۰ھ۔
- ترابی، حسن، تجدید الفکر الاسلامی، جدۃ، الدار السعودیۃ للنشر والتوزیع، ط:۲، ۱۹۸۷ء۔
- ترکی، عبد المجید، مناظرات فی اصول الفقہ، فرنچ سے ترجمہ: عبد الصبور شاہین، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۴۱۴ھ/ ۱۹۹۴ء۔
- ترمذی، محمد بن علی، الصلاۃ و مقاصدہا، تحقیق: حسنی نصر زیدان، قاہرہ، دار الکتاب العربی، ۱۹۶۵ء۔
- ترمذی، محمد عیسی بن سورہ، سنن الترمذی، وھو الجامع الصحیح، تحقیق: عبد الوہاب عبد اللطیف، عبد الرحمٰن محمد عثمان، بیروت، دار الفکر، ط:۲، ۱۹۸۳ء۔
- تفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر، التلویح علی التوضیح علی التنقیح، بیروت، دار الکتب العلمیۃ (د.ت)۔
- تلمسانی، محمد شریف، مفتاح الوصول فی علم الاصول، مصر، دار الکتاب العربی، ۱۹۶۲ء۔
- جبرین، جبرین محمد، العنف الاسری خلال مراحل الحیاۃ، ریاض، اصدارات مؤسسۃ الملک خالد الخیریۃ، ط:۱، ۲۰۰۵ء۔
- جرجانی، شریف علی بن محمد بن علی، التعریفات، تحقیق: ابراہیم ابیاری، مصر، دار الکتاب العربی، ط:۲، ۱۹۹۲ء۔
- جزیری، عبد الرحمٰن، مختصر الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، اختصار و حاشیۃ: ابراہیم محمد رمضان: بیروت، دار القلم (د.ت)۔

- جصاص، ابوبکر رازی، احکام القرآن، قاہرہ، المطبعۃ البہیۃ المصریۃ، ط:۱، ۱۳۴۷ھ۔
- جعفر، ہشام، الابعاد السیاسیۃ لمفہوم الحاکمیۃ، رؤیۃ معرفیۃ، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء۔
- علماء ہند کی ایک جماعت (گیارہویں صدی)، الفتاوی الہندیۃ، مصر، بولاق، المطبعۃ الامیریۃ، ۱۳۱۰ھ۔
- جندی، انور، الفکر الغربی: دراسۃ مقارنۃ، کویت، مطبعۃ فیصل، ط:۲، ۱۹۹۴ء۔
- جوزیہ، ابن القیم، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، تحقیق: شعیب وعبدالقادر ارناؤوط، بیروت، کویت، مؤسسۃ الرسالۃ، مکتبۃ المنار الاسلامیۃ، ۱۹۸۶ء۔
- جوزیہ، ابن القیم، مفتاح السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ، بیروت، دار الکتب العلمیۃ (د.ت)، جوزیہ، ابن القیم، الطرق الحکمیۃ، تقدیم وتحقیق: محمد جمیل غازی، جدہ، طبعۃ دار المدنی (د.ت)۔
- جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، قاہرہ، مطابع دار الکتاب العربی (د.ت)۔
- جوینی، ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ، البرہان فی اصول الفقہ، تحقیق: عبدالعظیم الدیب، قطر، مطابع الدوحۃ الحدیثۃ، ط:۱، ۱۳۹۹ھ۔
- حسان، حسین حامد، نظریۃ المصلحۃ فی الفقہ الاسلامی، اسلام آباد، مکتبۃ الجامعۃ الاسلامیۃ، ۱۹۸۱ء۔
- حسنی، اسماعیل، نظریۃ المقاصد عند الامام محمد طاہر بن عاشور، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء۔
- حسنی، زیبا میر حسنی، ''الطلاق فی القانون الاسلامی والممارسۃ: النموذج الایرانی، ترجمہ:

ابوبکر احمد باقادر، مجلۃ الفکر العربی، ع ۸۳، ۱۹۹۶ء۔
- حنبلی، منصور بن ادریس، کشاف القناع عن متن الاقناع، مصر، المطبعۃ الشرقیۃ، ۱۳۱۹ھ۔
- حنفی، عبدالمنعم، معجم مصطلحات الصوفیۃ، بیروت، دارالسیرۃ، ط:۱، ۱۴۰۰ھ۔
- خادمی، نورالدین بن مختار، الاجتہاد المقاصدی: حجیتہ-ضوابطہ-مجالاتہ، دوحہ: دارالاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۹۹۸ء۔
- خرشی، محمد، شرح الخرشی، قاہرہ، مطبعۃ بولاق، ۱۳۱۷ھ۔
- خروفہ، علاءالدین، شرح قانون الاحوال الشخصیۃ: مقارنۃ القانون العراقی مع قوانین البلاد العربیۃ وبیان الاحکام المماثلۃ فی الشرائع الاسلامیۃ والیہودیۃ والمسیحیۃ، بغداد، ۱۹۶۲ء۔
- خضر، عبدالعلیم عبدالرحمٰن، الانسان والکون فی القرآن والعلم، جدۃ، عالم المعرفۃ للنشر والتوزیع، ط:۱، ۱۹۸۳ء۔
- درمغانی، حسین بن محمد، قاموس القرآن أو إصلاح الوجوہ والنظائر فی القرآن، تحقیق: عبد العزیز سیدالاہل، بیروت، دارالعلم للملایین، ط:۳، ۱۹۸۰ء۔
- دراز، محمد عبداللہ، النبأ العظیم: نظرات جدیدۃ فی القرآن، تحقیق: عبدالحمید احمد دخاخنی، قاہرہ، دارالمرابطین، دارطیبہ، ۱۹۹۷ء۔
- دراز، محمد عبداللہ، دراسات اسلامیۃ فی العلاقات الاجتماعیۃ والدولیۃ، کویت، دارالقلم، ۱۹۸۴ء۔
- دراز، محمد عبداللہ، دستورالاخلاق فی القرآن: دراسۃ مقارنۃ للاخلاق النظریۃ فی القرآن، تعریب وتحقیق وتعلیق: عبدالصبور شاہین، مراجعہ: سید محمد بدوی، کویت، بیروت، دار البحوث العلمیۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، ط:۱، ۱۹۷۳ء۔
- دردیر، ابوالبرکات احمد، الشرح الکبیر علی مختصر سیدی خلیل، قاہرہ، داراحیاء الکتب العربیۃ

(د.ت)۔
- دردیر، ابوالبرکات احمد، الشرح الصغیر، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ط:۱، ۱۹۹۵ء۔
- دروزہ، محمد عزہ، الدستور القرآنی فی شئون الحیاۃ، قاہرہ، داراحیاء الکتب العربیۃ، ۱۹۵۶ء۔
- دروزہ، محمد عزہ، المرأۃ فی القرآن والسنۃ، بیروت، منشورات المکتبۃ العصریۃ، ۱۹۸۰ء۔
- دریني، فتحی عبدالقادر، نظریۃ التعسف فی استعمال الحق فی الفقہ الاسلامی، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۸ء۔
- دسوقی، احمد بن عرفہ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ مع الشرح الکبیر، قاہرہ، داراحیاء الکتب العربیۃ (د.ت)۔
- دسوقی، احمد بن عرفہ، حاشیۃ الدسوقی، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ط:۱، ۱۹۹۶ء۔
- دمشقی، علاء الدین، الاختیارات الفقہیۃ من فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر (د.ت)۔
- ذہبی، محمد حسین، ''التفسیر والمفسرون'' قاہرہ، دارالکتب الحدیثۃ، ط:۲، ۱۹۷۶ء۔
- رازی، فخر الدین محمد بن عمر بن حسین، المحصول فی علم الاصول، دراسہ وتحقیق، طہ جابر علوانی، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ط:۲، ۱۹۹۲ء۔
- رازی، فخر الدین محمد بن عمر بن حسین، مفاتیح الغیب، قاہرہ المطبعۃ الامیریۃ، ۱۲۸۹ھ۔
- رازی، محمد بن ابی بکر، مختار الصحاح، بیروت، مکتبۃ لبنان، ۱۹۹۵ء۔
- رافعی، سلامہ احمد مغربی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، مصر، المطبعۃ الامیریہ، ۱۹۰۹ء۔
- رافعی، مصطفیٰ صادق، الاسلام انطلاق لا جمود، قاہرہ، المجلس الاعلی للشؤون الاسلامیۃ، الکتاب الثلاثون، ۱۹۶۶ء۔

- ربیع، حامد، نظریۃ القیم السیاسیۃ، قاہرہ، مکتبۃ القاہرہ الحدیثۃ، ۱۹۷۲ء۔
- ربیعہ، عبد العزیز، السبب عند الاصولیین، ریاض، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ، ۱۹۸۰ء۔
- رضا، محمد رشید، الوحی المحمدی ثبوت النبوۃ بالقرآن، بیروت، مؤسسۃ عزالدین للطباعۃ والنشر، ط:۲، ۱۳۵۲ھ۔
- رضا، محمد رشید، تفسیر المنار، تفسیر القرآن الحکیم، قاہرہ، مطبعۃ المنار، ط:۱، ۱۳۴۶ھ۔
- رضا، محمد رشید، تفسیر المنار، بیروت، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ط:۲، ۱۹۷۱ء۔
- ریسونی، احمد، الفکر المقاصدی، قواعدہ وفوائدہ، الدار البیضاء، مطبعۃ النجاح الجدیدۃ، ۱۹۹۹ء۔
- ریسونی، احمد، نظریۃ المقاصد عند الامام الشاطبی، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۲ء۔
- زرقا، مصطفیٰ، مشروع قانون الاحوال الشخصیۃ الموحد (د.م)، (د.ن.)، (د.ت.)۔
- زرقا، مصطفیٰ، شرح القواعد الفقہیۃ، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۸۳ء۔
- زرکشی، بدرالدین، البحر المحیط، کویت، وزارۃ الاوقاف، ۱۹۸۸ء
- زمخشری، محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، قاہرہ، مطبعۃ الاستقامۃ، ۱۹۴۶ء۔
- زید، مصطفیٰ، المصلحۃ فی التشریع الاسلامی ونجم الدین طوفی، قاہرہ، دار الفکر العربی، ۱۹۶۴ء۔
- زیدان، عبدالکریم، المفصل فی احکام المرأۃ، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ، ط:۱، ۱۹۹۳ء۔
- سباعی، مصطفیٰ، المرأۃ بین الفقہ والقانون، بیروت، المکتب الاسلامی، ط:۶، ۱۹۸۴ء۔
- سجستانی، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید، بیروت، المکتبۃ

العصریۃ، ۱۹۹۵ء۔
- سرخسی، شمس الدین، المبسوط، بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، ط: ۳، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔
- سرخسی، محمد بن احمد، المبسوط، قاہرہ، مطبعۃ السعادۃ، (د.ت.)۔
- سعید صادق، رسالۃ المنہج القانونی فی الولایات المتحدۃ الامریکیۃ، دار النہضۃ، ۱۹۷۷ء۔
- سلمی، عیاض، استدلال الاصولیین بالکتاب والسنۃ علی القواعد الاصولیۃ، ریاض، فہرست: مکتبۃ الملک فہد الوطنیۃ اثناء النشر، ط: ۱، ۱۴۱۸ھ۔
- سماک، محمد، ''حقوق الطفل بین الشرعۃ والشریعۃ''، بیروت، دار الاجتہاد، مجلۃ الاجتہاد، ع ۳۹-۴۰، ۱۹۹۸ء۔
- شاطبی، ابراہیم بن سوسی لخمی، الاعتصام، تحقیق: محمد رشید رضا، بیروت، دار المعرفۃ (د.ت.)۔
- شاطبی، ابراہیم بن مسوی لخمی، الاعتصام، تحقیق: محمد رشید رضا، قاہرہ، مطبعۃ المنار، ۱۳۳۲ھ۔
- شاطبی، ابراہیم بن موسی لخمی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، تحقیق: محمد عبداللہ دراز، بیروت، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، ط: ۲، ۱۹۷۵ء۔
- شافعی، محمد بن ادریس، الام مع مختصر المزنی، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۰ء۔
- شافعی، محمد بن ادریس، الام، قاہرہ، شرکۃ الطباعۃ الفنیۃ المتحدۃ، ۱۳۸۱ھ۔
- شافعی، محمد بن ادریس، الرسالۃ، تحقیق: احمد محمد شاکر، قاہرہ، المطبعۃ الامیریۃ، ۱۳۲۱ھ۔
- شاوی، توفیق، فقہ الشوری والاستشارۃ، منصورہ، دار الوفاء للطباعۃ والنشر والتوزیع، ط: ۲، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء۔

- شبیر، محمد عثمان، القواعد الکلیۃ والضوابط الفقہیۃ، عمان، دار الفرقان، ط:۱، ۲۰۰۰ء۔
- شربینی، محمد خطیب، مغنی المحتاج الی معرفۃ الفاظ المنہاج، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء۔
- شربینی، محمد خطیب، مغنی المحتاج شرح متن المنہاج للنووی، بیروت، دار الاحیاء العربی (د.ت.)۔
- شعراوی، محمد متولی، القرآن الکریم معجزۃ ومنہج، بیروت، دار الندوۃ الجدیدۃ، ۱۹۸۷ء۔
- شلبی، محمد مصطفیٰ، تعلیل الاحکام: عرض وتحلیل لطریقۃ التعلیل وتطوراتہا فی عصور الاجتہاد والتقلید، بیروت، دار النہضۃ العربیۃ للطباعۃ والنشر، ۱۹۸۱ء۔
- شلتوت، محمود، الاسلام عقیدۃ وشریعۃ، قاہرہ، دار الشروق، ط:۱۲، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء۔
- شلتوت، محمود، تفسیر القرآن العظیم، کویت، دار القلم، ۱۹۶۶ء۔
- شوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، قاہرہ، مکتبۃ مصطفیٰ حلبی، ۱۹۶۴ء۔
- شوکانی، محمد بن علی، فتح القدیر، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ حلبی، ۱۳۴۹ھ۔
- شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخیار من احادیث سید الاخیار، قاہرہ، المطبعۃ العثمانیۃ المصریۃ، ۱۳۵۷ھ۔
- شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ حلبی، ۱۳۴۷ھ۔
- شیرازی، ابواسحاق، المہذب فی فقہ الامام الشافعی، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ط:۱، ۱۹۹۴ء۔
- شیرازی، ابواسحاق المہذب مع شرحہ المجموع، قاہرہ، مطبعۃ العاصمۃ (د.ت.)۔
- صالح، امانی، ''قضیۃ النوع فی القرآن: منظومۃ الزوجیۃ بین قطبی الجندر والقوامۃ''، المرأۃ

والحضارۃ، ع ۳، شعبان ۱۴۲۳ھ/ اکتوبر ۲۰۰۲ء۔
- صغیر، عبد المجید، الفکر الاصولی و إشکالیۃ السلطۃ العلمیۃ فی الاسلام: قراءۃ فی نشأۃ علم الاصول ومقاصد الشریعۃ، بیروت، دار المنتخب العربی للدراسات والنشر، ۱۹۹۴ء۔
- صنعانی، محمد بن اسماعیل، سبل السلام شرح بلوغ المرام، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ حلبی، ط: ۴، ۱۹۶۰ء۔
- صلیبا، جمیل، المعجم الفلسفی، بیروت، دار الکتاب اللبنانی، ۱۹۷۸ء۔
- طبری، ابن جریر، جامع البیان عن تأویل آی القرآن، قاہرہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ، ط: ۳، ۱۹۶۸ء۔
- طبری، ابن جریر، جامع البیان وتأویل القرآن، تقدیم: احمد محمد شاکر، قاہرہ، دار المعرفۃ، ۱۹۵۰ء۔
- طوفی، سلیمان بن عبد القوی، البلبل فی اصول الفقہ، بیروت، عالم الکتب، ط: ۱، ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء۔
- طوفی، سلیمان بن عبد القوی، التعیین فی شرح الاربعین، بیروت، مؤسسۃ الریان، ۱۴۱۹ھ۔
- عارف، نصر محمد، الحضارۃ - الثقافۃ - المدنیۃ: دراسۃ لسیرۃ المصطلح ودلالۃ المفہوم، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۴ء۔
- عارف، نصر محمد، نظریات التنمیۃ السیاسیۃ المعاصرۃ، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۲ء۔
- عالم، یوسف، مقاصد الشریعۃ العامۃ، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ط: ۱، ۱۹۹۱ء۔

- عبدالمجید، عرفان، الیہودیۃ: عرض تاریخی والحرکات الحدیثۃ فی الیہودیۃ، عثمان، دارعمار، بیروت، دارالبیارق، ط:۱، ۱۹۹۷ء۔
- عبدالقادر، خالد، فقہ الاقلیات المسلمۃ، لبنان، دارالایمان، ۱۹۹۸ء۔
- عبدالمعطی، عبدالباسط محمد، البحث الاجتماعی محاولۃ نحو رؤیۃ نقدیۃ لمنہجہ وأبعادہ، مصر، دارالمعرفۃ الجامعیۃ، ۱۹۹۴ء۔
- عزت، ہبہ رؤوف، المرأۃ والعمل السیاسی: رؤیۃ اسلامیۃ، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء۔
- عسقلانی، ابن حجر، صحیح البخاری بشرح فتح الباری، بیروت، دارالفکر (د.ت)۔
- عسقلانی، ابن حجر، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، تحقیق: عبدالعزیز عبداللہ بن باز، ریاض، المطبعۃ السّلفیہ، ۱۳۸۲ھ۔
- عطیہ، جمال الدین، نحو تفعیل مقاصد الشریعۃ، عمان، دمشق، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، دارالفکر، ۲۰۰۱ء۔
- عقاد، عباس محمود، موسوعۃ عباس محمود العقادالاسلامیۃ، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۹۷۱ء۔
- علوان، فہمی، القیم الضروریۃ ومقاصد التشریع الاسلامی، قاہرہ، الہیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، ۱۹۸۹ء۔
- علوانی، رقیہ طہ، اثر العرف فی فہم النصوص: قضایا المرأۃ نموذجاً، دمشق، دارالفکر، ۲۰۰۳ء۔
- علوانی، طہ جابر، ''مدخل إلی فقہ الأقلیات''، ندوۃ تطور العلوم الفقہیۃ، عمان، وزارۃ الاوقاف والشؤون الدینیۃ ۴/۸/۲۰۰۹ء۔
- علوانی، طہ، مقاصد الشریعۃ، مجلۃ قضایا اسلامیۃ معاصرۃ، ع ۲۸، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔

- علوانی، طہ، اصول الفقہ الاسلامی: منہج بحث ومعرفۃ، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۵ء۔
- علوانی، طہ، الوحدۃ البنائیۃ للقرآن المجید، قاہرہ، مکتبۃ الشروق الدولیۃ، ۲۰۰۶ء۔
- علوانی، طہ، فی فقہ الاقلیات المسلمۃ، قاہرہ، نہضۃ مصر للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۰۰۰ء۔
- علوانی، طہ، لبنان القرآن ومستقبل الامۃ القطب، قاہرہ، مکتبہ الشروق، الدولیۃ، ۲۰۰۶ء۔
- علوانی، طہ، مقاصد الشریعۃ، بیروت، دار الہادی للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۰۰۱ء۔
- عمر، سید، حول مفہوم الامۃ فی قرن: نقد تراکمی مقارن، مجموعہ باحثین، الامۃ فی قرن: الماہیۃ۔المکانۃ-الامکانیۃ، قاہرہ، مکتبۃ الشروق الدولیۃ، ۲۰۰۱ء۔
- عودہ، جاسر، فقہ المقاصد: اناطۃ الاحکام الشرعیۃ بمقاصدہا، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۲۰۰۶ء۔
- غزالی، ابوحامد، احیاء علوم الدین، بیروت، دار المعرفۃ، (د.ت.)۔
- غزالی، ابوحامد، المستصطفی فی علم الاصول، ترتیب: محمد عبد السلام الشافی، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۳ء۔
- غزالی، ابوحامد، المخول من تعلیقات الاصول، تحقیق: محمد حسن، ہیتو، دمشق، دار الفکر، ۱۹۷۰ء۔
- غزالی، ابوحامد، شفاء الغلیل، تحقیق: حمد کبیسی، عراق، احیاء التراث الاسلامی، ۱۹۷۰ء۔
- غزالی، محمد، کیف نتعامل مع القرآن، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ۱۹۹۱ء۔
- غزالی، محمد، قضایا المرأۃ بین التقالید الراکدۃ والوافدۃ، بیروت، دار الشروق، ۱۹۹۰ء۔
- فاسی، علال، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ ومکارمہا، بیروت، دار الغرب، ۱۹۹۳ء۔

- فرج، احمد، الأسرۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ، قاہرہ، دار الوفاء، ۱۹۸۹ء۔
- فرج، احمد، الزواج وأحکامہ فی مذہب أہل السنۃ، قاہرہ، دار الوفاء، ۱۹۸۹ء۔
- فرج، احمد، الفرقۃ بین الزوجین وأحکامہا فی مذہب أہل السنۃ، قاہرہ، دار الوفاء، ۱۹۹۰ء۔
- فضل اللہ، محمد حسین، من وحی القرآن، بیروت، دار الزہراء، للطباعۃ والنشر، ط:۳، ۱۹۸۵ء۔
- فضل اللہ، مہدی، ''الاجتہاد والمنطق الفقہی فی الاسلام''، بیروت، دار الطلیعۃ، ۱۹۸۷ء۔
- فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب، ''القاموس المحیط''، بیروت، مطبعۃ الرسالہ، ۱۹۸۷ء۔
- قحف، عمار، ''الأحکام الشرعیۃ الناظمۃ للعادات الاجتماعیۃ للأقلیات المسلمۃ فی أمریکا''، غیر مطبوعہ رسالہ، اردن/عمان، جامعہ اردنیہ، ۲۰۰۱ء۔
- قرافی، احمد بن ادریس، ''الإحکام فی تمییز الفتاوی عن الأحکام وتصرفات القاضی والإمام'' تحقیق: علماء کی ایک تعداد، قاہرہ، المکتب الثقافی للنشر والتوزیع، طبعۃ الازہر، تحقیق: ابوبکر، عبدالرزاق، ط:۱، ۱۹۸۹ء۔
- قرافی، احمد بن ادریس، ''الإحکام فی تمییز الفتاوی عن الأحکام وتصرفات القاضی والإمام''، تحقیق: عبدالفتاح ابوغدہ، بیروت، دار البشائر ۱۹۹۵ء۔
- قرافی، احمد بن ادریس، ''الفروق'' (أنوار البروق فی أنواء الفروق)، مصر، مطبعۃ دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۳۴۴ھ۔
- قرافی، احمد بن ادریس، ''شرح تنقیح الفصول''، تحقیق: طہ عبدالرؤوف سعد، قاہرہ، مکتبہ الکلیات الازہریہ، ۱۹۹۳ء۔
- قرضاوی، یوسف، ''الحل الاسلامی فریضۃ وضرورۃ''، بیروت، مؤسسۃ الرسالہ،

۱۹۷۴ء۔
- قرضاوی، یوسف، العبادۃ فی الاسلام''، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، ۱۹۸۵ء۔
- قرضاوی، یوسف، ''فی فقہ الاقلیات المسلمۃ: حیاۃ المسلمین وسط المجتمعات الاخری''، قاہرہ، دارالشروق، ۲۰۰۱ء۔
- قرضاوی، یوسف، ''مدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیۃ''، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، ط: ۳، ۱۹۹۷ء۔
- قرطبی، احمد بن احمد بن ابی بکر، ''الجامع لأحکام القرآن''، قاہرہ، طبعۃ دارالکتب المصریۃ، ودارالکاتب العربی للطباعۃ والنشر، ۱۹۶۷ء۔
- قطب، سید، ''خصائص التصور الاسلامی''، بیروت دارالقرآن الکریم، ۱۹۷۸ء۔
- قطب، سید، ''فی ظلال القرآن''، قاہرہ، داراحیاء التراث العربی، ۱۹۷۱ء۔
- کاسانی، علاء الدین، ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع''، قاہرہ، الجمالیۃ، ۱۳۲۸ھ۔
- کیلانی، عبدالرحمٰن، ''قواعد المقاصد عند الإمام الشاطبی: عرضاً ودراسۃ وتحلیلاً، دمشق، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، دارالفکر، ط: ۱، ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء۔
- متقی ہندی، علی بن حسام الدین، ''منتخب کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء۔
- محقق محلی، ''المختصر النافع فی فقہ الإمامیۃ، عراق، مطبعۃ النجف الاشرف، ۱۳۸۳ھ۔
- مدکور، ابراہیم، ''الفلسفۃ الإسلامیۃ: منہج وتطبیق''، قاہرہ، دارالمعارف، ط: ۳، ۱۹۷۶ء۔
- مسیری، عبدالوہاب، ''إشکالیۃ التحیز رؤیۃ معرفیۃ ودعوۃ للاجتہاد''، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ط: ۲، ۱۹۹۶ء۔
- مسیری، عبدالوہاب، ''قضیۃ المرأۃ بین التحریر والتمرکز حول الأنثی''، قاہرہ، نہضۃ مصر، ۱۹۹۹ء۔

- مسیری، عبد الوہاب، ''موسوعۃ الیہود والیہودیۃ والصہیونیۃ''، قاہرہ، دار الشروق، ۱۹۹۹ء۔
- مقدسی، ابن قدامہ، ''المغنی''، قاہرہ، ادارۃ المنار، ۱۳۶۷ھ۔
- میلاد، زکی، الجامع والجماعۃ والجامعۃ، ہیرنڈن: المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ط:۱، ۱۹۹۸ء۔
- میلاد، زکی، ''الفکر الاسلامی بین التجدید والأصالۃ''، بیروت، دار الصحوۃ، ۱۹۹۴ء۔
- ناصف، منصور علی ''التاج الجامع للأصول فی أحادیث الرسول -صلی اللہ علیہ وسلم-''، قاہرہ، مطبعۃ عیسی حلبی (د.ت.)۔
- نجار، عبد المجید، ''خلافۃ الإنسان بین الوحی والعقل''، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ط:۱، ۱۹۹۳ء۔
- نجار، عبد المجید، ''دور حریۃ الرأی فی الوحدۃ الفکریۃ بین المسلمین''، ہیرنڈن، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، ط:۱، ۱۹۹۱ء۔
- نجار، عبد المجید، ''فصول فی الفکر الاسلامی بالمغرب''، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۲ء۔
- نجار، عبد المجید، ''فی المنہج التطبیقی للشریعۃ الاسلامیۃ: تنزیلاً علی الواقع الراہن''، ابوظبی، جامعۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ، ۱۹۹۰ء۔
- نجار، عبد المجید، ''فی فقہ التدین فہما وتنزیلاً''، کتاب الامۃ، قطر، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۴۱۰ھ۔
- ندوی، ابو الحسن، ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین''، کویت، دار القلم، ۱۹۹۴ء۔
- نووی، یحی بن شرف، روضۃ الطالبین، بیروت، المکتبۃ الاسلامیہ (د.ت.)۔

- نووی، یحی بن شرف، ''صحیح مسلم بشرح النووی''، بیروت، دار المعرفۃ، ۱۹۹۴ء۔
- ہاشم، مازن موفق، ''أمریکا بلد المتناقضات''، دمشق، دار الفکر، ۲۰۰۷ء۔
- ہرسون، مایکل، ودیگر، العقد العربی القادم: المستقبلات البدیلۃ''، بیروت، مرکز دراسات الوحدۃ العربیۃ''، ط:۱، ۱۹۸۶ء۔
- ونشریسی، ابوالعباس احمد بن یحی، المعیار المعرب والجامع المغرب عن فتاوی أہل إفریقیۃ والأندلس والمغرب''، تحقیق: محمد حجی کی نگرانی میں علماء کی ایک جماعت، رباط، وزارت اوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۹۸۱ء۔
- یفوت، سالم، ابن حزم والفکر الفلسفی بالمغرب والأندلس، الدار البیضاء، المرکز الثقافی العربی، ۱۹۸۶ء۔
- یفوت، سالم، حضریات المعرفۃ العربیۃ الاسلامیۃ: التعلیل الفقہی، بیروت، دار الطلیعۃ ۱۹۹۰ء۔

غیر عربی مراجع:

- Abd al Ati, Hummudah. The family structure in Islam. Maryland: American Trust Publications, 1977.
- Abdal-Rehim, Abdl-Rahman Abdal-Rehim. "The Family and Gender Laws in Egypt During the Ottman Period". In Women, the Family ,and Divorce Laws in Islamic History. Edited by Amira El Azhary Sonbol, 98-110. Syracuse, New York: Syracuse University Press, 1996.

- Abou El Fadl, Khaled. Speaking in God's Name: Islamic Law, Authority and Women. Oxford: One world Press, 2001.
- Abudabbeh, Nuha, and Margaret Nydell. "Transcultural Counseling and Arab Americans". In Transcultural Counseling: Bilateral and International Perspectives, edited by John McFadden, 261-284. Alexandria, VA: American Counseling Association, 1993.
- Abugideiri, S., and Z. Alwani. What Islam says about Domestic Violence. Herndon, VA:FAITH,2008.
- Afary, Janet .Feminism and the Challenge of Muslim Fundamentalism. In Spoils of War: Women of color, cultures and revolutions. 83-100. Rowman and Littlefield, 1997.
- Afkami ,Mahnaz, ed. Faith and Freedom: Women's Human Rights in the Muslim World. Syracuse: University Press, 1995.
- Aguirre, Adal berto and Jonthan Turner. American Ethnicity: The Dynamics and Consequences of Discrimination. Boston: McGraw-Hill, 2004.

- Ahmed, Leila.Women and Gender in Islam: Historical Roots of a Modern Debate, New Haven:Yale University Press, 1992.
- Ahmed, Mumtaz, ed.State, Politics, and Islam. Indian lapolis: American Trust Publications,1986.
- Al Faruqi, Ismail Raji. Al Tawhid: Its Implications for Thought and Life. 2nd ed. Herndon, VA: International Institute of IslamicThought,1992.
- Al-Alwani, Taha.Towards a Fiqh for Minorities: Some basic Reflections. Translation: Ashur A.Shamis.London, Washington: The International Institute of Islamic Thought, 2003.
- al-Hibri, Azizah. "Muslim Women's Rights in the Global Village: Challenges and Opportunities". The Journal of Law and Religion, 15 (1/2), (2000-2001) Saint Paul, MN: Hamline University School of Law.
- Alwani, Zainab. "The Qur'anic Model for Harmony in Family Relations". In Change from Within: Diverse Perspectives on Domestic Violence in Muslim Communities ,edited by Maha B. Alkhateeb and Salma

Elkadi Abugideiri, 33-64. VA: Peaceful Families Project, 2007.

- Amato, P.R., D. R. Johnson, A. Booth, and S. L. Rogers. Continuity and change in marital quality between 1980 and 2000". Journal of Marriage and Family 65, (2003): 1-22.
- Amato, Paul R. "Tension Between Institutional and Individual Views of Marriage". Journal of Marriage and Family 66, (November, 2004): 959-965.
- Ask, K., and Marit Tjomsland. Women and Islamization: Contemporary Dimensions of Discourse on Gender Relations. Oxford: Berg Press, 1998.
- Aswad, Barbara and Nancy Adadow Gray, eds. "Challenges to the Arab-American Family and ACCESS (Arab Community Center for Economic and Social Services). In Family and Gender and American Muslims: Issues Facing Middle Eastern Immigrants and Their Descendants. Philadelphia: Temple University Press,1996.
- Aswad, Barbara, and Barbara Bilge, eds. Family and

Gender among American Muslims: Issues Facing Middle Eastern Immigrants and their Descendants. Philadelphia: Temple University Press, 1996.

- Auda, Jasser.Maqasid Al-Shariah as Philosophy of Islamic law: a Systems Approach. London, Washington: The International Institute of Islamic Thought, 2008.
- Awad, Abed. "Family Law: Court Enforces Mahr Provision in Muslim Marriage Contract". New Jersey Law Journal. (September 9, 2002). VOl. CLXIX-NO11-INDEX 1050.
- Bakhtiar, Laleh. Sufi Women of America, Angels in the Making. Chicago: Institute of Traditional Psychoethics and Guidance, 1996.
- Banks, Michael. The Inter-Paradigm Debate. In International Relation: A Hand book of Current Theory, Edited by Margot Light and A. J. R. Groom, Colorado: Lynne Rienner Pub. INC., 1985.
- Barazangi, Nimat. "Parents and Youth: Perceiving and Practicing Islam in North America". In Family and

Gender among American Muslims, edited by Barbara Aswad and Barbara Bilge, 129-142. Philadelphia: Temple University Press, 1996.

- Barnett, Ola, Cindy Miller-Perrin, and Robin D. Perrin. Family Violence Across the Lifespan. Thousand Oaks, CA: Sage Publications: 1997.
- Benhabib, Seyla and Drucilla Cornell, eds. Feminism as Critique. Minneapolis: University of Minnesota Press,1987.
- Benhabib ,Seyla, Judith Butler, Drucilla Cornell, and Nancy Fraser. Feminist Contentions: A Philosophical Exchange. New York: Routledge, 1995.
- Bodman, Herbert, and Nayereh Tohidi. Women in Muslim Societies: diversity with in unity. Boulder: Lynne Reinner, 1998.
- Bowen, Donna Lee, "Abortion, Islam and the 1994 Cairo Population Conference". International Journal of Middle East Studies, 29, no.2 (1997): 161-184.
- Brundage, James A. Law, Sex, and Christian Society in Medieval Europe. Chicago: University of Chicago

Press, 1987.

- Buikema, Rosemarie. Windows in a Round House: Feminist Theory. In Women's Studies and Culture :A Feminist introduction. Edited by Rose marie Buikema and Anneke Smelik, 3-13. London: Zed Books, 1995.
- Burgess, E.W., H. J. Locke, and M. M.Thomas.The family: From institution to companionship, 3rd ed. New York: American Book, 1963.
- Burgess, Ernest W., and Leonard S. Cottrell. Predicting Successor Failure in Marriage. New York: Prentice Hall, 1939.
- Burguiere, Andre, Christiane Klapisch-Zuber, Martine Segalen and Francoise Zonaben, ed. A History of the Family. Cambridg, Massachusetts: Harvard University Press, 1996.
- Burton, Antoinette. Burdens of History: British Feminists, Indian Women and Imperial Culture 1865-1915. Chapel Hill, NC: The University of North Carolina Press, 1994.
- Cherlin, Andrew J. "Deinstitutionalization of American

Marriage". Journal of Marriage and family 66, 4 (November 2004): 848-861.

- Clark, Homer H. The Law of Domestic Relations in the United States, 2nd ed. St. Paul: West Publishing,1988.
- Coontz, Stephanie. "The World Historical Transformation of Marriage". Journal of Marriage and Family, 66, 4 (November, 2004): 974-979.
- Crowell, N. and W. Burgess. Understanding Violence Against Women. Washington, D.C.: National Academy Press. 1996.
- Delorenzo, Yusuf Talal. "The Fiqh Councilor in North America". In Muslims on the Americanization Path?. Edited by Yvonne Haddad, and John Esposito, 65-86. New York: Oxford University Press, 1998.
- Doumato, Eleanor Abdella. Getting God's Ear: Women, Islam and Healing in Saudi Arabia and the Gulf. New York: The Columbia University Press, 2000.
- Duran, Jane.Toward a Feminist Episte mology. USA: Row man and Little field Publishers,1990.
- El Guindi, Fadwa. Veil: Modesty, Privacy and

Resistance. Oxford, New York: Berg Publishers, 1999.

- El Saadawi, Nawal. The Hidden Face of Eve: Women in the Arab World. Boston: Beacon Press,1980.
- Elon, Menachem, ed. Principles of Jewish Law. Jerusalem: Encyclopaedia Judaica, 1975.
- Etzioni, Amitai. "Universal Declaration of Human Responsibilities". The Responsive Community. Spring issue, 1998.
- Fedel, Mohammad. "Two Women, One Man: Knowledge, Power and Gender in Medieval Sunni Legal Thought ". IJMES 29, no. 2, (1997): 185-204.
- Fernea, Elizabeth, and Basima Bezirgan. Middle Eastern Muslim Women Speak. Austin: University of Texas Press,1977.
- Fraser, Nancy .From Redistribution to Recognition? Dilemmas of Justice in a 'Post-Socialist' Age. In Feminism and Politics, edited by Nancy Fraser, 430-460. New York: Oxford University Press, 1998.
- Fraser, Nancy. Unruly Practices. Minneapolis: University of Minnesota Press, 1989.

- Gelareh, Asayesh. Saffron Sky: A Life between Iran and America. Boston: Beacon Press, 1999.
- Glendon, Mary Ann. The Transformation of Family Law in the United States and Western Europe. Chicago: University of Chicago Press, 1989.
- Gurr, T. R. Minorities at Risk: A Global View of Ethnopolitical Conflicts. Washington, D.C: Institute of Peace Press,1993.
- Haddad, Yvonne, and Adair Lummis. Islamic Values in the United States. New York: Oxford University Press, 1987.
- Haddad, Yvonne .A century of Islam in America. Occasional paper no. 4, Washington, D.C.: Islamic Affairs Program,1987.
- Hatem, Mervat. "Modernization, the State, and the Family in Middle East Women's Studies". In Social History of Women and Gender in the Modern Middle East, edited by Margaret Meri wether and Judith Tucker, 63-87. Boulder, Colo: Westview, 1999.
- Hussein, Aamer ed. Hoops of Fire: Fifty Years of

Fiction by Pakistani Women. Saqi Books, 1999.

- Huston, Ted L., and Heidi Melz. "The case for Promoting Marriage: the Devie is in the details". Journal of Marriage and Family, 66, no. 4, November (2004): 943-958.
- Jacob, Herbert .Silent Revolution: The Transformation of Divorce Law in the United States. Chicago, University of Chicago Press, 1988.
- Jawad, Haifaa. The Rights of Women in Islam: an Authentic Approach. London: MacMillan, 1998.
- Jennings, R. C. "Women in Early Seventeenth Century Ottoman Judicial Records: the Sharia Court of Anatolian Kayseri". Journal of the Economic and Social History of the Orient, 18 (1975): 87-89.
- Kandiyoti, Deniz. Contemporary Feminist Scholarship and Middle East Studies.In Gendering the Middle East: Emerging Perspectives, edited by Deniz Kandiyoti. Syracuse, NY: Syracuse University Press, 1996.
- Khan, Shahnaz. Muslim Women: Crafting a North American Identity. Gainesville: University Press of

Florida, 2000.

- Krause, Harry. Family Law in a Nut shell. St. Paul: West Publishing, 1995.
- Kurdek, Lawrence A. "Are Gay and Lesbian Cohabiting Couples Really Different from Heterosexual Married Couples?" Journal of Marriage and Family, 66, 4 (November, 2004): 880-900.
- Landes, Joan B. Women and the Public Sphere in the Age of the French Revolution. Ithaca: Cornell University Press,1988.
- Lois Lamya, Al-faruqi.Women, Muslim Society and Islam. Plain field, IN: American Trust Publications, 1988.
- Lorde, Audre, and Adrienne Rich, "An Interview with Audre Lorde." Journal of Women in Culture and Society 6, no. 4 (Summer 1981): 713-736.
- Lorde, Audre. "Poems Are Not Luxuries". Chrysalis: A Magazine of Female Culture, no.3 (1977): 7-9.
- Marsot, Afaf Lutfi al-Sayyid. "Women and Modernization: A Reevaluation". In Women, the Family,

and Divorce Laws in Islamic History. Edited by Amira El Azhary Sonbol, 39-51. Syracuse, New York: Syracuse University Press, 1996.

- Marsot, Afaf Lutfi al-Sayyid. Egypt's Liberal Experiment, 1922-1936. Berkeley: University of California Press,1977.
- Mc Cloud, Aminah Beverly. African American Islam, New York: Routledge, 1995.
- Mernissi, Fatima.The Veil and the Male Elite: a Feminist Interpretation of Women‘s Rights in Islam. New York: Addison-Wesley, 1991.
- Nash,Gary, Julie Roy Jeffrey, John R. Howe, Peter J. Frederick, Allen F. Davis, and Allan M. Winkler. The American People. New York: Harper and Row Publishers, 1986.
- Nashat, Guity, and Judith Tucker. Women in the Middle East and North Africa. Series: Restoring Women to History. Bloomington, IN: Indiana University Press, 1998.
- Nyang, Sulaymans. Islam in the United States of

America, Chicago: ABC International Group, Inc.1999.

- Okin, Susan Moller. Justice, Gender, and the Family. New York: Basic Books, 1989.
- Pateman, Carole. "The Patriarchal Welfare State". In Feminism: the Public and the Private, Edited by Joan B. Landes, (241-276). Oxford, New York: Oxford University Press, 1998.
- Phillips, Anne. Engendering Democracy. University Park, PA: The Pennsylvania State University Press, 1991.
- Phillips, Anne.The Politics of Presence. New York: Oxford University Press, 1995.
- Regan, Milton C. Family Law and the Pursuit of Intimacy. New York: New York University Press, 1993.
- Riguax, Francois. "Same-Gender Marriage: A European View." Journal of Family History 28, (2003): 199-207.
- Roald, Anne Sofie. Women in Islam: the Western Experience, London: Routledge, 2001.
- Scanzoni, Letha, and John Scanzoni.Men,Women and

Change. New York: McGraw HHIIBook Co.,1976.

- Schneider, Carl E. "Moral Discourse and the Transformation of American Family Law". Michigan Law Review 83, (1985): 1803-79.
- Scott, Joan Wallach. Gender and the Politics of History. New York: Columbia University Press, 1988.
- Seltzer, Judith A. "Cohabitation in the United States and Britain: Demography, Kinship, and the Future. Journal of Marriage and family 66 (November 2004): 921-928.
- Benard, Cheryl. Civil Democratic Islam: Partners, Resources, and Strategies. Santa Monica, CA: RAND Corporation, 2004. http://www. rand. org/ pubs/ monograph reports/MR1716.
- Shaham, Ron. "Statte, Feminists and Islamists: The Debate over Stipulations in Marriage Contracts in Egypt. Bulletin of the School of Oriental and African Studies. 62:3 (1999): 462-483.
- Benard, Cheryl. Civil Democratic Islam: Partners, Resources, and Strategies. Santa Monica, CA: RAND

Corporation, 2004 .http://www. rand.org/ pubs/ monograph_reports/ MR1716.

- Tignor, Robert L. Modernization and British Colonial Rule in Egypt, 1882-1914, Princeton: Princeton University Press,1966.
- Tong, Rosemarie.Feminist Thought: A comprehensive Introduction. San Francisco: West view Press,1989.
- Wadud, Amina. "Rights and roles of women". In Islam in Transition: Muslim Perspectives. Edited by J. J. Donohue and J. L. Esposito, 162-166. Oxford: Oxford University Press, 2006.
- Wadud, Amina. Qur'an and Woman. Kuala Lumpur: Penerbit Fajar Bakti, 1994.
- Walbridge, Linda. "Sex and the Single Shi`ite: Mut`a Marriage in an American Lebanese Shi`ite Community. In Family and Gender among American Muslims, Edited by Barbara Aswad and Barbara Bilge, 143-154. Philadelphia: Temple University Press, 1996.
- Wallace, Harvey. Family Violence: Legal, Medical, and Social Perspectives. (3rd Ed.) Boston: Altyn and

Bacon, 2002.

- Wardle, Lynn D. "No-Fault Divorce and the Divorce Conundrum". Brigham Young University Law Review 1. (1991): 79-142.
- Waugh, Earle H., Sharon Mclrvin Abu-Laban, and Regula Burckhardt Qureshi, eds. Muslim Families in North America. Edmonton: University of Alberta Press, 1991.
- Wollstone craft, Mary. A Vindication of the Rights of Woman. New York: Penguin, 1792.
- Zeini, Marwa. A Legal Guide to Marriage and Divorce for the American Muslim Woman. VA: Peaceful Families Project, 2007.

☆☆☆

اشاریہ

(الف):

الاجتہاد المقاصدی:	(اجتہادی مقاصد)
الإحسان:	(پاکدامنی)
الأحوال الشخصیۃ:	(پرسنل لا)
الاختلاط:	(اختلاط)
الاختلاف:	(اختلاف)
الاستقلال الاقتصادی:	معاشی خودمختاری)
الأسرۃ التقلیدیۃ:	(روایتی خاندان)
الأسرۃ الممتدۃ:	(مشترکہ خاندان)
الاسرۃ النوویۃ:	(نیوکلیر خاندان)
الإشکالیات الاجتماعیۃ:	(سماجی مسائل)
آصرۃ النسب:	(نسبتی رشتہ)
اعتبار المصلحۃ:	(مصلحت کا لحاظ)
الأقلیات المسلمۃ:	(مسلم اقلیات)

(ب):

بنیۃ الأسرۃ:	(خاندانی ڈھانچہ)

(ت):

التحديات الخارجية: (بیرونی چیلنجز)

التحسينات: (تحسینیات)

التربية الجنسية: (جنسی تربیت)

التسريح بإحسان: (بہتر طریقہ سے آزاد کر دینا)

تعدد الزوجات: (تعدد ازدواج)

التعصب الديني: (مذہبی تعصب)

تفعيل المقاصد: (مقاصد کو مؤثر بنانا)

التكامل الوظيفي: (فرائض پر مبنی تکامل)

التلاعب بعقود الزواج: (عقد نکاح سے کھلواڑ)

التنشئة: (پرورش کرنا)

تنظيم العلاقة بين الجنسين: (دونوں صنفوں کے درمیان تعلق کو منظّم کرنا)

توثيق العقود: (عقود و معاملات کو مستحکم کرنا)

(ج):

الجالية المسلمة: (مسلم گروپ)

(ح):

الحاجيات: (حاجیات)

حالة المرأة النفسية: (خاتون کی نفسیاتی حالت)

الحجاب: (پردہ)

الحركات النسوية:	(نسوانی تحریکات)
حركات تحرير المرأة:	(عورت کی آزادی کی تحریکات)
الحرية الفردية:	(انفرادی آزادی)
الحضارة الإسلامية:	(اسلامی تہذیب)
الحضانة:	(پرورش)
حفظ الدين:	(دین ومذہب کا تحفظ)
حفظ النسب:	(نسب کا تحفظ)
حفظ النسل:	(نسل کا تحفظ)
حماية الأسرة:	(خاندان کا تحفظ)

(د):

الدرجة:	(درجہ)

(ز):

الزواج:	(شادی وبیاہ)
الزواج التقليدي:	(روایتی شادی)
الزواج الشرعي:	(شرعی نکاح)
الزواج بالكتابية:	(کتابیہ خاتون سے نکاح)
الزواج من الكتابية:	(کتابیہ خاتون سے شادی)

(س):

السكن:	(رہائش گاہ)
السكن النفسي والعاطفي:	(نفسیاتی وجذباتی سکون واطمنان)

(**ص**):

صراع الأجيال:	(نسلوں کی کشمکش)
الصهر:	(سسر)
صياغة العقود:	(عقود ومعاہدات کی تشکیل)

(**ض**):

الضرورات:	(ضرورتیں)
الضروريات:	(ضروریات)

(**ط**):

الطلاق:	(طلاق)

(**ع**):

العالم	(عالم)
العصمة	(عصمت)
عقد الزواج	(عقد نکاح)
العلاقات المثلية	(ہم جنس پرستی کے تعلقات)
علاقات جنسية بديلة	(متبادل جنسی تعلقات)
علاقة الرجل بالمرأة	(خاتون کے ساتھ مرد کا تعلق)
العلاقة الزوجية	(ازدواجی تعلق)
العلاقة بين الجنسين	(دونوں صنفوں کے درمیان تعلق
العنف الأسري	(خاندانی تشدد)

(غ):

غیاب الزوج	(شوہر کا موجود نہ رہنا)

(ف):

فقہ الأقلیات	(فقہ اقلیات)
فقہ المقاصد	(فقہ مقاصد)
فقہ الواقع	(صورت حال کی سمجھ بوجھ)
الفقہاء المعاصرین	(معاصر فقہاء)

(ق):

قانون العائلۃ	(خاندان سے متعلق قانون)
القوامۃ	(قوامہ پہ گھر کے اخراجات کی ذمہ داری)
القیم الأسریۃ	(خاندانی اقدار)

(م):

مآلات الأفعال	(انجام کار)
المجتمعات الغربیۃ	(مغربی معاشرے)
المجلس الفقہی	(فقہی مجلس)
المحارم	(محارم)
المحاکم الأمریکیۃ	(امریکی عدالتیں)
المحکمۃ الأمریکیۃ	(امریکی عدالت)
المصاہرۃ	(مصاہرت: سسرالی رشتہ)

مقاصدالأسرة	(خاندان کے مقاصد)
المقاصدالأسریة	(خاندانی مقاصد)
مقاصدالشریعة	(مقاصدشریعت)
المهر	(مہر)

(ن):

النسب	(نسب)
النظرةالدونیةللمرأة	(خاتون کوحقارت کی نگاہ سے دیکھنا)
النفقة	(نان ونفقہ)
النکاح	(نکاح)
نکاح	(نکاح)
النوازل	(نئے واقعات ومسائل)

(ہ):

ہیکلیةالأسرة	(خاندانی ڈھانچہ)

(و):

الولایاتالمتحدةالأمریکیة	(ریاستہائے متحدہ امریکہ)

☆☆☆